مقاصد شریعت

تعارف اور تطبیق



ایفا پبلیکیشنز



مقاصد شریعت

تعارف اور تطبیق

ایفا پبلی کیشنز

نام کتاب : مقاصد شریعت - تعارف اور تطبیق

صفحات : ۵۲۱

اشاعت (اول) : جنوری ۲۰۱۰ء

قیمت :

کمپیوٹر کتابت : محمد خالد

اس کتاب میں مذکور تمام آراء سے اکیڈمی کا اتفاق ضروری نہیں ہے

ناشر

ایفا پبلی کیشنز

۱۶۱-ایف، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

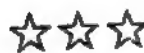
ای میل: ifapublication@hotmail.com

فہرست

مقاصد شریعت ورکشاپ
ضرورت اور عصری معنویت

چھٹا باب

مقاصد شریعت - چند نئی کتابیں ایک جامع تعارف



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

شریعت اسلامی انسان کے لئے اللہ تعالی کا بھیجا ہوا نظام حیات ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ خالق اپنی مخلوق کی ضرورتوں اور صلاحیتوں سے جس قدر باخبر ہوسکتا ہے کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح انسان کے نفع وضرر اور مصالح و مفاسد سے خدائے بصیر وخبیر جس قدر آگاہ ہے، خود انسان بھی نہیں۔ اس لئے شریعت صرف آخرت کی فلاح کا ذریعہ ہی نہیں ہے، بلکہ دنیا میں بھی انسان کے لئے راحت وفلاح کا باعث اور اس کے مفادات اور مصالح کا محافظ ہے۔

اسی لئے کتاب وسنت میں جو احکام آئے ہیں وہ کسی نہ کسی مصلحت اور مقصد پر مبنی ہیں، شریعت کا کوئی حکم مقصدیت سے خالی اور مصلحت سے عاری نہیں ہوسکتا۔ کچھ مقاصد عمومی نوعیت کے ہیں، جو پوری شریعت اسلامی کے لئے اساس و بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور غور کیجئے تو یہ انسانی زندگی کی تمام ضرورتوں اور مصلحتوں کو جامع بھی ہیں، یعنی دین کی حفاظت، جان کی حفاظت، نسل کی حفاظت، مال اور عقل کی حفاظت۔ انسان اپنی زندگی میں جو بھی بہتر کام کرتا ہے، وہ اسی دائرہ کے اندر ہوتا ہے، اسی لئے اسلامی قانون کے ماہرین نے ان ''مقاصد خمسہ'' کو شریعت کے احکام کی اصل قرار دیا ہے۔ پھر اگر غور کیا جائے تو ہر حکم کے ساتھ جزئی مقاصد اور مصالح بھی وابستہ ہیں۔ نماز خدا کی یاد کو تازہ رکھتی ہے، روزہ سے ضبط نفس کی قوت پیدا ہوتی ہے، زکوۃ سے غریبوں کی مدد ہوتی ہے، نکاح قلب و نگاہ کو عفیف و پاکدامن بناتا ہے، تجارت ضروریات زندگی کی فراہمی کا ذریعہ ہے، سود کی حرمت کا مقصد غریبوں کے استحصال کو روکنا ہے، زنا کی ممانعت کا مقصد معاشرہ کو بے حیائی، بداطواری اور امراض خبیثہ سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہی

حال دوسرے احکام کا ہے، فقہاء نے اجتہاد واستنباط میں ان بنیادی اور جزوی مقاصد ومصالح کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔

پھر ان مقاصد کے دائرہ میں جو احکام آتے ہیں وہ ضرورت واہمیت کے اعتبار سے یکساں درجہ کے حامل نہیں ہیں۔ بعض احکام وہ ہیں جو ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے لازمی اور ضروری ہیں کہ ان کے بغیر اس مقصد کا حصول ہی ممکن نہیں۔ بعض احکام اہمیت کے اعتبار سے ان سے کم درجہ کے ہیں، لیکن اگر ان کی اجازت نہ ہو تو انسان مشقت اور دشواری سے دوچار ہو سکتا ہے۔ کچھ امور اس سے بھی کم اہمیت کے حامل ہیں، اور کمال یا سہولت کے درجہ میں ہیں۔ پہلی قسم کے احکام کو ''ضرورت'' دوسری کو ''حاجت'' اور تیسری قسم کو ''تحسین'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دین، جان و مال، نسل و عقل کی حفاظت احکام شریعت کے مقاصد ہیں، اور ضرورت وحاجت اور تحسین ان احکام کے مدارج ہیں۔

ان مقاصد و مدارج کا فہم تفقہ فی الدین کے لئے روح اور اساس کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کو پیش نظر رکھے بغیر جو رائے قائم کی جائے گی وہ یا تو افراط پر مبنی ہوگی یا تفریط پر۔ اور یا اس میں اباحیت کا رنگ ہوگا یا حرج وتنگی کا۔ اور یہ دونوں ہی باتیں شریعت کے مزاج و مذاق اور اس کے مقصد و منشاء کے خلاف ہیں۔ اس لئے ہر دور میں جو نئے مسائل پیدا ہوں، ان پر غور کرنے، ان کے بارے میں حکم شرعی کو جاننے اور مزاج شریعت سے ہم آہنگ رائے قائم کرنے کے لئے مقاصد احکام اور مدارج احکام پر عمیق نظر اور بصیرت ضروری ہے۔ کیونکہ فقہی جزئیات ہو سکتا ہے کہ ایک خاص عہد کے تقاضوں پر مبنی ہوں، لیکن شریعت کے مقاصد اور مصالح کی حیثیت دائمی اور ابدی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ فقہاء مجتہدین نے ہمیشہ اپنی رائے قائم کرنے میں ان مقاصد کو پیش نظر رکھا ہے، لیکن اس سلسلہ میں اصول وقواعد کی تدوین پر نسبتاً کم توجہ دی گئی ہے۔ ہاں حنفیہ کے یہاں استحسان اور مالکیہ کے یہاں مصالح مرسلہ جیسے فقہی مصادر کے ذیل میں اس موضوع پر

بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔لیکن اسلام کے اصول قانون کے ایک مستقل باب کی حیثیت سے مقاصد شریعت کی تشریح وتنقیح پر شایان شان توجہ نہ ہوسکی۔

بعد کے ادوار میں جب تیز رفتاری کے ساتھ نئے مسائل پیش آنے لگے تو اہل علم نے اس پہلو پر زیادہ توجہ دی، اور خاص طور پر ابواسحاق شاطبیؒ اور علامہ طاہر بن عاشورؒ نے مقاصد شریعت کو اصول فقہ کے ایک مستقل موضوع کی حیثیت اسے پیش کیا، اور اس کے قواعد وضوابط کو بھی مرتب کرنے کی کوشش کی۔موجودہ دور میں تیز رفتار تبدیلیوں کی وجہ سے علماء نے اس موضوع کو اپنی علمی اور فکری کاوشوں کا خاص محور بنایا ہے، اور اس سلسلہ میں المعہد العالمی للفکر الاسلامی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔معہد سے وابستہ اہل علم اور اصحاب قلم کی ان مفید کوششوں کا اعتراف اور اس کی تحسین ضرور کی جانی چاہئے۔

علماء اور ارباب افتاء کے لئے یہ موضوع خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے، اور اسلامک فقہ اکیڈمی نے شروع سے اس بات کی کوشش کی ہے کہ جن اصولی مسائل سے نئے مسائل کا حل متعلق ہو، ان کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے، اور اہل علم کے درمیان ان پر بحث ومناقشہ ہو۔اسی پس منظر میں اکیڈمی نے ایک سمینار میں ''ضرورت وحاجت'' اور ایک میں ''عرف وعادت'' کو بحث وتحقیق کا موضوع بنایا، اور علماء نے ان گہرے اصولی موضوعات پر بصیرت افروز مقالات سپرد قلم کیے۔

چند ماہ پہلے المعہد العالمی للفکر الاسلامی امریکہ نے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سے پیشکش کی کہ مقاصد شریعت کے موضوع پر فقہ کے اساتذہ اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے نوجوان فضلاء کا ایک ورکشاپ رکھا جائے، چنانچہ دسمبر ۲۰۰۱ء کی آخری تاریخوں میں ہمدرد سمینار ہال دہلی میں یہ اہم تربیتی اجتماع منعقد ہوا، اور اس نے حاضرین میں مطالعہ وتحقیق کی ایک نئی امنگ اور غور وفکر کی نئی جہت پیدا کی۔اکیڈمی نے مناسب سمجھا کہ ''فلیبلغ الشاہد الغائب'' کے تحت فکر ونظر کی یہ سوغات ان اصحاب ذوق تک بھی پہنچائی جائے جو اس مجلس میں شریک نہیں

ہو سکے، اور اس طرح اس کی افادیت کے دائرہ کو زیادہ وسیع کیا جائے۔

چنانچہ اکیڈمی کی خواہش پر شعبہ علمی کے رفقاء نے بڑی محنت اور خوش سلیقگی کے ساتھ اس گلدستہ کو ترتیب دیا ہے۔ اجتماع میں متعدد عربی محاضرات اور کچھ اردو خطابات ہوئے تھے۔ مولانا صفدر زبیر ندوی اور مولانا محمد امتیاز قاسمی نے بالترتیب عربی اور اردو محاضرات کو بڑے اہتمام کے ساتھ ٹیپ کی مدد سے نقل کیا۔ پھر مولانا محمد فہیم اختر ندوی اور مولانا ہشام الحق ندوی نے انہیں اردو میں منتقل کیا۔ نیز خطابات کے تقریری اسلوب کو تحریری اسلوب کا قالب عطا کیا گیا۔ اس مجموعہ کی تیاری میں شعبۂ علمی کے رفقاء نے اکیڈمی کے سکریٹری برائے علمی امور حضرت مولانا عتیق احمد صاحب سے اور اس حقیر سے حسب ضرورت مشورے بھی کیے۔ اس طرح یہ مجموعہ کتابی شکل میں اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس مجموعہ میں جہاں مقاصد شریعت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، وہیں اس موضوع پر ہونے والی خدمات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، اور اس کی عملی تطبیق پر بھی مفید تحریریں آ گئی ہیں۔ نیز مقاصد شریعت کے موضوع پر لکھی گئی اہم کتابوں کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح اس موضوع پر اردو زبان میں غالباً پہلی بار ایک جامع تحریر سامنے آ رہی ہے۔ امید ہے کہ اس ورکشاپ میں پیش کی جانے والی تحریروں اور محاضرات کا یہ مجموعہ شوق کے ہاتھوں لیا جائے گا اور مقاصد شریعت کی اہمیت کو واضح کرنے میں مفید و مؤثر ثابت ہوگا۔ و اللہ من وراء القصد وھو الموفق وھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۶/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

۲۷/ اپریل ۲۰۰۴ء

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي شرع الأحكام لمصالح عباده والصلوة والسلام الأتمان الأكملان على خاتم الانبياء والمرسلين الذي كشف النقاب عن مصالح الشرع وأسراره وعلى آل النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه اجمعين .

مجمع الفقہ الاسلامی الہند (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے اپنے ابتداء قیام ہی سے مدارس دینیہ کے طلبہ اور نوجوان فضلاء میں علم وتحقیق کا مزاج پیدا کرنے اور فہم دین نیز تفقہ کا ذوق پروان چڑھانے کو ایک اہم مقصد قرار دیا۔ چنانچہ اکیڈمی کے مقاصد کے تحت اس کے دستور میں درج ذیل دفعات شامل ہیں:

> ''نئے باصلاحیت علماء کی صلاحیت کو علمی وتحقیقی رخ دینا اور ان کی حوصلہ افزائی کر کے علم وتحقیق کا ماحول سازگار کرنا، اور پختہ علمی وتحقیقی ذوق رکھنے والے علماء اور اہل دانش کو ایک مرکز سے وابستہ کرنا۔
>
> مدارس اسلامیہ سے فارغ ہونے والے ذہین اور ذی صلاحیت فضلاء کو ضروری عصری علوم میں، اور یونیورسٹیز سے فارغ ہونے والے ذہین اور باصلاحیت فضلاء کو دینی اور فقہی علوم میں ضروری مہارت پیدا کرنے کے

لئے ضروری انتظام کرنا، تاکہ آنے والی نسلوں میں ایسے علماء وفقہاء تیار ہوسکیں جن کی دسترس ایک طرف اصل سرچشمہ پر ہو، اور دوسری طرف اپنے عہد اور عصر سے پوری طرح آشنا ہوں"۔

اکیڈمی نے اپنے ہر سمینار میں نوجوان علماء اور اصحاب افتاء کی ایک معتد بہ تعداد کو شریک کیا، انہیں مختلف جدید موضوعات کا مطالعہ، ان پر بحث وتحقیق اور تصنیف وتحریر کا موقع فراہم کیا۔ مختصر مدت میں اس کے حیرت انگیز نتائج سامنے آئے، نوجوان علماء اور اصحاب افتاء کی ایک نسل تیار ہوگئی جو علم وتحقیق، تصنیف وتالیف، افتاء وتدریس کے میدانوں میں سرگرم عمل ہے۔ اکیڈمی کے قیام سے پہلے نوجوان علماء کی صفوں میں جو سناٹا محسوس ہوتا تھا وہ ختم ہوا، علم وتحقیق، تفقہ واستنباط کی صفیں آراستہ ہونے لگیں، نئے عصری موضوعات پر کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں حوصلہ مند، باصلاحیت علماء واصحاب افتاء کی باوزن تحریریں بہ کثرت منظر عام پر آنے لگیں، یہ الزام بالکل بے جان ہوکر رہ گیا کہ علماء اور مفتیان کرام نئے حالات، نئے دور کے پر پیچ مسائل سے بالکل بے خبر ہیں۔

مدارس کے منتہی طلبہ کی تربیت اور انہیں جدید موضوعات پر ضروری معلومات فراہم کرنے کے لئے اکیڈمی نے تربیتی کیمپس منعقد کئے جن میں علوم اسلامیہ کے اہم موضوعات کے ساتھ عصری موضوعات اور جدید علوم (معاشیات، سیاسیات، سماجیات وغیرہ) پر محاضرات کا نظم کیا گیا، یہ تربیتی کیمپس بڑے مفید اور فکر انگیز ثابت ہوئے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بانی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی دیرینہ خواہش تھی کہ مدارس کے ذہین وحوصلہ مند نوجوان فضلاء جو تدریس وتحقیق، تصنیف وافتاء کے کاموں سے جڑے ہوئے ہیں ان کی فکر وصلاحیت میں جلا پیدا کرنے اور انہیں علمی اور فکری طور پر استواری بخشنے کے لئے بھی الگ الگ موضوعات پر تربیتی کیمپس اور ورکشاپ منعقد کئے جائیں، جن میں ان موضوعات پر پُر مغز اور فکر انگیز لکچرس کا نظم کیا جائے۔ لکچرس کے بعد نوجوان فضلاء کو

موضوع پر سوالات کرنے اور بحث ومناقشہ کرنے کا موقع دیا جائے، تاکہ موضوع کے تمام گوشے زیادہ نکھر کر سامنے آسکیں اور انہیں بحث وتحقیق کی نئی راہیں ملیں۔

حضرت بانی اکیڈمی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کا یہ خواب اس طرح شرمندہ تعبیر ہوا کہ مؤرخہ ۲۱ر تا ۲۵ دسمبر ۲۰۰۳ء کو جامعہ ہمدرد میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) اور المعہد العالمی للفکر الاسلامی امریکہ کے تعاون واشتراک سے مقاصد شریعت پر ایک ورکشاپ منعقد کیا گیا، جس میں مدارس کے نوجوان اور جوان منتخب فضلاء کو جنہیں فقہ وافتاء سے خاص مناسبت ہے اور جو عملاً تحقیق وتصنیف، تدریس وافتاء کے کاموں سے جڑے ہوئے ہیں، شرکت کی دعوت دی گئی، مقاصد شریعت کے موضوع پر ان کے پاس متعدد اہم کتابیں پہلے سے بھیج دی گئیں تاکہ وہ حضرات موضوع پر پوری تیاری کے ساتھ ورکشاپ میں شریک ہوں، لکچرس سے پورا فائدہ اٹھا سکیں اور بحث ومذاکرہ میں بھرپور حصہ لے سکیں۔

الحمد للہ مقاصد شریعت کے موضوع پر یہ ورکشاپ بڑی کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا۔ شرکاء نے پوری دلچسپی اور تیاری کے ساتھ ورکشاپ کی تمام نشستوں میں حصہ لیا، اس ورکشاپ میں پیش کیے گئے زبانی وتحریری محاضرات (لکچرس) اور مباحثات ومناقشات کا یہ مجموعہ کتابی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اس مجموعہ کی تیاری میں اکیڈمی کے رفقاء اور کارکنوں نے بڑی مستعدی اور جانفشانی سے کام کیا ہے، زبانی محاضرات کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے تحریری شکل دینا، سوالات اور جوابات کو نوٹ کرنا اور عربی زبان کے محاضرات کا اردو میں ترجمہ کرنا، یہ سب مشکل مراحل تھے، جنہیں اکیڈمی کے رفقاء اور کارکنوں نے بڑی سلیقہ مندی اور مہارت سے طے کیا ہے۔ اللہ تعالی ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

یہ مجموعہ میری معلومات کی حد تک مقاصد شریعت جیسے اہم ترین موضوع پر اردو زبان میں سب سے پہلی کتاب ہے، امید ہے کہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا، خصوصاً مدارس کے منتہی

طلبہ، نوجوان فضلاء اور اسلامیات کا ذوق رکھنے والے اہل علم وفکر کو اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔
اللہ تعالیٰ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی اس کوشش کو قبولیت سے نوازے اور اس طرح کے مزید کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا عتیق احمد بستوی

سکریٹری برائے علمی امور (اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

۱۵؍مئی ۲۰۰۴ء

رپورتاژ:

مقاصد شریعت ورکشاپ

موجودہ حالات کے تناظر میں

مولانا محمد فہیم اختر ندوی

ہندوستان میں اپنی نوعیت کے منفرد ورکشاپ کا انعقاد کرتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے فقہی تربیت کے ایک نئے سلسلہ کا آغاز کیا، شہر دہلی کے باوقار و پرسکون جامعہ ہمدرد کے احاطہ میں مؤرخہ ۲۶/شوال تا یکم ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ، مطابق ۲۱/تا ۲۵ دسمبر ۲۰۰۳ء کے دوران منعقد ہونے والے اس فقہی ورکشاپ میں ملک کے مختلف دینی مدارس، مختلف علاقوں اور تحقیقی اداروں سے تقریباً چالیس فضلاء شریک ہوئے جو نہ صرف علمی و تحقیق تدریس سے جڑے ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے مقاصد شریعت کے موضوع پر اکیڈمی کی فراہم کردہ متعدد اہم کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ اس میں دار العلوم دیوبند وقف، ندوۃ العلماء لکھنؤ، المعہد العالی امارت شرعیہ پٹنہ، سبیل السلام اور دار العلوم حیدرآباد، جامعۃ الہدایہ جے پور، المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، مظہر العلوم بنارس، دار العلوم اسلامیہ بستی، معہد ملت مالیگاؤں، جامعہ سید احمد شہید، اشاعت العلوم کانپور، ضیاء العلوم رائے بریلی، دار العلوم امدادیہ بمبئی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

وغیرہ مشہور اداروں کے علاوہ آندھرا پردیش، بہار، اتر پردیش، مہاراشٹر اور راجستھان وغیرہ کئی صوبوں کی نمائندگی تھی۔

پانچ دنوں تک صبح سے دوپہر اور شام سے دیر رات تک پوری دلچسپی اور علمی نشاط کے ساتھ چلنے والے اس پروگرام میں ملک کے متعدد اصحاب تحقیق علماء کے علاوہ بیرون ملک سے مقاصد شریعت اور فقہ الاقلیات کے موضوع پر اختصاص رکھنے والے عالم دین جناب ڈاکٹر صلاح الدین عبد الحلیم سلطان نے شرکت فرمائی، اندرون ملک سے تشریف لانے والوں میں اکیڈمی کے نائب صدر حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، جنرل سکریٹری حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، سکریٹری علمی امور حضرت مولانا عتیق احمد بستوی کے علاوہ اکیڈمی کے سرپرست و آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا واضح رشید ندوی، حضرت مولانا محمد اجتبا ندوی، حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ پٹنہ، حضرت مولانا سید جلال الدین عمری، حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی نیز جناب عبد الرحیم قریشی اور جناب مولانا ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی وغیرہ نے اپنے خطابات، محاضرات اور فکر انگیز کلمات ارشاد فرمائے۔

اس ورکشاپ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مقاصد شریعت کے صرف ایک ایسے اہم موضوع کو عنوان گفتگو بنایا گیا تھا جو اسلامی شریعت کے تمام احکام میں جاری وساری روح ہے، جسے سب سے زیادہ اسلام کے قافلہ اولین حضرات صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین بالخصوص فقہاء احناف نے استنباط احکام و قانون سازی میں وسیع پیمانہ پر پیش نظر رکھا۔ اور جس موضوع سے گہری واقفیت جدید مسائل کے حل کے لئے ایک لازمی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ مقاصد شریعت پر سند کی حیثیت رکھنے والی شخصیت علامہ ابو اسحاق شاطبی صاحب الموافقات کے مطابق کسی بھی اجتہادی عمل میں اس علم سے واقفیت اصل کا درجہ رکھتی ہے اور دیگر تمام علوم سے واقفیت اس اصل کی خادم ہے۔ ایسے اہم موضوع پر محاضرات مناقشے اور بہتر تفہیم

کے لئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی جانب سے ہمہ جہت تیاری کی گئی تھی، چنانچہ ورکشاپ نہ صرف جامعہ ہمدرد کے انتہائی پر سکون علمی ماحول میں انجام پایا بلکہ شرکاء ومحاضرین کے قیام کا نظم بھی اسی احاطہ میں رہا، جس کی وجہ سے علمی افادہ واستفادہ کے لئے وسیع اوقات مہیا رہے اور پروگرام کی ہر نشست میں شرکاء کی بھرپور دلچسپی اور وقیع علمی شرکت رہی۔

فقہی ورکشاپ کی افادیت کو دو چند کرنے کی غرض سے ابلاغ وتفہیم کے جدید وسائل کا بھی استعمال کیا گیا، جن میں کمپیوٹر پروجیکٹر کے ذریعہ مسائل ومفاہیم کی توضیح اور تفہیم، سی ڈی کے ذریعہ ایسے محاضرات کی بھی سماعت جن کے محاضرین کی تشریف آوری نہیں ہوسکی اور بلیک بورڈ وغیرہ کا استعمال شامل ہے، اکیڈمی نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ موضوع سے تعلق رکھنے والی اہم علمی وتحقیقی تحریریں شرکاء ورکشاپ کو فراہم کی جائیں، چنانچہ مقاصد شریعت پر چند تحقیقی کتابیں ورکشاپ سے قبل ہی متعدد شرکاء کو بھیج دی گئی تھیں، دوران ورکشاپ متعدد قیمتی علمی بحوث، مقالات اور تحریریں شرکاء کے درمیان تقسیم کی گئیں۔

اپنی نوعیت کے اس پہلے فقہی ورکشاپ میں اہل تحقیق فضلاء کی شرکت کو معنی خیز اور ثمر آور بناتے ہوئے پروگرام کی ترتیب ایسی رکھی گئی تھی کہ ہر محاضرہ کے بعد شرکاء ورکشاپ بھرپور طریقہ پر مناقشہ میں حصہ لے سکیں، سوالات اور استفسارات آئیں، وضاحتیں اور نقد ونظر ذہنوں کے دریچوں کو روشنی پہنچائیں، مناقشہ کی یہ محفلیں شرکاء کی بیدار مغزی، وسعت نظری اور فکری گہرائی کی وجہ سے اس شعر کی عکاس بن جاتی تھیں کہ۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا

غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

ہندوستان کی جدید فقہی تاریخ میں فقہی تحریک کی بناء رکھنے والے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ نے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ذریعہ عصر حاضر کے جدید مسائل کے حل اور اس عظیم فریضہ کے لئے افراد کار کی تیاری کے جن دو عظیم منصوبوں کا آغاز فرمایا تھا، یہ

پانچ روزہ فقہی ورکشاپ دوسرے مقصد کی سمت ایک اہم سنگ میل بن کر سامنے آیا۔

اس ورکشاپ کے افتتاحی اجلاس کی صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی فرمانے والے تھے، لیکن عین موقع پر ٹرین میں ٹکٹ کنفرم نہ ہونے اور پھر ہوائی جہاز میں سیٹ نہ مل سکنے کی وجہ سے آپ افتتاحی اجلاس تک تشریف نہ لا سکے، آپ کی نیابت میں معروف عالم دین حضرت مولانا پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی نے صدارت فرمائی، اس اجلاس کا آغاز مشہور صاحب تصنیف حضرت مولانا سید جلال الدین عمری امیر جماعت اسلامی ہند کے افتتاحی خطبہ سے ہوا، موصوف محترم نے اپنی پر مغز گفتگو میں مقاصد شریعت کی اہمیت پر عالمانہ روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ شریعت کا نزول ہوا ہی اس لئے ہے کہ انسان دین اور دنیا کی سعادت سے ہمکنار ہو، اس میں قدم قدم پر اس بات کی رعایت کی گئی ہے کہ زندگی کے اعلیٰ ترین مقاصد بہترین ذرائع سے حاصل ہوں، آپ نے قرآن وحدیث کے حوالوں سے یہ بات واضح فرمائی کہ مسلمان کی صحیح حیثیت یہ ہے کہ وہ خدا کی شریعت کو ہر نقص سے پاک اور حکمتوں سے معمور تصور کرے گا اور کسی حکم کی حکمت اس کی سمجھ سے باہر ہو تو شریعت پر الزام لگانے کے بجائے اسے اپنی عقل کا قصور سمجھے گا۔ آپ نے اسلامک فقہ اکیڈمی کی جانب سے منعقد کئے جانے والے اس ورکشاپ کی افادیت کو سراہتے ہوئے اسے ایک اہم قدم قرار دیا اور امید ظاہر فرمائی کہ اس کے بعد جو افراد تیار ہوں گے ان کی نظر احکام دین اور مقاصد شریعت پر اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے انطباق پر اور زیادہ گہری ہوگی اور وہ بہتر خدمات انجام دے سکیں گے۔

تعارف پروگرام کے عنوان سے اکیڈمی کے سکریٹری برائے علمی امور حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی مدظلہ نے وقیع علمی تحریر پیش فرمائی جو حاضرین میں تقسیم بھی کی گئی، آپ نے بتایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکام وتعلیمات بلند مقاصد ومصالح پر مبنی ہیں، شریعت کے ہر حکم میں حکمت ومصلحت ہے، آپ نے حجۃ اللہ البالغہ کے حوالہ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ان لوگوں پر نقد نقل کیا جو کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام صرف بندوں کی آزمائش کے

لئے ہیں، بہ ذات خود ان احکام وتعلیمات میں مقاصد ومصالح نہیں ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے علم مقاصد شریعت کی تدوین کے سات بڑے فوائد کا ذکر کیا ہے، مقاصد شریعت کے موضوع پر ہونے والے کاموں کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے آپ نے امام الحرمین عبد الملک جوینی (۴۷۸ھ)، امام غزالی (۵۰۵ھ)، امام عز الدین بن عبد السلام (۶۰۶ھ)، امام شہاب الدین قرافی (۶۸۵ھ)، شیخ نجم الدین طوفی (۷۱۶ھ)، حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ)، حافظ ابن تیمیہ (۷۲۷ھ)، حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)، پھر امام فن شیخ ابواسحاق شاطبی (۷۹۰ھ)، ان کے طویل عرصہ بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)، پھر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ (۱۲۹۷ھ) اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) کی خدمات وتصنیفات پر روشنی ڈالتے ہوئے بلاد عربیہ میں علامہ محمد طاہر بن عاشور تونسی (۱۹۷۳ء)، علامہ علال فاسی مراکشی (۱۹۷۴ء) اور ۱۹۸۱ء میں قائم ہونے والے عرب مفکرین وفضلاء کے ادارہ المعہد العالمی للفکر الاسلامی کی جانب سے شیخ احمد ریسونی، ڈاکٹر یوسف حامد عالم، ڈاکٹر جمال الدین عطیہ اور شیخ اسماعیل حسنی کی مقاصد شریعت کے موضوع پر تصنیفات کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ مولانا موصوف نے اس علمی تحریر میں مقاصد شریعت کے موضوع پر دہلی میں اس ورکشاپ کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس موضوع کی نزاکت کو واضح کیا کہ نہ تو یہ درست ہے کہ نصوص کتاب وسنت سے ثابت یا مستنبط مقاصد شریعت کو نظر انداز کیا جائے اور نہ یہ قابل برداشت ہے کہ نصوص کتاب وسنت سے بے نیاز ہو کر احکام شریعت کے خود ساختہ مقاصد طے کر لئے جائیں۔ آپ نے ورکشاپ کی اس افادیت پر بھی روشنی ڈالی کی اس سے یہ بات معلوم ہوگی کہ مقاصد شریعت پر اب تک کیا کام ہوا ہے؟ کون سے گوشے نئے اصحاب تحقیق علماء کے منتظر ہیں؟ نیز موجودہ حالات کے تناظر میں اس موضوع کو کیا اہمیت حاصل ہے؟ اور دور حاضر کی مشکلات کو حل کرنے میں اس سے کیا مدد لی جاسکتی ہے؟ اور اس علم کے حدود وآداب کیا ہیں؟

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اکیڈمی کے جنرل سکریٹری ہیں، آپ نے افتتاحی اجلاس میں تمام حاضرین کا خیر مقدم کرتے ہوئے خیر مقدمی کلمات پیش فرمائے، جو علمی بھی تھے، فکری بھی اور تاریخی بھی۔ تاریخی یوں کہ سرزمین ہند سے علم کے ابلنے والے سوتوں کی دلچسپ تاریخ سناتے ہوئے آپ نے علامہ رکن الدین ناگوری صاحب فتاوی حمادیہ، عالم بن علاء دہلوی مصنف فتاوی تاتارخانیہ، قاضی جگن گجراتی مصنف خزانۃ الروایات، علامہ شہاب الدین صاحب فتاوی ابراہیم شاہی، اورنگ زیب عالمگیر، اور فتاوی ہندیہ کے مرتبین، فقہاء شوافع میں شیخ عبد العزیز مالاباری، اصول فقہ میں علامہ صفی ہندی، مشہور اصولی صاحب مسلم الثبوت ملا عبد الشکور بہاری، اس کے شارح علامہ بحر العلوم لکھنوی، مولانا عبد الحئی فرنگی محلی، نواب صدیق حسن قنوجی، پھر فقہ القرآن میں ملا جیون، مولانا ظفر احمد عثمانی، فقہ الحدیث میں مولانا ظہیر احسن شوق نیموی اور مولانا ظفر احمد، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد سجاد، علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا علی میاں ندوی اور معاصر علماء میں مولانا علی احمد ندوی کی علمی خدمات کی زریں تاریخ بڑے حسین انداز میں پیش کی۔ خیر مقدم کا علمی پہلو یہ تھا آپ نے بتایا کہ شریعت کی اہم خصوصیت اس کی ابدیت اور دوام ہے، اور مقاصد شریعت کی حیثیت ابدی اور عالمگیر ہے، مقاصد کی اقسام اور ان کے درجات کی روشنی میں آپ نے بتایا کہ اگر فقہاء ان بنیادی مقاصد کو سامنے رکھیں گے تو ان کی آراء میں نہ ایسی اباحیت پیدا ہوگی کہ شریعت کی طرف سے تکلیف کا حکم بے معنی ہو جائے اور نہ ایسی تنگی پیدا ہوگی کہ لوگ شریعت کو بوجھ تصور کرنے لگیں۔ جنرل سکریٹری نے کچھ فکر انگیز سوالات کو اٹھانے سے پہلے المعہد العالمی للفکر الاسلامی واشنگٹن کا شکریہ ادا کیا جس کے گرانقدر تعاون سے اکیڈمی کا یہ تربیتی اجتماع منعقد ہوا، مولانا نے ہندوستان کے کونے کونے سے آئے ہوئے نوجوان فضلاء سے یہ خواہش کی کہ وہ نئے مسائل کے حل میں مقاصد شریعت کی تطبیق کے لئے ان اصولی نکات کو موضوع بحث بنائیں کہ اگر قیاس مقاصد شریعت سے متعارض ہو تو ترجیح کسے حاصل ہوگی؟ اگر نص ظنی سے مقاصد

عامہ کا تصادم محسوس ہو تو کیا نص میں تخصیص ہو سکتی ہے؟ آپ نے قیمتوں کی تعیین سے رسول کریم ﷺ کی ممانعت اور تاجروں کے ظلم کے پیش نظر فقہاء کی جانب سے تسعیر کے جواز کی مثال دیتے ہوئے پوچھا کہ مقاصد عامہ کے تحت نص پر عمل کو موقوف رکھا جائے تو یہ اہمال نص سمجھا جائے گا یا بدلے ہوئے حالات میں نص کی تطبیق کہلائے گی؟ اور اسی طرح جہاں علت اور مصلحت کا باہمی رشتہ ٹوٹ جائے تو حکم کی بنیاد علت فقہیہ پر ہوگی یا مصلحت شرعیہ پر؟ علم وفکر اور اس کی تاریخ کے اس سنہرے ماحول میں جنرل سکریٹری اکیڈمی نے حاضرین وشرکاء کا خیر مقدم کیا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے ورکشاپ کے لئے تیار کیا گیا اپنا صدارتی خطاب بذریعہ فیکس ارسال کردیا تھا، یہ وقیع علمی تحریر عربی زبان میں تھی جس کا اردو خلاصہ راقم تحریر (محمد فہیم اختر ندوی) نے پیش کیا، حضرت مولانا مدظلہ نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ اسلامی شریعت دراصل انسانوں کے خالق کی طرف سے انسانی زندگی کے لئے ایک شریفانہ انسانی راستہ ہے جو مختلف انبیاء کے ذریعہ اور آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ بتایا گیا، جن اشخاص نے اس شریعت کے فہم میں اپنی زندگی کھپائی وہی اس کی تشریح میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، ان کے درمیان استنباط احکام میں فہم کے فرق کی وجہ سے اختلاف رائے ہوا جو کسی ذاتی غرض وخواہش کی بنا پر نہیں بلکہ پورے اخلاص وامانت کے ساتھ نصوص شرع کے مفاہیم کے ادراک میں ہوا، اور یہیں سے فقہی مسالک کی داغ بیل پڑی۔ مولانا موصوف نے مزید بتایا کہ ان مسالک میں زیادہ نمایاں چار فقہی مذاہب ہوئے۔ فقہ حنفی کا رواج بلاد ماوراء النہر، خراسان اور ہندوستان وترکی میں ہوا۔ فقہ مالکی نے مراکش عربی کے علاقہ میں رواج پایا۔ فقہ شافعی کا پھیلاؤ حجاز ویمن، مصر اور ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں ہوا اور فقہ حنبلی کی اشاعت بلاد نجد اور بعض دوسرے علاقوں میں ہوئی۔ ہر علاقہ کے لوگ اسی علاقہ کے فقہی مسلک پر عمل پیرا رہے، ان کے علاوہ علماء کا ایک طبقہ اس فکر کا حامل پیدا ہوا کہ مذاہب مذکورہ کے ائمہ کی تقلید کے بجائے براہ راست اسلامی مصادر سے احکام حاصل کئے جائیں، اس طرح فقہی مذہب سے متعلق

ایک نئی رائے ظاہر ہوئی جو اگرچہ معروف معنی میں فقہی مذہب نہیں تھی لیکن فقہی مذہب ہی کی طرح تھی۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے بتایا کہ ابتدائی صدیوں کے بعد کے ادوار میں عالمی حالات کے اندر اتنی بڑی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی کہ ابتدائی صدیوں کی طرح وسیع اجتہاد کی ضرورت پیش آتی، لیکن اس دور میں جدید تہذیب کے تقاضوں نے وسیع اجتہاد کی ضرورت پیدا کر دی ہے اور اب جامع صلاحیتوں کے فقدان کی وجہ سے انفرادی اجتہاد کی جگہ عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں فقہی اکیڈمیوں نے اجتماعی اجتہاد کا طریقہ اپنایا ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مولانا مدظلہ نے ہندوستان میں ہونے والے شاندار فقہی کاموں کا تذکرہ کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام، اس کے پس منظر اور تحفظ شریعت کی کوششوں پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اسی تحریک کے پیش روؤں میں تھے جن کی قائم کردہ یہ اکیڈمی آج کے حالات میں عظیم خدمات انجام دے رہی ہے۔

افتتاحی اجلاس میں ملک کی کئی نامور علمی و فکری شخصیتوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے اکیڈمی کی خدمات کو شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ مولانا اسرار الحق قاسمی مدظلہ نے خوشی کا اظہار کیا کہ جس عظیم کام کا آغاز حضرت قاضی صاحب مرحوم نے فرمایا تھا، ان کی وفات کے بعد بھی یہ کام اسی طرح جاری وساری ہے۔ ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی نے فرمایا کہ جس طرح امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانہ میں فقہی کام کو ایک اجتماعی کام بنا دیا تھا، اور تاریخ میں بعض علماء نے کسی کام کو تحریک کی شکل دے دی تھی اسی طرح حضرت قاضی صاحبؒ نے فقہی تحقیق کو ہندوستان میں ایک تحریک بنا دیا، جناب عثمانی صاحب نے بڑی وضاحت سے کہا کہ قاضی صاحبؒ میں خوئے دلنوازی مکمل طور پر موجود تھی انہوں نے ملت اسلامیہ اور ہندوستان کے تمام رہنماؤں کو خواہ وہ کوئی بھی مکتب فکر رکھتے ہوں، اس کام میں شریک کرلیا۔

جناب عبدالرحیم قریشی ایڈوکیٹ کی شخصیت ملک میں محتاج تعارف نہیں ہے، انہوں

نے اپنے فکر انگیز خطاب میں اکیڈمی اور اس ورکشاپ کی اہمیت کو واضح لفظوں میں سراہا، اور جدید تہذیب کے نتیجہ میں آنے والی تبدیلیوں کے پس منظر میں غور و فکر کے کئی میدانوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی کو حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی دوراندیشی کا مظاہرہ اور ثبوت قرار دیا۔

افتتاحی اجلاس کا آخری خطاب صدر اجلاس جناب پروفیسر مولانا سید اجتباء ندوی صاحب نے فرمایا، اس میں انہوں نے مقاصد شریعت کی اہمیت اور آج کے حالات میں ان کا گہرا فہم حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے عالم عرب میں معاصر فقہاء کی خدمات کا تفصیل سے ذکر فرمایا، آپ نے ورکشاپ کی مطلوبہ نوعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے موجودہ دور کے مسائل کو حل کرنے میں علماء فقہ و شریعت کی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا، آخر میں مولانا نے اکیڈمی اور اس کے بانی حضرت قاضی صاحب مرحوم کی عظیم کوششوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی گفتگو ختم کی اور دعاء پر اس افتتاحی اجلاس کا اختتام ہوا۔

دہلی جو ملک کی راجدھانی ہے، دسمبر کے ماہ میں یہ اپنے موسم سرما کی شدت میں بھی مملکت سرد کی راجدھانی بن جاتی ہے، ۲۱ر دسمبر روز یکشنبہ کی صبح میں شہر دہلی کے اوپر گھنے کہرے کی چادر تنی تھی اور اندرون شہر سرد موسم کی خنکی پھیلی تھی، لیکن اس کے باوجود شہر دہلی کے مختلف حلقوں سے اہل ذوق و اصحاب دانش اس افتتاحی تقریب میں تشریف فرما تھے، جن میں جناب قاری محمد زبیر صاحب مہتمم مدرسہ شمس العلوم، جناب اعجاز اسلم صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند، سولانا وارث مظہری صاحب ایڈیٹر ترجمان دارالعلوم، جناب مولانا عبد القادر شمس قاسمی نمائندہ راشٹریہ سہارا کے علاوہ جامعہ ہمدرد کے متعدد اساتذہ اور طلبہ قابل ذکر ہیں۔ اکیڈمی نے ان تمام حاضرین کی ضیافت کے لئے ظہرانہ کا بھی انتظام رکھا تھا۔

اسی دن شام کی نشست سے ورکشاپ کے علمی سلسلہ کا آغاز ہونا تھا۔ ابھی سے پانچ روزہ پروگرام کے تمام اجلاس صرف شرکاء ورکشاپ کے لئے مخصوص تھے، چنانچہ جامعہ ہمدرد ہی

کے دوسرے ہال میں پہلی علمی نشست کا آغاز ہوا، اور پہلا علمی محاضرہ اکیڈمی کے سکریٹری برائے علمی امور جناب مولانا عتیق احمد قاسمی مدظلہ نے پیش کیا۔ اس محاضرہ کا عنوان تھا ''مقاصد شریعت کا تعارف اور عہد اول سے چودھویں صدی ہجری تک اس کا تاریخی تسلسل''۔ یہ موضوع بڑا اہم اور وسیع تھا، تقریباً دو گھنٹہ کے وقیع علمی محاضرہ میں مولانا موصوف نے مقاصد شریعت کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ امام الحرمین عبدالملک جوینی نے سب سے پہلے احکام شریعت کے تین درجات متعین کئے جو ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کہلائے، مولانا نے امام جوینی کی کتاب ''البرھان فی اصول الفقه'' کے ساتھ ان کی دوسری کتاب '' غیاث الأمم فی التیاث الظلم'' کے غیر معمولی علمی مقام و مرتبہ کو واشگاف کیا، آپ نے یہ بھی بتایا کہ امام غزالی نے پہلی بار دین، جان، مال، عقل اور نسل کی حفاظت کو شریعت کے پانچ مقاصد کے بطور متعین فرمایا۔ اسی نشست میں دوسرا محاضرہ ''شریعت اسلامیہ کے خصائص'' کے عنوان سے بذریعہ سی ڈی سنایا گیا، جو ڈاکٹر طہ جابر العلوانی کا تھا، ڈاکٹر علوانی نے شریعت کے خصائص پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ پہلی نسل میں صحابہ کرام نے اسلامی شریعت کو رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا، دوسری نسل نے اس کی نقل و روایت کی اور تیسری نسل نے اس کی روشنی میں اجتہاد و استنباط کیا۔

۲۲ر دسمبر کی صبح پہلی نشست میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے محاضرہ پیش فرمایا، اس محاضرہ کا عنوان انتہائی اہم اور عصری معنویت سے بھرپور تھا، ''معاصر مسائل اور مسلم اقلیتوں کی مشکلات کے حل میں مقاصد شریعت کے رول'' کے عنوان پر اپنے اس عالمانہ محاضرہ میں مولانا رحمانی نے بتایا کہ نئے مسائل سے کیا مراد ہے؟ اور سلف صالحین نے کس طرح نئے مسائل کو حل کرنے کی کاوشیں کی ہیں؟، آپ نے تفصیل سے بتایا کہ اخلاقی انحطاط، سیاسی حالات کی تبدیلی، عرف و عادت میں تغیر اور نئے وسائل کی پیدائش وہ اہم اسباب ہیں جن کی وجہ سے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور بعض اجتہادی اور مصلحی مسائل پر مکرر غور و فکر کی ضرورت پڑتی ہے، آپ نے کہا کہ احوال زمانہ کے تغیر کی وجہ سے بعض مسائل میں نئی رائے کا قائم کرنا فقہاء

کے نزدیک ایک معروف اور مسلم حقیقت ہے، بلکہ عہد صحابہ سے یہ عمل جاری وساری ہے، رسول اللہ ﷺ نے بھٹک جانے والے اونٹوں کو پکڑنے سے منع فرمایا تھا، کیونکہ وہ خود اپنی حفاظت کے لئے کافی تھے، لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے اخلاقی گراوٹ کو دیکھتے ہوئے اپنے زمانہ خلافت میں حکم جاری فرمایا کہ ایسے اونٹوں کو بیت المال میں محفوظ کرادیا جائے، حضرت عائشہؓ نے اپنے عہد کے حالات کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر حضور خواتین کی موجودہ روش کو دیکھتے تو انہیں مسجد میں آنے سے منع فرمادیتے، کاریگروں کا قبضہ امانت تصور ہوتا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے انہیں ضامن قرار دیا، متقدمین امامت واذان اور تعلیم قرآن جیسی طاعت پر اجرت لینے کو منع کرتے تھے، لیکن فقہاء متاخرین نے بعد کے حالات میں اس کی اجازت دی، اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے ایک قول کے مطابق سادات کے لئے خمس کا مد ختم ہو جانے کی صورت میں زکوۃ کو جائز قرار دیا، ان فتاوی کا تعلق دراصل سیاسی حالات کی تبدیلی سے ہے، مولانا موصوف نے اس ضمن میں بہت سے نئے مسائل کا ذکر کیا، اور مقاصد شریعت سے اس کا ربط واضح کرتے ہوئے موجودہ حالات پر انہیں منطبق کیا۔

آج ہی کی نشست میں دوسرا محاضرہ حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب دامت برکاتہم کا پیش ہوا، موصوف ایک مشہور محقق عالم دین ہیں، اور قدیم ذخیرہ علوم کے ساتھ جدید دنیا کی تحقیقات سے بھی قریبی واقفیت رکھتے ہیں۔ آپ جو اکیڈمی کے نائب صدر بھی ہیں بذات خود تشریف نہ لا سکے لیکن آپ کا محاضرہ جناب مولانا بدر احمد مجیبی ندوی نے پڑھ کر سنایا، ''احکام شریعت کے مقاصد اور ان کے مدارج'' کے عنوان سے اس وقیع اور فاضلانہ علمی تحریر میں بتایا گیا کہ مقاصد شریعت کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری اور مفید ہے، شرعی حکم کے ساتھ اگر اس کی مصلحت وحکمت بھی معلوم ہو تو آدمی کے یقین میں اضافہ اور ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام غزالی کے بعد، علامہ عزالدین، علامہ ابن القیم، علامہ شاطبی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سب نے اسرار شریعت کو اپنا موضوع بنایا۔ مولانا

موصوف نے ذات باری تعالی کے افعال معلل بالاغراض ہیں یا نہیں؟ کی بحث کو فرسودہ قرار دیتے ہوئے بتایا کہ یہ بحث اصول فقہ کی نہیں علم کلام کی ہے۔ اور محقق ابن الہمام کے بقول اکثر فقہاء متاخرین کا اتفاق ہے کہ اللہ کے احکام میں بندوں کے مصالح کی رعایت ملحوظ ہے، حضرت مولانا قاسمی نے مقاصد شرع کے تین مدارج اور دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کی توضیح تفصیلی مثالوں اور دلائل کے ساتھ فرمائی اور دو مصلحتوں کے درمیان تعارض کی صورت میں قوی تر مصلحت کو ترجیح دینے کا اصول بیان کیا، اکیڈمی کے نائب صدر محترم نے اس ورکشاپ کے لئے اپنی ایک عربی تحریر بھی ارسال فرمائی جس میں موجودہ حالات کے تناظر میں اس ورکشاپ اور اس کے موضوع مقاصد شریعت کی اہمیت کو واشگاف کرتے ہوئے "المعہد العالمی للفکر الاسلامی" کی جانب سے متعدد علمی شخصیات کے اس موضوع پر وقیع علمی کام اور اکیڈمی کے ساتھ المعہد کے علمی تعاون پر اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار فرمایا۔

حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی نے موجودہ بدلے حالات کا بڑا گہرا اور تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے اپنی ایک تیسری فکر انگیز اور رہنما تحریر میں موجودہ دنیا کی غالب قوتوں کے دوہرے معیار کے پس منظر میں بتایا کہ اب ضرورت ہے کہ مقاصد شریعت کی بھرپور وضاحت کے ساتھ ساتھ مستقبل کے دینی اور اصلاحی پروگراموں کی نقشہ بندی بھی کی جائے، مولانا موصوف نے نئے عہد کا ادراک اور نئے انداز پر اسلامی تعلیمات کو پیش کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ بتایا کہ مشرق میں بیٹھ کر اور مغربی تہذیب پر زبانی تنقید کرتے رہنے کے بجائے مغرب کے سامنے مرحلہ وار اسلامی تعلیمات کے امتیاز کو واضح کیا جائے، چونکہ فقہ اسلامی کا جوہر اور اس کی روح مقاصد شریعت ہے، اس لئے مقاصد شریعت کی تطبیقی وضاحت اس سلسلہ کا پہلا مرحلہ ہے، مولانا موصوف مدظلہ نے امید ظاہر کی کہ مقاصد شریعت پر ہونے والے فقہی ورکشاپ کو ان دو نشانوں کے حصول کا نقطۂ آغاز بنایا جائے گا کہ: ۱- دنیا کے سامنے مقاصد شریعت کے بنیادی عناصر اور پنجگانہ اصولوں دین، جان، مال، عقل اور عزت وآبرو کی حفاظت، گفتگو اور معاہدوں کی بنیاد قرار دیا جائے، ۲- عالم اسلام میں "فتووں" کی دنیا میں پھیلی انارکی کی روک تھام اور فتووں کو مقاصد

شریعت سے جوڑنے کی کوشش کی جائے تاکہ امت کی جان ومال کے زیاں کا باعث بننے والے متضاد قسم کے فتووں سے امت کو بچایا جاسکے۔

اکیڈمی کے اس پانچ روزہ ورکشاپ میں عالم عرب سے کئی ایسی اہم شخصیات کی آمد متوقع تھی جو مقاصد شریعت کے موضوع پر اختصاص رکھتے ہیں، ان میں مصر کے مفتی اعظم ڈاکٹر علی جمعہ، مشہور مفکر ڈاکٹر جمال الدین عطیہ، مقاصد شریعت کے ماہر ڈاکٹر احمد ریسونی اور اسی موضوع کے استاذ شیخ اسماعیل حسنی وغیرہ قابل ذکر تھے، لیکن ویزا وغیرہ کی دشواریوں کی وجہ سے ان اہم شخصیات کی آمد نہ ہوسکی، تاہم مقاصد شریعت پر وسیع نظر رکھنے والی اور انتہائی متحرک علمی شخصیت جناب ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان ۲۲ر دسمبر کی شام میں امریکہ سے یہاں پہنچ گئے، موصوف اسلامی امریکن یونیورسٹی کے صدر، یوروپین افتاء کونسل کے ممبر اور متعدد وقیع علمی کتابوں کے مصنف ہیں، بڑی ایمانی حمیت اور فعال شخصیت، گہرے علم اور مطالعہ ونظر کی وسعت کے مالک ہیں، آپ نے آتے ہی شام کی نشست میں عربی زبان میں پر جوش ایمانی خطاب فرمایا، جس میں موجودہ حالات کے تناظر میں اجتہاد مقاصدی اور اجتہاد مصلحی پر روشنی ڈالتے ہوئے نوجوان فضلاء کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ایک جانب خشیت الٰہی اور دوسری جانب حجت شرعی دونوں کے جامع بنیں۔ موصوف کے ایمان افروز خطاب کے فوری بعد کمپیوٹر سی ڈی کی مدد سے ڈاکٹر طہٰ جابر العلوانی کا دوسرا محاضرہ سنایا گیا جو فصیح عربی زبان اور واضح اسلوب میں نظریہ مقاصد سے بے توجہی کے نتائج کے موضوع پر تھا۔

ورکشاپ کے تیسرے دن یعنی ۲۳ر دسمبر کی صباحی نشست اس لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل تھی کہ اس میں ایک طرف ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان کا بڑا ہی عالمانہ ومحققانہ اور آنکھیں کھول دینے والا مفصل محاضرہ ہوا، اس محاضرہ میں مقاصد شریعت کے نظریہ، مقاصد شریعت کی اقسام اور مقاصد شریعت کی حجیت سے متعلق تین پہلوؤں پر خالص قرآن اور سنت نبویہ کی روشنی میں اور عصری تطبیقی مثالوں کے ساتھ گفتگو ہوئی، نظریہ مقاصد کے تحت آپ نے

مقاصد کی تعریف اور تعارف پیش کیا، اقسام کے ذیل میں مقاصد عامہ، مقاصد خاصہ اور مقاصد جزئیہ پر روشنی ڈالی، پھر اس کی حجیت پر گفتگو کرتے ہوئے بنو قریظہ میں نماز عصر ادا کرنے کے حکم نبوی پر عمل میں صحابہ کرام کے دو نقطہائے نظر کا ذکر کر کے ابن القیم کے حوالہ سے بتایا کہ راستہ میں نماز پڑھنے والے سلف اہل المعانی ہیں اور بنی قریظہ پہنچ کر نماز عصر پڑھنے والے سلف اہل الظاہر ہیں۔

دوسری طرف آج ہی حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی ورکشاپ میں تشریف لائے، ان کے ساتھ حضرت مولانا واضح رشید ندوی، حضرت مولانا محمد اجتباء ندوی، حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، مولانا سید مصطفیٰ رفاعی ندوی اور ڈاکٹر محمد منظور عالم بھی تشریف لائے، مولانا سید محمد رابع ندوی نے اردو زبان میں بڑی فکر انگیز گفتگو فرمائی جس میں اسلامی شریعت کے خصائص کے ساتھ اجتماعی اجتہاد کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فقہ اکیڈمی کی کوششوں کو سراہا اور فقہی ورکشاپ کو اہم قابل قدر کوشش قرار دیا۔ مولانا واضح رشید ندوی نے اپنے خطاب میں زندگی کے ساتھ فقہ اسلامی کے تعلق کے پس منظر میں فقہ پر توجہ دینے کی ضرورت بیان کی اور اس میدان میں فقہ اکیڈمی کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا، مولانا محمد اجتباء ندوی نے فرمایا کہ شریعت کے عمیق مطالعہ کے لئے عربی زبان سے گہری واقفیت نہایت ضروری ہے، اور ایک فقیہ کے لئے دنیا سے باخبری بھی ضروری ہے۔

آج کی شام کی نشست میں ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان کے محاضرہ کا تسلسل رہا، کیونکہ یہ محاضرہ بڑے وسیع موضوع کا احاطہ کر رہا تھا، ڈاکٹر سلطان نے محاضرہ کے اس دوسرے حصہ میں نظریہ مقاصد کی تاریخ پر گفتگو فرمائی، آپ نے واضح کیا کہ صحابہ کرام مسائل کے استنباط میں مقاصد شریعت کو پیش نظر رکھتے تھے، تابعین اور ائمہ مجتہدین نے وسیع پیمانہ پر مقاصد کا استعمال کیا، البتہ اس موضوع پر تحریر سب سے پہلے حکیم ترمذی کی ملتی ہے، ان کے بعد امام جوینی نے اس پر لکھا، پھر یہ موضوع علمی تصنیفات میں آگے بڑھتا گیا۔

۲۴ دسمبر کی صبح کی نشست کا پہلا محاضرہ اس شخصیت کے نظریہ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا جو فن مقاصد شریعت کے امام تصور کئے جاتے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر صلاح الدین سلطان نے آج کا محاضرہ امام شاطبی کے نظریہ مقاصد پر پیش کیا، اس محاضرہ میں ڈاکٹر سلطان نے امام شاطبی کے نظریہ مقاصد کا مفصل تعارف پیش کرتے ہوئے مختلف مقاصد کے درمیان تعارض کے وقت عمل کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ اگر کسی مقصد شارع پر مشتمل عمل سے خلاف شرع ارادہ کیا جائے تو وہ تسلیم نہیں کیا جائے گا، اسی لئے مسجد ضرار سے منع کیا گیا حالانکہ بظاہر مسجد کی تعمیر مقصد شارع ہے لیکن اس مسجد سے خلاف شارع ارادہ کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صلاح الدین نے امام شاطبیؒ کے بعد مقاصد شریعت اور موجودہ حالات میں ان کی تطبیق پر امام محمد طاہر بن عاشورؒ کے زبردست کام کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے اب تک معروف چلے آرہے پانچ مقاصد شریعت میں دو مقاصد یعنی آزادی اور مساوات کا اضافہ فرمایا، اور امام محمد طاہر بن عاشور نے ہی مقاصد شریعت کے علم کو مستقل علم بنانے اور اس پر کام کرنے کی دعوت دی۔

اسی نشست کا دوسرا محاضرہ ہندوستان کے مشہور عالم دین، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ التفسیر اور اکیڈمی کے نائب صدر حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی کا تھا، آپ نے عربی زبان میں ''مقاصد شریعت کا اصول فقہ سے تعلق'' کے موضوع پر عالمانہ محاضرہ پیش فرمایا، جس میں آپ نے اصولیین کی عبارتوں کی روشنی میں اصول فقہ اور مقاصد کی تعریف کا جائزہ لیتے ہوئے فقہ کے مفہوم و مراد کے تاریخی تسلسل پر روشنی ڈالی، اس کے بعد امام شاطبی اور امام غزالی کے حوالہ سے مقاصد کی تعریف کے ذیل میں یہ واضح فرمایا کہ اصول فقہ کے ساتھ مقاصد شریعت کا گہرا اور مضبوط تعلق ہے، آپ نے کہا کہ اصول فقہ کی بحث میں اس کے لئے کبھی لفظ حکمت، کبھی لفظ علت اور کبھی لفظ مصلحت کا استعمال کیا جاتا رہا ہے، خود قرآن کریم میں یہ سارے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، مصالح کی مناسبت سے مولانا نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی چشم کشا عبارت ''حجۃ اللہ البالغہ'' سے نقل کر کے بتایا کہ شارع کے دیئے ہوئے دو علوم میں سے ایک

مصالح ومفاسد کا علم ہے اور دوسرا علم شرائع وحدود وفرائض ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مصالح اور مفاسد کو پیش نظر رکھنا کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔

شام کی نشست میں آج عصر بعد ہی جناب ڈاکٹر جمال الدین عطیہ کا محاضرہ بذریعہ کمپیوٹر سی ڈی سنایا گیا۔ پھر بعد مغرب جناب ڈاکٹر صلاح سلطان نے ایک اہم ترین موضوع پر جدید ذرائع تفہیم کا استعمال کرتے ہوئے محاضرہ دیا، پروجیکٹر کے ذریعہ اسکرین پر تحریری شکل میں پیش کئے جانے والے اس محاضرہ کا عنوان تھا "مسلم اقلیتوں کی فقہ کے لئے منہجی ضوابط"۔ موصوف نے فقہ الاقلیات کی تیاری وترتیب کے لئے جن ضوابط کا ذکر کیا وہ تھے: ۱- ملک کے شہری ہونے کا گہرا شعور، ۲- اصلاح وطن کی ذمہ داری، ۳- نصوص شریعت اور واقعات وحالات دونوں سے باخبری، ۴- عمومی مسائل میں اجتماعی اجتہاد، ۵- فقہی مسالک میں تقریب اور اجتہاد میں ان سے استفادہ، ۶- عبادات میں جزئی احکام اور معاملات میں مقاصد، قواعد اور کلیات پر نظر، ۷- داخلی امکانات اور خارجی حالات کے مطابق ترجیحات کی تعیین، ۸- فقہ تیسیر کو اپنانا اور تدریج کی رعایت، ۹- حرام امور کے شرعی جائز متبادل پیش کرنا۔ ان ضوابط میں سے ہر ضابطہ کی توضیح موصوف نے قرآنی آیات، رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور عملی واقعات ومثالوں سے فرمائی جن کی وجہ سے شرکاء کو مسائل کی تفہیم میں بڑی مدد ملی۔ جناب ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان نے اس ضمن میں یہ بھی بتایا کہ تمام فقہی مسالک شریعت اسلامیہ کے بڑے دریا سے نکلنے والی چھوٹی چھوٹی نہریں ہیں، ان سب کا سلسلہ وہیں سے مربوط ہوتا ہے، اگر ہر چھوٹی نہر اپنی جگہ علاحدہ ہو جائے تو وہ خشک ہو جائے گی، آپ نے مزید بتایا کہ عقل وفکر کا اختلاف رحمت ونعمت ہے اور قلب ودل کا اختلاف مصیبت وزحمت ہے، اختلاف العقول ثراء واختلاف القلوب وباء۔

۲۵ ردسمبر ورکشاپ کا آخری دن تھا، اور آج ہی اختتامی اجلاس بھی منعقد ہونے والا تھا، صبح کی نشست کے ابتدائی حصہ میں ڈاکٹر صلاح الدین سلطان نے تمام حاضرین کو اپنا آخری

ایمانی اور ناصحانہ خطاب فرمایا جس میں ایمانی صفات، خشیت الٰہی، طہارت وتقویٰ اور عملی دلائل وبراہین سے آراستہ ہونے کی نصیحت فرمائی، اس کے بعد چند شرکاء نے مقاصد شریعت کے موضوع پر المعہد العالمی للفکر الاسلامی کی کتابوں پر اظہار خیال اور علمی تبصرہ پیش کیا جس میں ان کتابوں کی افادیت کے ساتھ ساتھ بعض نکات اور کچھ آراء سے اختلاف کا بھی ذکر کیا گیا۔ اس نشست کے بعد شرکاء ورکشاپ میں سے متعدد اصحاب نے ورکشاپ میں شرکت کی افادیت اور اس کی مسلسل ضرورت پر اپنے بہترین احساسات کا اظہار کیا۔ مجموعی اعتبار سے شرکاء کا یہ مشترکہ تاثر تھا کہ ایسے علمی ورکشاپ مسلسل منعقد کرنے کی ضرورت ہے جہاں علماء ہند وعلماء عرب دونوں سے استفادہ کرتے ہوئے ذہنی وعلمی اور فکری تربیت کی جائے۔

ورکشاپ کا اختتامی اجلاس چائے کے وقفہ کے بعد ہوا، اس اجلاس کی صدارت جناب مولانا برہان الدین سنبھلی نے فرمائی جس میں شرکاء ورکشاپ کے علاوہ جناب ڈاکٹر قاسم رسول الیاس ایڈیٹر افکار ملی، جامعہ ہمدرد کے اساتذہ اور دوسرے حاضرین شریک ہوئے اس میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے ورکشاپ کے نتائج پر روشنی ڈالی اور واضح کیا کہ اکیڈمی کا مقصد تحقیق احکام بھی ہے اور اس کام کے لئے افراد کار کی تیاری بھی، سمینار کے ذریعہ جہاں تحقیق مسائل کا کام کیا جاتا ہے وہیں ورکشاپ اور تربیتی اجتماعات کے ذریعہ افراد کار کی تربیت کی کوشش کی جارہی ہے۔ حضرت مولانا عتیق احمد بستوی نے شرکاء کو مفید مشورے دیئے، پھر صدر اجلاس حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی نے وسیع وعمیق مطالعہ کی ضرورت اور اس کی ترغیب دلائی، اور آپ ہی کی دعاؤں پر ورکشاپ کا اختتام ہوا۔

پہلا باب:

مقاصد شریعت ورکشاپ

ضرورت اور عصری معنویت

مقاصد شریعت–عصری تناظر میں

بین الاقوامی مسائل اور مقاصد شریعت

احکام شریعت میں حکمت و معنویت کی تفہیم

مقاصد شریعت ورکشاپ – اکیڈمی کی خدمات کا تسلسل

تمدنی انقلاب اور شرعی اجتہاد

مقاصد شریعت کی بنیاد –جلب منفعت ودفع مضرت

تعارف موضوع:

مقاصد شریعت - عصری تناظر میں

مولانا عتیق احمد بستوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی أرسل محمدا رحمة للعالمین والصلوة والسلام علی رسولنا خاتم النبیین محمد بن عبد الله الامین الذی بعث بالشریعة السمحاء والحنیفیة البیضاء وعلی آله وصحبه أجمعین.

احکام شریعت اور مقاصد ومصالح:

اللہ تعالی اور رسول اکرم ﷺ کے تمام احکام وتعلیمات بلند مقاصد ومصالح پر مبنی ہیں، شریعت کے ہر حکم میں حکمت ومصلحت ہے، اللہ جل شانہ جو حکیم مطلق ہیں ان کے احکام (اوامر ونواہی) حکمت ومصلحت سے کیسے خالی ہو سکتے ہیں؟ یہ الگ بات ہے کہ کچھ شرعی احکام کے مقاصد ومصالح تک انسانی ذہن کی رسائی نہ ہو سکے، دین وشریعت کا پورا نظام اور اس کے تمام اجزاء دنیا وآخرت میں انسانوں کو کامیاب وبامراد بنانے کے لئے ہیں، بہت سی آیات اور

احادیث نبویہ میں مختلف احکام وتعلیمات کے مقاصد وفوائد کو صاف صاف بیان کردیا گیا ہے، مثلاً بعثت نبوی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین" (سورۂ انبیاء:۱۰۷)۔

(ہم نے آپ کو تو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔

کہیں فرمایا گیا:

"هو الذی بعث فی الأمیین رسولاً منهم یتلو علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وإن کانوا من قبل لفی ضلال مبین" (سورۂ جمعہ:۲)۔

(وہی وہ ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ تعالی کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگر چہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے)۔

کہیں زبان رسالت سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں:

"إنما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق"

(مجھے تو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے)۔

نماز جو خالص عبادت اور اسلام کا اہم ترین رکن ہے اس کے مقصد اور فائدہ کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

"إن الصلوٰة تنهی عن الفحشاء والمنکر ولذکر الله أکبر" (سورۂ عنکبوت:۴۵)۔

(بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے)۔

روزے کی فرضیت بیان کرتے ہوئے اس کے مقصد وفائدہ کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

"يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون" (سورۂ بقرہ: ۱۸۳) (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے، تاکہ تم تقوی والے ہو جاؤ)۔

اسی لئے الامام الدہلوی حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) (احمد بن عبد الرحیم) اس گروہ پر بڑی تیکھی تنقید کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ شریعت کے احکام صرف بندوں کی آزمائش کے لئے ہیں، بہ ذات خود ان احکام و تعلیمات میں مقاصد و مصالح نہیں ہیں، انہوں نے اس گروہ کو علم سے بالکل بے بہرہ قرار دیا ہے (حجۃ اللہ البالغۃ اول ص ۲۷ تا ۲۹)۔

کتاب و سنت میں احکام کے مقاصد، فوائد اور اسرار کو بیان کئے جانے کی بہت سی مثالیں بیان کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحب نے آثار صحابہ سے اس کی مثالیں دی ہیں، پھر تحریر فرماتے ہیں:

"ثم لم يزل التابعون ثم من بعدهم العلماء المجتهدون يعللون الأحكام بالمصالح ويفهمون معانيها ويخرجون للحكم المنصوص مناطاً مناسبًا لدفع ضر أو جلب نفع كما هو مبسوط في كتبهم ومذاهبهم" (حجۃ اللہ البالغہ اول ص ۳۱)۔

(پھر تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مجتہدین احکام کی تعلیل مصالح سے کرتے رہے، احکام کے معانی پر غور کرتے رہے، اور منصوص حکم کے لئے دفع ضرر یا جلب منفعت کے کسی مناسب مناط کی تخریج کرتے رہے، جیسا کہ ان کی کتابوں اور مذاہب میں مفصل موجود ہے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ان لوگوں پر بھی تفصیلی نقد کیا ہے جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ احکام شریعت فی الجملہ مصالح و مقاصد کے ساتھ مربوط تو ہیں لیکن علم مقاصد کی تدوین، اس کے اصول و فروع کی ترتیب عقلاً محال ہے، کیونکہ ان میں بڑا غموض و خفا ہے، اور شرعاً بھی ممنوع ہے، کیونکہ سلف نے عہد نبوی سے قریب ہونے اور اپنی علمی گیرائی و گہرائی کے باوجود اس فن کو

مدون نہیں کیا، وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس فن کو مدون کرنے میں کوئی قابل ذکر فائدہ نہیں ہے، شریعت پر عمل ان مصالح کے جاننے پر موقوف نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے ان تمام باتوں کو ظنون فاسدہ قرار دے کر مذکورہ بالا شبہات کا مفصل جواب دیا ہے، اور علم مقاصد شریعت کی تدوین کے سات بڑے فوائد کا ذکر کیا ہے، جسے حجۃ اللہ البالغہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

شریعت کے مصالح ومقاصد پر پورا زور دینے اور ان کی اہمیت نمایاں کرنے کے باوجود حضرت شاہ صاحب یہ تنبیہ بھی ضروری سمجھتے ہیں:

"نعم كما أوجبت السنة هذه وانعقد عليها الإجماع فقد أوجبت أيضا أن نزول القضاء بالإيجاب والتحريم سبب عظيم في نفسه مع قطع النظر عن تلك المصالح لإثابة المطيع وعقاب العاصي وانه ليس الأمر على ماظن من أن حسن الأعمال وقبحها بمعنى استحقاق العامل الثواب والعقاب عقليان من كل وجه" (جلد اول ص ۳۲)۔

(ہاں جس طرح سنت نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہوا ہے اسی طرح سنت نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ واجب کرنے اور حرام کرنے کا فیصلہ آ جانا ان مصالح سے قطع نظر خود اطاعت کرنے والے کو ثواب دینے اور نافرمانی کرنے والے کو سزا دینے کا عظیم سبب ہے، معاملہ اس طرح نہیں ہے جیسا گمان کر لیا گیا ہے کہ اعمال کا حسن اور قبح عمل کرنے والے کے ثواب اور عقاب کے مستحق ہونے کے معنی میں ہر اعتبار سے عقلی ہیں)۔

کتاب وسنت، آثار صحابہ، اجتہادات فقہاء میں مقاصد شریعت کا خاصا بڑا حصہ پائے جانے کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اسلامی لٹریچر میں مقاصد شریعت پر مستقل کتابیں یا تفصیلی بحثیں بہت کم ملتی ہیں۔

مقاصد شریعت کے چند اہم مصنفین اور کتابیں:

امام غزالی کے استاذ امام الحرمین عبدالملک الجوینی (۴۷۸ھ) کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اصولی طور پر مقاصد شریعت پر بحث کی، ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کی تعریف اور حد بندی کی، امام الحرمین کی ایک کتاب جو اصول فقہ پر ہے "البرهان في أصول الفقه" وہ شائع ہو چکی ہے اور مکتبات میں موجود ہے، اس میں انہوں نے قیاس کی بحث کے تحت مقاصد شریعت پر اچھی گفتگو کی ہے اس میں خاص طور سے جب علت کی بحث آتی ہے کہ حکم منصوص کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے، علت کون سی چیز ہو، کون سا وصف ہو، اس وصف میں کن کن شرطوں کا ہونا ضروری ہے، اس ذیل میں امام الحرمین مقاصد شریعت پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ایک اور کتاب ہے "غياث الأمم في التياث الظلم" معروف بہ الغیاثی یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے، میرے اپنے خیال میں مقاصد شریعت پر بہت ہی اہم کتاب ہے موجودہ حالات کے تناظر میں، لیکن اکثر مصنفین "الغیاثی" کی اہمیت اور مقاصد شریعت کے مباحث میں "الغیاثی" کے رول سے ناواقف ہیں، اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں جو غیر معمولی حالات ہیں: مثلاً حرام عام ہو جائے، حلال روزی مفقود ہو جائے، مکاسب گندے ہو جائیں، اس صورت میں زندہ رہنے کی کیا شکل ہوگی اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کی، یعنی اس زمانے پانچویں صدی ہجری میں ایک فقیہ تصور کرتا ہے کچھ حالات تو اس وقت بھی تھے، لیکن جو حالات انہوں نے فرض کئے ہیں، کیسے کیسے حالات آسکتے ہیں، آج جب ہم ان کو حالات پر منطبق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کے حالات کے لئے وہ کتاب لکھی گئی ہے، ان حالات میں شریعت کے اصول کی تطبیق کیسی ہوگی، احکام کے مدارج کو طے کر کے ہم کن احکام پر کتنا زور دیں اس پر انہوں نے تفصیلی گفتگو کی ہے، میری خاص طور سے اپنے نوجوان فضلاء سے درخواست ہے کہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں موجودہ حالات میں شرعی مسائل کو حل کرنے کے لئے اور ان کو سمجھنے کے لئے۔

اس کے بعد سب سے اہم نام امام غزالی (۵۰۵ھ) کا آتا ہے، جنہوں نے مقاصد شریعت کے موضوع پر بہت بڑا کام کیا ہے، دراصل انہوں نے اپنے استاذ امام الحرمین الجوینی کے خیالات کو مزید پھیلا کر اور منقح کر کے پیش کیا ہے، ان کی اس موضوع پر اصول فقہ میں جو کتابیں ہیں، ان میں "المنخول" ہے جو شائع ہو چکی ہے، "المستصفی" بہت ہی منقح کتاب ہے اصول فقہ میں، اس میں استصلاح کی بحث میں انہوں نے بہت تفصیل سے مقاصد شریعت پر گفتگو کی ہے اور پہلی بار یہ بات وضاحت سے لکھی ہے کہ دین کا مقصد، پوری شریعت کا مقصد: دین کی حفاظت، نفس کی حفاظت، نسب یا نسل کی حفاظت، عقل کی حفاظت اور مال کی حفاظت، تو گویا جو پانچ قسمیں ہیں مقاصد کی "مقاصد خمسہ" اس کو انہوں نے تفصیل سے پہلی بار بیان کیا ہے، حالانکہ اس کے اشارے اور اس کی بحثیں ان کے استاذ کے یہاں پائی جاتی ہیں، اس کے علاوہ ان کی کتاب "شفاء الغلیل" جو اصلاً قیاس پر پوری کتاب ہے، وہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے اس کتاب میں بھی انہوں نے تفصیل سے مقاصد شریعت کے موضوع پر گفتگو کی ہے، اور احکام کے مدارج کا طے کرنا یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے، کہ شریعت کے بہت سے احکام ہیں لیکن ہر حکم کی ایک حیثیت نہیں ہوا کرتی، اس میں فرق ہوتا ہے، بسا اوقات جب ٹکراؤ ہوگا دو حکموں میں، تین حکموں میں کہ تینوں پر عمل کرنا مشکل ہے، ایسی صورت پیدا ہو جائے، اس وقت ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ سب سے اہم حکم کون سا ہے، جس کو ہمیں اولیت دینی ہے، ایک فقیہ کے لئے موجودہ دور میں خاص طریقہ سے اس کی بہت ضرورت ہے کہ وہ مدارج احکام سے واقف ہو، اس سلسلہ میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ جو امارت شریعت کے بانی ہیں، انہوں نے خاص طریقہ سے یہ بات فرمائی تھی کہ علماء کو خاص طور سے "المستصفی" میں جو استصلاح کی بحث ہے اس کو خاص طور پر پڑھنا چاہئے موجودہ حالات میں احکام کی تطبیق کے لئے، پھر "شفاء الغلیل" سے ہم کو معلوم ہوا کہ اس سے پہلے اصول فقہ میں ایک کتاب ایک بڑے حنفی عالم کی ہے، اہل علم کے حلقوں میں ابو زید الدبوسی کا نام معروف ہے، ان کی کتاب "تقویم الأدلہ" جو اصول فقہ کی

بنیادی کتابوں میں ہے، وہ کتاب اب شائع ہوگئی ہے، بہترین اور معیاری کتاب ہے، اس کے بعض مباحث پر ''شفاء الغلیل'' میں امام غزالیؒ نے نقد کیا ہے اور تبصرہ کیا ہے، اس سے اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اس کی کتنی اہمیت دی، اس کتاب کو حاصل کرنا اور پڑھنا، اس کی تمنا لوگ کرتے تھے کہ یہ کتاب چھپ جائے، اب وہ چھپ چکی ہے، مسئلہ یہ بھی ہوگیا ہے کہ جو پڑھنے والے تھے، جو تمنا کرتے تھے کہ فلاں کتاب مل جائے تو پڑھ لیں، فلاں کتاب شائع ہو جائے، اس کو حاصل کرلیں، پڑھیں وہ تو چلے گئے، اب کتابوں کا انبار ہے، قدیم فقہاء، محدثین کی کتابیں بے تحاشہ شائع ہو رہی ہیں، لیکن اب مسئلہ ہے پڑھنے والوں کا جو ان کتابوں کو ان کا حق دیں، اور مطبوعات کے سیلاب میں کون سی کتاب اس قابل ہے جو ہمارے کام کی ہے، کس کو ہم پڑھیں اس کا ہم فیصلہ کریں، بہر حال امام غزالیؒ کی متعدد کتابیں اس موضوع پر ہیں، پھر ان کی کتاب ''احیاء علوم الدین'' ہے، وہ انسائیکلوپیڈیا ہے اسلامی علوم پر اور اسرار و حکم پر، یہ ایسی کتاب ہے کہ ہمارے علماء کو، ہمارے فقہاء کو خاص طریقہ پر اس کی بحثیں جو مقاصد شریعت سے متعلق ہیں ضرور پڑھنا چاہئے، یہ بہت بڑا کام ہے۔

امام غزالی کے بعد مقاصد شریعت کے موضوع پر سب سے قد آور شخصیت سلطان العلماء عز الدین بن عبد السلام (۶۰۶ھ) کی ہے جنہوں نے اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھ کر مقاصد شریعت کے موضوع کو زیادہ نکھارا، ان کی کتاب ''**قواعد الأحكام في مصالح الأنام**'' نے زیادہ شہرت پائی جس کو ہم لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں، اس کا موضوع یہی ہے کہ اللہ تعالی کے جو احکام ہیں بندوں کے لئے ان میں کیا مصالح ہیں، ان کے کیا درجات ہیں، کیا مراتب ہیں، یہ کتاب بہت پہلے چھپی ہوئی ہے اور الحمد للہ اس کا مطالعہ بھی ہوتا ہے اور اس کے حوالے بھی آتے ہیں، لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان کی اور دو کتابیں ہیں جو کسی طرح اس کتاب سے کم نہیں، اور ابھی ہمارے یہاں وہ کم پہنچ سکی ہے، ان کی ایک کتاب ''**شجرة المعارف والاحوال وصالح الاقوال والاعمال**'' ہے، جو چند سال پہلے شام سے شائع

ہوئی ہے، اس میں مقاصد شریعت سے متعلق کافی مباحث وافادات موجود ہیں، اور یہ مقاصد شریعت پر نظریاتی سے بڑھ کر تطبیقی کتاب ہے، انہوں نے پوری شریعت کو مقاصد شریعت کی روشنی میں دیکھا ہے اور اس پر بڑی اچھی بحثیں کی ہیں، یہ کتاب بھی ہمارے نوجوان فضلاء کے مطالعہ میں آنی چاہئے، اسی طرح ان کی کتاب "الفوائد فی اختصار المقاصد" یا"القواعد الصغری" بھی اس موضوع پر کافی معلومات افزا اور فکر انگیز کتاب ہے جو قواعد الأحکام کی تلخص ہے، یہ بھی شائع ہو چکی ہے، اس میں بعض نئی چیزیں ہیں، اس کو یہ سمجھنا کہ محض قواعد الأحکام کی تلخیص ہے ایسا نہیں ہے، اس میں بعض ایسے اضافے ہیں، بعض چیزیں ایسی ہیں جو قواعد الأحکام میں نہیں ہیں۔

سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام (۶۶۰ھ) کے مایہ ناز شاگرد علامہ شہاب الدین قرافی (۶۸۵) نے بھی مقاصد شریعت کے موضوع سے خاصا اعتناء برتا ہے، انہوں نے "شرح تنقیح الفصول" میں مقاصد شریعت پر بعض اصولی بحثیں کی ہیں، اور ان کی مشہور کتاب "الفروق" میں مقاصد شریعت اور اسرار احکام پر بڑا قیمتی مواد موجود ہے۔ انہوں نے شریعت کے مختلف احکام جو بسا اوقات یکساں معلوم ہوتے ہیں، کہ دو صورتیں یکساں ہیں، لیکن حکم الگ الگ ہے، تو حکم کیوں الگ الگ ہے، کیا اس میں حکمت ہے اور بعض جگہیں اس کے برعکس ہوا کرتا ہے کہ دو صورتیں بظاہر الگ الگ معلوم ہوتی ہیں کہ ان کا حکم الگ ہونا چاہئے، لیکن شریعت نے دونوں کا حکم ایک ہی لگایا ہے، کیوں ایسا ہے، کیا حکمتیں ہیں، کیا اس کے رموز ہیں، ان سب پر "الفروق" میں بحث کی گئی ہے۔ "الفروق" بہت فنی کتاب ہے، متداول ہے، دستیاب ہے، ان کتابوں کو ہمارے نوجوان فضلاء کو پڑھنا چاہئے۔

قرافی کے بعد مصالح و مقاصد شریعت کے موضوع کی ایک معرکۃ الآراء اور ہنگامہ خیز شخصیت نجم الدین طوفی (۷۱۶ھ) کی ہے جنہوں نے حدیث "لا ضرر ولا ضرار" کی شرح میں بڑی تفصیل سے مصالح و مقاصد شریعت پر گفتگو کی ہے، اور اس میں انہوں نے یہ بات لکھ دی

ہے کہ عبادات میں نصوص اصل ہیں، جو حکم آ گیا اس کو ہم اپنائیں گے، اور معاملات و عادات کے ابواب میں مصالح اصل ہیں، یہاں تک کہ وہ اس میں اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ اگر مصالح کا ٹکراؤ ہو جاتا ہے نصوص سے یا اجماع سے تو مصالح کو ہم ترجیح دیں گے، یہ نقطہ نظر انتہائی خطرناک تھا، کسی صورت میں قابل قبول نہ تھا، چنانچہ ان کے معاصر علماء نے بھی اس پر بہت سخت نقد کیا ہے، حالانکہ وہ بڑے حنبلی عالم ہیں، ان کی کتاب "شرح مختصر الروضة" کئی جلدوں میں ہے، بڑی عمدہ کتاب ہے، انہوں نے اصول فقہ کے مسائل کو بہت ہی آسان انداز میں پیش کیا ہے، لیکن یہ جو مسئلہ ہے ان کا مصالح والا وہ کافی ہنگامہ خیز ہے، اس انیسویں بیسویں صدی میں جب اس کا رجحان پیدا ہوا کہ مصالح کے نام پر بہت سے فروعی احکام سے گریز اختیار کیا جائے تو بعض حلقوں کی طرف سے ان کے نام کو بہت نمایاں کیا گیا۔

شیخ مصطفیٰ زید نے ایک کتاب لکھی اسی موضوع پر، "امام طوفی اور مصلحت" تو اس میں شیخ ابو زہرہ نے مقدمہ لکھا ہے، مصطفیٰ زید نے پوری کوشش کی ہے کہ ان کو رفض کے الزام سے بری کریں، لیکن شیخ ابو زہرہ نے اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جو شہادتیں اور عبارتیں انہوں نے ان کو بری قرار دینے کے لئے پیش کی ہیں ان میں خود داخلی شہادتیں موجود ہیں جو ان کے رفض کو ثابت کرتی ہیں، اور ویسے بھی ابن رجب حنبلی اور دوسرے جو تبصرہ نگار تھے ان کے ذمہ دارانہ بیان کو ہم چٹکیوں میں نہیں اڑا سکتے ہیں، پھر ان کی کتاب کی داخلی شہادت موجود ہے خود میں نے ان کی کتاب جو اصول فقہ پر ہے پڑھی ہے، بعض جگہوں پر بہت صاف بات معلوم ہوتی ہے...... لیکن اس سے الگ ہو کر مان لیجئے وہ رافضی نہ بھی ہوتے، اہل سنت ہی میں سے ہوتے، خواہ وہ حنبلی ہی ہوں، لیکن جو بات انہوں نے مصالح کے بارے میں پیش کی ہے وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے، اس کو قبول کرنے کے بعد پوری شریعت ہی زد میں آ جاتی ہے، بہر حال اس سے آپ کا واقف ہونا ضروری ہے، ان کے دلائل کیا ہیں، کیا بنیادیں ہیں، کیوں لکھتے ہیں، اور جو حضرات ان کی تائید کرتے ہیں، ان کی تائید کی بنیاد کیا ہے؟ ہمارے نوجوانوں کو اور علماء کو خاص طریقہ پر تیار ہونا چاہئے اور ان چیزوں سے واقف ہونا چاہئے۔

اس سلسلہ میں جب ہم آگے بڑھتے ہیں تو حافظ ابن تیمیہ (۷۲۷ھ) کی تصنیفات وفتاوی میں بھی جگہ جگہ مقاصد شریعت و مصالح احکام کی روح کارفرما نظر آتی ہے، انہوں نے مقاصد شریعت کو پانچ چیزوں میں محدود کرنے پر اپنے فتاوی میں تنقید کی ہے، اور چند دیگر مقاصد کی طرف اشارہ کیا ہے، اور میں یہ بات یہاں کہہ دوں اور انشاء اللہ آئندہ بھی تفصیل سے بات آئے گی کہ ایک مسئلہ ہے تعبیر کا مان لیجئے کہ اس زمانے کے فقہاء نے اپنے زمانے کے اعتبار سے ان پانچ چیزوں کی حفاظت کو شریعت کا مقصد قرار دیا، اپنی جگہ پر یہ بات صحیح ہے، یا ہم یہ کہیں کہ دفع مضرت اور جلب منفعت شریعت کا مقصد ہے، لیکن آج کے زمانے میں اگر ضرورت ہے اسی چیز کو نئے انداز میں پیش کرنے کی، اگر آپ یوں کہتے ہیں کہ انفرادی زندگی میں شریعت کے کیا مصالح ہیں، رائے کی آزادی وغیرہ ...... فیملی لائف میں شریعت کے کیا مقاصد ہیں، نظام الأسرہ میں شریعت کے مقاصد کیا ہیں، شریعت کیا چاہتی ہے، ان چیزوں کو ہم موجودہ حالات کے اعتبار سے اس طرح پیش کریں کہ اسلام کی تعلیمات، کتاب وسنت کے احکام، مقاصد شریعت جس کو ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے دور میں اپنے اپنے انداز میں پیش کیا جس کو ہم ''علم کلام'' کہتے ہیں تو آج کا ''علم کلام'' یہ ہے کہ ہمارے یہ نوجوان محنت کریں غور کریں اور یہ طے کریں کہ اس وقت جو موجودہ عالمی صورتحال ہے اس میں شریعت کے مقاصد کو، فقہ اسلامی کو، شریعت کے احکام کو کس انداز میں ہم پیش کریں کہ وہ لوگوں کے لئے قابل قبول ہو، ان کو وہ بات سمجھ میں آئے، غالباً حضرت علیؓ کا مقولہ ہے: ''**کلموا الناس علی قدر عقولهم اتریدون أن یکذب الله ورسوله**'' کہ لوگوں سے ان کے عقلوں کے مطابق بات کیجئے کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کردی جائے، بات تو آپ صحیح کہئے جو بنیادی بات ہے وہ تو نہیں بدلیں گے، لیکن اس کو ایسے انداز سے پیش کیجئے کہ وہ چیزیں قابل قبول ہوسکیں، ایسا نہ ہو کہ آپ نے ایسے انداز میں پیش کیا جسے ان کے ذہن نے مسترد کردیا اس لئے دین کی تعلیمات کو پیش کرنے میں نئے زمانے کی تعبیرات اور حالات کا لحاظ کیا جاتا ہے، یہ

مطلوب ہے اور یہ چیزیں ہونی چاہئیں اس سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہ کے مایہ ناز شاگرد حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) کے یہاں مقاصدی اجتہاد کا رنگ زیادہ نکھرا ہوا نظر آتا ہے، اعلام الموقعین اور اپنی بعض کتابوں میں انہوں نے شریعت اسلامی کے ایسے بہت سے احکام کو بھی عقل و قیاس سے ثابت کیا ہے، اور ان کے مصالح پر روشنی ڈالی ہے جن کو عام طور پر فقہاء غیر مدرک بالقیاس یا خلاف قیاس قرار دیتے ہیں، حافظ ابن قیم نے بڑے واشگاف انداز میں لکھا ہے:

"إن الشريعة مبناها وأساسها على الحكم ومصالح العباد فى المعاش والمعاد، وهى عدل كلها ومصالح كلها وحكمة كلها، فكل مسألة خرجت عن العدل إلى الجور و عن الرحمة إلى ضدها وعن المصلحة إلى المفسدة وعن الحكمة إلى العبث فليست من الشريعة وإن أدخلت فيها بالتاويل فالشريعة عدل الله بين عباده"۔

(شریعت کی بنیاد و اساس حکمتوں پر اور دنیا و آخرت میں بندوں کے مصالح پر ہے، شریعت پوری کی پوری عدل اور مصلحت و حکمت ہے، لہذا ہر وہ مسئلہ جو عدل سے ظلم کی طرف، رحمت سے اس کی ضد کی طرف، مصلحت سے مفسدہ کی طرف، حکمت سے عبث کی طرف نکل جائے وہ شریعت کا حصہ نہیں ہے، اگرچہ اسے تاویل کر کے شریعت میں داخل کر دیا گیا ہو، پس شریعت اپنے بندوں کے درمیان اللہ کا انصاف ہے) (مفتاح دار السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والارادۃ ۲/۲)۔

آٹھویں صدی ہجری میں ہی وہ بلند پایہ شخصیت ظہور پذیر ہوئی جس نے مقاصد شریعت کے موضوع کو اپنی فکر و توجہ کا مرکزی موضوع بنایا، اور اس موضوع پر ایسا شاندار گلستان آراستہ کیا کہ متقدمین کی نکتہ آفریناں ماند پڑ گئیں، میری مراد امام ابو اسحٰق شاطبی (۷۹۰ھ) سے ہے جنہوں نے "الموافقات فى أصول الشريعة" لکھ کر علم مقاصد کو ایک نئی جہت دی، اور اہل علم کے لئے اس علم کے دروازے کھول دیئے، چار جلدوں کی یہ کتاب مقاصد شریعت پر سب

سے اہم کتاب تسلیم کی جاتی ہے، شاطبی کی تنہا یہی کتاب انہیں زندہ جاوید رکھنے کے لئے کافی ہے۔ علامہ بنوری نے ایک بات لکھی ہے...... آپ کو معلوم ہے کہ امام شاطبی کی بہت زیادہ کتابیں نہیں ہیں، ''الموافقات'' ہے اور ''الاعتصام'' دو کتابیں ان کی مشہور ہیں، ان کے فتاوی بھی بعض لوگوں نے نکالے ہیں اور شائع کیے ہیں، لیکن اصلاً دو ہی کتابیں ان کی زیادہ مشہور ہیں، علامہ بنوری لکھتے ہیں کہ انسان زندگی میں ایک کتاب لکھ جائے ''الموافقات'' جیسی تو اس کی پوری عمر وصول ہے، اس سے بہتر ہے کہ آدمی تصنیفات کا ڈھیر لگا دے، ایک سو کتابیں ہیں، پانچ سو کتابیں ہیں، لیکن کوئی بنیادی کتاب اس میں نہ ہو جو زندہ رہنے والی ہو، بات وہی کہ اب خود ہم لوگوں میں سطحیت پیدا ہوگئی ہے، لکھنے والوں میں، اہل تحقیق میں کہ مقالات چھپیں، کتابیں چھپیں، تعداد بڑھائیں، لیکن جو گہرائی میں جانے کا ذوق ہونا چاہئے، کسی ایک موضوع کی گہرائی میں ہم اتریں، محنت کریں کہ جو چیز ہم لکھ دیں وہ ایسی چیز ہو جائے جو ہمیشہ زندہ رہے اور اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے تو انہوں نے لکھا ہے کہ امام شاطبی کی ''الموافقات'' اور ''الاعتصام'' امام سیوطی کی بہت سی کتابوں سے بھاری ہے امام سیوطی نے بھی بڑا کام کیا ہے ان کی شخصیت بھی بہت بڑی ہے، ان کے بہت سے کارنامے ہیں، لیکن بہر حال ایک کتاب کبھی ایسی ہوتی ہے جو سینکڑوں پر بھاری ہو جاتی ہے، تو موافقات تو بہر حال ایسی کتاب ہے کہ خاص طریقہ سے ہمارے نوجوانوں کو، اصحاب افتاء کو ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

علامہ شاطبی کے بعد مقاصد شریعت پر تصنیف کے میدان میں طویل سناٹا نظر آتا ہے، یہاں تک کہ بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ) نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' لکھی، ''التفہیمات الالٰہیہ'' لکھی، ''البدور البازغۃ'' لکھی، لیکن حجۃ اللہ البالغہ میں انہوں نے خاص طریقہ پر جو ترجمانی کی ہے اور دین کے تمام شعبوں (عقائد، عبادات، معاملات، عقوبات اور اخلاقیات) کو عقل و برہان کے پیراہن میں پیش کیا، اور احکام دین کے مصالح و مقاصد پر بڑی بلاغت اور تفصیل سے روشنی ڈالی، گویا انہیں یہ احساس ہو چلا تھا کہ زمانہ جو آنے والا ہے، جو دور

آنے والا ہے، جو حالات پیدا ہورہے ہیں، وہ اب ایسے نہیں ہیں کہ لوگ بس اتنا سن کر خاموش ہوجائیں اور مطمئن ہوجائیں کہ یہ کتاب وسنت کا حکم ہے، بلکہ ایسا ذہن بننے والا ہے کہ جب تک لوگوں کے ذہن کو مطمئن نہیں کریں گے، احکام شریعت کو عقلی پیرہن میں ہم پیش نہیں کریں گے، اس کا خطرہ ہے کہ کہیں وہ دوسرا راستہ اختیار نہ کریں، حضرت شاہ صاحب نے پوری کتاب جو لکھی ہے اس میں پورے دین کو جس انداز میں پیش کیا اور اس کے اسرار ورموز کو واضح کیا ہے وہ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں، اور انہوں نے مقاصد شریعت اور اسرار شریعت کے موضوع پر اس کی اہمیت کو جو واضح کیا ہے، اپنے مقدمہ میں اس کے جو فوائد بیان کئے ہیں اس مقدمہ کے اندر وہ پڑھنے کی چیز ہے، اس سلسلہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب کی اسی شہر میں درسگاہ تھی، ان کے بعد ان کے فرزندگان بھی یہی تشریف فرما ہوئے، انہوں نے بھی ان کی دینی، اصلاحی، دعوتی اور انقلابی تحریک کو آگے بڑھایا۔

ہندوستان کے علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد جس شخصیت نے اپنی تحریروں سے اسرار شریعت کی نقاب کشائی کی، اور اسلامی تعلیمات کو عقلی دلائل کے پیراہن میں پیش کیا، اسلامی تعلیمات پر وارد کئے جانے والے عقلی شبہات کا اطمینان بخش جواب دیا وہ حکیم الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) ہیں، جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے کام کو آگے بڑھایا۔ ایسے وقت میں جب آریہ سماجی اور انگریز پادری اور مختلف قسم کے لوگ اسلام کے احکام کو نشانہ بنائے ہوئے تھے، اور اسلامی تعلیمات پر عقل کی روشنی میں اعتراضات کررہے تھے، مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کررہے تھے، جن حضرات نے کوششیں کی ہیں ان میں ایک بہت بڑا حصہ ہے حضرت نانوتویؒ کا، انہوں نے جو کتابیں لکھیں ہیں، ان کی جو تقریریں ہیں، ان کے جو رسائل ہیں ان میں سے اکثر عام لوگوں کے فہم سے بالاتر ہیں، لیکن علماء کو خاص طور سے انہیں پڑھنا چاہئے، ان کی خدمت کرنا، ان کے بیان کردہ حکم واسرار کو نئے اسلوب میں پیش کرنا یہ ہمارے طبقہ علماء کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان کے جو رسالے

ہیں جو کتابیں ہیں وہ دستیاب نہیں بہت کم ہیں جو شائع ہوئی ہیں، ان کو مرتب کرنا اور پڑھنا چاہئے۔ لیکن یہ نقطہ اپنی جگہ پر ہے کہ ہمیں یہ بات بھی ذہن میں بٹھانا چاہئے کہ کسی حکم کی مصلحت ہم نہ جان سکیں، اس کا کیا راز ہے، کیا فائدہ ہے، کس بنیاد پر حکم دیا گیا، اس کو ہم نہ جان سکیں تب بھی ہم مکلّف ہیں، اور ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم احکام شریعت کو مانیں اور ان اسرار و رموز کو عوام جان بھی نہیں سکتی، خاص اہل علم ہوتے ہیں وہی ان چیزوں کو سمجھتے ہیں اور غور کرتے ہیں، لیکن یہ اسپرٹ اور جذبہ پیدا کرنا ضروری ہے لوگوں کے اندر کہ کوئی حکم آ گیا اسے مان لینا ہے، ہمارا ذہن اگر چہ یہ سوچتا ہو کہ یہ حکم ایسا ہے ویسا ہے، اسرار شریعت کا بیان کرنا اطمینان قلب کے لئے ہے اور اس پر عمل موقوف نہیں ہے کہ اس کے بغیر یہ حکم ہمارے لئے حجت نہ ہو۔

حضرت نانوتوی کے بعد مقاصد و مصالح شریعت کے موضوع پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) کا کام خاصا گراں قدر ہے، اپنی مختلف تصنیفات، تحریروں اور مواعظ میں انہوںؒ نے اسرار شریعت کی نقاب کشائی کی، اور جدید شبہات کا جواب دیتے ہوئے احکام شریعت کے مصالح و مقاصد کو اجاگر کیا ہے، اس سلسلہ میں ان کی کتاب "المصالح العقلية للأحكام النقلية" خاص طور پر فکر انگیز اور بصیرت افروز ہے۔

اس تحریر میں مقاصد و اسرار شریعت کے موضوع پر کئے گئے تمام کاموں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ اس کی چند اہم کڑیوں کا مختصراً تذکرہ کرنا منظور تھا۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں مختلف ممالک کے علماء نے اسلامی عقائد و تعلیمات کو ثابت کرنے اور جدید عقلیت کے پیدا کردہ شبہات کا جواب دینے کے لئے جو گراں قدر لٹریچر تیار کیا اگر اس کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور اس میں مقاصد و مصالح شریعت کا جو مواد بکھرا ہوا ہے اسے یکجا کیا جائے تو مقاصد شریعت کے موضوع پر بڑا وقیع کام ہو سکتا ہے۔

بلاد عربیہ میں علامہ شاطبی کی طرح مقاصد شریعت کو موضوع بنا کر کام کرنے کا سلسلہ بہت طویل عرصہ تک موقوف رہا، یہاں تک کہ بیسویں صدی عیسوی میں علامہ محمد طاہر بن عاشور

تونسی (۱۹۷۳ء) نے علامہ شاطبی کے کام کو آگے بڑھایا اور اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''مقاصد الشريعة الإسلامية'' تصنیف کی، جو دور حاضر میں اس موضوع پر سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، طاہر بن عاشور نے شاطبی کے کام کو مرتب کرنے اور اس کا اختصار و تشریح کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے غور وفکر اور تحقیق سے اس موضوع پر کافی اضافہ کیا، نئے نظریات پیش کئے۔

اس دور کے ایک دوسرے مفکر اور عالم علامہ علال فاسی نے بھی ''مقاصد الشريعة الإسلامية ومكارمها'' کے نام سے کتاب لکھی جو اس موضوع پر ایک وقیع اضافہ ہے۔

اس وقت جو آپ یہاں جمع ہوئے ہیں، آپ نوجوان فضلاء کو یہاں جمع کیا گیا ہے، اس نوع کی یہ پہلی کوشش ہے، اکیڈمی کی، طلبہ کے کیمپ تو مختلف جگہوں پر ہم نے منعقد کئے ہیں، مختلف موضوعات پر، لیکن وہ حضرات جو گویا اس مرحلہ میں نہیں ہیں کہ مدرسہ میں داخل ہوں بلکہ پڑھ کر فارغ ہو چکے ہیں لیکن وہ حقیقی طلبہ ہیں، ان کی طلب علم میں گویا اضافہ ہوا ہے، اور وہ علم وتحقیق کے میدان میں آگے بڑھیں، تو اکیڈمی نے نوجوان فضلاء مدارس اور حوصلہ منداہل تحقیق کے لئے یہ ورکشاپ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت قاضی صاحبؒ کی خواہش بھی یہی تھی اور انہوں نے اس کی کوشش بھی کی تھی کہ نوجوان فضلاء کو اسلامی علوم خاص طور سے فقہ اسلامی سے خاص مناسبت ہو۔ ان کو مختلف موضوعات پر جمع کیا جائے اور ان کے سامنے کچھ باتیں رکھی جائیں، اصحاب تحقیق علماء رکھیں، پھر وہاں مناقشہ ہو، گفتگو ہو، مقصد محض محاضرات سنانا نہیں، اس وقت تو آپ سن لیں اس کے بعد جو نشستیں ہوں گی۔ ان میں انشاء اللہ تعالی محاضرات اور مناقشات کا پورا موقع ہوگا۔

المعهد العالمی للفکر الاسلامی جسے چند عرب مفکرین اور فضلاء نے ۱۹۸۱ء/۱۴۰۱ھ میں قائم کیا اس نے اسلامی فکر کی تشریح اور علوم کو اسلامی روح وقالب میں ڈھالنے کا مشن شروع کیا، اس نے مقاصد شریعت کے موضوع کو بھی خاص اہمیت دی، اور اس موضوع پر بحث وتحقیق کی ہمت افزائی کی، المعهد العالمی للفکر الاسلامی کی طرف سے اب تک اس موضوع پر کئی گراں قدر

کتابیں شائع ہوچکی ہیں، مثلاً:"**نظرية المقاصد عند الامام الشاطبي للدكتور احمد الريسوني، نظرية المقاصد عند الامام محمد الطاهر بن عاشور للدكتور اسماعيل الحسني، قواعد المقاصد عند الامام الشاطبي للدكتور عبد الرحمن ابراهيم الكيلاني، نحو تفعيل مقاصد الشريعة للدكتور جمال الدين عطية، المقاصد العامة للشريعة الإسلامية للدكتور يوسف حامد العالم**"۔

المعهد العالمی للفکر الاسلامی کے تعاون سے مقاصد شریعت کے موضوع پر منعقد ہونے والے اس ورکشاپ کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ہمارے ذہین نوجوان علماء اور اصحاب افتاء مقاصد شریعت پر اب تک کیے گئے کاموں سے واقف ہوں، ان پر تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالیں، بحث ومناقشہ کے ذریعہ اس موضوع کے مختلف مسائل اور گوشوں کو نکھارنے کی کوشش کریں، اور اس موضوع کے تشنہ تحقیق پہلوؤں پر بحث وتحقیق کا عزم وارادہ لے کر اس ورکشاپ سے واپس جائیں۔

شہر دہلی اور مقاصد شریعت ورکشاپ:

حضرت شاہ الامام احمد بن عبد الرحیم ولی اللہ الدہلوی (۱۱۷۶ھ) کے اس شہر دہلی میں مقاصد شریعت کے موضوع پر منعقد ہونے والا یہ پانچ روزہ ورکشاپ بڑا خوش آئند اور مبارک قدم ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی شہر دہلی کو اپنی تعلیمی، اصلاحی، تربیتی اور فکری تحریک کا مرکز بنایا تھا، اسی شہر میں ان کی وہ درس گاہ تھی جس میں تعلیم وتربیت پاکر ایسے رجال کار تیار ہوئے جنہوں نے پورے برصغیر میں اصلاح وتجدید کا ایسا پرشکوہ اسکول قائم کیا جس نے پورے عالم اسلام کی علمی اور فکری، دینی اور دعوتی رہنمائی کی، اسی شہر میں حجۃ اللہ البالغہ لکھی، جو اسلامی لٹریچر میں مقاصد شریعت کے موضوع پر چند بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے، اسی شہر دہلی کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے عالی مرتبت فرزندان حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۲۳۹ھ)، حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی (۱۲۳۳ھ) اور حضرت شاہ عبد القادر

دہلوی (۱۲۳۰ھ) نے اسے اپنی علمی، تدریسی، تصنیفی اور اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے عبقری اور مجاہد پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ (۱۲۴۶ھ) کی علمی، تصنیفی، اصلاحی اور انقلابی کوششوں کا آغاز بھی اسی سرزمین دہلی سے ہوا۔

اور جب ہم مزید اوراق پلٹتے ہیں تو ہماری نظروں کے سامنے وہ منظر بھی کھنچ جاتا ہے کہ اسی شہر میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) کی مسند درس قائم ہے، حدیث اور علوم حدیث پر ان کی تدریسی اور تصنیفی خدمات کا سلسلہ جاری ہے، ''اللمعات''، ''اشعۃ اللمعات'' اور'' اخبار الاخیار'' جیسی گراں قدر کتابیں ان کے قلم گہر رقم سے لکھی جارہی ہیں، خانوادہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علوم اسلامیہ خصوصاً حدیث وعلوم حدیث کی تدریس وتصنیف میں مصروف ہے، اوران کی کوششوں سے علوم اسلامیہ خصوصاً حدیث وعلوم حدیث کے زمزمے شمالی ہند میں گونج رہے ہیں۔

ہم کچھ اور پیچھے کی طرف لوٹتے ہیں تو فکر وخیال کی دنیا میں فتاوی تاتارخانیہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، جوایک فقہی انسائیکلوپیڈیا سے کم نہیں ہے، یہ عظیم الشان فقہی کتاب بھی اسی سرزمین دہلی میں آٹھویں صدی ہجری میں شیخ عالم بن علاء (۷۸۶ھ) کے قلم سے لکھی گئی، حکومت ہند کی توجہ سے حضرت مولانا قاضی سجاد حسین رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے ساتھ فتاوی تاتارخانیہ کی چند جلدیں شائع ہوئیں، لیکن حضرت قاضی مرحوم کی وفات کے بعد اس کی اشاعت کا سلسلہ موقوف ہوگیا، کاش کہ حکومت ہند یا یہاں کا کوئی تحقیقی وتصنیفی ادارہ فتاوی تاتارخانیہ کی باقی جلدوں کی تحقیق واشاعت کا کام اپنے ذمہ لے تو یہ علم کی بہت بڑی خدمت ہوگی، اور ہندوستان کا نام پوری دنیا میں روشن ہوگا۔

سرزمین دہلی کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ اسی شہر میں ساتویں صدی ہجری میں قاضی عماد الدین محمد بن محمد بن اسماعیل الاشفورقانی (متوفی ۶۴۶ھ) نے آداب قضا پر اور اس کے متعلقات پر ''صنوان القضاء وعنوان الافتاء'' جیسی عظیم الشان کتاب تصنیف کی جسے چند

سال پہلے کویت کی وزارت اوقاف نے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بانی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کیا۔

اس موقع پر ہم حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی (۱۲۶۷ھ) استاذ دہلی کالج کو بھی نہیں فراموش کر سکتے جنہوں نے بہت طویل مدت تک اسی شہر دہلی میں درس وتدریس کی بساط بچھائی تھی جن کی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) اور فقیہ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۳ھ) جیسے قد آور اصحاب تحقیق علماء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی تعلیمی واصلاحی تحریک کے ذریعہ ہندوستانی مسلمانوں میں نئی روح پھونک دی اور پورے ہندوستان میں جابجا مدارس کی شکل میں اسلامی قلعے تعمیر کئے۔

مقاصد شریعت کے موضوع کی نزاکت:

مقاصد شریعت کا موضوع جو اس پانچ روزہ ورکشاپ کا مرکزی موضوع ہے بہت اہم اور نازک ہے، ایک طرف یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ایک فقیہ اور مفتی کے لئے شریعت کے احکام وتعلیمات کے مقاصد اور اسرار سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے، مدارج احکام کی شناخت اور نت نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک فقیہ اور عالم نصوص کے الفاظ اور متبادر معانی ہی پر اکتفا نہ کرے، بلکہ احکام کی علتوں اور حکمتوں، احکام سے شریعت کے مقاصد اور ان کے اسرار پر بھی اچھی نظر رکھتا ہو تو دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ دور حاضر میں دانشوری اور اجتہاد کا دعویدار ایک طبقہ مقاصد شریعت کی دہائی دے کر خود شریعت کو پامال کرنے کی کوشش میں ہے، ''خود ساختہ مقاصد شریعت'' کی آڑ میں کتاب وسنت کے صریح احکام، کھلے ہوئے اوامر ونواہی سے فرار وگریز کا راستہ اپنانا چاہتے ہیں، اور دور قدیم کے فرقہ باطنیہ کی طرح نصوص کے الفاظ واحکام کو ان کے صحیح اور اصلی معانی سے ہٹا کر بے بنیاد، خود ساختہ معانی پہنانے کی کوشش میں ہیں، اس طرح یہ گروہ شریعت کی بنیادوں پر تیشہ چلا رہا ہے، اور شرعی احکام کا مذاق اڑا رہا ہے۔

راہ اعتدال اس افراط وتفریط کے درمیان ہے، نہ تو یہ رویہ درست ہے کہ غیر منصوص مسائل کا شرعی حکم متعین کرنے میں نصوص کتاب وسنت سے ثابت یا مستنبط مقاصد شریعت کو نظر انداز کیا جائے، اور احکام شرع کے مصالح واسرار سے غفلت برتی جائے، اور نہ یہ طریقہ قابل برداشت ہے کہ نصوص کتاب وسنت سے بے نیاز ہو کر احکام شریعت کے خودساختہ مقاصد طے کر لئے جائیں، اور ان کی آڑ لے کر کتاب وسنت کے صریح احکام کو دین سے خارج کرنے کی کوشش کی جائے، یہ تو کھلا ہوا الحاد وزندقہ ہے۔

ورکشاپ کے شرکاء:

اس ورکشاپ میں جن اصحاب تحقیق علماء کو محاضرات کے لئے زحمت دی گئی ہے اور جنہوں نے بہت طویل سفر کی زحمت اٹھا کر ہم سب کو عزت بخشی ہے ان حضرات کا خاص موضوع اور میدان فقہ واصول فقہ خصوصاً مقاصد شریعت ہے، اس موضوع پر ان کی گراں قدر تصنیفات، مقالات اور بحثیں ہیں، اور جن ہونہار، باصلاحیت، حوصلہ مند نوجوان علماء اور اصحاب افتاء کو اس ورکشاپ میں شرکت کی زحمت دی گئی ہے وہ طلب وجستجو، نقد وتحقیق کے جذبات سے معمور ہیں، انہوں نے علوم اسلامیہ خصوصاً فقہ اسلامی کے موضوع کو اوڑھنا بچھونا بنایا ہے، ان نوجوان شرکاء میں سے اکثر وہ ہیں جنہوں نے علم وتحقیق کے میدان میں اپنی شناخت پیدا کر لی ہے، اور ان کی مختلف تصنیفات ومقالات ہیں۔

امیدیں اور توقعات:

ہمیں امید ہے کہ اس ورکشاپ میں پیش کئے گئے محاضرات اور ان محاضرات پر ہونے والی بحثوں اور مناقشات سے مقاصد شریعت کا موضوع اور اس کے نازک اور اہم مسائل اچھی طرح روشن ہو جائیں گے، ہمارے نوجوان اصحاب تحقیق علماء اور اصحاب افتاء کو محاضرات

اور مناقشوں سے یہ بات معلوم ہوگی کہ مقاصد شریعت کے موضوع پر اب تک کیا کچھ کام ہو چکا ہے، اور اس موضوع کے کون سے گوشے ایسے ہیں جو نئے حوصلہ منداصحاب تحقیق علماء کے منتظر ہیں، نیز موجودہ حالات کے تناظر میں مقاصد شریعت کے موضوع کو کیا اہمیت حاصل ہے، دور حاضر کی مشکلات اور مسائل کو حل کرنے میں مقاصد شریعت کے علم سے کیا مدد لی جاسکتی ہے، اور اس علم کے حدود وآداب کیا ہیں۔

مقاصد شریعت کا موضوع بنیادی طور پر علم اصول فقہ سے جڑا ہوا ہے، اہل اصول نے قیاس پر جو تفصیلی بحثیں کی ہیں ان سے پوری واقفیت اور کسی درجہ میں ان میں مہارت کے بغیر مقاصد شریعت کے موضوع کو پورے طور پر سمجھنا اور ہضم کرنا بڑا مشکل ہے، عام طور پر برصغیر کے مدارس میں اصول فقہ کے موضوع پر جتنا اور جس طرح پڑھایا جاتا ہے وہ طلبہ میں اصول فقہ کی واقفیت اور اس سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ناکافی ہے، مجھے امید ہے کہ اس ورکشاپ میں پیش ہونے والے محاضرات اور ان پر ہونے والے مناقشوں کے ذریعہ ہم سب کو اصول فقہ کی تعلیم وتدریس پر زیادہ زور دینے اور نصاب درس نیز طریقۂ تدریس میں کچھ بنیادی تبدیلیاں لانے کا احساس شدت سے پیدا ہوگا، اور ہمارے نوجوان علماء اس ورکشاپ سے حوصلوں، مشوروں اور تشنۂ تحقیق موضوعات کا جو سرمایہ لے کر واپس جائیں گے ان کے ذریعہ ان کے لئے علم وتحقیق کی نئی راہیں کھلیں گی، اور ان کی تحقیقی اور تصنیفی کاوشوں سے اگلی نسلوں کے لئے کامیابی اور ترقی کی نئی راہیں کھلیں گی۔

آخری بات:

آج سے کم وبیش ساڑھے تیرہ سال پہلے جامعہ ہمدرد کے اسی ہال میں پہلا فقہی سمینار (۱-۳/اپریل ۱۹۸۹ء) کو منعقد ہوا تھا، میر کارواں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۲۰۰۲ء) نے علم وتحقیق، تفقہ واستنباط کا ایک کارواں تشکیل دیا تھا جو شاہ

راہ علم وتحقیق پر مسلسل رواں دواں رہا، اور دور حاضر کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں اس کاروان نے فعال رول ادا کیا، میر کارواں بانی فقہ اکیڈمی حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کا غم سینہ میں لے کر ہم اس عزم اور حوصلہ کے ساتھ اب بھی اس کاروان کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں کہ جن مقاصد کے لئے انہوں نے فقہی سمیناروں اور فقہ اکیڈمی کے کاموں کا آغاز کیا تھا ان مقاصد کو پورا کرنے میں ہم اپنی توانائیاں صرف کریں گے، اور اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی کوششوں کو مزید تیز کردیں گے۔

اللہ تعالی ہم سب کی مدد کرے اور مقاصد میں کامیابی عطا کرے۔

کلیدی تحریر:

بین الاقوامی مسائل اور مقاصد شریعت

مولانا بدرالحسن القاسمی (کویت)

موجودہ دنیا کے حالات یکسر بدل گئے ہیں۔ جمہوریت، آزادی اور انسانی حقوق کی پاسداری پر ناز کرنے والے مغربی ممالک کا کم از کم مسلمانوں کی حد تک رویہ بالکل بدل گیا ہے۔ اب نہ انسانی حقوق کا احترام ہے، نہ قوموں کی خودمختاری اور آزادی کا احساس اور نہ حقیقی جمہوری طرز عمل کی مغرب کی طرف سے حوصلہ افزائی۔ بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حقیقی معنوں میں تہذیبی جنگ چھیڑ دی گئی ہے۔ امریکہ کی سرزمین پر اب ہر عرب اور مسلمان مشکوک ہے۔ ہر دینی ادارہ دہشت گردی کا اڈا ہے۔ فرانس میں مسلم لڑکیوں کو سر چھپا کر تعلیم گاہوں میں جانے کی آزادی نہیں۔ مسلمانوں سے بڑھ کر خود اسلام اور اسلامی تعلیمات کو دہشت گردی کا سبب ثابت کرنے کے لئے امریکی اور یورپی میڈیا پورے طور پر سرگرم ہے، یہودی ساہوکاروں کے قبضہ میں نشر و اشاعت کے جو وسائل ہیں وہ بڑی قوت سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپگنڈے میں لگے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف شمال و جنوب کے ملکوں کے درمیان ناہمواری تو تھی ہی، بزنس سے لے کر تہذیب و ثقافت سب پر قابض ہونے کے لئے پہلے آفاقیت یا ''گلوبلائزیشن'' کا پروپگنڈہ کیا گیا۔ اس کے بعد خود طاقت کے زور پر دنیا کے نقشہ کو بدلنے کی عملی

کوشش کی جانے لگی۔ اور اب آزادی اور جمہوریت کا کھوکھلا نعرہ لگا کر اسلامی ملکوں کو اپنا نظام حکومت وسیاست، نظام تعلیم وتربیت سب کچھ بدلنے پر مجبور کیا جانے لگا ہے۔ ظاہر ہے کہ مشرق کے ''مرد بیمار'' میں حالات سے نبرد آزما ہونے کی ہمت تو تھی ہی نہیں، نتیجہ اس وقت نہ صرف پروگراموں اور منصوبوں کی حد تک بلکہ واقعی طور پر حالات وواقعات کی سرزمین پر نہ صرف ملکوں اور خطوں کے نقشوں میں تبدیلی شروع کر دی گئی ہے، بلکہ ذہنوں کے زاویے متعین کرنے اور فکر وقیدہ کے جغرافیائی حدود بھی طاقت کے زور پر بدلنے کی کوشش کی جانے لگی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی حد تک نہ ان کا ملک محفوظ رہ گیا ہے، نہ ان کے مالی وسائل محفوظ رہ گئے ہیں اور نہ ان کا دین ہی شکوک وشبہات اور شرانگیزی کی کارروائیوں سے محفوظ رہ گیا ہے۔

دوسری طرف مسلمانوں کی تصویر دہشت گرد، ظالم، انسانی حقوق سے بے بہرہ اور ایک ایسی قوم کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس کو روشنی سے نفرت اور تاریکی سے الفت ہے۔ فقر، گندگی، تہذیب سے دوری اور مال اور منصب کے لئے آپس میں لڑنا اس کا شعار ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں انسانی خون بہے یا کوئی تخریبی کارروائی ہو اس کے پیچھے اسلام اور مسلمانوں کا نام ہی سب سے پہلے لیا جاتا ہے۔ نہ فلسطینیوں کو نصف صدی سے چیرہ دستی کا نشانہ بنانے والے یہودیوں کا نام آتا ہے، اور نہ کسی اور انتہا پسند طبقہ یا گروہ کا۔ ان حالات میں سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ اسلام کی حقیقت اور اسلامی تعلیمات کی عظمت کو دنیا کے سامنے ایک نئے ڈھنگ وآہنگ سے پیش کیا جائے۔ اور ان کو عصر حاضر کی زبان میں لوگوں کو سامنے لایا جائے۔ اور دنیا کو بتلایا جائے کہ دہشت گردی ہی نہیں نئی تہذیب کی جتنی بھی ظاہری اور باطنی بیماریاں ہیں ان کے لئے داروئے شفا اسلامی تعلیمات میں ہیں۔ انسانی حقوق ہی نہیں بلکہ انسان کو انسان بنانے کا نسخہ بھی صرف اللہ کے آخری نبی ﷺ کے پاس اور اللہ کی آخری کتاب میں ہے۔

نئے عہد کے ادراک اور نئے انداز پر اسلامی تعلیمات کو پیش کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ ''مشرق'' میں بیٹھ کر اور مغربی تہذیب کی عطا کردہ سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے

ہوئے بلکہ مغربی رنگ اور مغربی وضع قطع میں اپنے آپ کو رکھنے کے باوجود مغربی تہذیب پر زبانی تنقید کرتے رہنے کے بجائے، مغرب کے سامنے مرحلہ وار اسلامی تعلیمات کے امتیاز کو واضح کیا جائے۔ اس طرح دیگر ممالک اور وہاں کی تہذیبوں اور اہل مذاہب کے ساتھ معاملہ ہوسکتا ہے۔ چونکہ فقہ اسلامی کا جوہر اور اس کی روح مقاصد شریعت ہے، اس لئے ''مقاصد شریعت'' کی تطبیقی وضاحت اس سلسلہ کا پہلا مرحلہ ہے۔ کیونکہ مقاصد کی اساس ہی پانچ بنیادی چیزوں کی حفاظت پر ہے:

۱- دین کی حفاظت: جس سے مذہبی لڑائیوں کا سد باب ہو جاتا ہے۔

۲- انسانی جان کی حفاظت: جس سے انسان کی قدر و قیمت واضح ہوتی ہے اور خون ناحق کی راہ بند ہوتی ہے۔

۳- عقل کی حفاظت: جس سے نہ صرف منشیات کی لعنت سے معاشرہ پاک ہوتا ہے بلکہ انسانی عقل پر اثر انداز ہونے والی ہر اس چیز کی روک تھام ہو جاتی ہے جو انسانی زندگی اور اس کی تہذیب کے لئے مضر ہے۔

۴- مال کی حفاظت: جس سے نہ صرف چوری، ڈکیتی اور ناجائز طور پر دوسروں کی املاک پر قبضہ کی راہ بند ہوتی ہے، بلکہ مال کی حفاظت کی ذمہ داری کو اگر صحیح طور پر پورا کیا جائے تو معاشرہ میں معاشی ناہمواری بھی نہیں رہتی اور اسلامی اصولوں کے تحت مال کی گردش سے فقر ومحتاجی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔

۵- نسل اور عزت کی حفاظت: جس سے بدکاری اور بے حیائی کی حرکتوں سے ہی معاشرہ محفوظ نہیں ہوتا بلکہ معاشرہ کو اباحیت اور اخلاقی انارکی پھیلانے والے تمام وسائل سے بھی نجات مل جاتی ہے۔

صحیح معنوں میں ''مقاصد شریعت'' ہی میں تہذیب کے وہ بنیادی عناصر ہیں جو ہر طرح کے حقوق اور ایسی آزادی کے ضامن ہیں جس سے دوسروں کی آزادی میں رخنہ نہ پڑتا ہو۔ اور

شریعت کے تمام تر احکام انہیں پانچ امور کے گرد گھومتے ہیں۔ اللہ نے احکام اس لئے نازل فرمائے ہیں کہ انسانی زندگی کو شر وفساد، قتل وخونریزی سے بچایا جاسکے۔ اور مذہب ونسل کی بنیاد پر ہونے والی زیادتیوں کا سد باب ہوسکے۔ اور دوسری طرف انسانی معاشرہ امن وآشتی کا ایسا گہوارہ بن جائے کہ جس میں ہر شخص اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کو ہر طرح کی زیادتی سے محفوظ تصور کرے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے ایک شخص کا ناحق قتل ساری انسانیت کے قتل کے مرادف ہے۔ اسی لئے اسلام نے قاتل کی سزا قصاص رکھی ہے، کسی کے مال پر دست درازی اور چوری کی سزا قطع ید رکھی ہے۔ دین کا مذاق بنانے اور دین حق کو قبول کر کے پھر جانے اور مرتد ہوجانے کی حد متعین کی ہے۔ انسان کو اللہ نے جو عقل کی دولت دی ہے اور اس کی بنیاد پر دوسری بہت سی مخلوقات سے اسے اشرف بنایا ہے، شراب اور دیگر منشیات کے ذریعہ اس کو زائل کرنے کی سزا کوڑوں کے ذریعہ سرزنش رکھی ہے۔ اسی طرح عورت کی گوہر عصمت کی پامالی اور اس پر دست درازی کو قابل حد جرم قرار دیا ہے اور اس کی سزا متعین کی ہے۔

اسلام نے انسانی تہذیب کا جو ڈھانچہ بنایا ہے اس میں بنیادی مقاصد کی حفاظت کے لئے احکام بھی مختلف مراتب کے دیئے ہیں۔ چنانچہ جن چیزوں کے بغیر انسان کی زندگی کی بقا وتعمیر ہی نہ ہو ان کو ''حاجیات'' کے خانہ میں رکھا ہے، اور جن چیزوں سے انسانی زندگی کے کمالات ومحاسن اور رونق وزیبائش میں اضافہ ہوتا ہو، اور نہ ہونے سے مکارم اخلاق اور رونق زندگی میں فرق آتا ہو ان کو ''تحسینیات'' کے خانہ میں رکھا ہے۔

ضرورت ہے کہ اب مقاصد شریعت کی بھر پور وضاحت کے ساتھ ساتھ مستقبل کے دینی اور اصلاحی پروگراموں کی نقشہ بندی بھی کی جائے۔ اگر بحث وگفتگو اور مقالات ومحاضرات کو ''فقہی ورکشاپ یا سیمنار'' کی حد تک محدود رکھا جائے گا تو یہ دیگر علمی پروگراموں کی طرح ایک پروگرام اور دوسری دینی سرگرمیوں کی طرح محض ایک سرگرمی شمار ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیوں نہ ایسے عالمی واقعات وحالات کی روشنی میں زیادہ بامقصد اور دور رس اثرات کا حامل پروگرام ترتیب دیا جائے؟

میری ناقص رائے میں آئندہ ایسے مقاصد شریعت پر ہونے والے فقہی ورکشاپ کو درج ذیل نشانوں کے حصول کا نقطۂ آغاز بنایا جانا چاہئے:

۱- دنیا کے سامنے مقاصد شریعت کے بنیادی عناصر اور پنجگانہ اصولوں: دین، جان، مال، عقل اور عزت و آبرو کی حفاظت اور کنیسوں کے ساتھ معاملہ، گفتگو اور معاہدوں کی بنیاد قرار دیا جائے۔

۲- عالم اسلام میں ''فتووں'' کی دنیا میں پھیلی انارکی کی روک تھام اور ''فتووں'' کو مقاصد شریعت سے جوڑنے اور ہم آہنگ کرنے کی کوشش وقت کی اہم ضرورت ہے۔ تا کہ امت کو آزمائشوں میں مبتلا کرنے والے، اور جان و مال کے زیاں کا باعث بننے والے متضاد قسم کے فتووں سے امت کو بچایا جائے۔ جن کے نتیجہ میں مسلمانوں کا خون خود مسلمانوں کے ہاتھوں یا ان کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی وجہ سے بہہ رہا ہے۔

مقاصد شریعت کی تفصیلی و تطبیقی وضاحت سے مسلمانوں کی خود گمشدہ شوکت کی بحالی سے پہلے اس کی حفاظت و بقا کے لئے ''فقہ وقائی'' یا ''حفاظتی فقہ'' کی بنیادیں بآسانی واضح کی جاسکتی ہیں۔ قرآن وسنت اور فقہی ذخائر میں اس کے لئے بے پناہ اشارات موجود ہیں۔ ''مقاصد شریعت'' سے ان مقاصد کے حصول میں مدد مل سکتی ہے۔ اس تناظر میں ہندوستان کی ''فقہ اکیڈمی'' کی بھی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ کیا واقعی موجودہ حالات میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے میدان میں آنے کے لئے اکیڈمی تیار ہے؟

افتتاحی کلمات:

احکام شریعت میں حکمت و معنویت کی تفہیم

مولانا سید جلال الدین عمری

احکام شریعت کے بارے میں ایک نقطۂ نظر یہ ہوسکتا ہے کہ ان کا کوئی فلسفہ اور حکمت نہیں ہے، اس لئے ان کے پیچھے کسی معنویت اور مقصدیت کا تلاش کرنا بے سود ہے، ان کی نوعیت بالکل اسی طرح کی ہے جیسے کوئی بادشاہ وقت اپنی رعایا میں سے کسی کو کوئی بھاری پتھر یا بوجھ سر پر لاد کر دوڑنے کے لئے کہے یا کسی درخت کو چھونے کا حکم دے۔ مقصود صرف اس کا امتحان ہو۔ اگر وہ اس کی بات مان لے تو اسے انعام و اکرام سے نوازے اور نافرمانی کرے تو سزا دے، اس حکم کی تعمیل سے یہ تو ضرور ثابت ہو جائے گا کہ رعیت کا فلاں فرد اطاعت گزار ہے۔ اس کی عدم تعمیل سے اس کا نافرمان ہونا بھی ظاہر ہو جائے گا اور وہ بادشاہ کے انعام یا عقوبت کا مستحق بھی قرار پائے گا۔ لیکن اس امتحان سے اس کی روحانی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی حالت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ امتحان سے پہلے اس کی جو کیفیت تھی امتحان کے بعد بھی اس کی وہی کیفیت رہے گی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس نقطہ نظر کو خدا کی شریعت کے بارے میں ایک ظن فاسد قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کتاب و سنت سے اس کی تردید ہوتی ہے اور خیر القرون کا اجماع

اس کے خلاف ہے۔ یہ نقطہ نظر کسی ایسے ہی شخص کا ہو سکتا ہے جسے علم دین سے کوئی مس نہ ہو۔ اس بے چارہ کو اپنی جہالت اور بے خبری پر آنسو بہانے چاہئیں۔ اس کا یہ خیال اس قابل نہیں ہے کہ اس کا کسی حیثیت سے ذکر تک کیا جائے (حجۃ اللہ البالغہ۔ مقدمہ)۔

یہ ایک حقیقت ہے جس کا شاہ صاحبؒ نے اظہار فرمایا ہے، شریعت کا نزول ہوا ہی اس لئے ہے کہ انسان دین اور دنیا کی سعادت سے ہم کنار ہو۔ اس سے جس طرح تعلق باللہ پیدا ہوتا ہے، عبادات کے طریقے اور اصول و آداب معلوم ہوتے ہیں، اسی طرح دنیوی معاملات اور اجتماعی مسائل بھی حل ہوتے ہیں۔ اس میں قدم قدم پر اس بات کی رعایت کی گئی ہے کہ زندگی کے اعلیٰ ترین مقاصد بہترین ذرائع سے حاصل ہوں اور کسی بھی مرحلہ میں انہیں کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ شریعت، دفع ضرر اور جلب منفعت کا وہ صاف ستھرا اور پاکیزہ نسخہ ہے جو خدائے رحیم و کریم نے انسانوں کو عطا کیا ہے۔ اس میں ان کے مختلف حالات اور ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کا ہر حکم اپنے اندر زبردست حکمت لئے ہوئے ہے۔ ان دونوں کے درمیان اتنا گہرا اور قریبی تعلق ہے کہ یہ حکمت کسی اور طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک انسان احکام شریعت کی غرض و غایت کو نہ جانے اور ان کی حکمت اور فلسفہ کو نہ سمجھے وہ نہ تو ان کی قدر و قیمت سے واقف ہو سکتا ہے اور نہ مختلف حالات و ظروف میں ان کا ٹھیک انطباق کر سکتا ہے۔ وہ اجتہادی روح جس سے ہر موقع و محل اور ہر زمان و مکان میں شریعت کی مرضی معلوم کی جا سکے اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ انسان اس کے فلسفہ کو سمجھتا ہو اور اس کی باریکیوں پر اس کی نظر ہو۔

شریعت کی حکمت اور فلسفہ کا یہ ایک پہلو ہے، اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بعض لوگ اسے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی حکم شریعت کو اسی وقت قبول کریں گے جبکہ اس کی حکمت اور مصلحت انہیں معلوم ہو جائے۔ شریعت کے بہت سے احکام کو انہیں محض اس بنیاد پر رد کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا کہ ان کی معنویت خاص طور پر اس دور میں ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ احکام شریعت کی حکمتوں کو اتنی اہمیت دیتے ہیں، کیا وہ ہر اس حکم

کو ماننے کے لئے تیار ہیں جس کی حکمت اور مصلحت بیان کردی جائے؟ اسلامی مفکرین اور علوم شریعت کے ماہرین نے وہ کون سا حکم ہے جس کی حکمت نہ بیان کی ہو۔ اس سے ہٹ کر خود قرآن وحدیث میں بہت سے احکام کی حکمت بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ فرد اور معاشرہ کے لئے ان کی کیا افادیت ہے اور ان پر عمل کیوں ضروری ہے؟ دو ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

کہا گیا: نماز بے حیائیوں اور منکرات سے روکتی ہے (العنکبوت:۴۵)، روزہ سے تقویٰ اور خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے (البقرہ:۱۸۳)۔ زکاۃ اور صدقات سے نفس کا تزکیہ اور تطہیر ہوتی ہے (التوبہ:۱۰۳)۔ زکاۃ کو دین وملت کے ان متعین کاموں میں صرف ہونا چاہئے جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے (التوبہ:۶۰)۔ کعبہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور وہ حضرت ابراہیمؑ کا مقام عبادت ہے، اس لئے یہ اللہ کا ایک حق ہے کہ جو لوگ صاحب حیثیت ہیں وہ اس کی زیارت کریں (آل عمران:۹۷)، یہ تو بہت موٹی مثالیں ہیں۔ اس طرح شریعت نے بعض دوسرے احکام کی بھی حکمتیں بیان کی ہیں۔ ان حکمتوں کا تعلق براہ راست انسان کی دینی، اخلاقی، روحانی اور سماجی ومعاشرتی زندگی سے ہے۔ اسلام کا اصرار ہے کہ ان ہی احکام کی پابندی سے سیرت وکردار کی تعمیر ہوتی ہے اور صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جو لوگ احکام شریعت کی حکمت جاننا چاہتے ہیں اور اس کے بغیر انہیں قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں کیا وہ اس کی بیان کردہ ان حکمتوں سے مطمئن ہیں؟ کیا وہ ان احکام کو خوش دلی سے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں؟ حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ دن میں پانچ وقت کی نماز اور رمضان میں تیس دن کے روزے انسان کی قوت کار کو متاثر کرتے ہیں اور ان کی پابندی کرتے ہوئے انسان زندگی کی جدوجہد میں اپنا صحیح رول نہیں ادا کرسکتا، جو سرکاری ٹیکس کو زکاۃ کا بدل قرار دیتے ہیں اور جن کے نزدیک حج اور قربانی وقت اور پیسہ کا ضیاع ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو خدا اور رسول کی بیان کردہ حکمتیں بھی مطمئن نہ کرسکیں تو پھر کس انسان کے بس میں ہے کہ انہیں مطمئن کردے؟

شریعت کو من جانب اللہ مان کر اس کی حکمتوں کو معلوم کرنا، اس کے اغراض ومقاصد کو

سمجھنا اور مختلف احوال وظروف میں ان کے انطباق کی کوشش کرنا ایک الگ بات ہے اور جب تک کسی حکم کی مصلحت سمجھ میں نہ آئے اسے نہ ماننا ایک دوسری ہی چیز ہے۔ پہلی صورت باعث اجر وثواب ہے اور دوسری صورت کے جواز کا تصور بھی ایک مسلمان نہیں کرسکتا۔ مسلمان کی صحیح حیثیت یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کو بے چون وچرا تسلیم کرے۔ وہ کسی حکم کا اس وجہ سے انکار نہیں کرسکتا کہ اس کی حکمت اور مصلحت اس کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ وہ خدا کی شریعت کو ہر نقص سے پاک اور حکمتوں سے معمور تصور کرے گا اور کسی حکم کی حکمت اس کی سمجھ سے باہر ہو تو شریعت پر الزام لگانے کی جگہ اسے اپنی عقل کا قصور سمجھے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کے لئے شریعت زنجیر پا بن چکی ہے اور جو اسے بہر طور توڑ پھینکنا چاہتے ہیں، انہیں اس کے احکام میں کوئی حکمت اور معنویت ہی نظر نہیں آتی۔ وہ شریعت سے دامن چھڑانا چاہتے ہیں لیکن اس طرح کہ اس کا کوئی الزام ان پر نہ آئے۔ اس کے لئے وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ شریعت کی بندشیں انہوں نے توڑ دی ہیں تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے، شریعت ہی کا قصور ہے۔ اس کی یہ بندشیں ہی سراسر بے معنی ہیں۔ ان کا نہ ہونا ان کے ہونے سے بہتر ہے۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ خدا اور اس کی شریعت کو مجرم ٹھہرانے کی جگہ اپنی کوتاہی کا اعتراف کرلیتے؟ لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت جو رفقاء اور نوجوان طالب علم ہمارے سامنے ہیں اور جو مختلف مدارس سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا ذہن بالکل دوسرا ہے، یہاں تو صرف انہیں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ احکام شریعت کے مقاصد معلوم کرنے کی ضرور کوشش کریں، اور یہ بھی دیکھیں کہ ان مقاصد سے آج کے دور میں کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ فقہ اکیڈمی نے اس اہم موضوع پر یہ کیمپ منعقد کیا، اور جیسا کہ ابھی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بتایا کہ مختلف علماء کی رہنمائی آپ حضرات کو حاصل ہوگی اور آپ کو وہ صحیح نقطہ نظر بھی ملے گا جس سے آپ قرآن وحدیث اور اس کے احکام کو اور اس کے مقاصد کو سمجھ سکتے ہیں، اور آپ کی مستقل نگرانی کے لئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب جو

خود فقہی موضوعات پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں اور مولانا عتیق احمد صاحب جو اس موضوع پر مسلسل غور وفکر کرتے رہتے ہیں، آپ کے درمیان موجود ہیں۔ انشاء اللہ ان کی موجودگی سے آپ کو پورا پورا فائدہ ہوگا، میری خواہش ہے کہ اس طرح کے موضوعات پر اور بھی کیمپ لگیں، دین کے اور بھی مسائل ہیں ان پر بھی غور وفکر ہوتا رہے، فقہ اکیڈمی نے اس سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہے اور اس نے جس طرح مختلف مکاتب فکر کے علماء کو جمع کیا ہے اور مختلف موضوعات پر جس نوعیت کی علمی گفتگو ہوتی رہی ہے اس سے ہم سب واقف ہیں، یہ بھی اسی سلسلہ کا اہم قدم ہے، اور انشاء اللہ اس کے بعد جو افراد تیار ہوں گے ان کی نظر احکام دین اور مقاصد شریعت پر اور ان کے انطباق پر زیادہ گہری ہوگی اور وہ بہتر خدمت انجام دے سکیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ان خدمات کو قبول فرمائے اور اس کے بہتر سے بہتر نتائج ہمارے سامنے آئیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

خیر مقدمی کلمات:

مقاصد شریعت ورکشاپ

اکیڈمی کی خدمات کا تسلسل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله وصحبه اجمعين۔

اس وقت ہم ایک ایسے مبارک اجتماع میں تہہ دل سے آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں جو المعہد العالمی للفکر الاسلامی کے تعاون سے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا منعقد کر رہا ہے، یہ نہایت بامقصد اور ان دونوں اداروں کے مقاصد اور اہداف سے ہم آہنگ اجتماع ہے، ہندوستان کے ایک فقیہ النفس عالم دین جو ایک طرف شریعت اسلامی کے رمز شناس اور سلف صالحین کے علوم واجتہادات کے غواص بھی تھے اور دوسری طرف زمانے کے نبض پر ان کی انگشت حقیقت شناس اور اپنے عہد کے تقاضوں پر ان کی نگاہ دوررس تھی، میری مراد حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، نے ۱۹۸۹ء میں اس اکیڈمی کی باضابطہ بنیاد رکھی، اس اکیڈمی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے علماء کو نئے عہد کے مسائل کے حل کی طرف متوجہ کیا، نوجوانوں

میں مطالعہ وتحقیق کا ایک نیا صور پھونکا اور اس طرح پورے ملک میں علمی وفقہی بحث وتحقیق کی ایک نئی تحریک وجود میں آئی، اس سے جہاں علماء کے اندر ایک نئی مثبت سوچ نے انگڑائی لی اور امت کے حقیقی مسائل پر اجتماعی غور وفکر کی صلاحیت پیدا ہوئی، وہیں ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے محسوس کیا کہ علماء وارباب افتاء اپنے عہد کے حالات سے بے خبر اور چند فروعی اختلافی مسائل کے اسیر از کار رفتہ لوگ نہیں ہیں، بلکہ وہ مصالح شریعت سے آگہی، اپنے عہد سے باخبری اور اعتدال واحتیاط اور پوری گہرائی اور وسعت کے ساتھ فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اکیڈمی نے پہلی مرتبہ اس ملک میں وسیع پیمانہ پر فقہی سمیناروں کا سلسلہ شروع کیا، چنانچہ اب تک تیرہ سمینار منعقد ہو چکے ہیں، جن میں بحیثیت مجموعی اکتالیس مسائل پر بحث کی گئی ہے، ان میں آٹھ کا تعلق عبادات سے، نو کا سماجی مسائل سے، پندرہ کا اقتصادی مسائل سے، تین کا میڈیکل مسائل سے اور پانچ کا اصول فقہ کے موضوع سے ہے، اکثر مسائل پر اتفاق رائے کے ساتھ اور چند مسائل پر اختلاف رائے کے ساتھ فیصلے ہوئے ہیں اور کچھ وہ مسائل ہیں جو مزید غور وفکر کے لئے ملتوی رکھے گئے ہیں، ان سمیناروں میں اب تک ہندوستان کے علاوہ عالم اسلام، عالم عرب، ایشیاء، افریقہ اور یورپ وامریکہ کے بیس ملکوں کے چالیس نمائندوں نے شرکت کی ہے۔

اکیڈمی نے دینی مدارس کے طلبہ میں اپنے عہد کے مسائل پر شعور پیدا کرنے کے لئے توسیعی خطبات اور تربیتی کیمپ کا بھی اہتمام کیا ہے، چنانچہ اب تک سترہ مدارس میں توسیعی خطبات رکھے گئے ہیں اور تین کیمپس منعقد ہوئے ہیں، ان توسیعی خطبات اور تربیتی اجتماعات میں جہاں معاشیات، علم شہریت، نفسیات، مخالف اسلام تحریکات پر محاضرات دیئے جاتے ہیں، وہیں اصول فقہ کے مختلف اہم پہلوؤں پر بھی بحث کی جاتی ہے، اکیڈمی نے وقف کے موضوع پر دار العلوم وقف دیوبند میں ایک بہت ہی کامیاب بین المدارس مذاکرہ بھی منعقد کیا ہے۔

اکیڈمی نے اہم علمی موضوعات پر جو کتابیں شائع کی ہیں، وہ بھی بہت بڑی خدمت

ہے، اب تک فقہی سمیناروں میں پیش کئے گئے مقالات کے سترہ ضخیم مجموعے شائع کئے جا چکے ہیں اور کئی مجموعے اشاعت کے لئے تیار ہیں، ان مجموعوں کے علاوہ مختلف علمی و تحقیقی موضوعات پر اب تک ۵۴ کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

اکیڈمی کا ایک بہت بڑا کام، بلکہ کارنامہ وزارت اوقاف کویت کی جانب سے طبع ہونے والی موسوعہ فقہیہ کا اردو ترجمہ ہے، اب تک اس موسوعہ کی ۱۴ جلدیں طبع ہو چکی ہیں اور ان میں سے چالیس جلدوں کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔

افسوس کہ ۴ / اپریل ۲۰۰۲ء شب جمعہ کو اس قافلہ علم و تحقیق کے میر کارواں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، آج کے اس عظیم الشان اور مبارک اجتماع میں ان کی یاد دلوں کو تڑپاتی ہے اور چشم تصور کو نم کرتی ہے، آج اگر وہ اس اجتماع میں موجود ہوتے تو یقیناً اس کی رونق دو بالا ہوتی، ان کا ایک امتیازی وصف افراد سازی اور مردان کار کی تیاری تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں اس علمی و تحقیقی ادارے کے لئے ایک مضبوط راہ بنادی اور ایک مستحکم منہج قائم کر دیا، جس کے نتیجہ میں یہ قافلہ علم و تحقیق اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور اکیڈمی کے سارے کام ان ہی خطوط پر انجام پا رہے ہیں، جو حضرت قاضی صاحبؒ نے متعین فرمائے تھے اور انشاء اللہ اسی طرح یہ سفر جاری رہے گا، دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت قاضی صاحبؒ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اکیڈمی کے موجودہ قائد، ممتاز مصنف، صاحب نظر عالم اور کہنہ مشق مفتی حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی صاحب دامت برکاتہم کا سایہ عاطفت ہم لوگوں پر تادیر قائم رکھے، جن کی دعائیں، نیک تمنائیں اور توجہات ہم لوگوں کے لئے بہترین توشۂ سفر ہیں، اکیڈمی کے کاموں میں تسلسل اور بقاء و استحکام کے لئے جہاں ہم بزرگان ملت، اکیڈمی کے سرپرستان، اس کے بالغ نظر ذمہ داران اور معزز ارکان کے شکر گزار ہیں، وہیں اکیڈمی کے رفقاء کار اور لائق و مخلص کارکنان بھی تحسین و آفریں کے حقدار ہیں، کہ انہوں نے ہر حال میں اس علمی کارواں کے سفر کو جاری رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ہم اپنے عرب مہمانوں کا مکرر خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں یاد دلانا چاہیں گے کہ اس وقت ایک ایسی سرزمین دیدۂ دل کو آپ کے لئے فرش راہ کر رہی ہے جس کا تعلق عجم سے ہے، اور مراکز اسلام سے جس کا جغرافیائی فاصلہ طویل ہے، لیکن علوم اسلامی کی خدمت اور اس کے فروغ وارتقاء میں اس نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے اور اسلام کی علمی اور فکری تاریخ میں اس کے انمٹ نقوش ثبت ہیں، خاص کر فقہ اسلامی کے میدان میں یہاں کے علماء کی خدمات ہمیشہ ممتاز اور نمایاں رہی ہیں، علامہ رکن الدین ناگوری کی '' فتاوی حمادیہ''، علامہ علاء دہلوی کی فتاوی تاتار خانیہ، قاضی گجراتی کی خزانۃ الروایات، علامہ شہاب الدین کی فتاوی ابراہیم شاہی کے علاوہ، ایک خداترس اور دین کے رمز آشنا فرماں رواں اورنگ زیب عالمگیر کی تحریک پر اور اجتماعی کوششوں کے نتیجہ میں ترتیب پانے والی '' فتاوی ہندیہ'' اسی سرزمین کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، جن میں سے ہر ایک کو ایک عظیم الشان فقہی انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا ہے، اسی طرح فقہاء شوافع میں شیخ عبد العزیز مالاباری صاحب کا تعلق اسی ملک سے ہے، اصول فقہ میں علامہ صفی ہندی جن کی کتابیں اب تک مخطوطات کے دفینے میں ہیں اور اہل تحقیق جن کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے سے قاصر ہیں، اسی خطہ کی دین ہیں، اصول میں فقہ حنفی اور فقہ شافعی کے منہج کو جامع ملا عبد الشکور بہار کا قبول عام متن '' مسلم الثبوت'' اور اس پر بحر العلوم لکھنوی کی مایہ ناز شرح '' فواتح الرحموت'' علماء ہند ہی کے رشحات قلم ہیں، اور اس اخیر دور میں مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی لکھنوی اور نواب صدیق حسن خان قنوجی کی تحریروں نے عالم عرب اور عالم اسلام میں جو خراج تحسین حاصل کیا ہے وہ کسی صاحب نظر کے لئے محتاج ذکر نہیں، فقہ القرآن میں ملا جیون کی تفسیرات احمدیہ اور مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کی احکام القرآن (پانچ حصہ میں) اور فقہ الحدیث میں مولانا ظہیر احسن شوق نیموی کی آثار السنن، اور احادیث احکام پر سب سے وسیع و عظیم مجموعہ '' اعلاء السنن'' (۲۲ رجلدوں میں) مولانا ظفر احمد عثمانی اسی ملک کی حسنات میں سے چند ہیں اور صحاب وسنن کی شروحات وتعلیقات اس کے علاوہ ہیں، قضاء کے موضوع پر '' صنوان القضاء وعنوان الافتاء''

(۴/جلدوں میں) جیسی اہم کتاب اور اس پر حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی تحقیق و تعلیق اسی دیار کے علماء کی خدمت کا حصہ ہے، خود مقاصد شریعت کے باب میں شاہ ولی اللہ دہلوی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریریں نیز معاصر علماء میں فقہی قواعد وضوابط پر مولانا علی احمد ندوی کی خدمات نہایت بلند پایہ، بصیرت افروز اور چشم کشا ہیں، نیز اس ملک نے ہمیشہ صاحب نظر علماء اور صاحب دل صوفیاء کی راہوں میں اپنی نگاہیں بچھائی ہیں، یہاں تک کہ ربیع بن صبیح جو شیخ ابومحمد رامہرمزی کے بہ قول پہلے اسلامی مصنف ہیں، یہیں کی خاک میں آسودۂ خواب ہیں، اس لئے یقیناً یہ ملک اس بات کا مستحق تھا کہ یہاں علم وتحقیق کی یہ محفل آراستہ ہو، اور اصول فقہ اور علم کلام کے ایک ایسے باب پر غور وفکر کا دروازہ کھولا جائے، جس پر نسبتاً کم توجہ دی گئی ہے۔

حضرات!

شریعت اسلامی قانون الٰہی کی سب سے آخری اور مکمل صورت ہے، یہ قانون اس ذات کی طرف سے آیا ہے جو رب خبیر بھی ہے اور علیم وحکیم بھی، اس لئے اس کا ہر حکم قانون فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور عقل ومشاہدہ کے مطابق ہے، اس دین میں علم وتحقیق کو نفرت کی نظر سے نہیں بلکہ محبت کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور انسانیت کو اس کی دعوت دی گئی ہے، اس لئے شریعت کے تمام احکام مصالح انسانی کی تکمیل کا ذریعہ ہیں اور کوئی حکم بے مقصد نہیں، اس میں دنیوی مصلحت کی بھی رعایت ہے اور اخروی مصلحت کی بھی، فرد کے مصالح کی بھی اور جماعت کے مصالح کے بھی اشیاء میں فی ذاتہ حسن وقبح پایا جاتا ہے، یا حکم شارع کی وجہ سے؟ اور نصوص مثبت مصلحت ہیں، یا کاشف مصلحت؟ نیز احکام شرعیہ میں عقل کا کیا مقام ہے؟ اور اس سلسلہ میں اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ کے نقطہ نظر سے ہٹ کر امت کے تمام قابل ذکر اہل علم کے نزدیک یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ شریعت کا کوئی حکم مصلحت انسانی کے مغائر نہیں، کبھی عقل مصالح کا ادراک کر لیتی ہے اور کبھی عقل اس کے ادراک سے قاصر رہتی ہے، لیکن بہر حال کوئی حکم

شریعت حقیقی معنوں میں عقل اور مصلحت سے متصادم نہیں، یہ نہ صرف معاملات و عادات کے باب میں ہے بلکہ عبادات میں بھی ہے۔

شریعت اسلامی کی دوسری اہم خصوصیت اس کی ابدیت اور اس کا دوام ہے، وہ قیامت تک پیش آنے والے، انسانی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر عہد اور ہر سماج میں پیش آنے والے مسائل کو حل کر سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون وسائل اور مقاصد دونوں کے بارے میں رہنمائی کرتا ہے۔ ان مقاصد عامہ کی بھی جو تمام احکام شریعت کی بنیاد و اساس ہیں، ان مقاصد خاصہ کی بھی جو زندگی کے کسی خاص شعبہ اور کسی خاص باب فقہی سے متعلق ہیں اور ان جزوی مقاصد کی بھی ہیں جو مختلف جزوی اور فروعی احکام کی مصلحت اور اس سلسلہ میں شریعت کے منشاء کو ظاہر کرتے ہیں، بحیثیت مجموعی یہ تمام ہی مقاصد شریعت کی روح اور اس کے مغز کا درجہ رکھتے ہیں، کیونکہ شریعت اسلامی کا ایک حصہ ابدی اور نا قابل تغیر ہے اور ایک حصہ وہ ہے جو احوال زمانہ کے تغیر اور عرف و عادت کی تبدیلی کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے، اس تبدیلی کا تعلق زیادہ تر ذرائع و وسائل سے ہوتا ہے، مقاصد شریعت وہ امور ہیں جن کی حیثیت ابدی اور عالمگیر ہیں، نہ زمانہ کی تبدیلی سے ان میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے اور نہ مختلف ملکوں، علاقوں اور تہذیبوں میں ان مقاصد سے صرف نظر کیا جا سکتا ہے۔

غور کیا جائے تو پوری شریعت اسلامی کا اصل مقصد مصلحت کا حصول اور مفاسد سے حفاظت ہے اور مصلحت کی تعریف فقہاء کے نزدیک ''جلب منفعت اور دفع مضرت'' ہے، لیکن چونکہ بعض منافع کی تہہ میں مضرتیں چھپی ہوتی ہیں اور بعض ظاہری اور مادی مضرتوں کے پیچھے روحانی اور اخروی مصالح کارفرما ہوتی ہیں، اس لئے محض انسانی عقل اور خواہشات پر مصالح و مفاسد کی تعیین میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا، اسی لئے ہر دور میں حضرات انبیاء پر شریعت الٰہی نازل کی جاتی رہی، لیکن بنیادی مقصد تمام شرائع سماویہ کا جلب منفعت اور دفع مضرت ہی ہے۔

اسی کا دوسرا نام عدل ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ان اللہ یا مر

بالعدل والاحسان" دین کے تمام احکام کا اصل مقصود قیام عدل ہی ہے اور عدل سے مراد کسی شئ کو اپنے محل پر رکھنا ہے، "وضع الشئ فی محله" اور اس کا تحقق اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس کا مقصد دفع مضرت یا اعلیٰ تر مصلحت کا حصول ہو، اسی کی توضیح وتشریح کے لئے علماء اصول نے احکام شریعت کو مقاصد خمسہ، حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ مال اور حفظ عقل میں تقسیم کیا ہے اور پھر ان مقاصد خمسہ کو تین درجات میں تقسیم کیا ہے، ضرورت، حاجت اور تحسین، ان مقاصد شریعت کی حیثیت دین کے حدود اربعہ کی ہے۔ اگر فقہاء اپنی آراء میں ان بنیادی مقاصد کو سامنے رکھیں گے تو ان کی آراء افراط وتفریط سے محفوظ رہیں گی، نہ ایسی اباحیت پیدا ہوگی کہ شریعت کی طرف سے تکلیف کا حکم بے معنی ہو جائے، اور نہ ایسی تنگی پیدا ہوگی کہ لوگ شریعت کو اپنے لئے بوجھ تصور کرنے لگیں، اس لئے مقاصد شریعت کی بڑی اہمیت ہے اور افسوس کہ چند گنے چنے علماء اصول کے علاوہ اس موضوع کو وہ توجہ حاصل نہیں ہوسکی جو اس موضوع کا حق ہے اور خاص کر علامہ شاطبی اور طاہر بن عاشور نے اگر اس موضوع کو اس کی پوری اہمیت کے ساتھ نہ اٹھایا ہوتا اور اس کے اصول وقواعد کو پوری طرح تنقیح اور تطبیق کرنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو یہ موضوع اور بھی غفلت اور بے التفاتی سے دوچار رہتا۔ یعنی ایک تو جو شریعت کے احکام ہیں، ان کی مصلحتوں اور حکمتوں کو بیان کرنا ہے اور ایک ان مقاصد خمسہ کی احکام شریعت پر پر تطبیق ہے، شریعت کے عملی احکام پر، تو اس پہلو سے علامہ شاطبیؒ اور ان کے بعد جنہوں نے انہیں کے کام کو پیش نظر رکھا طاہر بن عاشور ان کی خدمات خاص طور سے بہت اہم ہیں اور مصالح پر اور احکام شریعت کی حکمت بیان کرنے کے اعتبار سے حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا جو مقام ہے وہ ظاہر بھی ہے اور مسلم بھی۔

ہمیں اس سلسلہ میں المعہد العالمی للفکر الاسلامی کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ اس عظیم علمی اور تحقیقی ادارہ نے موجودہ دور میں اس موضوع کو اپنی توجہ کا موضوع بنایا ہے اور اس سلسلہ میں اس ادارہ سے کئی اہم کتابیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں، جن کے بعض مشتملات سے اختلاف تو

کیا جاسکتا ہے اور فکر ونظر کا اختلاف محمود ہے نہ کہ مذموم، لیکن اس کی اہمیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، المعہد العالمی للفکر الاسلامی کا قیام پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر، یعنی ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں عمل میں آیا ہے اور اس کے اہداف میں سے ایک اہم ہدف جزئی وفروعی احکام کو شریعت کے کلیات ومقاصد اور بنیادی مصالح سے مربوط بنا کر پیش کرنا ہے، اسی پس منظر میں مقاصد شریعت پر اس مؤقر ادارہ نے کئی اہم کتابیں شائع کی ہیں، جن میں سے بعض اس ورکشاپ کے معزز شرکاء کو بھیجی گئی ہیں، یہ المعہد العالمی کی طرف سے اہل علم کے لئے نہایت قیمتی علمی تحفہ ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)، المعہد العالمی للفکر الاسلامی اور اس کے ذمہ داروں کا بہت بہت شکر گزار ہے کہ اس نے اکیڈمی کو اس تربیتی اجتماع کی میزبانی کا موقع دیا، ہمیں امید ہے کہ یہ مثالی اجتماع نہ صرف ان دونوں اداروں کے درمیان علمی تعاون کی ایک نئی راہ کھولے گا، بلکہ آئندہ بھی یہ ادارے ہندوستان اور عرب اہل تحقیق علماء کے درمیان علمی مسائل پر تبادلہ خیال اور افادہ واستفادہ کی راہ ہموار کریں گے۔

میں اخیر میں ہندوستان کے کونے کونے سے آئے ہوئے نوجوان فضلاء سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ مقاصد شریعت کے باب میں ان اصولی نکات کو ضرور اپنی بحث کا موضوع بنائیں، جن سے نئے مسائل کے حل میں مقاصد شریعت کی تطبیق میں مدد مل سکے، میرے حقیر خیال کے مطابق وہ یہ ہیں:

۱- اگر قیاس مقاصد شریعت سے متعارض ہو تو ترجیح کیسے حاصل ہوگی؟ فقہاء حنفیہ کے یہاں استحسان بالمصلحت کا بظاہر مقصد یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جب کسی علت قیاسی اور مصلحت شرعی کے درمیان تعارض محسوس ہو تو مصلحت شرعی کو ترجیح دی جائے، کیوں کہ شریعت کا اصل مقصد جلب منفعت اور دفع مضرت ہے۔

۲- اگر کسی نص ظنی سے شریعت کے مقاصد عامہ کا تصادم محسوس ہو تو کیا نص میں تخصیص کی گنجائش ہوگی؟

۳- اور اگر ان مقاصد عامہ کے تحت نص پر عمل کو موقوف رکھا جائے تو یہ اہمال نص متصور ہوگا، یا بدلے ہوئے حالات میں اسے نص کی تطبیق تصور کیا جائے گا؟ مثلاً رسول اللہ ﷺ سے خواہش کی گئی کہ اشیاء کا نرخ متعین فرمادیں، آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"إن الله هو القابض الرزاق الباسط المعسر، وإنی لأرجو أن القی الله ولا يطالبنی أحد بمظلمة ظلمتها إياه فی دم ولا مال"۔

رسول اللہ ﷺ نے یہاں "تسعیر" سے اس لئے منع فرمایا کہ یہ تاجروں کے حق میں ظلم وتعدی نہ ہوجائے، لیکن بعد کے حالات میں جب فقہاء نے دیکھا کہ بعض اوقات تجار اس آزادی کو عام لوگوں کے ساتھ تعدی کا ذریعہ بنالیتے ہیں تو دفع ظلم ہی کے نقطہ نظر سے انہوں نے مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے "تسعیر" کو جائز قرار دیا اور عام طور پر فقہاء متاخرین کا رجحان یہی ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے ترک تسعیر کا مقصد دفع ظلم تھا اور اب خود تسعیر ہی کے ذریعہ دفع ظلم کیا جاسکتا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسے اجتہادات کو بدلے ہوئے حالات میں مقاصد شریعت کی تطبیق سمجھا جائے گا، یا نعوذ باللہ نص کا اہمال۔

۴- جہاں علت اور مصلحت کا رشتہ ایک دوسرے سے ٹوٹ گیا ہو، میری مراد علت سے "وصف ظاہر منضبط" ہے اور مصلحت سے مراد دین کے مقاصد عامہ ہیں، تو حکم کی بنیاد علت فقہیہ پر ہوگی یا مصلحت شرعیہ پر؟

یہ بہت نازک اور اہم سوالات ہیں اور بہت عدل اور اعتدال کے ساتھ ان نکات کے بارے میں رائے قائم کرنے کی ضرورت ہے، لیکن علماء پر اپنے عہد کے مسائل کو اس طرح حل کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو ایک طرف اباحیت کے دروازہ کو بند کرتی ہو اور دوسری طرف شریعت کے بنیادی اصول دفع حرج کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہو، امید ہے کہ اس ورشہ فقہیہ میں ان نکات کو خاص طور پر غور وفکر اور گفتگو کا موضوع بنایا جائے گا اور یہ ورشہ ہندوستان کے علماء وارباب فکر پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے گا۔

ہم اس موقع پر شہر سے آنے والی معزز شخصیتوں اور اصحاب نظر کے سپاس گزار ہیں کہ انہوں نے موسم کی نا مساعدت اور شہر سے اچھی خاصی دوری کے باوجود یہاں آنیکی زحمت فرمائی، ہمیں امید ہے کہ یہ اجتماع ایک سنگ میل ثابت ہوگا، ایک نئی سوچ پیدا کرنے اور اصول فقہ کے موضوع پر پوری گہرائی سے غور کرنے اور احکام شرعیہ کو متعین کرنے کے سلسلہ میں فقہی جزئیات کے ساتھ ساتھ شریعت کے مقاصد اور شریعت کے اصول کو سامنے رکھنے کے سلسلہ میں جو اس کا بنیادی مقصد اور مصلحت ہے، اس کو سامنے رکھنےاور اس کی رہنمائی کرنے میں انشاءاللہ یہ اجتماع بہت مفید ثابت ہوگا۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمارے اس اجتماع کو خیر کا ذریعہ بنائے اور ہمیں وہ راہ دکھائے جو صواب وسداد کی ہے، اور اس راہ سے بچائے جو اللہ کی ناخوشنودی کی طرف لے جاتی ہے۔

"اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه"۔

صدارتی خطاب:

تمدنی انقلاب اور شرعی اجتہاد

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ہمارے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی یہاں تشریف آوری ہوئی۔ مختلف درسگاہوں کی اپنی اپنی پہچان ہوتی ہے۔ ہندوستان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جو اپنے وقت کی ایک بہت بڑی تحریک تھی اور ہے۔ مولانا وہاں کے ناظم اور ذمہ دار ہیں۔ لیکن ندوہ کی فقہی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ عام طور پر اس کی طرف نگاہ نہیں جاتی ہے۔ حیدرآباد میں ہم لوگ المعہد العالی کی خدمت کرتے ہیں۔ وہاں ایک ندوی فاضل آئے تو ہم نے ان کو یہی موضوع دیا: ''ندوہ کی فقہی فکر اور ابنائے ندوہ کی فقہی خدمات''۔ اور ماشاءاللہ انہوں نے اس موضوع پر ساڑھے چار سو صفحات کا مقالہ لکھا۔ اور اس میں ہم نے کچھ اور بھی اضافہ کا مشورہ دیا ہے۔ تو مجھے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، جن کا انہوں نے احاطہ اور استیعاب کی کوشش کی، کہ جیسے دار العلوم

دیوبند کا اور مظاہر العلوم سہارنپور اور ہندوستان کے بعض دوسری درسگاہوں کا حصہ ہے۔دیوبند کا حصہ اس میں یقیناً ممتاز ہے،لیکن ندوہ کی بھی فقہ اسلامی کے سلسلہ میں بہت نمایاں خدمات ہیں۔ اور فکر میں اعتدال وتوازن یہ بھی اس کی ایک پہچان اور ایک شناخت ہے۔حضرت مولانا محمد رابع دامت برکاتہم جو عربی ادب کی نسبت سے اور سیرت وتاریخ کی نسبت سے علمی دنیا میں پہچانے جاتے ہیں۔رابطہ ادب اسلامی کے عالمی سطح پر نائب صدر ہیں اور مشرقی علاقہ کے صدر ہیں،حضرت مولانا سے پچھلے دنوں ندوہ میں ایک حاضری پر تھوڑی دیر فقہ کے موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع ملا،اور بہت دیر تک مولانا نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ تہذیب وثقافت کے تغیر سے،ثقافتی احوال کی تبدیلی سے احکام فقہیہ پر کیا تبدیلی آتی ہے۔اور بہت سی مثالیں اس میں دیں،تو واقعی مجھے ایسا لگا کہ مولانا کی شخصیت کے اندر ایک اور شخصیت ہے،اور جب میں حیدرآباد واپس گیا تو میں نے اساتذہ کے سامنے خاص طور پر اس کا ذکر بھی کیا کہ حضرت کو ہم ایک دوسری نسبت سے پہچانتے تھے،لیکن اب جو گفتگو ہوئی تو ان کے اندر ایک دوسری شخصیت کو دریافت کرنے کا موقع ملا۔تو نہ صرف امت اسلامیہ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے،اکیڈمی کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے اور ہم سب کے مخدوم اور بزرگ ہونے کی حیثیت سے بلکہ اس پہلو سے بھی،مزاج فقہی کے اعتبار سے بھی حضرت مولانا کو ہم لوگوں نے زحمت دیا کہ وہ اس ورشہ کی صدارت فرمائیں،اور انہیں کی صدارت میں یہ پروگرام چل رہا ہے،ہم بہت ہی ادب واحترام کے ساتھ مولانا سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے خطاب سے ہمیں مستفید فرمائیں۔

اورہم سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت پر اس دورقحط الرجال میں مولانا کے سایۂ عاطفت کو دراز تر فرمائے۔ [خالد سیف اللہ رحمانی]

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين خاتم النبيين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين۔

كان يجب علي أن أتكلم باللغة العربية لأن الضيف العربى الكريم فضيلة الشيخ الدكتور صلاح الدين يشرف هذه الحفلة بحضوره فيها وسمعنا من كلامه واستفدنا منه فالكلام في هذا الحفل كان من المناسب أن يكون باللغة العربية التي هي لغته ولكن اعتذر إليه على أنى أتكلم باللغة التى يجيدها أكثرمن يحضر هذا الحفل من الإخوة و أتحدث إليه باللغة العربية بما يهمنى أو ما يجب عليّ أن أتحدث إليه فى أمرهم۔

(مجھے تو چاہئے تھا کہ عربی زبان میں گفتگو کروں، کیونکہ عرب مہمان شیخ ڈاکٹر صلاح الدین اس جلسہ میں موجود ہیں، ہم نے ان کی گفتگو سنی اور اس سے استفادہ کیا، لہذا مناسب تو یہی تھا کہ میں اسی زبان میں بولوں جو ان کی زبان ہے۔ لیکن میں ان سے معذرت کے ساتھ اس زبان میں گفتگو کروں گا جو اس اجتماع کے حاضرین کی اکثریت کی زبان ہے۔ پھر مہمان کے ساتھ حسب ضرورت عربی میں گفتگو کروں گا)۔

دوستو، بزرگو، اور ساتھیو! حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے میرے متعلق جو تعریفی باتیں کہی ہیں وہ محبت پر مبنی ہیں، میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ سب غلط ہے، میں تو یہ کہوں گا کہ انہوں نے محبت میں زائد طریقہ سے میرا تعارف کرایا، مجھے فقہ سے دلچسپی رہی ہے،

لیکن میرا میدان عمل ادب اور خاص طور سے عربی ادب رہا ہے، اور عربی ادب، عربی زبان اصلاً دین کی ترجمان اور اسلام کی زبان ہے، دین کے جو پہلو ہیں وہ سب اس میں آ جاتے ہیں، بلکہ زبان کے متعلق یہ ایک حقیقت ہے، اور بعض لوگوں نے یہ لکھا بھی ہے کہ الفاظ کو ہم بظاہر محض الفاظ سمجھتے ہیں، حالانکہ الفاظ محض الفاظ نہیں ہیں، الفاظ دراصل سب معانی ہیں، کیونکہ الفاظ ہی سے سب معانی ہمارے سامنے آتے ہیں، الفاظ کے اندر ہی وہ رہتے ہیں، ان میں داخل ہو چکے دتے ہیں، ہر لفظ معنوں کا حامل ہوتا ہے، جب کوئی لفظ آدمی سیکھتا ہے اور کوئی لفظ اس کو آتا ہے تو اس کو وہ سارے معانی بھی آ جاتے ہیں جو اس لفظ کے اندر ہیں الفاظ کی حیثیت بھی مختلف ہوتی ہے، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن میں معانی زیادہ ہوتے ہیں اور بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن میں کم معانی ہوتے ہیں، لیکن الفاظ بہر حال معانی کے حامل ہوتے ہیں، اور میں سوچتا تھا کہ قرآن مجید میں " أسماء "کا جو لفظ آیا ہے وہ مسمیات کے معنوں میں بھی آیا ہے، تو یہ کیوں ہے؟ تو مجھے یہ خیال آیا کہ لفظ درحقیقت عنوان ہوتا ہے معانی کا، مثلاً انسانوں کے نام ہوتے ہیں جیسے: خالد، تو جب یہ لفظ بولیں گے تو جس کا نام خالد ہے وہ پورے اپنی صفات کے ساتھ اور اپنی خصوصیات کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتا ہے اور یہ محض لفظ "خالد" سے ہوتا ہے جو بامعنی لفظ ہے صرف صوت نہیں ہے، صوت اور لفظ میں یہی فرق ہے، صوت جس کے اندر معانی نہیں ہوتے، لفظ کے اندر معانی ہوتے ہیں، تو اگر کوئی شخص کسی زبان سے تعلق رکھتا ہے، زبان پر اس کو عبور حاصل ہے تو وہ اس زبان کے بولنے والوں کی ثقافت سے، ان کے اخلاق سے، ان کی حیثیتوں سے اور ان کی خصوصیات سے واقف ہو جاتا ہے، کیونکہ ان کی زبان کے الفاظ ہی میں وہ سب پنہاں ہوتے ہیں، چنانچہ عربی ادب سے جس کو تعلق ہوگا وہ عربوں کی زندگی سے واقف ہو جائے گا، ان کی خصوصیات اور ان کے مزاج سے واقف ہو جائے گا، ان کی رسموں سے، ان کی ثقافت و کلچر سے واقف ہو جائے گا، کیونکہ ان کے اشعار کے اندر، ان کی نثر کے اندر وہ چیزیں پنہاں ہیں، ان کے الفاظ کے ذریعہ سے یہ سب واقفیت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح علوم کی زبان ہوتی ہے، علوم کے جو الفاظ ہیں، ان سے علوم معلوم ہوتے ہیں، ہم جب ''رفع'' کا لفظ (جو ایک اصطلاح ہے) استعمال کرتے ہیں تو ہمیں نحو کا وہ قاعدہ معلوم ہو جاتا ہے جس کے مطابق رفع کا مطلب سمجھا جاتا ہے، یا لفظ ''جر'' ہے، یا اور جو بھی ہے، علوم کے جو الفاظ ہیں ان سے علوم معلوم ہوتے ہیں، تو الفاظ کی بڑی حقیقت ہے، الفاظ صرف یہی نہیں کہ وہ الفاظ ہیں، جیسا کہ ہم اپنی عام زندگی میں الفاظ کے متعلق سمجھتے ہیں کہ وہ بس الفاظ ہیں، معانی گویا کہ الگ ہیں، الفاظ الگ ہیں، نہیں بلکہ دونوں بالکل ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ معانی الفاظ کے ساتھ بالکل پیوست ہیں، اسے علاحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے، اسی لئے آپ دیکھئے کہ بعض الفاظ سے آدمی کی توہین ہو جاتی ہے، کیوں توہین ہوتی ہے؟ اس لفظ کے اندر وہ توہین والا مادہ ہوتا ہے کہ سنتے ہی آدمی کو اپنی توہین کا احساس ہوتا ہے، مثلاً ہم کہتے ہیں کہ فلاں میں شئی لطیف کی کمی ہے، اس شئی لطیف کی کتنی ہی تاویل کیجئے، لیکن سننے والا اس سے اپنی اہانت محسوس کرتا ہے، اس لئے کہ شئی لطیف، شئی کے ساتھ جب آپ لطیف کا لفظ لگائیں تو اس کے وہ معنی بن گئے، اور اسی طرح دوسری مثالیں اور بھی دی جا سکتی ہیں۔

میں اس تشریح کے ذریعہ یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ چونکہ عربی زبان وادب سے میرا تعلق ہے، یہ میرا میدان عمل ہے، اس لئے جو ثقافتی چیزیں یا جو معلومات ان کے تحت آتی ہیں ان سے واقفیت ہوتی ہے۔ اور شاید یہ ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہو کہ عربی کے ذریعہ میں نے علوم دینیہ بھی حاصل کی اور فقہ بھی پڑھی، ہدایہ اولین تو میں نے دارالعلوم دیوبند ہی میں پڑھی، اس وقت ایک سال دارالعلوم دیوبند میں رہا تھا، مجھے اگر فقہ کا میدان ملتا تو وہ میرا بھی خاص موضوع بنتا، لیکن میں نے فقہ کو اپنا خصوصی میدان نہیں بنایا، لیکن بہرحال فقہ وہ موضوع ہے کہ جس سے ہر مسلمان کو تعلق ہے، اس سے کوئی مسلمان بچ نہیں سکتا، اس لئے کہ اگر وہ اس سے ناواقف ہے تو وہ دین پر عمل نہیں کر سکتا، اور اگر اس کو دین پر عمل کرنا ہے تو فقہ سے واقفیت اس کے لئے ضروری ہے، چاہے بقدر ضرورت ہو، اور اگر کوئی آدمی اس کو میدان عمل بنائے تو اس سے واقفیت اور زیادہ ہو جائے گی۔ اور عربی جاننے والے کو فقہ سے تعلق رکھنے میں کوئی مشکل بھی نہیں۔

فقہ کے سلسلہ میں میرا ذہن کئی بار اس طرف گیا کہ فقہ میں مختلف مذاہب ہیں، یعنی اختلافات ہیں، ایسا کیوں ہے، شریعت اسلامی جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اور یہاں مقاصد پر بحث بھی ہو رہی ہے کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شریعت اسلامی اللہ تعالی کی دی ہوئی ہے، جس نے انسان کو پیدا کیا، انسان کی خصوصیات اس نے متعین فرمائی، انسان کی ضروریات بھی اسی کی متعین کی ہوئی ہیں، تو وہ جانتا ہے کہ انسان کی کیا ضروریات ہیں، اور کیا خصوصیات ہیں، جو شریعت اللہ نے انسان کے لئے فرمائی اس میں انسان کی ضروریات وخصوصیات کی رعایت رکھی، اس لئے کہ وہ دین فطرت ہے، دین فطرت کا مطلب یہ ہے کہ فطرت کے تقاضوں کی اور فطرت کی جو دشواریاں ہیں ان کی رعایت کی گئی ہیں، ورنہ وہ دین فطرت نہیں ہوسکتا، تو شریعت جو اللہ تعالی نے مقرر فرمائی اور وہ قیامت تک کے لئے ہے، اور وہ حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ہے، اور آپ ﷺ آخری نبی ہیں، آپ کی شریعت آخری شریعت ہے، جو قیامت تک چلے گی، تو اس شریعت میں اختلاف کیسے، اور اگر یہ اختلاف ہے تو یہ عیب کی بات نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ یہ اللہ تعالی کی دی ہوئی شریعت ہے، اس میں عیب نہیں ہوسکتا، یہ اختلاف کیوں ہے؟

دراصل یہ اختلاف حقیقت میں فطرت کے مطابق ہے، اس لئے کہ انسان مزاجوں کے اعتبار سے، اپنے مقام کے اعتبار سے اور اپنے دیگر حالات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے فرق رکھتا ہے، انسان کی خصوصیات میں فرق ہوتا ہے، اس کے مزاج میں، اس کی برداشت میں فرق ہوتا ہے، تو اللہ تعالی نے یہ انتظام فرمایا، سمجھئے کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے ایک انعام ہے کہ اس نے جو شریعت ہم کو دی ہے اس میں اس کی گنجائش رکھی ہے، آپ دیکھئے کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ وہ گائے ذبح کریں ان کو اس میں اختیار حاصل تھا کہ جس طرح آسان تھا کر لیتے لیکن انہوں نے پوچھنا شروع کیا، یہ کیسی ہو، وہ کیسی ہو، جتنا پوچھ سکتے تھے پوچھتے چلے گئے، ان کے پوچھنے پر اللہ تعالی نے پابندیاں لگا دیں، کہ اس طرح کرو، اس طرح کرو، پھر وہ دشواری میں پڑ گئے، ان کو وہ گائے تلاش کرنا ایک بڑی مصیبت کا باعث بن گیا، بڑی مشکل سے وہ گائے ملی،

اسی لئے شریعت میں کہا گیا: "لا تسئلوا عن أشياء إن تبدلكم تسؤكم" جو بتادیا گیا ہے اس کوتم لو، اس سے تم اخذ کرلو، پوچھ پوچھ کرتم اپنے کوتنگی میں مبتلامت کرو، تو میں یہ سمجھتا ہوں، میرا خیال یہ ہے کہ آسانی کے لئے اختلاف کی گنجائش رکھی گئی، اور وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہی رکھی گئی، حضور ﷺ نے اسی گنجائش کو قائم رکھا، چنانچہ مختلف معاملات میں یہ جو مختلف آراء قائم ہوئی ہیں، مختلف مذاہب بنے ہیں، یہ انسانی ضرورت اور انسانی دشواریوں سے مطابقت رکھتے ہیں، میں نے اپنے بعض مضامین میں اس سلسلہ میں عرض کیا کہ آپ دیکھئے جو مذاہب دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہیں، تو وہ مذاہب (مذاہب سے مراد فقہی مذاہب ہیں) آپ دیکھئے کہ ان میں اپنے اپنے علاقوں سے مناسبت ہے، یہ خاص بات ہے، مثلاً پانی ہی کو لے لیجئے، جن علاقوں میں پانی کی بہتات ہے، وہاں عام طور سے آپ کو فقہ حنفی کے ماننے والے ملیں گے، اور جن علاقوں میں پانی کی کمی ہے وہاں آپ کو فقہ مالکی کے ماننے والے ملیں گے، اور دونوں میں آپ دیکھئے کہ پانی کے سلسلہ میں دونوں کے مسلک الگ الگ کیا ہیں، اگر ہم اپنے علاقہ کے لحاظ سے فقہ مالکی کو دیکھیں تو فقہ مالکی کا وہ مسلک عجیب سا معلوم ہوگا، یہاں پانی کے معاملہ میں بڑا توسع ہے، جو لوگ مغرب میں گئے ہوں گے، الجزائر یا مراکش تو معلوم ہوگا کہ ان علاقوں میں پانی کے حصول میں کمی ہے۔

میں اپنا واقعہ بتاتا ہوں کہ میں الجزائر گیا ہوا تھا، انہوں نے ایک شہر میں فنکشن رکھا تھا، عصر کے وقت میں وہاں پر گیا۔ میں نے نماز نہیں پڑھی تھی اور استنجاء کی بھی ضرورت تھی، میں نے کہا: مجھے وضو کرنا ہے، تو وہ مجھے ایک جگہ لے گئے، استنجاء خانہ میں نل لگا ہوا تھا اور اس کے نیچے بالٹی رکھی ہوئی تھی، اور کچھ نہیں تھا، بالٹی میں پانی بھرا تھا، اب ایک تو یہ کہ بالکل استنجاء خانہ کے سامنے پانی سے بھری بالٹی رکھی ہوئی تھی، اور ہم لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ اس میں چھینٹیں بھی جاسکتی ہیں، پھر پانی نکالنے کی کوئی چیز نہیں تھی، کوئی مگا، یا کوئی گلاس نہیں تھا، تو مجھے یاد آیا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: پانی کو اچھال اچھال کر آپ ﷺ نے وضو فرمایا، پہلے اس کو ٹیڑھا کر کے اپنا

دایاں ہاتھ دھولیا، اور پھر اسی سے اچھ اچھ کر پانی کو استعمال کرلیا، مجھے خیال آیا کہ ان کے یہاں اسی پر عمل ہوتا ہے، میں نے اس پر عمل کیا، اور عمل ہوگیا، وہاں سے نکل کر باہر آیا اور کہا کہ مجھے وضو کرنا ہے تو ایک بالٹی بھر کر انہوں نے رکھ دی، کوئی مگا نہیں، کوئی اور دوسری چیز نہیں، تو میں نے سوچا کہ اسی پر عمل کرنا پڑے گا، چنانچہ میں نے وہی کیا کہ پہلے ہاتھ کو دھویا ٹیڑھا کر کے اور پھر وضو کیا، یہ تو میرے ساتھ پیش آیا، لیکن ان کی زندگی میں یہ چیز داخل ہے، اس طرح پانی کم بھی صرف ہوتا ہوگا۔

ایک سفر میں حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) کے ساتھ گیا، مولانا کو طہارت وغیرہ کا بڑا لحاظ ہوتا تھا، مولانا نے کہا کہ یہاں غسلخانہ میں کوئی چیز نہیں ہے، کیسے پانی استعمال کریں، کہیں سے لوٹا لایا جائے یا کوئی اور چیز، تو میزبان بہت پریشان ہوئے، کہاں سے لائیں، آخر بڑی مشکل سے ایک بڑی سی چائے دانی لا کر دیا، وہ رکھی گئی اور اس سے لوٹے کا کام لیا گیا، تو یوں کہنے کو تو میں اور آپ ان پر تنقید کر سکتے ہیں، لیکن نہیں، آپ دیکھئے ان کو کہ انہوں نے حدیث شریف سے اس کا استنباط کیا اور وہ استنباط صحیح ہے، کہ حضرت ﷺ جب تھوڑے پانی میں کام چلا لیتے ہیں، غسل فرما لیتے ہیں تو ہم کون بڑے پاک صاف آدمی ہیں کہ ہم نہیں کر سکتے، لیکن ہم نہیں کرتے، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں کر سکتے، ایک لگن میں پانی رکھ دیا جائے اور کہا جائے کہ تم غسل کرلو تو اس کا منہ دیکھنے لگیں گے جو یہ کہے گا، لیکن حدیث شریف میں آتا ہے، اور آپ ﷺ ہی نہیں، بلکہ حضرت عائشہؓ بھی غسل کر لیتی تھیں، تو آپ دیکھئے ہمارے یہاں پانی کی بہتات ہے، آسانی ہے، لہٰذا طہارت کے معاملہ میں غلو پیدا ہوگیا، اور وہ مسلک ہم کو زیادہ موافق معلوم ہوا، جس میں پانی کے استعمال میں طہارت کی زیادتی اختیار کی گئی، لیکن ان کو پانی کے حصول میں وہاں دشواری ہوئی تو ان لوگوں کو وہ مسلک زیادہ موافق معلوم ہوا، جس میں پانی کی طہارت میں زیادہ توسع ہوا۔

لہٰذا یہ جو مذاہب کے درمیان اختلاف ہے درحقیقت یہ رحمت ہے، ورنہ اگر ہر معاملہ

میں کوئی ایک پہلو بالکل متعین یا کوئی ایک چیز سب کے لئے لازمی قرار دے دیا گیا ہوتا تو کیا ہوتا آپ سوچئے، آدمی کر تو لیتا، لیکن مشکل پیش آتی، اسی طرح آپ دیکھئے کہ فقہ شافعی ہے، زیادہ تر ساحلی علاقہ میں اس مسلک کو رائج دیکھیں گے، جہاں سمندر کی چیزیں استعمال کرنے کی آسانی ہے، اور فقہ شافعی میں سمندر کی چیزوں کے استعمال میں توسع ہے، جو فقہ حنفی میں نہیں ہے، اگر یہ مسلک وہاں نافذ کر دیا جائے اور ان کا مسلک ہمارے یہاں نافذ کر دیا جائے تو عجیب سا معاملہ ہوتا، آسانی کم ہوتی اور "الدین یسر" کے مطابق نہ ہوتا اور یہ مسلک بنے کیسے! اگر گنجائش نہ ہوتی تو یہ نہیں بن سکتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سہولت اللہ کی طرف سے اس کے رسول ﷺ کے ذریعہ سے دی گئی ہے، دراصل اللہ تعالی کی طرف سے یہ گنجائش دی گئی ہے اور جو منع کیا گیا ہے کہ "لا تسئلوا عن أشياء إن تبد لكم تسؤكم" میں اس سے بھی اشارہ ملتا ہے، پوچھ کر آپ اپنے لئے تنگی کیوں پیدا کریں، اللہ تعالی نے جس چیز کو مخفی رکھا ہے، جس چیز کو چھوڑ دیا ہے، ہماری سمجھ پر اس کو متعین کر کے اپنے لئے دشواری کیوں پیدا کریں، ہم اس سے فائدہ اٹھائیں، اس لئے شریعت میں بہت سی چیزیں انسان کی سمجھ پر چھوڑی گئی ہیں، اور بہت سی چیزوں کے متعلق واضح حکم ہے، صراحت کے ساتھ حکم ہے، اور بہت سی چیزوں کو انسان کی سمجھ پر چھوڑا گیا ہے، اور وہ چیزیں وہ ہیں جو انسان کی سمجھ کے اس دائرے میں آتی ہیں جو شریعت سے ٹکراتی نہیں ہیں، کہ جو ایسے احکام ہیں ان احکام کی فضا میں، ان کی روشنی میں انسان کی سمجھ اسی طرف جائے گی جس کو شریعت چاہتی ہے۔

جہاں تک مقاصد کا مسئلہ ہے، تو آدمی مقاصد سے واقف ہے تو غلط راہ پر جا ہی نہیں سکتا، مقصد خود متعین کر دے گا کہ آپ اس راہ پر چلئے، اس راہ سے آپ ہٹ نہیں سکتے، مجبور ہیں، اس تناظر میں یہ سمینار بہت اہمیت رکھتا ہے، جب تک ہم مقاصد شریعت سے واقف نہیں ہوں گے، ہم شریعت کا پوری طرح تعین نہیں کر سکتے، ہم غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے، ہمارے پاس جو نصوص ہیں اگر ان نصوص کے صرف ظاہر کو ہم دیکھ کر اور اسی کے دائرہ میں رہ کر فیصلہ

کریں گے تو مختلف ایسے پہلوملیں گے جہاں ہمیں دشواری ہو جائے گی، وہاں وہ نصوص منطبق ہوتے نہیں معلوم ہوں گے، اب مثلاً آپ دیکھئے مسلکوں میں فرق ہے، رفع یدین کا، آمین بالجہر کا، اور سب حدیث شریف سے ہی اخذ کرتے ہیں، چاروں مسلک حدیث شریف سے ہی اخذ کرتے ہیں، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا حکم ہو اور واضح نہ ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، مصلحت بعض احکام میں گنجائش کی ہوتی ہوگی، جب دونوں چیزیں حضور پاک ﷺ کی حیات طیبہ میں ملتی ہوں تو مسئلہ اس کی تطبیق کا ہے، اس کی تطبیق کیسے کی جائے، یہ انسان کی دینی فہم پر چھوڑا گیا ہے، انسان کی ایک دینی فہم ہے، ایک دنیاوی فہم ہے، انسان اپنی ضرورت کے لحاظ سے، اپنی مصلحت کے لحاظ سے اپنا ذہن چلاتا ہے، اور دین کے معاملے میں دین کو سامنے رکھ کر، دین کے مقاصد و مصالح کو سامنے رکھ کر اور دین کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس کا ذہن چلتا ہے، آپ دینی ذہن اختیار کریں تو وہ آپ کو اسی راہ پر لے چلے گا جو صحیح راہ ہے، تو یہ جو اختلاف ہے اگر مقاصد متعین ہیں تو یہ اختلاف انسان کے لئے نعمت کا باعث ہے، اور اس میں ایک مسلک حق کے لوگ دوسرے مسلک حق کے لوگوں کو روک نہیں سکتے، اس لئے کہ وہ مسلک اس کے ماننے والوں کی دینی سمجھ کے لحاظ سے شریعت کے مقصد کے زیادہ مطابق اور حالات کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اس کے اندر گنجائش رکھی گئی ہے، اس گنجائش کے مطابق وہ اختلاف بے مقصد نہیں، کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ دین کہ جو قیامت تک کے لئے آیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے، اس کے اندر خلل ہو، خلل ہو ہی نہیں سکتا، جو ہمیں خلل نظر آ رہا ہے، وہ گنجائش ہے جس کو ہماری مصلحت سے رکھا گیا ہے، اس میں اختلاف کا جو موقع رکھا گیا ہے وہ اس لئے کہ اس موقع سے ہم فائدہ اٹھاسکیں، ہمارے حالات بدل سکتے ہیں، ہماری ضروریات بدل سکتی ہیں، ماحول کے ساتھ اور زمانے کے ساتھ ہماری ضروریات بدل جاتی ہیں، اور آپ دیکھئے بعض چیزوں کی صراحت آئی ہے، مثلاً مرض میں وضو اور طہارت کا حکم بدل جاتا ہے، اسی طرح سفر میں قصر کی اجازت مل جاتی ہے، یہ تو ایسا ہے کہ اس کا حکم واضح طریقہ سے

آ گیا، لیکن یہ فرق کیوں ہے، اس لئے کہ مسافر کو دشواری ہوتی ہے، اللہ تعالی نے اس دشواری کا حل بتا دیا، اور اسی طرح مریض کے لئے پانی کا استعمال مرض کو بڑھا دیتا ہے، اس لئے اللہ تعالی نے اس کے لئے سہولت رکھ دی، اور اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے یہ اشارہ دے دیا کہ دیکھو اللہ تعالی تمہاری راحت، تمہاری استطاعت کا لحاظ رکھتا ہے، اور اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ مذہب فطرت کے مطابق ہے، اس میں رعایت رکھی گئی ہے، انسان کی مشکلات کی، انسانوں کی ضروریات کی رعایت رکھی گئی ہے، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے یہ رعایت رکھی ہے تو ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ جو فرق ہے سمجھنے کا اس میں اس رعایت کی وجہ سے ہے، اور اللہ تعالی کی طرف سے خود اس بات کی اجازت ہے کہ جو چیز ہمارے لئے زیادہ موافق ہے اور شریعت میں اس کی گنجائش ہے، اس میں ہمیں نص مل رہا ہے، تو ہم اس سے فائدہ اٹھائیں، تو ان سب چیزوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام وہ دین ہے جس میں انسان کی ساری ضروریات اور اس کی مشکلات کا حل رکھا گیا ہے، اور یہ کہ یہ مشکلات اور یہ ضروریات صرف ایک ہی زمانہ کے لئے نہیں ہے، بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔

آپ دیکھئے کہ جب اسلام آیا تو اسلام سب سے پہلے عربوں کے پاس آیا جو جاہل قوم تھی، جہالت تھی ان میں، نہ وہ علوم سے واقف تھے، نہ ان میں تمدن تھا، دیہاتی زندگی ان کی تھی، لیکن اللہ تعالی نے جو دین عطا فرمایا، جو احکام عطا فرمائے اس حالت میں کہ وہ امی تھے، لیکن احکام کے اندر اتنی گنجائش تھی کہ تمدن آنے پر تمدن کی ضرورت پوری کی، تمدن کی ضرورت اس نے کیسے پوری کی، وہ انسان کی دینی فہم کے ذریعہ سے، عہد عباسی میں جب تمدن پوری طرح چھا گیا وہ تمدن کہاں سے آیا؟ اس کے کچھ حصے تو ایران سے آئے، کچھ حصے یونان سے آئے، یونان، ایران، ہندوستان، قرب و جوار کے جو متمدن علاقے تھے، کچھ چیزیں وہاں سے آئیں، تو عربوں کا جو تمدن بنا وہ ان ساری چیزوں کے استفادہ سے بنا، اور خود عربوں کا جو مزاج تھا اس نے مدد کی، یہ دین کے احکام جو مسلمانوں کو دیئے گئے تھے امی ہونے کے زمانہ میں دیئے گئے تھے، وہ

عہد عباسی میں آ کر ایسا وسیع اور ایسا جامع دین کی حیثیت سے سامنے آئے کہ وہ دین انسان کے تمدن کی ساری ضرورتوں کو بخوبی پورا کرسکا اور برابر پورا کرتا رہا۔ان کی سیاست کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا، ان کی مالیات کی ضروریات کو پورا کرتا تھا، لیکن یہ کیسے ہوسکا، یہ ان علماء کی محنتوں سے ہوا، جنہوں نے اپنے دینی فہم کو استعمال کیا، امام ابو یوسف کا زمانہ جو ہے وہ انتہائی تمدن کا زمانہ ہے اور تمدن کے مسائل اتنے پیچیدہ اور متنوع ہوتے ہیں کہ وہ ایک امی کے بس کے نہیں ہوتے، لیکن ان حضرات نے ان علمائے کرام نے، ان مجتہدین نے دین کی اس طرح تشریح کی، اس طرح استنباط کیا کہ زندگی کی ساری ضرورت اس سے پوری ہوتی تھی، اور انہوں نے ہر سوال کا جواب متعین کر دیا، اور ایسا جواب جو شافی تھا، آپ یہ سمجھئے کہ امام ابو یوسف حنفی تھے اور انہوں نے جو استنباطات کئے ان میں حنفی فقہ کا رنگ تھا، لیکن آج بھی وہ ممالک جہاں فقہ شافعی ہے یا دوسری فقہ ہے وہاں بھی تمدنی مسائل میں استفادہ حنفی مسائل سے کیا جاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ حنفیہ کے ائمہ نے جو اجتہاد کیا وہ تمدن کے زمانے کا اجتہاد تھا، تمدن کے جو تقاضے تھے، تمدن کی جو ذمہ داریاں تھیں وہ انہوں نے پورا کیا تھا، تو آج دوسرے مسلک والوں کو ان مسائل میں اس سے استفادہ کرنا پڑتا ہے، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ وغیرہ کی محنتوں سے فائدہ اٹھانا پڑتا ہے، تو اللہ تعالی نے وہ دین عطا فرمایا، وہ شریعت عطا فرمائی جو اس وقت سے لے کر قیامت تک انسانوں کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے، اور انسانوں کے اس تنوع کا لحاظ بھی اس میں رکھا گیا ہے جو زندگی کا تنوع ہے، کہیں پر برفیلے میدانوں میں انسان رہتا ہے، کہیں ریگستانوں میں انسان رہتا ہے، کہیں تمدن کی حالت میں ہے تو کہیں جہالت کی حالت میں ہے اور بدوی زندگی گزار رہا ہے، ہر جگہ شریعت اسلامی منطبق ہوتی ہے، اس میں کوئی دشواری نہیں ہوتی، ایسی شریعت اللہ تعالی نے ہمیں عطا فرمائی، جو استنباطات ہوئے ہیں فقہ کے یہ عہد عباسی میں مکمل ہو چکے تھے، اور اس کے بعد مسلمانوں کی زندگی میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی، سب سے بڑی تبدیلی وہی تھی کہ مسلمان اپنے جزیرۃ العرب کے صحرائی علاقہ سے نکل کر اور پھر متمدن زندگی میں آگئے تھے، اور یورپ

جہالت میں مبتلاء تھا، ایران بھی پیچھے پڑ گیا اور یونان بھی پیچھے چلا گیا، اور عربوں کے پاس جو تمدن تھا اور جو ان کے قوانین تھے، جو ان کی زندگی تھی وہ پوری دنیا سے اعلی معیاری زندگی تھی، اور متنوع تھی، اور شریعت نے ان ساری ضرورتوں کو پورا کیا، وہ شریعت جو ان حضرات نے طے کر دی تھی، اپنے مختلف مسلکوں کے اعتبار سے آپ دیکھئے کہ دوسری تیسری صدی ہجری میں چاروں مسالک مقرر ہو گئے تھے، چاروں جو مذاہب اربعہ ہیں، یہ سب دوسری تیسری صدی کے اندر کے ہیں اور شریعت اپنے اس تنوع کے ساتھ دوسری صدی میں زندگی کے تمام پہلوؤں کے لحاظ سے قابل عمل ثابت ہوئی تھی، بعد میں کچھ جزئیات آتی رہیں، لیکن انسانی زندگی میں کوئی بڑا انقلاب نہیں آیا، اس وقت کے بعد آج عصر جدید میں جب یورپ کا تمدن سامنے آیا اور یورپ نے ترقی کی اور سائنس نے غیر معمولی ترقی کا مظاہرہ کیا تو اب کچھ مسئلے کھڑے ہوئے، اس لئے کہ زندگی ایک نئے ڈھنگ پر آئی، جس سے اب کچھ مسائل کھڑے ہو گئے، لیکن اس سے قبل ہمارے اسلاف کو کسی بڑی سوچ کی ضرورت نہیں پڑی، بس دوسری، تیسری صدی کے اندر جو کچھ غیر معمولی محنت کرنی پڑی وہ تو محنت کی، اس کے بعد فرعی اور معمولی چیزیں تھیں جس کو علماء دیکھتے رہے اور جو سوال اٹھتے تھے جواب دیتے رہے، کوئی غیر معمولی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی، لیکن یہ جو موجودہ تمدن ہے اور موجودہ ترقی ہے سائنس کی ترقی، اس نے مسائل کھڑے کئے، مثلاً ایک یہ مسئلہ ہے، آج سے پچیس سال پہلے مجھے ایک مرتبہ یورپ جانے کا اتفاق ہوا، انگلستان، وہ گرمیوں کا زمانہ تھا، جس میں رات بہت چھوٹی ہوتی ہے تو وہاں گلاسگو جا کر معلوم ہوا کہ یہاں ایک بڑا مسئلہ چل رہا ہے، وہ یہ کہ شفق ڈوبتی نہیں، ختم نہیں ہوتی حتی کہ فجر ہو جاتی ہے، یعنی شفق ہی فجر ہو جاتی ہے، لیکن کب ہوتی ہے، لہذا کب سے اس کو فجر سمجھا جائے اور کب تک اسے شفق سمجھا جائے، اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہو گیا، وہاں کئی گروہ بن گئے، اہل فقہ کے گروہ، معلوم ہوا کہ فجر کی نماز یہاں جہاں ہم لوگ ٹھہرے تھے ایک جماعت آ کر بارہ ساڑھے بارہ بجے رات میں فجر کی نماز پڑھتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نصف نصف تقسیم کر لیتے ہیں، نصف اول رات

شفق میں اور نصف ثانی کو فجر میں شمار کرتے ہیں، اور دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ نہیں، جو معتدل علاقے ہیں ان کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ڈیڑھ گھنٹے کا وقت فجر کو دیتے ہیں اور ڈیڑھ گھنٹے کا وقت ہم شفق کو دیتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد عشاء ختم ہو جاتی ہے، یعنی ڈیڑھ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دونوں کو دیا جائے گا، فجر ہو یا شفق ہو، سوا گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ، شوافع کے یہاں غالباً سوا گھنٹہ اور احناف کے یہاں ڈیڑھ گھنٹے کے قریب ہوتا ہے، تو انہوں نے کہا کہ ہم ڈیڑھ گھنٹہ شفق کے لئے رکھتے ہیں اور ڈیڑھ گھنٹہ فجر کے لئے رکھتے ہیں، اور یہی ڈیڑھ گھنٹہ یا سوا گھنٹہ کی مدت دونوں کے لئے شروع سے چلتی رہی ہے اور کوئی انقلابی صورتحال پیش نہیں آئی، لیکن موجودہ تمدن میں انقلابی صورتحال پیدا ہوگئی، اس وقت ہم کو اس طرح کی نئی باتوں میں اجتہاد کرنے کی ضرورت پڑے گی اور اسی ہمت، اسی صلاحیت کا ثبوت دینا پڑے گا عہد اول نے جس صلاحیت کا ثبوت دیا، یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر گہری علمی سوچ کے ہم اس میں رائے قائم کرلیں، نہیں، بلکہ اسی واقفیت، اسی ذہانت، نصوص پر وہی گہری نظر رکھتے ہوئے ہمیں کام کرنا ہوگا، جب جا کر ہم ان مسائل کا جواب دے سکیں گے جو مسائل اس وقت اٹھ رہے ہیں، اور اگر ہم ان کا جواب نہیں دیں گے تو ہماری شریعت پر شبہ کیا جانے لگے گا، شریعت کو ناقص سمجھا جانے لگے گا، جو شریعت امی عربوں کو دی گئی تھی، اگر وہ اجتہاد نہ کرتے، محنت نہ کرتے تو دنیا کہتی کہ اسلام امیوں کا مذہب ہے، دوسرے لوگ اس پر عمل کر ہی نہیں سکتے، اس لئے کہ ان میں جو تمدن آ گیا تھا اور عربوں کا بن گیا تھا، جو دنیا میں سب سے زیادہ فائق تھا، اس تمدن کے جو تقاضے تھے اگر اس کا جواب ہماری شریعت نہیں دے سکی ہوتی تو صاف سمجھا جاتا کہ یہ شریعت جزیرۃ العرب کے لئے اور ان پڑھ لوگوں کے لئے ہے، دنیا کے دوسرے حصوں کے لئے نہیں ہے، لیکن ہمارے اسلاف نے یہ پوزیشن نہیں بننے دی، اپنے کو اس میں کھپایا اور ایسے جوابات اس کے مرتب کئے اور ایسے استنباطات کئے کہ جس پر سب مطمئن ہوئے اور کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

آج ہم کو اسی طرح کی محنت کی ضرورت ہے اور چونکہ اب ایسے افراد نہیں ہوتے جو کہ

اتنا استیعاب رکھتے ہوں، جو اتنے حاوی ہوں ان ساری چیزوں پر، ان سارے گوشوں پر کہ جن کی ضرورت پڑتی ہے اجتہاد اور استنباط کے لئے، اس لئے بہتر طریقہ یہی ہے جو ماشاء اللہ اختیار کیا جا رہا ہے کہ اکیڈمیاں ہوں، مجالس ہوں، جن میں ضروری صلاحیتوں کے علماء جمع ہوں، وہ علماء جو شریعت کے متنوع گوشوں کی ممتاز صلاحیت رکھتے ہوں، عام صلاحیت والوں کو میں نہیں کہہ رہا ہوں، ان علماء کو کہہ رہا ہوں جو اجتہاد کی اور استنباط کی اچھی صلاحیتیں رکھتے ہوں، ان میں تنوع ہو سکتا ہے، اور ان کے علم کے مدارج ہو سکتے ہیں، لیکن اگر پوری جماعت بیٹھے گی تو ایک دوسرے کے مطالعہ سے، ایک دوسرے کی واقفیت سے فائدہ اٹھائے گی، اور جو مذاکرہ ہوگا اس مذاکرہ سے صحیح حل نکل سکے گا جو بہتر سے بہتر حل ہوگا اور ظاہر ہے کہ اسی دائرہ میں نکالنا ہوگا جو نصوص کا دائرہ ہے اور پھر نصوص کے بعد اجتہاد کا دائرہ ہے، ہمارے اسلاف نے جو اجتہاد کیا ہے اور جو انہوں نے طریقہ اختیار کیا ہے، جو اصول مقرر کئے ہیں اجتہاد کے لئے اور استنباط کے لئے ان اصولوں کی بنیاد پر کرنا ہوگا، ہم اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہیں کریں گے، ہمیں اسی لائن پر چلنا ہوگا، اسی دائرہ کے اندر رہ کر کرنا ہوگا، لیکن اس میں ہم اپنی پوری ذہانت استعمال کریں گے، وہ ذہانت جسے دینی ذہانت کہنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ ان کو وہ عطا فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نبی کے کلام کے ساتھ تعلق و اشتغال رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ وہ پیدا کر دیتا ہے، وہ ایک سمجھ ہوتی ہے، اس کو ہم سمجھ ہی کے لفظ سے ادا کر سکتے ہیں، ایک وعی ہوتی ہے جو نظر کو صحیح جگہ پہنچا دیتی ہے، جیسے آدمی کا ایک ادراک ہوتا ہے کہ جو رہنمائی کر دیتا ہے کہ فلاں بات تو نہیں ہو سکتی، دین کا جو مزاج ہے اس کے لحاظ سے یہ چیز مطابقت نہیں رکھتی، فقیہ شخص یہ کس بنیاد پر کہتا ہے، یہ اس سمجھ کی وجہ سے کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، جس طرح دنیا کی ایک سمجھ ہوتی ہے اسی طرح دین کی بھی ایک سمجھ ہوتی ہے کہ فوراً آدمی بھانپ لیتا ہے کہ یہ بات دین کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی ہے، یہ شریعت اسلامی کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی ہے، تو اس سے آدمی کی حفاظت ہو جاتی ہے، گویا کہ ایک احاطہ میں آ گیا، جس کی وجہ سے وہ خطرہ سے بچ جاتا ہے، غلط کام نہیں کر سکتا۔

یہ کام اکیڈمیوں کے ذریعہ سے، ایسی مجالس کے ذریعہ سے زیادہ بہتر طریقہ سے ہوتا ہے تا کہ اگر ایک آدمی سے کوئی بھول ہو رہی ہوگی تو دوسرا آدمی اس کو متنبہ کر دے گا کہ آپ کو اس کے سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہے، اس نص کا تقاضا یہ ہے، اور ہمارے بڑوں نے جو استنباط کیا تھا اس کا تقاضا یہ ہے، اس کی یہ روح ہے اور اس ضرورت کے لئے شریعت کے مقاصد کو جاننا ضروری ہے، اگر ہم مقاصد کو نہیں جانتے اور ان وجوہ واسباب کو نہیں جانتے اور سمجھتے جو شریعت کے اندر رکھے گئے ہیں تو پھر ہم کوئی بڑا کام نہیں کر سکیں گے اور کسی اچھے فیصلے تک ہم نہیں پہنچ سکیں گے، مقاصد تو بہر حال سامنے رہنے چاہئیں اور اس پر بڑا کام بھی ہوا ہے اور ہو رہا ہے، اور یہ سیمینار اسی پر ہے، اللہ تعالی نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ اللہ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور اللہ تعالی تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا، تو اس سے صاف یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کی کمزوریوں کا، انسان کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا ہے اور جو شریعت دی ہے اس میں اس بات کی گنجائش رکھی ہے کہ انسان جہاں پر کمزور پڑتا ہے، جہاں پر اس کی ضرورت کا تقاضا خاص ہوتا ہے وہاں اللہ تعالی نے گنجائش دی ہے، اور وہ گنجائش اسی بعض نصوص کے سمجھنے کے اختلاف میں ہے، جن چیزوں کے سمجھنے میں اختلاف کی گنجائش ہے تو وہ حقیقت میں اختلاف نہیں ہے، بلکہ اس میں ہمارے لئے ایک گنجائش دی گئی ہے، کہ ہم اپنے کو دیکھیں، اپنی صلاحیتوں کو ٹٹولیں اور اس کے مطابق کام کریں، اور ہمارے جو فقہ کے ائمہ ہیں انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور اس کی وجہ سے انہوں نے بالکل ایسی واضح تفصیل شریعت کی دے دی ہے کہ ہم گذشتہ صدیوں میں برابر آسانی کے ساتھ عمل کرتے چلے آئے، ہمیں کوئی پریشانی و دشواری نہیں ہوئی، البتہ ہم کو اب غیر معمولی قدم اٹھانے کی ضرورت پڑے گی، لیکن احتیاط کے ساتھ اور اس سرمایہ کو سامنے رکھتے ہوئے جو ہمارے پاس نصوص کا اور اجتہادات کا ہے، دونوں کو سامنے رکھنا پڑے گا، نصوص جو ہیں پھر اجتہادات، دونوں کو دیکھ کر کرنا ہوگا، پھر خود اللہ تعالی ہم کو وہ سمجھ عطا فرما دے گا کہ ہم جو فیصلہ کریں گے وہ صحیح فیصلہ ہوگا، یہ سمجھ اللہ تعالی کی طرف سے مدد ہوگی۔

میں اس کو فال نیک سمجھتا ہوں کہ ہمارے مرحوم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کو اللہ تعالی نے یہ خیال عطا فرمایا، اس خیال کی بنیاد پر انہوں نے یہ اکیڈمی قائم کی اور پھر اس کے سمینار منعقد ہوتے رہے، اور اس کے ورکشاپ بھی قائم ہوتے رہے، یہ بھی ورکشاپ ہے، ورکشاپ کا مطلب یہ ہے کہ جو فقہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ عملی طور پر فقہ سے کس طرح فائدہ اٹھائیں، اور کیا اضافہ کریں، اضافہ کا ہے کا، مسائل کا اضافہ نہیں، تشریح کا اضافہ کہ ہم ایسی تشریح کر سکیں کہ کہنے والا اور سننے والا دونوں مطمئن ہوں کہ یہ شریعت کامل اور انسانی مزاج کے مطابق ہے، تو یہ صلاحیت پیدا کرنے کے لئے عملی مشق کی ضرورت ہوتی ہے، اور ورکشاپ کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کی وضاحت کی جائے کہ کس طرح آدمی کام کرے اور کس طرح اپنی صلاحیتوں کو کارآمد بنائے، میں اتنی ہی باتیں کہہ سکتا ہوں، اس میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا، بس خوشی کا اظہار کرتا ہوں، اللہ تعالی اس کے بہتر نتائج پیدا کرے، لیکن ایک بات جو طلبہ کی حیثیت سے اس ورکشاپ میں شریک ہوئے ہیں ان سے عرض کروں گا کہ یاد رکھئے علم کا معاملہ اپنی محنت پر ہے، نہ استاذ کچھ کر سکتا ہے، اور نہ کتب خانے اور نہ مدرسے کچھ کر سکتے ہیں، محنت کراتی ہے، محنت جتنی کریں گے اتنی ہی کامیابی ہوگی، باقی یہ سب ذرائع ہیں، استاذ بھی ذریعہ ہے، کتب خانہ بھی ذریعہ ہے اور مدرسہ بھی ذریعہ ہے، اس ذریعہ کو استعمال کریں گے، لیکن ہوگا وہی جو آپ کی محنت سے ہو، اپنے کو کھپانے سے ہوگا، اپنے دماغ کو بھی اور اپنی توجہ کو بھی جتنا آپ لگائیں گے، اتنی ہی آپ ترقی کریں گے انشاء اللہ، اور اس بات کو بھی آپ ذہن میں رکھیں کہ آدمی کی قیمت یہ ہے کہ وہ دنیا کو کیا دیتا ہے، اور کیا اضافہ کرتا ہے، یہ انسان کی اصل قیمت ہے، اور اگر یہ نہیں ہے تو کوئی بڑی قیمت اس کی نہیں، آپ کیا دنیا کو دے کر جائیں گے، دنیا سے سب کو جانا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ آپ کیا دے کر جائیں گے، کیا اضافہ کر کے جائیں گے؟ آج جن لوگوں کا نام تاریخ میں چمک رہا ہے جن اہل علم کا، وہی ہیں جنہوں نے دنیا کو کچھ دیا ہے، جن سے دنیا آج تک فیض اٹھا رہی ہے، تو ہم دنیا کو کیا دیں گے اور کیا اضافہ کریں گے، یہ ہے ہماری اصل قیمت، اس قیمت

کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، کہ ایسی صلاحیت پیدا کی جائے کہ ہم کچھ دے سکیں، کچھ اضافہ کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ سب کو ان چیزوں میں لگنے اور اپنے کو لگانے کی توفیق عطا فرمائے، کہ جس سے امت اسلامیہ کو، شریعت اسلامیہ کو تقویت حاصل ہو اور مدد ملے، و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین۔

خصوصی خطاب:

مقاصد شریعت کی بنیاد

جلب منفعت ودفع مضرت

پروفیسر سید محمد اجتباء ندویؒ

أحمدک اللهم حمد من أخلص النية لوجهک الكريم وأصلی وأسلم علی رسولک وحبيبک وصفيک وخليلک محمد بن عبدالله وعلی آله وأصحابه ومن دعا بدعوتهم واتبعهم باحسان إلی يوم الدين أما بعد!

عالم عرب میں کچھ اہل علم نے فقہ اکیڈمی یا فقہی کام اور خاص طور سے مقاصد شریعت سے متعلق یہ طے کیا تھا، جبکہ مخالفتوں کے ہجوم میں بے حد ضرورت تھی کہ ایک ایسی فیکلٹی قائم کی جائے جس میں علماء کرام اور فقہاء بیٹھ کر پورے عالم اسلام کے لئے رہنما اصول تیار کریں۔ ۱۹۵۷ء کے اپریل یا مئی کا مہینہ تھا کہ وہاں شیخ ابوزہرہ، ڈاکٹر یوسف موسیٰ، شیخ مصطفیٰ السباعی، مصطفیٰ احمد زرقاء اور ڈاکٹر معروف دوالیبی جمع ہوئے۔ اور انہوں نے دو کام کرنا طے کیا۔ ایک تو فقہی موسوعہ (دائرۃ المعارف) فقہ اسلامی کا تیار کیا جائے گا۔ دوسرے عالم اسلام کے مختلف ملکوں اور شہروں میں فقہ اکیڈمی قائم کی جائے گی۔ موسوعہ کا کام شروع کر دیا گیا اور شیخ عبد الفتاح ابوغدہ (جن کی شخصیت سے آپ واقف ہیں، انہوں نے ہمارے ہندوستان کے عظیم عالم مولانا

عبدالحی فرنگی محلی کا سب سے زیادہ تعارف کرایا، ان کی کتابوں کی تحقیق کر کے وہاں متعارف کرایا ہے)، وہ اس کے کنویز مقرر ہوئے، اور وہ کام خاصے عرصے تک دمشق میں چلتا رہا، لیکن حالات جب ناموافق ہو گئے تو شیخ اسے لے کر کویت کی دعوت پر کویت چلے آئے۔ اب تک اکتالیس جلدیں موسوعہ کی شائع ہو چکی ہیں۔ میں اس سلسلہ میں کچھ اضافہ نہیں کرنا چاہوں گا، اور نہ تبصرہ کرنا چاہوں گا۔ لیکن دو شخصیتوں کا تذکرہ معاصر شخصیتوں میں ضرور کروں گا: ایک تو شیخ علال الفاسی مراکش کے۔ دوسرے ڈاکٹر محمد معروف دوالیبی شام کے۔ جن میں سے ایک آخر الذکر باحیات ہیں (۱) اور وہ سعودیہ عربیہ میں ہیں۔ یہ دونوں فقیہ کے ساتھ ساتھ سیاستداں بھی تھے۔ اور اتفاق یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے ملک کے وزیر اعظم ایک نہیں کئی بار ہوئے۔ انہوں نے باقاعدہ طور سے مقاصد شریعت پر، اصول فقہ پر بڑا گراں مایہ کام کیا ہے۔ علال الفاسی شاعر بھی تھے، ادیب بھی تھے اور اسی کے ساتھ فقیہ بھی تھے۔ اور فقیہ کے لئے آپ جانتے ہیں کہ دنیا سے اور اس کے حالات سے، اس کے تغیرات سے اور اس کے مختلف گرد و پیش سے اور رد و بدل سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ورنہ تفقہ میں اور فقہی بصیرت میں کمی رہے گی۔ یہ علال الفاسی اور ڈاکٹر معروف دوالیبی کا امتیاز تھا۔ ڈاکٹر دوالیبی صاحب سیاست کے ساتھ ساتھ رومی قانون کے بڑے ماہر تھے۔ اور ان کی بہت گراں قدر کتاب ہے جو فیکلٹی آف لا دمشق یونیورسٹی میں پڑھائی جاتی تھی۔ وہ خود پڑھاتے تھے۔ عرصہ دراز تک استاذ تھے۔ اسی دوران انہوں نے "**المدخل إلى علم أصول الفقه**" تیار کی جو عصری زبان میں اور نئے انداز میں پورے طور پر تحقیق کا ایک بہت ہی ممتاز اور نمایاں کام ہے۔ باقی تعارف اور بھرپور حالات آپ سن چکے ہیں۔ اب ہمارا اور آپ کا کام ہے۔

ورکشاپ محاضرات، تقریریں اور کلمات کا نہیں ہوتا بلکہ تبادلہ خیال کا ہوتا ہے۔ تبادلہ خیال کے نتیجہ میں وہ نقاط نمایاں کئے جاتے ہیں جو آئندہ فقہ کے طلبہ کے لئے رہنما اصول

(۱)- افسوس کہ ۱۶ر جنوری ۲۰۰۴ء بروز جمعہ کو وفات ہو گئی اور بقیع مدینہ طیبہ میں تدفین ہوئی۔ غفر اللہ لہ و اجزل مثوبتہ

کے طور پر پیش ہوں، خواہ وہ نصاب کی شکل میں ہوں، خواہ نوٹس کی شکل میں ہوں، خواہ وہ مذاکرات کی شکل میں ہوں، کسی بھی صورت سے اسے طے کر کے، تیار کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ تا کہ مختلف دانش گاہوں، اداروں اور مدرسوں میں اس کو نافذ کیا جائے اور اس کے مطابق فقہی تیاری کی جائے۔ یہ صرف فقہ ہی کے میدان میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ یونیورسٹیوں میں عام طور سے ورشہ یا ورکشاپ کے نام سے اس کا رواج ہے جو سال میں ایک یا دو، تین سال پر ایک مرتبہ ضرور کیا جاتا ہے، تا کہ نصاب پر از سر نو غور کیا جائے۔ جو نصاب پڑھایا جاتا ہے جس موضوع سے بھی متعلق ہوتا ہے اس نصاب پر غور کیا جائے اور حالات کے مطابق اس میں تبدیلی وتغیر ہو، تا کہ متحرک اور رواں دواں زندگی میں اس سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

مجھے امید ہے کہ ہم سب بیٹھ کر اسی کو بنیاد بنا کر اپنے اس ورکشاپ میں فقہی بصیرت اور تفقہ کے لئے کچھ ایسے اصول ضرور بنائیں گے جس کے نتیجہ میں ہم آئندہ نسلیں تیار کرسکیں تا کہ ان حالات میں جس کی طرف جناب عبدالرحیم قریشی صاحب اور ہمارے دوسرے بزرگوں اور علماء نے اشارہ کیا، یقیناً ہم جن حالات سے گذر رہے ہیں ان حالات کا تقاضہ ہے کہ ہم ان نئے مسائل اور جدید چیزوں کے حل بہت آسانی کے ساتھ اپنی شریعت اور فقہ کی روشنی میں پیش کرسکیں، تا کہ یہ انگشت نمائی نہ کی جاسکے کہ علماء جو قرآن وحدیث اور فقہ کے حامل ہیں وہ ہمارے لئے رہنمائی کا باعث نہیں بنتے ہیں۔ ہمارا یہ دین اور یہ شریعت ہے جس میں علماء نے قواعد فقہیہ کے نام سے شریعت کے اصول وضوابط تیار کئے۔ ان میں بہت ہی واضح طریقہ پر ان علماء کرام نے یہ قاعدہ بنایا کہ " **لا ینکر تغیر الأحکام بتغیر الأزمان**"۔ اور مقاصد شریعت کی بنیاد "لا ضرر ولا ضرار" کے قاعدہ پر ہے۔ یعنی جلب منفعت اور دفع مضرت۔ یہ قواعد انہوں نے تیار کئے تھے، لیکن بہت واضح شکل میں مجلۃ الأحکام العدلیہ کے اندر جو دور اخیر میں عثمانی قانون کی ایک دستاویزی شکل تھی اور جس میں شریک ہونے والوں میں شیخ زرقاء کے والد محمد الزرقاء بھی تھے۔ ان لوگوں نے قواعد فقہیہ تیار کیا۔ شیخ مصطفیٰ زرقاء نے اپنی کتاب "المدخل

الفقہی العام''یا'' الفقہ فی ثوبہ الجدید'' کے آخر میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔اسی کی روشنی میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے ذکر کیا کہ ایک فاضل ڈاکٹر علی احمد نے'' القواعد الفقہیہ'' کتابی شکل میں تیار کر کے اس پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے[1]۔جو شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء کے اِشراف اور ان کی سُپر ویژن میں ہوا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں آپ کو پیش نظر رکھنا ہے۔اور اسی کے مطابق آپ کو اپنے اس ورکشاپ میں کام کرنا ہے۔ان بزرگوں کی رہنمائی میں جنہیں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ نے تیار کیا ہے اور وہ بالکل صدق وحق کے ساتھ ان کی جانشینی کر رہے ہیں۔خاص طور سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب جو اس فقہ اکیڈمی کے میر کارواں ہیں وہ اور ان کے ساتھی۔انشاء اللہ ہم توقع کرتے ہیں کہ یہ کاروان فقہ رواں دواں رہے گا۔اور حضرت قاضی صاحبؒ کی روح کو سکون عطا کرتا رہے گا۔اور ہم ان فقہی کاوشوں کے ذریعہ سے نئے زمانہ اور جدید حالات میں اٹھتے ہوئے مسائل کو حاصل کرتے ہوئے شریعت کی ابدیت اور اس کی عظمت، بڑائی اور برتری کو ثابت کریں گے۔میں ان الفاظ کے ساتھ آپ سب حضرات کا شکر گذار ہوں۔اور خاص طور سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا کہ انہوں نے ان کلمات کے لئے مجھے موقع عطا فرمایا اور یہ سعادت مجھے حاصل ہوئی۔اللہ تعالی آپ سب کو جزاء خیر عطا فرمائے اور ہمارے اس ورکشاپ کو کامیابیوں سے ہمکنار کرے، آمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) اسی کتاب پر اس سال انہیں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ ملا ہے۔

دوسرا باب:

مقاصد شریعت

اساس اور مدارج

اجتہاد مقاصدی اور اجتہاد اصلاحی

عظیم قرآنی مقاصد:توحید،تزکیہ،عمران

احکام شریعت کے مقاصد اور ان کے مدارج

مقاصد شریعت اور اصول فقہ

امام شاطبی کا نظریہ مقاصد

اما م محمد طاھر بن عاشور اور نظریہ مقاصد

اجتہاد مقاصدی اور اجتہاد اصلاحی

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

ترجمہ: مولانا محمد فہیم اختر ندوی

حمد وثناء اور دعا کے بعد

علماء کرام اور دینی بھائیو!

سب سے پہلے اس مبارک ملاقات پر میں اللہ کا شکر بجالاتا ہوں۔ مجھے آپ سب کے ساتھ اللہ کے لئے محبت ہے اور میں ہمیشہ آپ سب کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں۔ آج جبکہ دنیا باہم بہت قریب آ گئی ہے، اور وہ ایک گاؤں کی مانند ہوگئی ہے۔ بلکہ ایک ہوٹل کی طرح ہے، کیونکہ گاؤں میں پھر بھی اخلاق، اقدار اور تہذیب ہوتی ہے۔ مگر ایک ہوٹل کی زندگی آزاد ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ اہل علم صرف اللہ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے قریب ہوں اور اللہ کے دین کے لئے وہ مشترکہ طور پر کام کریں۔ میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذمہ داران کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ڈاکٹر طہ جابر العلوانی کا شکر گذار ہوں، اور آپ سب کو المعہد العالمی للفکر الاسلامی کے ارکان کا سلام پہنچاتا ہوں، اسی طرح مجمع الفقہ الاسلامی شمالی امریکہ جس کا میں بھی ایک ممبر ہوں، کے ارکان کا سلام پہنچاتا ہوں۔ اس دعاء کے ساتھ کہ مقاصد شریعت کا موضوع ہم سب کو اس طرح باہم متحد کردے کہ ہماری عقلیں ایک دوسرے سے قریب اور ہمارے قلوب متحد ہوں اور اس طرح ہم اللہ کے دین کو پورے عالم میں ظاہر

کریں، اللہ کا ارشاد ہے: "كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (آل عمران:۱۱۰) (تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

یہ ورکشاپ جو مقاصد شریعت کے موضوع پر منعقد ہو رہا ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ شریعت کے ان عظیم مقاصد کو اس میں سمجھنے کی کوشش کی جائے گی، جن کے لئے اللہ نے احکام نازل فرمائے ہیں۔ اس دنیا میں انسان کی تخلیق کے عظیم مقاصد کیا ہیں؟ لوگوں کو دعوت دینے اور دنیا کی اصلاح کرنے کے عظیم مقاصد کیا ہیں، اللہ کا ارشاد ہے: "وما ارسلناک إلا رحمة للعالمين" (انبیاء: ۱۰۷) (اور ہم نے آپ کو ساری کائنات کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)، باوجودیکہ ہم آج دنیا میں پسماندگی کی زندگی گزار رہے ہیں، جبکہ اس سے قبل ہم عروج اور ترقی کے بام پر تھے، پھر بھی ہم اللہ کی مدد سے پوری دنیا کی اصلاح کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے پاس اصلاحی تناظر ہے۔ اور موجودہ دنیا کو آج پچھلے کسی بھی وقت سے زیادہ زندگی کے مختلف میدانوں سے متعلق اسی اصلاحی نقطۂ نظر کی ضرورت ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلامی شریعت کے عمومی مقاصد کیا ہیں؟ تا کہ ہم لوگوں کے سامنے زندہ نمونہ کے طور پر وہ اسلامی شریعت پیش کر سکیں، جو ان کی مشکلات کا مداوا بنے، اور انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں سعادت و سرخروئی سے ہمکنار کرے۔ ارشاد ربانی ہے: "لعلكم تتفكرون في الدنيا والآخرة" (سورہ بقرہ:۲۱۹)، اور ارشاد ہے: "وابتغ فيما آتاک الله الدار الآخرة ولا تنس نصيبک من الدنيا وأحسن كما أحسن الله إليک ولا تبغ الفساد في الأرض" (سورۂ قصص:۷۷) (اور جو کچھ تجھے اللہ نے دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کر اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ فراموش مت کر اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) حسن سلوک سے پیش آ، اور روئے زمین پر فساد مت پھیلا)، وہ فساد جو آج پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اس نے دنیا میں تین قسم کی بڑی

تجارت پھلائی ہے: ایک گھٹیا جنسی خواہشات کی تجارت، دوسری منشیات کی تجارت جس نے دنیا کی تمام انسانی اور مالی طاقتوں کو تباہ کردیا ہے، اور تیسری قسم ہتھیار کی تجارت جس میں معصوم و بے گناہ لوگ اور خصوصاً بچے اور عورتیں ظلم کا نشانہ بن رہی ہیں۔ بیسوی اور اکیسویں صدی کی تہذیب نے یہ تحفے ہمارے سامنے پیش کئے ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی تجارت نہ تو غذائیات سے متعلق ہیں، نہ پہناوے اور لباس سے اس کا تعلق ہے، اور نہ ہی وہ دوا و علاج کے میدان میں ہے۔ بلکہ یہ سب سے پہلے جنس کی تجارت ہے۔ دوسرے نمبر پر منشیات کی تجارت۔ اور تیسرے نمبر پر ہتھیاروں کی تجارت ہے۔ سترہویں صدی عیسوی میں یہودیوں نے اس کی پلاننگ کی تھی کہ سورج کی کھلی روشنی کے نیچے زنا کا ارتکاب کیا جائے۔ چنانچہ آج سورج کی روشنی میں، کیمروں اور فوکس کے سامنے زنا کی گھٹیا ترین صورتوں کا ارتکاب کیا جارہا ہے، اقوام متحدہ نے ۱۹۹۰ء میں جامعہ ازہر والے ملک مصر اور معز الدین کے شہر قاہرہ میں کانفرنس منعقد کی جس میں اسلامی ممالک پر زور دیا گیا کہ وہ مرد کے ساتھ مرد کی شادی، عورت کے ساتھ عورت کی شادی اور مرد و عورت کے اجتماعی جنسی تعلقات یا ایک عورت کے ساتھ کئی مردوں کے جنسی تعلق اور ایک مرد کے ساتھ کئی عورتوں کے جنسی تعلق کی اجازت دے۔ لیکن مسلمانوں کے زبردست احتجاج کی وجہ سے یہ کانفرنس بلکہ سازش کرنے والے لوگ اپنے مقاصد تک پہنچنے میں ناکام رہے۔ پھر بکین چین میں دوسری کانفرنس منعقد کی گئی اور استنبول میں تیسری منعقد ہوئی۔ اور برابر ایسی کانفرنسیں منعقد کی جارہی ہیں تاکہ پوری دنیا اس اخلاقی بے راہ روی میں مبتلا ہوجائے۔ میں گذشتہ جولائی کے مہینہ میں لندن کے ایک کانفرنس میں تھا۔ وہاں میں نے اخبار کے صفحہ اول پر دیکھا کہ برطانیہ اس بات پر فخر کا اظہار کرتا ہے کہ مرد کے ساتھ مرد کی شادی کی قانونی اجازت دیئے جانے کے پہلے ہفتہ میں ایک لاکھ شادی شدہ مردوں نے اس قانون کے تحت رجسٹریشن کرایا۔ اسی اخبار کے پہلے اور تیسرے صفحہ پر اس خبر کی تکمیل میں ایک ایسی تصویر شائع کی گئی تھی جس میں ستر برس سے زیادہ کے مرد تھے، ایک کی عمر ستر برس تھی اور دوسرے کی اکہتر برس۔ وہ دونوں کہہ رہے تھے کہ

اب ہم اس حال میں مریں گے کہ ہماری شادی قانونی ہوگی، ہم نے چالیس برس سے یہ شادی کر رکھی ہے۔ غور فرمایئے انہوں نے چالیس برس سے مرد کے ساتھ شادی کر رکھی تھی اور اب ان کی شادی قانونی ہوگئی تھی۔ کناڈا میں اور امریکہ کے بعض صوبوں میں مرد کے ساتھ مرد کی شادی کی اجازت ہے۔

اقتصادیات کے میدان میں آیئے، یہاں ایک طرف تباہ کن غربت ہے اور دوسری طرف فساد انگیز دولت مندی۔ یا تو ایسے لوگ ہیں جنہیں پیٹ بھر کھانا نصیب نہیں یا ایسے ہیں جو سمجھ نہیں پاتے کہ اپنی دولت کہاں خرچ کریں۔ اس دنیا میں ایسے بھی مظالم ہیں جہاں بے گناہ بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جارہا ہے۔ تنہا بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ اور جدید ٹکنالوجی اور آلات و وسائل کا استعمال آبادی کو تباہ و برباد کرنے میں کیا جارہا ہے۔ جبکہ اسلامی شریعت کا ایک مقصد یہ تھا کہ آباد کیا جائے اور تمام دنیا میں تہذیب پھیلائی جائے۔ اور نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے لئے خیر عام کیا جائے۔ لیکن اس وقت دنیا میں بڑے بڑے چیلنج ہیں، اس لئے جب ہم اس چھوٹے سے ہال میں گفتگو کرتے ہیں تو ہمارے سامنے عالمی چیلنج ہوتے ہیں جن سے ہم صرف نظر نہیں کر سکتے۔ ہم پر ضروری ہے کہ ہم علاقائی ہی نہیں بلکہ عالمی معاشرہ میں ایک متحرک قوت بنیں۔ ہمارا دائرہ انفرادی زندگی کا تنگ دائرہ نہ ہو۔

یہ چیلنجز جن میں سے کچھ کا ہم نے تذکرہ کیا ہے، چند بنیادی عناصر کے محتاج ہیں، تاکہ ہم اس بڑی ذمہ داری کو اٹھاسکیں۔ ارشاد ربانی ہے: "**ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا وقال إنني من المسلمين**" (سورۂ فصلت: ۳۳) (اور اس سے بہتر بات کس کی ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں)، ہمیں اس بات کا احساس رہنا چاہئے کہ ہم دنیا کے جس حصہ میں بھی ہوں ہم اللہ کے نزدیک سب سے قیمتی مخلوق ہیں۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ انسان وہائٹ ہاؤس میں ہو، یا کریملین میں ہو یا کسی اور چکا چوند کردینے والے مقام و منصب پر ہو۔ کیونکہ ہم اللہ

سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ اللہ خود کہتا ہے: "واسجد واقترب" (علق:۱۹) (اور نماز پڑھتے رہئے اور قرب حاصل کرتے رہئے)، اللہ کو سجدہ کرنے والا یہ انسان ہی اللہ سے سب سے زیادہ قریب ہے، قیامت کے دن ایک بہت ہی موٹے شخص کو لایا جائے گا لیکن وہ اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔ اور ایک بہت ہی پراگندہ حال و پراگندہ بال شخص اللہ پر قسم کھالیتا ہے تو اللہ اس کی قسم پوری فرمادیتا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت معاویہ بن سفیان کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین و انما انا قاسم و الله یعطي ولن تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خالفهم حتی یأتی امر الله وهم علی ذلک" (اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے، میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ ہے، اور ہمیشہ میری امت کی ایک جماعت حق پر ظاہر رہے گی، ان کی مخالفت کرنے والا ان کا نقصان نہیں کرسکے گا وہ اسی طرح رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا)۔ لہذا اگر کسی شخص کو قرآن عطا کیا گیا اور اس نے دوسرے کو اپنے سے بہتر تصور کیا تو اس نے اللہ کی عظیم چیز کی تحقیر کی اور اللہ کی حقیر چیز کی تعظیم کی۔ ہم اسلام، قرآن اور دعوت الی اللہ کی وجہ سے اس زمین پر اللہ کی سب سے بہتر مخلوق ہیں۔ چاہے ہمارے مادی امکانات و وسائل قلیل اور محدود ہوں، جناب محمد رسول اللہ ﷺ یتیم تھے۔ پیٹ بھر کی ضروریات نہیں پاتے تھے، لیکن اللہ سبحانہ وتعالی نے انہیں ان الفاظ میں خطاب کیا: "وانک لعلی خلق عظیم" (قلم:۴) (اور بے شک آپ اخلاق کے اعلی مرتبہ پر ہیں)، "قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین" (زخرف:۸۱) (آپ کہہ دیجئے کہ اگر (خدائے) رحمٰن کے اولاد ہو تو سب سے اول عبادت کرنے والا تو میں ہوں)، اور حضور ﷺ نے فرمایا: "انا سید ولد آدم ولا فخر" (میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں ہے)۔ علماء کرام دراصل انبیاء کرام کے وارث ہیں، انبیاء کرام درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے، بلکہ وہ علم کی وراثت چھوڑتے ہیں۔ تو جسے یہ وراثت ملی اسے بہت بڑی نعمت

مل گئی، پس میں اپنے آپ کو اور اپنے تمام دینی بھائیوں کو جو علماء ہیں، یہ دعوت دیتا ہوں کہ ہم اپنے دین پر فخر محسوس کریں۔ ہم نہ تو قلیل ہیں اور نہ کمزور، ہم کمزور اپنی ذات کے اندر ہیں، لیکن جب ہم اپنی کمزوری کا رشتہ اپنے آقا و مالک کی قوت سے جوڑ لیتے ہیں تو ہم دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن جاتے ہیں۔ ہم دولت و مال میں غریب ہیں، ہم جاہ و عزت میں متواضع ہیں۔ لیکن جب ہم اپنے فقر و غربت کو مالک و مولا کے غناء سے جوڑ لیتے ہیں تو ہم دنیا میں سب سے بڑے مالدار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم اپنی ذلت کو پروردگار کی عزت سے ملا لیتے ہیں تو ہم دنیا میں سب سے باعزت ہو جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے اندر دو باتیں ایک ساتھ ہونی چاہئے، ایک قلبی خشیت اور دوسرے شرعی حجت۔ وہ علماء جنہوں نے دنیا کی تاریخ بدل دی اور اس پر زبردست اثرات ڈالے وہ صرف معلومات کا انبار اور جزئی مسائل کا علم نہیں اٹھائے ہوئے تھے۔ بلکہ وہ شرعی حجت کے ساتھ ساتھ قلبی خشیت بھی رکھتے تھے۔ سلطان العلماء حضرت عز بن عبد السلام ایک ساتھ دونوں صفات سے آراستہ تھے، اسلام کا شرعی فہم اور دل میں خشیت الٰہی۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "الذین یبلغون رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا إلا اللہ" (احزاب:٣٩) ((یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے)۔ اور مزید ارشاد ہے: "إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" (فاطر:٢٨) (اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں)۔

منگولی قوم مشرقی ممالک سے بغداد آئی اور انہوں نے خلیفۃ المسلمین کو بڑی ذلت کے ساتھ قتل کر دیا، اور ساتھ ہی بیس لاکھ مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ انہیں تلوار سے یا پتھر سے کچل کر ختم کیا۔ جیسا کہ اس وقت عرب ممالک کے دروازہ بصرہ و کوفہ کے ملک بغداد جہاں آخری صحابی حضرت انس بن مالکؓ کی وفات ہوئی اس پر قبضہ ہو چکا ہے، امام جبرتی فرماتے ہیں: ایک منگول شخص پورے پورے گاؤں میں داخل ہوتا اور گاؤں کے ہر فرد کو حکم دیتا کہ وہ ایک ایک پتھر

لے کر آئے اور اسے اپنے سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جائے، پھر وہ تنہا منگولی شخص ہر ایک کے پاس سے گذرتا اور اپنے ہاتھ میں اسی طرح کا ایک پتھر لئے ہوتا اور پتھر پر سر رکھے لیٹے مسلمان کا سر اپنے پتھر سے کچلتا جاتا۔ امام جبرتی اس کو نقل کر کے تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور ہم بھی تعجب کا اظہار کرتے ہیں، تمہارے پاس پتھر ہے، اگر مرنے کے علاوہ چارہ نہیں ہے تو یہ ذلت کی موت کیوں؟ کہاں گئی مومن کی غیرت وحمیت؟؟ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا: مجھے ایسا شخص پسند ہے جسے ذلت پر اتارا جائے تو وہ پوری قوت سے جواب دے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک مسلم حکمراں نے دو نئے جوتے خریدے اور ان پر اپنے چہرہ کا نشان بنایا اور ان جوتوں کو اپنے قیمتی تحائف اور سونے کے ساتھ منگولی قائد ہلاکو کے پاس بھیجا۔ اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنے پاؤں سے اس کے چہرہ کو صبح وشام روندنے کی عزت بخشے۔ جوتے پہنئے اور مجھے روندیئے۔ ایک مسلم حکمراں ہلاکو جیسے کافر سے یہ درخواست کر رہا ہے کہ وہ اس کو اس طرح عزت بخشے کہ اس کے چہرہ کو اپنے پاؤں سے روندے اور اس کے ساتھ اس نے اپنے لڑکے کو بھیجا لیکن ہلاکو نے اپنے کو اس سے بڑا سمجھا کہ وہ اس کے چہرہ کو روندے۔ ارشاد باری ہے: "ولن ترضى عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم قل ان هدى الله هو الهدى" (بقرہ:۱۲۰) (اور آپ سے یہود ونصاری ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی (بتلائی ہوئی) تو راہ بس وہی ہے)۔ ہلاکو نے اس کے لڑکے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور حکمراں کے محافظ کو اسی وقت قتل کر دیا، ان سارے حالات میں سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام پیدا ہوئے، جن کے اندر شرعی حجت اور قلبی خشیت دونوں اوصاف ایک ساتھ جمع تھے۔ اگر کسی عالم کے اندر حجت شرعی ہو لیکن اس کے دل میں خشیت الٰہی نہ ہو تو وہ مدلس (ملاوٹ کرنے والا) ہوگا، باطل کا فتوی دینے والا ہوگا۔ وہ ایسی راہوں کی تلاش کرنے والا ہوگا جن کے ذریعہ وہ مال وآمدنی کما سکے اور بادشاہوں سے جاہ ومنصب حاصل کر سکے۔ یا لوگوں میں اسے جاہ وعزت مل سکے۔ لیکن جو عالم دونوں اوصاف سے آراستہ ہوتا ہے، حتی کہ ائمہ اربعہ کو بھی ابتلاء وآزمائش سے گذرنا پڑا۔ اور امام

ابوحنیفہ نے جو صبر کیا اس نے دنیا والوں کی نگاہ میں ہمیشہ کے لئے ان کا مقام بلند کر دیا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کی داستان صبر و عزیمت بھی ایسی ہی ہے۔ ان ائمہ کے پاس صرف علم اور اس کے الفاظ و حروف نہ تھے بلکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف اور خشیت بھی تھی، اللہ تعالی نے وحی کی سب سے پہلی آیت میں فرمایا: "**اقرأ باسم ربک الذی خلق**" (اقرا:۱) (آپ پڑھئے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے)۔ اسی سورت کے آخری الفاظ ہیں: "**واسجد واقترب**" (اقرا:۱۹) (اور نماز پڑھتے رہئے اور قرب حاصل کرتے رہئے) اور دوسری سورت میں اللہ تعالی فرماتا ہے: "**ن والقلم وما یسطرون**" (قلم:۱) (نون، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ (فرشتے) لکھتے ہیں)۔ اور اسی میں ہے: "**فسبح باسم ربک العظیم**" (واقعہ:۷۴) (سواپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے)، اور تیسری سورت میں ہے: "**یا أیها المزمل قم اللیل إلا قلیلا**" (مزمل:۱،۲) (اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کیجئے)، اور ساتھ ہی قرآن کی ترتیل کا اور اس کے فہم کا حکم ہے، اور اسی سورت کے آخر میں قرآن پڑھنے اور اس کو سمجھنے کا حکم ہے۔ پس جو امانت ہمارے دوش پر ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے اندر علم کی حجت کے ساتھ قلبی خشیت بھی ہو۔ اسی طرح اگر ہمارے اندر قلبی خشیت تو ہو لیکن علمی حجت وصلاحیت نہ ہو تو ہم لوگوں کو کیا بتا سکیں گے؟ جو شخص بغیر علم کے فتوی دے گا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنائے گا۔ ابن القیم فرماتے ہیں: فتوی کی کثرت علم کی قلت کی وجہ سے ہوتی ہے، یا علم کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ایک شخص ہر مسئلہ میں فتوی دیتا چلا جاتا ہے۔ جو بھی موضوع آئے اس پر وہ رائے دیتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے چند حروف کو ملا کر ایک لفظ بنالیا، عربی ڈکشنری میں کہیں وہ لفظ نہیں ہے۔ مثلاً اس نے خ، ن، ف، ش، الف، ر۔ اس طرح لفظ بنایا، "الخونفشار" اور پوچھا: مولانا صاحب! فتوی بتائیے۔ لفظ خونفشار کا کیا معنی ہے عربی لغت میں؟ انہوں نے جواب دیا: خونفشار کا معنی ہے وہ چیز جس سے کوئی چیز باندھی جائے۔

ایسا شخص کیا ہے، مدلس ہے، لوگوں میں اپنا مقام بنانا چاہتا ہے۔ ہمیں تو ایسا عالم چاہئے جو حجت شرعی کے ساتھ قلبی خشیت کا مالک ہو۔ وہ صلاحیت جس نے حسن بصری کو ایسا بنا دیا کہ وہ عمر بن ہبیرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے جو ولید بن عبد الملک اور حجاج بن یوسف کی طرف سے عراق اور ایران کا حاکم تھا۔ ولید بن عبد الملک نے اسے ایسے کاموں کا حکم دے رکھا تھا جو اللہ کو ناپسند ہو۔ تو اس نے حضرت شعبی اور حضرت حسن بصری کو بلوایا۔ اور پوچھا کہ میں کیا کروں۔ آپ حضرات فتوی دیں۔ اللہ نے امیر المومنین کی اطاعت فرض فرمائی ہے۔ اور حاکم مجھے ایسی باتوں کا حکم دے رہا ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ شعبی نے ذرا گول مول سا جواب دیا۔ ایک لطیفہ ہے کہ ایک صاحب ریڈیو اسٹیشن گئے، وہاں ان سے کہا گیا کہ برتھ کنٹرول پر آپ گفتگو کریں۔ جب گفتگو شروع ہونے والی تھی تو انہوں نے پوچھا کہ برتھ کنٹرول حلال پر بات کروں یا حرام پر؟ آپ برتھ کنٹرول حلال چاہتے ہیں یا حرام؟ ریڈیو والا شخص گھبرایا۔ اس نے کہا: مولانا صاحب! اگر ہم کہیں کہ برتھ کنٹرول حرام ہے تو ہمیں ریڈیو بند کرنا پڑے گا اور ہم دونوں جیل کی ہوا کھائیں گے۔ لیکن مولانا یہ بتائیے کہ آپ یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اس لئے کہ ہمارے پاس دلائل ہر طرح کے ہیں۔ معاذ اللہ۔ ایسا شخص اللہ کی کتاب کے ساتھ کھلواڑ کرنے والا ہے۔ شعبی نے گول مول سا جواب دیا۔ لیکن حسن بصری نے فرمایا: اے ابن ہبیرہ! یزید کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو لیکن اللہ کے معاملہ میں یزید سے مت ڈرو۔ اے ابن ہبیرہ! اللہ تم کو یزید سے بچائے گا، لیکن یزید تم کو اللہ سے نہیں بچائے گا۔ ابن ہبیرہ! قیامت کے دن تم اس طرح آؤ گے کہ تمہارے ساتھ یزید نہیں ہوگا۔ تو اس دن سے ڈرو جس دن تمہارے ساتھ صرف تمہارا نیک عمل ہوگا۔ حسن بصری اور عز بن عبد السلام جیسے علماء ہی سے دین کی خدمت ہو رہی ہے۔ عز بن عبد السلام نے سیف الدین القطز کو تیار کیا جس نے صرف دو سال کے بعد بغداد کو ہلاکو سے آزاد کرا لیا۔ بغداد پر قبضہ ۶۵۶ھ میں ہوا، اور وہ ۶۵۸ھ میں آزاد ہو گیا، یعنی صرف دو سال کے بعد۔ ہم ایک ایسی امت کے افراد ہیں جن میں ایک سردار رخصت ہوتا ہے تو

دوسرا سردار آ موجود ہوتا ہے۔ وہ گفتار سے زیادہ کردار کا غازی ہوتا ہے۔ ہم آپ تمام حاضرین کے بارے میں اللہ کی ذات سے یہی امید رکھتے ہیں۔ یہ دوسری بنیادی بات تھی۔

تیسری بنیادی بات یہ ہے کہ ہم ضرور بالضرور اصلاحی اجتہاد کا اقدام کریں، تسویغی اجتہاد نہیں۔ اصلاحی اجتہاد اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ وہ نہ تو اس معاشرہ سے کٹ کر رہتا ہے جس میں ہم جی رہے ہیں، اور نہ اس معاشرہ پر ظلم کرتا ہے جس میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ ہم اصلاحی نہج میں ایک درمیانی امت ہیں، ہم سماج کے ساتھ اس طرح گھلے ملے رہتے ہیں کہ اس میں اپنی شناخت نہیں کھوتے۔ ہم بے گناہوں پر ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔ ہمارا اسلام اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ہم پوری دنیا کو مخاطب بنائیں۔ یہ نہیں کہ ہم دنیا سے کٹ جائیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: "كنتم خير أمة أخرجت للناس" (آل عمران:۱۱۰) (تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے)، امریکہ کے تمام پروگراموں کے اندر میں امریکی عوام تک اسلام کا پیغام پہنچاتا ہوں، اور امریکی عوام اسے بڑھ کر قبول کرتے ہیں۔ جب میں اسلام کے بارے میں بتاتا ہوں تو بہت جلد وہ اسے قبول کر لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالی ہم سے ہر اس فرد کے بارے میں پوچھے گا جو ہمارے گردوپیش میں ہے۔ خواہ ایک بار کیوں نہ وہ ہم سے ملا ہو، کہ ہم نے اس تک دعوت دین پہنچائی یا نہیں۔ ہمارے سامنے اللہ کا حکم ہے: "فلولا كان من القرون من قبلكم اولوا بقية ينهون عن الفساد في الارض إلا قليلا ممن أنجينا منهم" (ہود:۱۱۶) (پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے سمجھ دار لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا)، قرطبی فرماتے ہیں: بقیہ سے مراد "بقیہ حق اور دین" ہے۔ یہی بقیہ لوگ فساد فی الارض سے روکتے رہیں گے۔ "واتبع الذين ظلموا ما أترفوا فيه وكانوا مجرمين وما كان ربك ليهلك القرى بظلم وأهلها مصلحون" (ہود:۱۱۷) (اور جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے

رہے اور (عادی) مجرم ہو گئے، اور آپ کا پروردگار ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو ہلاک کر دے (ان کی) زیادتیوں کے باعث درآنحالیکہ ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں)۔ یہاں مصلحون کہا گیا، صالحون نہیں کہا گیا۔ ہم اصلاحی منہج والے لوگ ہیں۔ قرآن مزید کہتا ہے:

"ویسئلونک عن الیتامی قل إصلاح لهم خیر وإن تخالطوهم فإخوانکم والله یعلم المفسد من المصلح" (بقرہ:۲۲۰) (اور (لوگ) آپ سے یتیموں کے باب میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اس کی مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ (خرچ) شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی (ہی) ہیں، اللہ کو علم ہے کہ مفسد (کون) ہے اور مصلح (کون))۔ اسی طرح خاندانی معاملات کے بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے: "فابعثوا حکما من أهله و حکما من أهلها إن یریدا إصلاحا یوفق الله بینهما" (نساء:۳۵) (تو تم ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا)، سیاسی امور کے بارے میں ارشاد ہے: "انما المؤمنون إخوة فأصلحوا بین أخویکم واتقوا الله لعلکم ترحمون، وإن جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی الله" (حجرات:۱۰)، مالی امور کے سلسلہ میں ارشاد ہے: "فمن خاف من موص جنفاً أو إثما فأصلح بینهم فلا إثم علیه" (بقرہ:۱۸۲) (البتہ جس کسی کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بے عنوانی یا گناہ کا علم ہو جائے، پھر وہ ان لوگوں کے آپس میں صلاح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں) زندگی کے تمام میدانوں میں شرعی تحکیم ہوگی، خواہ سیاسی میدان ہو یا اجتماعی، صحافتی میدان ہو یا اقتصادی میدان۔ پس ضروری ہے کہ ہم اپنے اجتہاد میں جو طریقہ اپنائیں وہ اصلاحی اجتہاد کا طریقہ ہو۔ حالات کو ہم جوں کا توں قبول نہ کرلیں اور یہ نہ کہیں کہ جیسا ہے اسی پر راضی ہو جاؤ۔ بلکہ ہم لوگوں کو کمزوری کی حالت سے قوت کی حالت کی طرف لائیں۔ جیسا کہ سورۂ کہف میں ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے حالت کمزور تھی تو مومن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی۔ پھر دوسرا واقعہ بات چیت اور

گفتگو کے مرحلہ کا ہے، پھر تیسرے آخری قصہ میں قوت کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ قوت حق کے پہلو بہ پہلو ہوگی۔ "آتونی زبر الحدید حتی إذا ساوی بین الصدفین قال انفخوا حتی إذا جعله نارًا قال آتونی افرغ علیه قطرا ۔ فما اسطاعوا أن یظهروہ وما استطاعوا له نقبا" (کہف:۹۶،۹۷) (تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان کو برابر کردیا تو کہا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اسے آگ بنادیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تو میں اس پر ڈال دوں سو وہ (قوم یاجوج وماجوج) نہ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اُس میں نقب ہی لگا سکتے تھے)۔ انہوں نے یہ بات اس وقت نہیں کہی جب ان کے ہاتھ میں قوت نہیں تھی، اور نہ ہی اس وقت کہی جب ان کے پاس حکومت اور سربراہی نہیں تھی۔ اور نہ ہی اہل کہف نے یہ بات کہی کیونکہ ان کے پاس بھی ولایت وقوت نہیں تھی۔ یہ سورۂ کہف جس کی تلاوت ہر جمعہ کو ہم کرتے ہیں، اگرچہ اس سلسلہ کی حدیث ضعیف ہے، لیکن وہ مجتہد کے سامنے ایک منہج پیش کرتی ہے۔ وہ یہ کہ ہم لوگوں کو غار کے مرحلہ سے نکال کر حوار اور گفتگو کے مرحلہ سے گذارتے ہوئے قوت واقتدار کے مرحلہ تک لائیں۔ "إنا مکنا له فی الأرض وآتیناہ من کل شئ سببا" (کہف:۸۴) (ہم نے انہیں زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر طرح کا سامان دیا تھا) اگر مسلمان مالی اعتبار سے کمزور ہیں تو ہم لازماً ان کے لئے ایسا اجتہاد کریں جس کی وجہ سے وہ غنی ہوجائیں اور ان کے پاس مال و دولت ہوجائے، جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ نساء میں فرمایا: "ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التی جعل الله لكم قیاما" (نساء:۵) (اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دے دو جس کو اللہ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے) کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت کے مفہوم کا دائرہ صرف خاندان اور یتیم کا گھر ہے کہ اس کا ولی اور وصی سفیہ کو مال نہ دے۔ نہیں۔ یہ آیت عام ہے، سفہاء کو مال مت دو۔ وہ لوگ جو اس زندگی کا نظام چلانے کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ تعلیم حاصل کریں، اور وہ تعلیم میں اونچا سے اونچا

مقام حاصل کریں۔امریکہ میں جو طالب علم امتیازی پوزیشن لاتا ہے اس پر یہودی نظر رکھتے ہیں، امریکہ میں میرے قیام کے ایک سال بعد جب میری بیٹی کو امتیازی نمبر حاصل ہوا تو اس کے پاس ایک لیٹر ادارہ WHO is WHO کی طرف سے آیا۔جس میں تھا کہ تم امریکہ کے ان پانچ افراد میں سے ہو جو بیس سال بعد امریکہ میں حکومت کریں گے۔تو اگر تم تیار ہو تو ہم تمہارے لئے خصوصی پروگرام ترتیب دیں گے جس میں صدر امریکہ، فورڈ کمپنی کے صدر اور مائیکروسافٹ کمپنی کے صدر اور دنیا بھر کے رؤسا اور حکمرانوں کے ساتھ ملاقات وغیرہ کا نظام ہوگا۔تاکہ تمہیں ایک بہترین قائد کے طور پر تیار کر دیا جائے۔لیکن چونکہ وہاں بہت ساری حرام چیزیں تھیں اس لئے ہم ان سے اتفاق نہیں کر سکے۔لیکن ہم اس کام کو اپنے طریقہ پر کرنا چاہتے ہیں۔اس طرح وہ لوگ ایسے طلبا کو لے لیتے ہیں۔انہیں اسکالرشپ دیتے ہیں۔اچھی یونیورسٹیوں میں انہیں تعلیم دلاتے ہیں، پھر جب انہیں ماہرین کی ضرورت پیش آتی ہے، خواہ اقتصادی میدان میں، یا سیاسی میدان میں، یا سماجی میدان میں تو انہیں ہر میدان کے لئے دنیا کے ذہین ترین ماہرین میں سے دسیوں افراد مل جاتے ہیں۔ہم پر واجب ہے کہ ہم ذہین افراد کو منتخب کریں کہ وہ اسلام کا مطالعہ کریں۔ وہ میڈیکل سائنس، فلکیات، انجینئرنگ اور کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کریں، اور ہم اصلاحی منہج اپنائیں جو ہمیں کمزوری کے مرحلہ سے نکال کر قوت کے مرحلہ تک پہنچائے۔

اگر ہمارا اجتہاد مسلمانوں کو اسی حالت پر باقی رکھتا ہے جس حالت پر وہ ہیں تو ہم اللہ کے سامنے گنہگار ہوں گے۔ضروری ہے کہ ہم مسلمانوں کی صلاحیتوں اور طاقتوں کو ایسا رخ دیں کہ ان کا جہاد تعلیم اور تعلم (سیکھنے اور سکھانے) کا جہاد بن جائے، دنیا میں صرف دو ہی آدمی ہیں یا تو عالم یا متعلم، ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے، ہم اپنے بچوں کو ایسا بنائیں کہ وہ دنیا کے قائد بنیں۔ تمام اختصاصی میدانوں میں وہ آگے بڑھیں۔میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ امریکہ میں ایک اجتماع منعقد کیا گیا کہ علم فزکس میں پوری دنیا کی سطح پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اس میں یورپ، امریکہ، آسٹریلیا، جاپان اور تمام ممالک سے سات سو ماہرین جمع ہوئے۔ان میں

عالمی سطح پر پہلا نمبر لانے والے شخص کا نام تھا ڈاکٹر احمد رشاد۔ ایک مسلمان بھائی۔ اور جب انہوں نے یہ معلوم کیا کہ پورے امریکہ میں سکنڈری کی سطح پر سب سے بہتر طالب علم کون ہے تو وہ ایک حجاب والی مسلم لڑکی نکلی، ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ قوت واقتدار کی تمام صلاحیتیں ہمارے پاس ہیں۔ اور مقاصد شریعت کے فہم میں ہمارا اجتہاد ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ایسا فتوی دیں جس سے آج کا مسئلہ حل ہو جائے، لیکن آنے والے کل سے آنکھ بند کرلیں۔ نہیں۔ ہم صرف دنیا کے لئے ہی مستقبل کی پلاننگ نہیں کریں گے۔ بلکہ ہماری منصوبہ بندی طویل المیعاد (Long Term) ہوگی، جو آخرت تک کے لئے ہوگی۔ قرآن میں ہے: "لعلکم تتفکرون فی الدنیا و الآخرۃ" (بقرہ:۲۱۹) (تا کہ تم سوچ لیا کرو دنیا اور آخرت (کے معاملات) میں)، اور حدیث میں ہے جو اگرچہ ضعیف ہے کہ "اعمل لدنیاک کانک تعیش أبدا، واعمل لآخرتک کانک تموت غدا" (دنیا کے لئے اس طرح کام کرو جیسے تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کے لئے اس طرح کام کرو جیسے کل ہی تم کو موت آنے والی ہے)۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: تم میں بہتر وہ نہیں ہے جو دنیا کو آخرت کی وجہ سے چھوڑ دے۔ اور نہ وہ جو آخرت کو دنیا کی وجہ سے چھوڑ دے۔ بلکہ بہتر وہ ہے جو دنیا میں سے بھی لے اور آخرت میں سے بھی لے۔

ضروری ہے کہ ہم مقاصد اجتہاد کو اختیار کریں۔ چوتھا نقطہ اجتہاد مقاصد ہے۔ ہم اسلامی شریعت کی عمومی روح کو سمجھیں۔ کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ نے وہ مقام پایا کہ کئی جگہوں پر قرآن کریم ان کی رائے کے مطابق اترا۔ شراب کی حرمت کے مسئلہ میں انہوں نے فرمایا: "اللھم انزل فی الخمر بیانا شافیا" (اے اللہ شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما) اور حجاب کے مسئلہ میں، اور متعدد مسائل میں حضرت عمرؓ مستقبل کے بارے میں سوچتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کیوں مرتدین سے جہاد کے موقف پر ڈٹ گئے؟ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد یہ جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پورے اسلام ہی کو ختم کر سکتا ہے۔ اور انہوں نے حضرت عمر سے فرمایا: "أجبار فی الجاهلیة وخوار فی الاسلام یا عمر" (اے عمر! تم

جاہلیت میں تو بڑے بہادر تھے، اسلام میں کیا بزدل ہو گئے ہو؟)۔ بخدا اگر وہ لوگ مجھے وہ رسی بھی دینا روک دیں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں ضرور ان سے اس پر جنگ کروں گا۔ یہ فقہ مقاصدی کو رسول اللہ ﷺ نے شروع فرمایا، پھر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اسی پر گامزن رہے۔ پھر فقہاء صحابہ وتابعین اس کو اپناتے رہے، انہوں نے امت کے لئے کلی فکر کی بنیاد رکھی۔ جس میں کلیات کی قیمت پر جزئیات نہیں تھیں۔

آج ہم بحران کی زندگی گذار رہے ہیں، فقہ الکلیات کے بحران کا دور ہے، کیا آپ لوگ کینسر کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔ کینسر وہ سوجن ہے جو جسم کے چھوٹے چھوٹے خلیوں میں پیدا ہوتا ہے، یہاں تک کہ پورے جسم کو تباہ کر دیتا ہے۔ کلیات اور مقاصد سے قطع نظر کر کے جزئیات کی فقہ دراصل وہ سوجن ہے جو جزئیات میں پیدا ہو کر اسلامی جسم کو پوری طرح تباہ کر دیتا ہے۔ یہ پوری کلیات کو تہس نہس کر دیتا ہے۔ اس لئے مقاصد شریعت والی فقہ کو اپنانا لازمی ہے۔ انجام پر نظر رکھنے والی فقہ، ترجیحات اور اولویات کی فقہ۔ مکہ رسول اللہ ﷺ کے زیر نگین آ گیا، اور پورا جزیرۃ العرب آپ ﷺ کے تابع فرمان ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ کعبہ مقدسہ کی عمارت کو از سر نو اس کی سابقہ بنیادوں پر تعمیر کرا دیں۔ بلکہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: **"لولا قومک حديث عهد بالاسلام لهدمت الكعبة و بنيتها على قواعد إبراهيم عليه ا لسلام"** (اگر تمہاری قوم کے لوگوں کا اسلام سے تعلق نیا نیا نہ ہوتا تو میں کعبہ کی عمارت کو منہدم کرا کرا سے حضرات ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرا دیتا)۔ آپ ﷺ نے یہ کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ آپ کی نظر مقاصد شریعت پر تھی، کہ لوگ ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، اور وہ جب یہ دیکھیں گے کہ نبی کریم ﷺ مکہ اور کعبہ پر حاکم ہو گئے اور ان کے مالک ہو گئے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں حجر اسود کی اہمیت وعظمت بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت سے قبل اسی حجر اسود کے شرف کے لئے ان میں لڑائی ہو چکی ہے، تو وہ اسلام سے مرتد ہو سکتے ہیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر کا

زمانہ آیا تو انہوں نے کعبہ کی عمارت منہدم کر کے حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر اسے تعمیر کیا۔ لیکن پھر جب حجاج نے انہیں شکست دے کر قتل کرا دیا تو اس نے کعبہ کی عمارت کو منہدم کر دیا اور کہا کہ زبیر کی نشانی مت باقی رکھو اور دوبارہ رسول کریم ﷺ کے زمانے کی بنیاد پر تعمیر کرا دیا۔ پھر ابوجعفر منصور نے اپنے زمانہ میں ارادہ کیا کہ کعبہ کو منہدم کر کے دوبارہ ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کرے۔ اس نے حضرت امام مالک سے مشورہ چاہا تو امام مالک نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! آپ ہرگز ایسا نہ کریں۔ کعبہ مقدسہ کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیں۔ کیونکہ جب بھی کوئی بادشاہ آئے گا تو کہے گا کہ ہم اس کو منہدم کر کے ابراہیمی بنیاد پر تعمیر کریں گے، اور دوسرا بادشاہ آئے گا تو کہے گا کہ ہم اس کو منہدم کر کے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ والی بنیاد پر کریں گے۔ لہذا آپ کعبہ کو بادشاہوں کا کھلونا مت بنائیں۔ یہ نمونے ہیں فقہ مقاصدی کے۔

آخری نقطہ یہ ہے کہ ہمارا اجتہاد مسلم اقلیتوں کے مسائل سے جڑا ہو، ہم امریکہ میں مسلم اقلیت ہیں۔ ہم وہاں ۸۰ لاکھ کی تعداد میں ہیں۔ جیسا کہ انٹرنیٹ پر امریکہ کی انفارمیشن منسٹری کی جانب سے شماریات دی گئی ہیں۔ جبکہ امریکہ کی کل آبادی ۲۸ کروڑ ہے۔ آپ لوگ بھی یہاں اقلیت کی شکل میں ہیں۔ یہ ملک ایک وقت میں اسلامی ملک تھا۔ پھر اب یہ صورت حال ہو چکی ہے۔ یورپ میں مسلمان پانچ کروڑ ۷۰ لاکھ ہیں۔ کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ ہم لوگ اتنی بڑی تعداد میں ہیں، لیکن کمزور ہیں۔ ہم تعداد میں کم نہیں ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس وقت امت فقہ الاقلیات کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ اقلیت کی حالت ہے۔ خواہ اقلیت باعتبار تعداد کے ہو یا اقلیت باعتبار حقوق کے ہو۔ قانونی حقوق یا معنوی حقوق۔ ہم عید سے پہلے مصر میں تھے، لیکن حکومت نے مسجد میں اعتکاف کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اور ۸۰ ہزار مسجدوں میں خطبہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ تمام مساجد میں ایک انتہائی معمولی سا خطبہ، جسے حکومت کی آفس میں سیکورٹی افسر کی موجودگی میں ایک شیخ لکھتا تھا۔ پھر یہی خطبہ تمام مساجد میں بھیجا جاتا تھا۔ یہ خطبہ جو بالکل بے جان اور مردہ ہوتا، مسجد میں پڑھے جاتے وقت روح سے

پوری طرح خالی ہوتا۔ جو الفاظ زندہ دل اور باشعور عقل سے نکلتے ہیں وہ الفاظ مردہ نہیں ہوتے۔ اس خطبہ کے الفاظ تو پڑھے جانے سے پہلے مر چکے ہوتے تھے۔ سعودی عرب میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے نصاب تعلیم میں تبدیلی کریں، اور انہوں نے تبدیلی شروع کر دی۔ تعلیم کی تبدیلی کی یہ رسوائی نبوت و رسالت کی سرزمین پر ہو رہی ہے۔ فلسطین میں مسلمان سخت ترین حالات سے دوچار ہیں۔ تمام مسلم ممالک میں سے کوئی ایک بھی حقیقی معنوں میں ان کا ناصر و مددگار نہیں ہے۔ برسوں پر برسیں گذر رہے ہیں۔ اور مظالم کی انتہاء اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں معلوم۔ اس کا مطلب ہے کہ عددی اعتبار سے اکثریت کی قیمت نہیں ہے۔ قیمت اس کی ہے کہ حکومت کون کر رہا ہے۔ پس ہم اس وقت فقہ الاقلیات کی زندگی گزار رہے ہیں۔ خواہ ہم عدد میں قلیل ہوں، یا معنوی حقوق کے حصولیابی میں ہم قلیل ہوں۔

۱۹۸۵ء کی بات ہے، ہم مکہ میں ایک شیخ کے گھر میں گئے اور ان سے پوچھا کہ میں ایک مسئلہ میں پریشان ہوں۔ اس وقت دار الاسلام اور دار الحرب کا مصداق کیا ہے؟ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہم لوگ اس وقت کہاں بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا: مکہ میں۔ انہوں نے فرمایا: اس شہر کے اندر ہم اور تم یہ اختیار نہیں رکھتے کہ اللہ کی بات کا اعلان کر سکیں۔ لیکن امریکہ اور یورپ میں ہم جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ یورپ دار الاسلام ہے، اور نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شہر دار الاسلام نہیں ہے۔ لیکن یہ صورت حال ہے جو اس وقت ایک نئے فقہی اکیڈمی کا محتاج ہے۔ مختلف فقہی اکیڈمیوں نے دار الاسلام اور دار الحرب کے عنوان پر غور کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ امریکہ و یورپ وغیرہ دار العہد ہیں۔ اور ہم بھی اسی رائے کو اختیار کرتے ہیں۔

لیکن میرے بھائیو! کیا ہم کو اس وقت غیرت نہیں آتی جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ہماری تعداد کروڑوں میں ہے۔ ضروری ہے کہ ہم ہر وقت اس بات کو یاد رکھیں کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے اپنے نبی سے کہا: "**ابعث لنا ملكا نقاتل في سبيل الله**" (سورہ بقرہ: ۲۴۶) (ہمارے لئے ایک امیر مقرر کر دیجئے کہ ہم خدا کی راہ میں قتال کریں) یعنی

صرف زبانی دعوی، جو بات کہیں وہ نہ کریں، انسان عدد میں کثرت سے دھوکہ نہیں کھاتا ہے، بلکہ وہ نوعی کثرت سے متاثر ہوتا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم فقہ الاقلیات کے دائرہ میں از سرنو تعمیر کریں، اور آپس میں رابطہ وتعاون مضبوط کریں، ہمارے پاس مشترکہ منصوبے اور بے شمار افراد ہیں۔ مختلف صلاحیتیں ہیں۔ علاحدہ علاحدہ کام ہیں۔ بس ضرورت اس کی ہے کہ ہم ان سب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کریں۔ اب زمانہ قریب ہو رہا ہے۔ امریکہ سے یہاں آنے کی مسافت ۴۰ گھنٹوں میں پوری ہوگئی۔ اگر موسم اچھا ہوتا تو اور جلدی پوری ہو جاتی۔ آپ تصور کریں کہ اگر ایک شخص اونٹ پر بیٹھ کر یہاں تک کا سفر کرتا تو سالہا سال لگ جاتے، راستہ میں ہلاکت بھی ممکن تھی، اور کہیں راستہ ہی ختم ہو جاتا اور وہ یہاں نہیں پہنچ پاتا۔ لیکن میں جہاز میں بیٹھا مطالعہ کرتا رہا اور یہاں پہنچ گیا۔ دنیا اس وقت سکڑ گئی ہے۔ وسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم آپس میں روابط استوار کریں۔ انٹرنیٹ کا سہارا لیں۔ پیغام بھیجنے کا طریقہ اختیار کریں۔ ڈاکٹر طہ جابر علوانی نے اپنا محاضرہ کمپیوٹر سی ڈی کے ذریعہ بھیج دیا ہے۔ وہ آپ کو مل چکا ہوگا۔ اب یہاں بیٹھے آپ ان کی بات سنیں گے۔ بلکہ ہمارے یہاں اسلامی امریکن یونیورسٹی میں ایک ایسے الکٹرانک نظام کے بارے میں سوچا جا رہا ہے جس کے ذریعہ دوسرے شہر میں بیٹھا استاذ طلبہ کو محاضرہ دے سکے۔ علماء کی جماعت بیٹھ کر ان سے گفتگو کر سکے۔ اس پر کوئی بہت زیادہ خرچ بھی نہیں ہے۔ پچاس ہزار ڈالر کے خرچ پر ایک یونٹ یہاں اور ایک یونٹ وہاں قائم ہو جائیں گے۔ بس باہمی روابط آج کے زمانے میں ضروری ہے۔ جیسا کہ عماد الدین خلیل فرماتے ہیں: ہم مغربی تہذیب کو برا بھلا کہتے ہیں، لیکن ہم اس کی اچھائی کا بھی اعتراف کریں، کہ اس تہذیب نے مسافتوں کو قریب کر دیا، معلومات کو متحرک کر دیا، اور نبی کریم ﷺ کی اس پیشن گوئی کو سامنے لا دیا کہ دین ضرور بالضرور ہر گھوڑے اور ہر اونٹ کے قدم کی جگہ تک پہنچ جائے گا۔ یہ دین روئے زمین کے ہر مقام تک پہنچے گا۔ جہاں بھی کوئی سانس لینے والا انسان موجود ہے، وہاں یہ دین پہنچے گا۔ اب غور کریں کہ انٹرنیٹ کے بغیر اور جدید وسائل ابلاغ واتصال کے بغیر ہم اس دین کو ہر جگہ کیسے پہنچا سکتے ہیں۔

مغربی دنیا کو اس میدان میں ہم سے سبقت نہیں کرنا چاہئے، جبکہ ہم آسمانی پیغام کے حامل امت ہیں۔ پس ضرورت ہے کہ ہم آپس میں روابط قائم کریں، اور مربوط ہو کر اجتہاد کا فریضہ انجام دیں۔ ہم ایک دوسرے سے استفادہ کریں۔ اور ایک دوسرے کو علمی فائدہ پہنچائیں۔ ہم علم اور نیکی پھیلائیں۔ علم اپنے حاملین کے درمیان ایک رشتہ ہے، اور اسلام اپنے ماننے والوں کے درمیان ایک رشتہ ہے۔

بھائیو! میں اس طویل سمع خراشی پر معذرت چاہتا ہوں۔ لیکن اللہ کی ذات کی قسم ہے کہ مجھے اس دین کے ساتھ اپنی جان اور اپنی اولاد اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبت ہے۔ میں اپنے ان عالم بھائیوں سے اپنی ذات سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے دلوں کو متحد کر دے، ہماری عقل کو آراستہ کر دے، تاکہ ہم اصلاح اور تمکین اسلامی کی تحریک کی قیادت کر سکیں اور مسلمانوں کی خدمت کر سکیں۔ اس چیز کو وہ دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے قریب پاتے ہیں، میں اپنی گفتگو اسی پر ختم کرتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے ایک بات سن لیں کہ اسرائیلی وزیر دفاع شاول موفاز ایک مرتبہ موشی کلاؤ کے پاس گیا جو شارون کی حکومت میں اسٹریٹجک پلاننگ کا پہلا نمبر استاذ اور آئندہ منصوبہ بندی کا ماہر ہے۔ عراق جنگ کے خاتمہ کے بعد کی یہ بات ہے۔ اس نے دیکھا کہ وہ بڑا غمگین ہے۔ وزیر دفاع نے فرسٹ مشیر سے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ اسرائیلی حکومت ختم ہو جائے گی، اور مسلمانوں کو قوت و غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ اس نے پوچھا: کیسے؟ اس نے کہا: یہ میرے سامنے تاریخ کی کتابیں رکھی ہیں۔ بغداد پر ہلاکو کے قبضہ کے وقت مسلمانوں کی حالت اس سے بہت بدتر تھی جتنی آج ہے۔ آج یہ لوگ پہلے سے بہت ہی اچھی حالت میں ہیں۔ اور دو سال بھی نہیں گذرے تھے کہ مسلمانوں کا اقتدار دوبارہ بحال ہو گیا۔ ہم لوگ ختم ہو جائیں گے، اور مستقبل اسلام کا ہوگا۔ اسرائیلی منصوبہ بندی و پلاننگ کے پہلے مشیر نے یہ بیان دیا۔ تو اب ہمیں کیا سوچنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیاۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد" (غافر:۵۱)

(بے شک ہم مدد کرتے رہتے ہیں اپنے پیمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے)۔

عظیم قرآنی مقاصد

توحید-تزکیہ-عمران

ڈاکٹر طہ جابر علوانی

ترجمہ: مولانا محمد فہیم اختر ندوی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وأصحابه اجمعين۔

آج کی گفتگو میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ قرآنی عظیم مقاصد پر روشنی ڈالوں۔ اس سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ شریعت کو نازل کرنے سے شارع کا مقصود کیا ہے؟ اور شریعت بھیجنے کا کیا مقصد ہے؟ یہ عظیم قرآنی مقاصد میرے خیال میں تین ہیں: اول: توحید، دوم: تزکیہ اور سوم: عمران (آبادی)۔ الحمدللہ قرآن کریم کے مکمل مطالعہ اور از سورہ فاتحہ تا سورہ ناس بار بار کی باریک بینی سے تلاوت کے بعد میں نے محسوس کیا کہ قرآن کے عظیم مقاصد ان تین چیزوں سے عبارت ہیں، یعنی توحید، تزکیہ اور عمران۔ توحید جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے بندوں پر اللہ تعالی کا حق ہے۔ توحید کا یہ حق اتنا اہم ہے کہ قرآن کی تقریباً ہر سورت میں توحید سے متعلق آیات ہیں جن میں توحید کا ذکر ہے، اس پر گفتگو ہے، اس کے لئے دلائل ہیں، اس کے نہ ماننے والوں کے ساتھ مناقشہ اور حجت ہے، ان کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے، ان کے اقوال کا تجزیہ کیا گیا ہے اور ان کی بے وزنی کو واضح کیا گیا ہے، پھر کبھی ابتدائی الٰہی پیدائش اور تخلیق کی دلیل سے اور کبھی پرورش و نگہداشت کی دلیل سے اور کبھی دوسرے دلائل کے ذریعہ توحید اور اللہ کی

وحدانیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ دوسری بہت ساری آیات مختلف سورتوں میں ایسی بھی ہیں جو توحید کے آثار و نتائج پر روشنی ڈالتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ کس طرح توحید کے اثرات انسان کے تصورات اور اس کے افکار پر مرتب ہوتے ہیں؟ وہ اس کے عقائد پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کے اعمال و افعال کی رخ بندی کرتی ہے، وہ اس کے معاملات اور زندگی کے نظام کو بناتی ہے۔ اسی طرح توحید ایک الٰہی مقصد ہے اور یہ شارع کے مقاصد میں ایک اہم درجہ رکھتی ہے، کیونکہ وہ احکام کا پہلا سرچشمہ ہے، جس سے کسی بھی حالت میں صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

توحید کا اثر انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر پڑتا ہے، انسان کے تصورات و افکار، علم و معرفت کے مناہج، غور و فکر کے انداز سے لے کر زندگی کے تمام نظاموں تک، خواہ یہ سیاسی نظام ہو، یا اجتماعی نظام ہو یا اقتصادی نظام ہو یا کوئی اور نظام۔ اللہ تبارک و تعالیٰ، اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن اور دوبارہ اٹھائے جانے اور جنت و دوزخ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں اس عنوان کے تحت آ جاتی ہیں۔ یہ ساری تفصیلات ایک محور کے گرد گھومتی ہیں، اور وہ ہے محور توحید۔ اس طرح توحید ایک اعلیٰ شرعی مقصد کا وصف اختیار کر لیتی ہے۔ جب اس توحید کی حقیقت، اور اس کی اقسام یعنی توحید الوہیت، توحید اسماء اور توحید صفات واضح ہوتی ہیں، اور انسان کی زندگی، اس کے افکار و تصورات اور اس کے تصرفات پر توحید کے اثرات واضح ہوتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے ساتھ انسان کا معاملہ کس نوعیت کا ہونا چاہئے اور پوری زندگی میں اس کا رول کیا ہونا چاہئے، تو یہ توحید بڑے اہم اغراض پورے کرتی ہے، جن میں سے کچھ کا تعلق فقہ اکبر سے ہے اور بعض فقہ اصغر سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس طرح ہمیں چاہئے کہ انسان، کائنات اور زندگی پر فقہ کے سلبی اثرات کو ذہن نشین کریں، تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ توحید تمام انبیاء کرام کے پیغامات کا جوہر رہا ہے، اور تمام رسولوں کی بعثت اور آسمانی کتابوں کے نزول کا سب سے عظیم مقصد یہی رہا ہے۔ توحید کے ذریعہ ہی حق کو پہچانا جا سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ حق کی ماہیت اور اس کے معالم اور اس کی وحدت واضح

ہوتی ہیں، اور اسی کے ذریعہ موجودات کے حقائق اور وجودیت کے حقائق اور اس سے متعلق تمام چیزیں نمایاں ہوتی ہیں۔ توحید کے اثرات جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ضمیر اور شعور پر مرتب ہوتے ہیں، اس کے اثرات عقل، علم اور معرفت پر مرتب ہوتے ہیں، اس کے اثرات دنیاوی زندگی کے اعمال وتصرفات پر ہوتے ہیں، اور آخرت کی زندگی پر بھی اس کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اسی لئے جب ہم توحید کو پیش نظر رکھتے ہیں تو ہم ہر اجتہاد کو اس پر پیش کر سکتے ہیں یا اختیار کئے جانے والے نقطۂ نظر کو اس کی روشنی میں پرکھ سکتے ہیں، تاکہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ آیا یہ اجتہاد توحید کے معارض تو نہیں ہے؟ یا توحید کے منافی تو نہیں ہے؟ کیا یہ ایسا تو نہیں کہ اگر اس اجتہاد کو نافذ کیا جائے تو توحید اور اس نقطۂ نظر میں ہم آہنگی نہ پیدا ہو سکے۔ اس طرح توحید ایک مقصد شرعی ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ انسان کے فعل کو پرکھا جا سکتا ہے۔ انسانی فعل کی حقیقت، اس کی ماہیت اور اس کے اثرات ونتائج کو انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر پرکھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ انسان جو مکلف ہے اور جسم اور روح کا مجموعہ ہے، اس کو اور انسانی فعل کے آثار کو سمجھنے میں توحید مدد پہنچاتی ہے۔ کائنات کے اندر انسان کے اثرات، خواہ یہاں کی جاندار مخلوقات ہوں یا جمادات، یا نباتات ہوں یا ماحولیات، ان سب کے ساتھ ان کا تعلق واضح ہوتا ہے۔ اس طرح انسان کا فعل توحید اور اللہ سبحانہ وتعالی کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہوتا ہے، کیا انسان کے فعل کو اللہ کی طرف منسوب کیا جائے گا؟ امر ونہی، حسن وقبح، صحت وفساد، قبول وعدم قبول، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی کے امور میں انسان کی کیا حیثیت ہے؟ آخرت میں انسانی فعل کا کیا اثر ہے؟ وہ کیا انسانی جذبات اور محرکات ہیں جو انسان کو کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر آمادہ کرتے ہیں؟ اور کیا اس کی نیتیں ہیں؟ نیت کی قیمت اور وزن کیا ہے؟ اسی طرح انجام جو عمل کے بعد پیدا ہوتا ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟ یہ پہلی چیز ہے، توحید۔

دوسرا مقصد تزکیہ ہے، ہم نے یہ دیکھا کہ قرآن کریم کی مجموعی سورتوں اور آیات میں شاید ہی کوئی جز، یا آیت اس بات سے خالی ہو جس میں انسان کی تطہیر اور اس کے تزکیہ پر زور نہ

دیا گیا ہو، انسان جو اللہ کے وعدہ کو پورا کرنے اور خلافت کی ذمہ داریوں کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، جو اللہ کی سونپی ہوئی امانت کا احترام کرسکتا ہے۔اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرسکتا ہے۔ جو آزمائش میں کامیاب ہوسکتا ہے۔اور اچھا عمل کرسکتا ہے۔ یہ انسان ضروری ہے کہ تزکیہ کے وصف سے آراستہ ہو،طہارت کے وصف سے آراستہ ہو،جس انسان کے اندر تزکیہ نہ ہو وہ نفس کا شکار ہوگا،اور تزکیہ نہ ہوتو ان لوگوں میں ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا:"ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو ألدّ الخصام، وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد، وإذا قيل له اتق الله اخذته العزة بالإثم فحسبه جهنم ولبئس المهاد"(سورہ بقرہ:۲۰۴-۲۰۶)(اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے کہ اس کی گفتگو جو دنیوی غرض سے اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ لاتا ہے درآنحالیکہ وہ شدید ترین دشمن ہے اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر فساد کرے،اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے درآنحالیکہ اللہ فساد کو (بالکل) پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خوف خدا کرو، تو اسے نخوت گناہ پر (اور زیادہ) آمادہ کر دیتی ہے، سو اس کے لئے جہنم بس ہے،اور بری ہے بری آرامگاہ ہے) یہ انسان جس کے نفس کا تزکیہ نہیں ہوا ہے، یہی ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالا، الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا، أولئك الذين كفروا بآيات ربهم ولقائه فحبطت أعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيامة وزناً"(سورۂ کہف:۱۰۳/۱۰۵)(آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں (کا پتہ) بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھاٹے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی (ساری) کوشش دنیا ہی کی زندگی میں (صرف و) غارت ہوکر رہی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑے اچھے کام کر رہے ہیں یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی

نشانیوں اور اس کی ملاقات کی طرف سے کفر کئے ہوئے ہیں سو ان کے (سارے) کام غارت گئے سو ہم قیامت کے دن ان (کے اعمال) کا ذرا بھی وزن نہ قائم رکھیں گے) یا پھر یہ ایسے لوگ ہیں جو فساد پھیلاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اصلاح کا کام کر رہے ہیں۔ "الا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون" (سورۂ بقرہ: ۱۲) (سن رکھو حقیقتاً یہی لوگ فسادی ہیں اور یہ اس کا بھی احساس نہیں رکھتے) تزکیہ والا انسان ہی حق سبحانہ وتعالیٰ کے جو خلق سے مقصود ہیں یا شارع تعالیٰ کے جو مقاصد ہیں ان کی تکمیل کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی لئے تزکیہ توحید کے بعد دوسرا درجہ رکھتا ہے۔

تیسرا امر یا تیسرا عظیم شرعی مقصد العمران ہے۔ عمران سے ہماری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق فرمائی اور اس میں انسان کو خلافت عطا فرمائی۔ اور اس کے دوش پر بار امانت ڈالا تاکہ وہ عمران (آبادی) کی تکمیل کر سکے۔ عمران ایک ایسی تہذیب کی تعمیر ہے جو اقدار سے خالی نہ ہو اور ایسا نہ ہو کہ اس میں انسان اپنے روحانی اور اخلاقی پہلو کو قربان کر کے مادی پہلو پر توجہ دے۔ ایسی تہذیب جو انسان کا احترام کرے۔ جو انسان کے تزکیہ اور کائنات کو آباد کرنے پر مبنی ہو۔ اور انسان کو اپنی خلافت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل بنائے۔ یہ عمران زمین کا حق ہے۔ توحید اگر بندوں پر اللہ کا حق ہے، اور تزکیہ اگر انسان کی ذات سے متعلق حق ہے کہ وہ اپنی صفائی وطہارت کر سکے، تاکہ وہ تسبیح الٰہی کے اس قافلہ میں شامل ہو سکے جس کے بارے میں ارشاد باری ہے: "وإن من شئ إلايسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم" تو عمران زمین کا حق ہے۔ اور خلافت کا بار اٹھانے والے انسان پر کائنات کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین سے ہم کو بنایا اور اس میں ہی ہمیں آباد کیا۔ اسی زمین سے ہم بنائے گئے، اسی کی طرف ہم لوٹائے جائیں گے اور اسی سے دوبارہ نکالے جائیں گے۔ اس تیسرے مقصد کو مزید واضح اور نمایاں کرنے اور اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کو عمران کی ماہیت اور اس کی حقیقت معلوم ہو، اور یہ دیکھیں کہ قرآن نے مختلف سورتوں اور آیات میں

عمران کے بارے میں کیا کچھ کہا ہے۔ عمران اور اس تہذیب کے درمیان کیا فرق ہے جو اقدار سے خالی یا اقدار سے غیر وابستہ ہو؟ یا اس تمدن میں کیا فرق ہے جو انسان کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ ان اقدار کو دیکھتا ہے جو انسان کی زندگی میں عام اور اس کی زندگی کا مقصود ہونے چاہئیں۔

عمران خلافت انسانی کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ بلکہ اس کا بنیادی مقصد ہے۔ ضروری ہے کہ یہ بات پوری طرح واضح ہو اور خلافت کے ساتھ اس کا ربط نمایاں ہو۔ عمران اس اعتبار سے کہ یہی وہ جوہر امانت ہے جسے انسان نے اٹھایا ہے، ضروری ہے کہ عمران کو آغاز کے وسیلہ ہونے کے اعتبار سے سمجھا جائے۔ انسانی عمل اور معیار کا وہی اساسی وسیلہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ انسان کو الٰہی سنتوں کا علم ہو، جو عمران سے وابستہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن اور سنت نبوی میں وارد ہوا ہے، ان ہی سنتوں میں ایک سنت اقوام کی تاسیس، عروج و زوال اور ہلاکت و بربادی سے متعلق ہے۔ اللہ نہ کرے ایسا ہو۔ اسی طرح یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے معاشرہ میں عمران کو بروئے کار لایا۔ اور کس طرح وہ شہر جو کبھی یثرب ہوتا تھا، ایسے شہر میں تبدیل ہو گیا جسے مدینہ منورہ کہا جاتا ہے۔ اور کس طرح امت مسلمہ نے سابقہ اقوام سے عمران کا علم حاصل کر لیا۔ ختم نبوت، آخری آسمانی پیغام اور ایسی شریعت کا حصول جس کے خصائص ہیں "يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم إصرهم والأغلال التى كانت عليهم" (سورۂ اعراف:۱۵۷) (انہیں وہ نیک کاموں کا حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز بناتا ہے اور ان پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور قیدیں جو ان پر (اب تک) تھیں اتارے دیتا ہے) اور "خلق لكم ما فى الأرض جميعا" (سورۂ بقرہ:۲۹) (جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا) عمران اور شہادت علی الناس، یہ شہادت علی الناس جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سونپی اور اسے ایک اہم فریضہ بتایا کہ "تكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم

شھیدا" (سورۂ بقرہ: ۱۴۳) (تا کہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر)۔ ضروری ہے کہ ہم یہ جانیں کہ شہادت علی الناس کے ساتھ عمران کا کیا تعلق ہے؟ پھر ہم اس بات سے بے نیاز نہیں ہو سکتے کہ ان الٰہی سنتوں کو معلوم کریں جو عمران کا تحفظ کرتی ہیں، اور وہ سنتیں جو عمران کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اور ان تینوں عظیم اقدار: توحید، تزکیہ اور عمران کے مابین کیا تعلق ہے؟ اور ان تینوں میں باہم کیسا ربط ہے؟ اور قرآن نے عمران کے مسائل کو کس طرح بیان کیا، یعنی گذشتہ اقوام کے قصے قرآن نے سنا کر بتایا کہ وہ کس طرح کامیاب ہوئیں۔ کس طرح زوال کا شکار ہوئیں، پھر کس طرح تباہ و برباد ہوئیں؟ قرآن کریم نے اس پہلو کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جس طرح قرآن کریم نے انسانیت کی تاریخ بتائی، اور انسانی آبادی و عمران کی تاریخ بتائی جو حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت سے لے کر سیدنا رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی تک جاری ہے۔ توحید، تزکیہ اور عمران کے تینوں عظیم مقاصد تین پہلوؤں کو باہم مربوط کرتے ہیں۔ پہلا توحید سے متعلق پہلو، یعنی توحید کی وضاحت و تفہیم، اس اعتبار سے کہ وہ اللہ کا حق بندوں پر ہے، اور زندگی کے مختلف گوشوں پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تزکیہ انسان کی ان تمام صلاحیتوں کی نمائندگی کرتا ہے جن سے آراستگی اس لئے ضروری ہے کہ انسان تعمیر کرنے والا ہے، تخریب کرنے والا نہیں۔ اس کی وجہ سے انسان زمین کے وارث ہونے کا مستحق بنتا ہے، "إن الأرض يرثها عبادي الصالحون" (سورۂ انبیاء: ۱۰۵) (کہ زمین (جنت) کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے) صالحین ہی زمین کا وارث بننے کے بعد اس کا عمران کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جو مادی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر" (سورۂ توبہ: ۱۸) (اللہ کی مسجدوں کا آباد کرنا تو بس ان لوگوں کا کام ہے جو ایمان رکھتے ہوں اللہ اور روز آخرت پر) یہ معنوی تعمیر ہے۔ اور اللہ حکم دیتا ہے کہ مساجد بنائی جائیں اور ان میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے: "وأن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحدا" (سورۂ جن: ۱۸) (اور جتنے سجدے

ہیں (سب) اللہ کا حق ہیں، سو اللہ کے ساتھ کسی (اور) کو مت پکارو)۔ عمران ہی بقیہ دو مقاصد توحید اور تزکیہ کو ایسے اقدار بناتا ہے جن کے اثرات مخلوق پر مرتب ہوتے ہیں، اور وجود پر مرتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ زمین پر عمران و آبادی عام ہوتی ہے اور موت و بربادی سے وہ محفوظ ہوتی ہے، اللہ تعالی نے ایسی زمین کو جو آباد نہ ہو اور نہ اس میں مناسب طور پر عمران کا ظہور ہو سکے، میتہ (مردار) قرار دیا۔ اور جب اللہ اس پر پانی برساتا ہے تو وہ لہلہا اٹھتی ہے اور نمو پذیر ہو جاتی ہے۔ گویا اس میں زندگی آ گئی اور وہ موت کی حالت سے نکل گئی۔ ہمارے فقہاء کرام نے بھی ایسی صورت کا نام احیاء الموات (مردہ زمینوں کو زندہ کرنا) رکھا ہے۔ پس زمین جب تک آباد نہ کی جائے وہ مردار ہے۔ اور عمران دراصل انسان کی ذمہ داری ہے، اور اس سے مطالبہ ہے کہ وہ توحید کو اپنائے کہ یہ بندوں پر اللہ کا حق ہے۔ عمران کو اپنائے کہ وہ اس زمین کا حق ہے۔ جس زمین پر انسان کو بار امانت سونپا گیا ہے اور جس زمین پر وہ خلیفہ بنایا گیا ہے، اس میں فساد پھیلانے سے اسے روکا گیا ہے اور اس میں عمران قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے تمام عناصر اور تمام پہلوؤں کے ساتھ تاکہ مقصد کی تکمیل ہو سکے۔ اس طرح اگر فقیہ کے سامنے یہ تین عظیم مقاصد توحید، تزکیہ اور عمران واضح ہو جائیں تو وہ اپنے فتاوی اور سامنے آنے والے مسائل و معاملات میں ان مقاصد کو پیش نظر رکھے گا۔ وہ دیکھے گا کہ اس کے فتوی سے مذکورہ مقاصد کی تکمیل کہاں تک ہو رہی ہے؟ خواہ اس کا جواب جواز کا ہو یا ممانعت کا، صحت کا ہو یا فساد کا۔ توحید، تزکیہ اور عمران کے دائرہ میں وہ کن چیزوں کو پورا کر رہا ہے؟ یہ تین عظیم مقاصد فقیہ کو انجام پر نظر رکھنے میں بھی مدد دے سکتے ہیں، کیونکہ جب وہ اپنے فتاوی کو ان تینوں اقدار سے مربوط کرے گا، ان سے مانوس ہو جائے گا اور اس کی مشق ہو جائے گی تو وہ صحیح طور پر انجام کو بھی سمجھ سکے گا۔ یہ جان سکے گا کہ راجح اور اولی کون ہے؟ اہمیت کس کو حاصل ہے؟ اور کس کو کم اہمیت حاصل ہے؟ اور کون غیر اہم ہے؟ اس طرح وہ ان تینوں عظیم مقاصد و اقدار کے ذریعہ عصر حاضر کے تمام نئے مسائل کا احاطہ کر لے گا۔ خواہ وہ مسائل اس کے نزدیک ضروریات کے تحت آتے ہوں، یا حاجیات کے

درجہ میں ہوں یا وہ تحسینیات کے درجہ میں آتے ہوں۔ بلکہ جس فقیہ کو اس تناظر پر دسترس حاصل ہوگا وہ اس کے ذریعہ سابق فقہاء سے منقول فقہی آراء اور ان کے فتاوی کا بھی علمی جائزہ لے سکے گا، کہ کیا وہ سابق فتوی آج کے حالات میں مناسب بن رہا ہے یا نہیں؟ یہ نقطہ نظر چند دوسرے نقاط نظر کی جانب بھی رہنمائی کرتا ہے۔ عدل، آزادی، مساوات، امانت اور ان اصولوں کے اندر جزئیات کا اندراج ہو سکے گا۔ اگر اللہ نے آسانی فرمائی اور اہل علم کے سینے اس پر مطمئن ہوئے کہ وہ ان تین مقاصد کا عملی تجربہ کریں تو کچھ دنوں میں یہ زیادہ نمایاں ہوں گے، اور ایسی فقہ سامنے لائیں گے جو زمانہ کے نئے مسائل کو حل کر سکے گی۔ اور فقہ اسلامی سے یہ وصف دور ہو جائے گا کہ یہ نئے مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہے، یا ایسا حل پیش کرتا ہے جو حرج و تنگی کا سبب بنتا ہے۔ ہم ان تمام چیزوں کی تلافی کر سکیں گے۔ اور پھر ہندوستان، امریکہ اور یورپ جیسے اقلیتی ممالک کے مسلمان ان تین عظیم مقاصد سے بھرپور استفادہ کر کے فقہ اکبر اور فقہ اصغر تیار کر سکیں گے، فقہ اکبر سے میری مراد وہ ہے جو امام ابوحنیفہ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں مراد لیا تھا، اس کتاب کے بعد انہوں نے اپنے اصول اور فتاوی طے کیے۔ یہ عظیم اقدار تب ان مقاصد کا احاطہ کر سکیں گے، جنہیں ہمارے علماء اور ائمہ نے پہلے دور میں بیان کیا ہے، اور اس طرح ہم شارع کے مقاصد عامہ اور مکلفین کے مقاصد دونوں کے درمیان جمع کر سکیں گے۔

احکام شریعت کے مقاصد اور ان کے مدارج

مولانا بدرالحسن القاسمی (کویت)

اصول فقہ کے ذیلی مباحث میں ایک عنوان ''احکام شریعت کے مقاصد اور اس کے مدارج'' کا بھی آتا ہے، موضوع کی اہمیت اور طبعی ترتیب کا تقاضا تھا کہ اس کو تمام اصولی موضوعات ومباحث کی تمہید قرار دیا جاتا، یا کم از کم اصول اربعہ، کتاب، سنت، اجماع اور قیاس میں سے اصل رابع، یعنی قیاس کے مباحث کی ابتداء اس سے ہوتی، تاکہ وہ مقاصد ومصالح جو شرعی احکام میں ملحوظ رکھے گئے ہیں ان پر روشنی پہلے پڑتی اور متعلقہ مسائل کو سمجھنے میں اس سے مدد ملتی۔ لیکن اصول فقہ کے ماہرین اس موضوع کو ایک ذیلی وضمنی بحث کے طور پر غالباً اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ نصوص میں ان مقاصد کا ذکر یکجا طور پر اور اس صراحت کے ساتھ کہیں نہیں ملتا، حالانکہ ان کا معتبر ہونا اور احکام شریعت کا ان کے گرد دائر ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بات نصوص یعنی قرآنی آیات واحادیث کے استقراء اور تتبع سے ثابت ہے۔

نامور اصولی عالم علامہ شاطبیؒ نے اپنی کتاب ''الموافقات'' میں جو اصول فقہ اور اسرار شریعت کی جامع کتاب ہے، اس موضوع پر بہت زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، انہوں نے خود ہی یہ سوال قائم کیا ہے کہ جب یہ حقیقت ہے کہ احکام شریعت میں مقاصد ومصالح کا لحاظ رکھا گیا ہے اور تمام احکام ضروری، حاجی اور تحسینی مصالح کے گرد دائر ہیں تو پھر اس کا ثبوت تو قطعی دلیل سے ہونا چاہئے، کیونکہ یہ مقاصد تو شریعت کی روح اور بنیادی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ دراصل شرعی احکام پر تفصیلی نظر ڈالنے سے ان

مقاصد کے ملحوظ ہونے کا یقین اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح کہ لوگوں کو حاتم کی سخاوت کا یقین ہے، شرعی نصوص کے عموم وخصوص، مطلق ومقید جزئیات اور دوسرے قرائن سب اس کی تائید کرتے ہیں کہ شریعت میں ان مقاصد کی رعایت رکھی گئی ہے اور تمام تر شرعی احکام کی بنیاد انہیں مقاصد اور کلیات واصول پر ہے، اور یہ علم استقرائی ہونے کے باوجود اسی طرح کا یقینی ہے جس طرح کہ قدر مشترک کے تواتر سے یقینی علم حاصل ہوا کرتا ہے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس کے ثبوت میں ایک نہیں بہت سے دلائل ہیں، اور ان مقاصد کی واقعیت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے (تفصیلی جواب کے لئے دیکھئے: علامہ شاطبی کی الموافقات)۔

انسان کو اللہ تعالی نے عقل کی دولت سے نوازا ہے، اور اس کا یہ امتیاز ہی اس کی تکلیف کا مدار اور شرعی احکام کا مخاطب ومکلف ہونے کی بنیاد ہے، اور ہمارا عقیدہ ہے کہ باری تعالی حکیم ہے، اور حکیم کا کوئی فعل حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہوتا، اور وہ رؤف ورحیم بھی ہے، اس لئے اس کے ہر فرمان میں انسان کی سعادت اور اس کی بھلائی بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ شریعت کے عمومی نصوص سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا: "وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین" (ہم نے آپ کو ساری کائنات کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)۔

عام دینی احکام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

"ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطهرکم ولیتم نعمته علیکم" (سورۂ مائدہ:۶) (اللہ تعالی یہ نہیں چاہتا کہ دین میں تم پر تنگی پیدا کرے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل کردے)۔

نماز کے بارے میں کہا گیا:

"إن الصلاة تنهی عن الفحشاء والمنکر" (سورۂ عنکبوت:۴۵) (بے شک نماز بے حیائی کی باتوں اور منکرات سے روکتی ہے)۔

روزہ کی فرضیت کے مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون" (سورۂ بقرہ: ۱۸۳) (تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ)۔

قصاص کی مشروعیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"ولکم فی القصاص حیاۃ یا أولی الالباب" (سورۂ بقرہ: ۱۷۹) (اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو!)۔

یہ اور اس طرح کی سینکڑوں آیات اور احادیث ایسی ہیں جن میں واضح طور پر ان مقاصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو شرعی احکام میں ملحوظ رکھے گئے ہیں، اور ان "مصالح" کی نشاندہی کی گئی ہے جن کا حصول، روبہ عمل لانا ان احکام کا مقصود ہے۔

"مقاصد شریعت" کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری اور مفید ہے، شرعی حکم کے ساتھ اگر اس کی مصلحت وحکمت بھی معلوم ہو تو آدمی کے یقین میں اضافہ اور ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے، اور علم الیقین کے بعد حق الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام غزالیؒ، علامہ عزالدین بن عبدالسلامؒ، علامہ ابن القیمؒ، علامہ شاطبیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سب نے اسرار شریعت کو اپنا موضوع بنایا اور شرعی احکام کی لم اور حکمت سے روشناس کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

علماء مجتہدین کے لئے اصول وکلیات پر نظر اور شریعت کے مقاصد کو جاننا اور بھی ضروری ہے، تاکہ وہ نئے مسائل میں ان مقاصد سے رہنمائی حاصل کرسکیں اور ان نصوص میں جو بظاہر متعارض نظر آتی ہوں، تطبیق دے سکیں، اور کسی جزئیہ کا حکم تلاش کرنے میں شریعت کے عمومی مصالح اور مزاج ومقاصد کو فراموش کرکے غلطی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔

جہاں تک اس فرسودہ اشکال کا تعلق ہے کہ باری تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہیں

یا نہیں؟ اور ان مقاصد و مصالح پر زور دینے میں خدا کی ذات کی طرف نقص کا انتساب تو لازم نہیں آئے گا؟ تو یہ بحث اصول فقہ کی نہیں علم کلام کی ہے۔ امام رازیؒ نے گو کہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ باری تعالیٰ کے احکام بھی اسی طرح ''معلل بالعلۃ'' نہیں ہیں جس طرح کہ اس کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں۔ لیکن ان کی یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے اور جیسا کہ محقق ابن الہمام نے لکھا ہے کہ اکثر فقہائے متاخرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں بندوں کے مصالح کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے (التحریر ۳/۳۰۶)۔

اشاعرہ اور ارباب ظواہر اگر چہ اس کے قائل ہیں کہ باری تعالیٰ ایسا حکم دے سکتا ہے جس کی کوئی مصلحت نہ ہو، لیکن وہ بھی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عملاً جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں مصلحت پائی جاتی ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ میں سے جو لوگ مصالح کو ہی احکام کی علت قرار دیتے ہیں، وہ اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ علت سے مراد حکم کی علامت ہے، ایسی علت نہیں جو خدا کو اس پر ابھارنے والی ہو کہ وہ یہی حکم دے دوسرا نہ دے۔

جن حضرات نے مصالح کو ہی علت قرار دیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں رحیم ہے، وہ شر و فساد کو دور کرتا اور بندوں کی راحت کے لئے حرج اور تنگی کے اسباب کو ختم کرتا ہے، اس لئے اس کا حکم مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ بات زیبا نہیں ہے کہ خدا کے اوپر کوئی بات لازم و واجب کی جائے، اسی طرح یہ بات بھی نامناسب ہے کہ اس کے فعل کو بے مقصد اور عبث قرار دیا جائے، چنانچہ معتزلہ اور ارباب ظواہر دونوں ہی افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں اور صحیح نقطہ نظر وہی ہے جس کی تائید محقق ابن الہمام اور دوسرے فقہاء نے کی ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ باری تعالیٰ کے افعال کو معلل بالاغراض کے بجائے معلل بالغایات کہنا چاہئے (فیض الباری کے مقدمہ میں شاہ صاحب کے نقطہ نظر کی ترجمانی ان لفظوں میں کی گئی ہے: "ذكر الشيخ ابن الهمام في التحرير: ان الفقهاء والمحدثين اجمعوا على أن أفعاله تعالى معللة بالاغراض والادحل فيه للاستكمال فان كماليته هي التي إستوجبت أن

ترتب على أفعاله تلك الأغراض فذاته تعالى لاتخلو في مرتبة من المراتب عن الكمال، والصفات من فروع الذات كما يقول ابن الهمام وهو تعبير بديع والانسب عندي ان تترك لفظ الأغراض وان أفعاله تعالى معللة بالغايات" (فیض الباری ۱/۵۶)۔ اور یہاں ہماری گفتگو کا محور تکوینی افعال نہیں، بلکہ تشریعی احکام ہیں۔

بہر صورت لفظی نزاع خواہ جو بھی قائم کیا جائے، لیکن نصوص کی تعلیل ایک امر واقعہ ہے اور قیاس کے تمام تر مباحث اسی پر قائم ہیں، اسی لئے علماء متاخرین نے تعلیل الاحکام کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شلبی کی کتاب ''تعلیل الاحکام'' قابل ذکر ہے۔ انہوں نے بھی ماتریدیہ کی رائے کو اس بارے میں معتدل اور افراط و تفریط سے پاک قرار دیا ہے۔

وہ مصالح جن کو بروئے کار لانا شریعت میں ملحوظ رکھا گیا ہے، یا وہ مقاصد جن کو شرعی احکام سے شارع نے پورا کرنا چاہا ہے، علمائے اصول نے استقراء اور تتبع کے بعد ان کی تین قسمیں کی ہیں، یا ان کے تین مدارج متعین کیے ہیں:

۱-ضروری　　　۲-حاجتی　　　۳-تحسینی

۱-ضروری مصالح:

اس سے مراد وہ امور ہیں جن پر انسان کی دینی اور دنیوی زندگی موقوف ہے اور جن میں خلل واقع ہونے سے نہ صرف انسان کی دنیوی زندگی فساد اور انتشار کا شکار ہوتی ہے، بلکہ آخرت کی زندگی بھی بگڑتی ہے اور ثواب و راحت کے بجائے آدمی عذاب و مصیبت کا مستحق بن جاتا ہے۔

ضروری مصالح کے ذیل میں پانچ چیزوں کی حفاظت شریعت کا مطمح نظر اور شرعی احکام کا مقصود و مدعا ہے، اور انہیں پانچوں کلیات و اصول کی حفاظت سے انسان کی دنیوی زندگی کی سلامتی بھی وابستہ ہے اور آخرت میں فوز و فلاح اور سعادت و کامرانی بھی، اور وہ درجہ بدرجہ اس طرح ہیں:

الف-دین کی حفاظت، ب-جان کی حفاظت، ج-عقل کی حفاظت، د-نسل کی حفاظت، ہ-مال کی حفاظت۔

الف-دین کی حفاظت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے صلاح وفلاح کے لئے دین نازل فرمایا ہے اور انسان کی قوت نظری اور عملی دونوں کی تکمیل کے لئے صحیح عقیدہ اور عبادت کی تلقین کی ہے اور یہ بات فرض کی ہے کہ آدمی سچے دین سے وابستہ رہے، اور دین کی حفاظت کی خاطر جہاد فرض کیا ہے، غلط افکار وعقیدہ کی ترویج کی ممانعت کی ہے، ارتداد کی سزا متعین کی ہے اور دین حق سے پھر جانے پر عقوبت رکھی ہے گوکہ اصولی حیثیت سے فکر وعقیدہ کی آزادی دی ہے، لیکن جب یہ آزادی دین حق کی راہ میں رکاوٹ بننے لگے تو پھر فساد دین کے سدباب کا حکم دیا گیا ہے۔

ب-جان کی حفاظت:

اس کرہ ارض پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور توالد وتناسل کے سلسلہ اور نسل انسانی کے وجود اور اس کی بقا اور استمرار کے لئے نکاح کو مشروع قرار دیا ہے، کھانا پانی اور لباس کی وہ مقدار جو جان کی حفاظت کے لئے ضروری ہو اس کے استعمال کو ضروری قرار دیا ہے، دوسری طرف انسانی جان کو پیش آنے والے خطرات سے باز رہنے کی تلقین کی ہے، خودکشی کو حرام کیا ہے، قتل نفس کی سزا رکھی ہے اور قصاص، دیت اور کفارہ وغیرہ متعین کئے ہیں، تاکہ انسانی جان کی حفاظت کی جاسکے۔

ج- عقل کی حفاظت:

عقل اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے جو انسان کو بہت سی دوسری مخلوقات پر امتیاز بخشتی ہے اور وہی اس کے احکام شریعت کے مکلف ہونے کی بنیاد بھی ہے، شریعت نے عقل کی حفاظت کی تلقین کی ہے اور اس میں بالیدگی کے لئے علم کو ضروری قرار دیا ہے اور ہر اس چیز سے روکا ہے جو انسان کی عقل کو کمزور کرے، یا زائل کردے، چنانچہ شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور جو شخص شراب پی کر اپنی عقل کو زائل کرنے کے جرم کا ارتکاب کرے اس کی حد متعین کی اور اس کے لئے کوڑوں کی سزا طے کی ہے۔

د- نسل کی حفاظت:

نسل انسانی کی حفاظت کی خاطر ایک طرف نکاح کو مشروع قرار دیا ہے تو دوسری طرف نسب کے اختلاط سے بچانے اور عداوت و دشمنی سے روکنے کے لئے زنا کو حرام قرار دیا ہے، اور اس کا ارتکاب کرنے والے کی سزا متعین کی ہے، اسی طرح ناروا تہمت لگانے والے کے لئے حد قذف متعین کی ہے تا کہ معاشرہ میں بے حیائی کی باتیں نہ پھیلیں اور نسل انسانی شک وشبہ کا شکار نہ ہو اور انسانی جان کی طرح اس کی نسل بھی محفوظ رہے۔

ہ- مال کی حفاظت:

مال بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ انسان کی زندگی کا قیام و نظام اسی سے وابستہ ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مال کمانے کی اجازت دی ہے اور اس کے لئے جدوجہد اور سعی کا حکم دیا ہے تو دوسری طرف بیع وشراء اور اجارہ وعاریت وغیرہ کو مشروع قرار دیا ہے تا کہ مال کے حصول کی جائز راہیں کھلی رہیں اور سود، دھوکہ دہی و فریب کے ذریعہ مال کے حصول کو ناجائز قرار دیا ہے، اسی طرح چوری، غصب اور ڈاکہ زنی وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے اور چور کی سزا قطع ید رکھی ہے، تا کہ مال کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا جا سکے۔

یہ پانچوں امور ان اصول وکلیات میں سے ہیں جو دین حق کے بنیادی مقاصد قرار دیئے گئے ہیں، اور دنیا کی دوسری شریعتوں اور صالح قوانین میں بھی کسی نہ کسی حد تک ان امور کی رعایت رکھی گئی ہے، لیکن جس جامعیت کے ساتھ اسلام نے ان امور کی حفاظت پر زور دیا ہے اور اس کے لئے قوانین وضع کئے ہیں وہ اس کا ہی امتیاز ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ انسان کا اس دنیا میں وجود محض اس لئے ہو کہ اس کی جان کی حفاظت کی جائے، یا اس کی عقل اور مال کی حفاظت کی جائے ایک فعل عبث ہے، چنانچہ یہ چیزیں اسلام میں آخرت کی زندگی سے مربوط ہیں، انسان کا وجود اس کائنات میں اس لئے مطلوب ہے کہ وہ خدا کی عبودیت کا حق ادا کرے اور آخرت کی زندگی کی سعادت کے لئے خود کو تیار کرے، البتہ جب تک وہ اس دنیا میں رہے اس وقت تک کے لئے اس کی جان، مال، عزت اور عقل سب کی حفاظت کی ضمانت ان شرعی احکام میں موجود ہے جو اسلام نے دیئے ہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ان پانچوں اصولوں میں جو زیادہ اہم ہو اس کی خاطر اس سے کم تر اصولوں کو قربان کیا جائے گا، مثلاً اگر دین کی حفاظت کی خاطر جان دینے کی ضرورت ہو تو اس میں دریغ نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا مال لے کر کھا لینے سے جان کی حفاظت ممکن ہو تو جان کی حرمت کو مال کی حرمت پر مقدم رکھا جائے گا۔

محرم اسرار شریعت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"ومقصود الشرع من الخلق خمسة وهو أن يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم فكل ما يتضمن حفظ هذه الأصول الخمسة فهو مصلحة وكل ما يفوت هذه الأصول فهو مفسدة و دفعه مصلحة" (خلق کے بارے میں شریعت کے مقاصد پانچ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس کے دین، اس کی جان، اس کی عقل، اس کی نسل اور اس کے مال کی حفاظت کی جائے، پس ہر وہ بات جو ان اصول خمسہ کی حفاظت کی ضامن ہو وہ "مصلحت" قرار پائے گی، اور ہر وہ چیز جو ان پانچوں امور کی حفاظت میں مخل ہو وہ "مفسدہ" قرار پائے گی اور اس کا ازالہ "مصلحت" ہوگا)۔

پھر فرماتے ہیں:

"وهذه الأصول الخمسة حفظها واقع في رتبة الضرورات فهي أقوى المراتب في المصالح ومثاله قضاء الشرع بقتل الكافر المضل وعقوبة المبتدع الداعي الى بدعة فان هذا يفوت على الخلق دينهم، و قضاءه بإيجاب القصاص إذ به حفظ النفوس، و إيجاب حد الشرب إذ به حفظ العقول التي هي ملاك التكليف، وإيجاب حد الزنا إذ به حفظ النسل و الأنساب و إيجاب زجر الغصاب السراق إذ به يحصل حفظ الاموال التي هي معاش الخلق وهم مضطرون إليها - وتحريم هذه الأصول الخمسة والزجر عنها يستحيل ان لا تشمل عليه ملة من الملل وشريعة من الشرائع التي أريد بها إصلاح الخلق" (المستصفی للغزالی ار۲۸۷ تا ۲۸۸) (ان پانچ اصول کی حفاظت ضروریات میں سے ہے جو مصالح کا سب سے قوی ترین درجہ ہے، اور اس کی مثال یہ ہے کہ شریعت نے ایسے کافر کے قتل کا حکم دیا ہے جس کا کفر دوسروں تک متعدی ہو۔ اسی طرح بدعتی کی سرزنش کا حکم دیا ہے جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے، کیونکہ اس سے خلق کے دین کی حفاظت کا مقصد متاثر ہوتا ہے، اور شریعت نے قصاص کا حکم دیا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ جان کی حفاظت ممکن ہے، اور شراب پینے کی حد متعین کی ہے کہ عقلوں کی حفاظت کی جاسکے، جو انسان کی تکلیف کا مدار ہے، اور حد زنا متعین کی ہے تاکہ اس کے ذریعہ نسل اور نسب کی حفاظت کی جاسکے، اور چوروں اور غاصبوں کی سزا متعین کی ہے تاکہ لوگوں کے مال کی حفاظت کی جاسکے، جس سے خلق کا معاش وابستہ ہے، اور لوگوں کو اس کی احتیاج ہے، یہ پانچوں ایسے امور ہیں جن کی حفاظت کا خیال نہ رکھنا کسی ایسی ملت وشریعت میں ممکن نہیں جو خلق خدا کی اصلاح کے لئے نازل کی گئی ہو)۔

۲-حاجیاتی مصالح:

شریعت کے مقاصد ومصالح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی سے تنگی اور مشقت کو دور کیا جائے، یعنی ان مصالح کے تحقق پر دنیوی واخروی زندگی موقوف تو نہ ہو لیکن دفع حرج و مشقت کے لئے ان کی رعایت ضروری ہو، مثال کے طور پر سفر میں نماز کو قصر کے ساتھ پڑھنے کی اجازت۔ اسی طرح رمضان میں مریض اور مسافر کے لئے روزے نہ رکھنے کی اجازت، یا قیام پر قدرت نہ رکھنے والے شخص کے لئے اس بات کی اجازت کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرلے، حیض ونفاس میں مبتلا عورت کے لئے نماز نہ پڑھنے کی تاکید اور سفر وحضر میں خف پر مسح کرنے کی اجازت وغیرہ ایسے احکام ہیں جو شرعی مقاصد ومصالح کی اس دوسری قسم کے ذیل میں آتے ہیں۔

اسی طرح قرض کے لین دین کی اجازت، کسی دوسرے کی طرف سے حقوق کے بارے میں ضامن وکفیل بننے کی اجازت، ضرورت پڑنے پر بیع کو فسخ کرنے اور نکاح کے رشتہ کو طلاق کے ذریعہ ختم کرنے کی اجازت بھی اسی ذیل میں آتی ہے، جیسا کہ حدود وعقوبات کے مسائل میں مقتول کے ولی کو اس بات کا حق کہ وہ قصاص معاف کردے، یا دیت میں تخفیف کردے، یا بعض حالات میں دیت کا بجائے قاتل کے اس کے اقارب واصدقاء یعنی ''عاقلہ'' پر وجوب، یہ ساری چیزیں اسی لئے مشروع کی گئی ہیں تاکہ حرج اور مشقت کو دور کیا جاسکے۔

علامہ شاطبی تحریر فرماتے ہیں:

''وأما الحاجيات فمعناها أنها مفتقر إليها من حيث التوسعة و رفع الضيق المؤدى فى الغالب إلى الحرج والمشقة اللاحقة بفوت المطلوب فإذا لم تراع دخل على المكلفين على تحمله الحرج والمشقة ولكنه لا يبلغ مبلغ الفساد العادى المتوقع فى المصالح العامة وهى جارية فى العبادات والعادات والمعاملات والجنايات ففى العبادات كالرخص المخففة فإنه بالنسبة إلى لحوق المشقة بالمرض والسفر، وفى العادات كإباحة الصيد والتمتع

بالطيبات مما هو حلال مأكلا ومشربا وملبسا ومسكنا ومركبا -و في المعاملات كالقراض والمساقات والسلم و في الجنايات كالقسامة وضرب الدية على العاقلة و تضمين الصناع" (الموافقات ۲/ ۵ تا ۶، بحذف يسير)۔

("حاجیات" سے مراد وہ مصالح ہیں جن کی ضرورت تنگی کو دور کرنے اور حرج ومشقت کو رفع کرنے کے لئے پیش آئے، اور اگر ان کی رعایت نہ رکھی جائے تو مکلفین کی زندگی مشقت کی وجہ سے دوبھر ہو جائے، لیکن اس طرح کا فساد متصور نہ ہو جو ضروری مصالح کو نظر انداز کرنے سے برپا ہوتا ہے۔ "حاجیات" کا خانہ بھی عبادات، عادات، معاملات اور جنایات سب کو عام ہے، چنانچہ عبادات میں اس کی مثال وہ رخصتیں ہیں جو مشقت لاحق ہونے کے اندیشہ سے دی گئی ہیں، جو مرض یا سفر کی وجہ سے پیش آتی ہیں، اور عادات میں شکار کا حلال ہونا، پاکیزہ اور حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانا کھانے پینے کے قبیل کی چیز سے ہو یا لباس و مسکن اور سواری وغیرہ سے، اور معاملات میں اس کی مثال مضاربت، مساقاۃ اور سلم وغیرہ کی اجازت ہے، اور جنایات میں قسامت اور عاقلہ پر دیت کا وجوب اور ضائع شدہ مال کی ضمانت وغیرہ اس کی مثال ہے۔

۳۔ تحسینی مصالح:

مصالح ومقاصد کا تیسرا درجہ تحسینی اور کمالیاتی مصالح ہیں جن کی رعایت پر نہ تو زندگی موقوف ہو، اور نہ ان کی عدم رعایت سے حرج اور مشقت ہی کا اندیشہ ہوتا ہے، بلکہ ان کا تعلق اخلاق و عادات اور زندگی کے آداب سے ہو، یعنی مروت اور عقل انسانی کا تقاضا ہو کہ ان مصالح کا تحقق مستحسن ہے اور فطرت سلیمہ اس کا تقاضا کرتی ہے کہ انسانی معاشرہ میں یہ خصلتیں پائی جائیں، اور انسانی زندگی ان خوبیوں سے آراستہ ہو، امام غزالیؒ کے بقول:

"الرتبة الثالثة مالا يرجع إلى ضرورة ولا إلى حاجة ولكن يقع موقع

التحسين والتزيين والتيسير للمزايا والمزائد ورعاية أحسن المناهج في العادات والمعاملات" (المستصفی ۱/ ۲۹۰)۔

(تیسرا درجہ (مصالح کا) جو نہ "ضرورت" کے خانہ میں آتا ہو اور نہ "حاجت" کے، لیکن اس کا شمار ان امور میں ہوتا ہو جن کو تحسین وتزئین کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور عادات و معاملات میں جس کی رعایت مستحسن سمجھی جاتی ہے)۔

عبادات میں نفلی نمازیں، نفلی روزے، نفلی صدقات کو اس کی مثال قرار دیا جا سکتا ہے، اسی طرح طہارت، ستر عورت وغیرہ کے حکم کو بھی فقہاء نے اسی ذیل میں شمار کیا ہے، بیع وشراء میں ناپاک چیزوں کی خرید وفروخت کی ممانعت، کھانے پینے میں پاکیزہ چیزوں کا اہتمام اور خبائث سے اجتناب، عقوبات میں لاش کو مثلہ کرنے کی ممانعت اور عورتوں اور بچوں وغیرہ کے قتل سے اجتناب کا حکم بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ مصالح کی اس قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أما التحسينات فمعناها الأخذ بما يليق من محاسن العادات وتجنب الأحوال المدنسات التي تأنفها العقول الراجحات ويجمع ذلك قسم مكارم الأخلاق - في العبادات كإزالة النجاسة وبالجملة الطهارات كلها، وستر العورة، وأخذ الزينة والتقرب بنوافل الخيرات من الصدقات والقربات وأشباه ذلك - وفي العادات كآداب الأكل والشرب ومجانبة المآكل النجسات والمشارب المستخبثات والإسراف و الاقتار في المتناولات وفي المعاملات كالمنع من بيع النجاسات وفضل الماء والكلأ - وفي الجنايات كمنع قتل النساء والصبيان والرهبان في الجهاد" (الموافقات ۲/ ۶)۔

(تحسینیات سے مراد اچھی عادتوں کا اختیار کرنا اور ان امور واحوال سے اجتناب کرنا ہے جن کو عقل سلیم ناپسند کرتی ہو، اور ان سب کے مجموعہ کو مکارم اخلاق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے،

عبادات میں اس کی مثال نجاست کا ازالہ اور طہارت اور پاکیزگی کا حصول ہے، ستر عورت، زینت و آرائش اور نفلی عبادتوں اور صدقات کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش وغیرہ بھی اسی ضمن میں آتی ہے، عادات میں کھانے پینے کے آداب، ناپاک اور خبث چیزوں سے اجتناب، اسراف اور بخل سے پرہیز۔ معاملات میں ناپاک چیزوں کی خرید وفروخت کی ممانعت، پانی اور چارہ کی زائد مقدار کی فروخت۔ اور جنایات میں عورتوں، بچوں اور راہبوں کے جہاد کے دوران قتل کی ممانعت وغیرہ اس کی مثالیں ہیں)۔

شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جن کو مذکورہ مدارج ''ضروری''، ''حاجی'' اور ''تحسینی'' کے تکملہ اور تتمہ کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر:

قصاص میں مماثلت کا لحاظ نفس کے مقصد کی تکمیل کے لئے ہے۔ اسی طرح شراب کی تھوڑی سی مقدار کی حرمت حفظ عقل کی مصلحت کا تتمہ ہے، کیونکہ شراب کی تھوڑی مقدار زیادہ کا خوگر بننے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح اجنبی عورت کو دیکھنے اور اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے کی ممانعت ہے جو حفظ نسل کے مقصد کی تکمیل کے لئے ہے۔ اسی طرح اذان اور جماعت کی مشروعیت اقامت دین کی مصلحت کی تکمیل کے لئے ہے، تاکہ دین کا صحیح طور پر ظہور اور اس کی حفاظت کا مقصد پورا ہوسکے۔

اسی طرح غصب کردہ مال کے ضمان میں مماثلت کی قید اور ربوٰا کی حرمت کو حفظ مال کے مقصد کی تکمیل کے لئے متعین کیا گیا ہے۔

دوسری قسم یعنی حاجیاتی مصالح کی تکمیل کے لئے جو چیزیں مشروع کی گئی ہیں ان میں نکاح میں کفاءت کی رعایت، اسی طرح صغیرہ کے نکاح میں مہر مثل کا لحاظ اور مجہول کی بیع کی ممانعت اور مشتری کے لئے خیار رؤیت اور خیار شرط وغیرہ کی مشروعیت بھی بیع وشراء کی عمومی مصلحت کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

تحسینی مصالح کی تکمیل کیلئے صدقات نافلہ میں پاک مال کا خرچ کرنا، عقیقہ اور قربانی وغیرہ میں افضل ترین جانور کے انتخاب کی تلقین کو اس کی مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔

وہ مصالح جن کو "ضروریات" میں شمار کیا گیا ہے وہ بقول امام شاطبیؒ "اصول دین"، "قواعد شرعیہ" اور "کلیات ملت" کی حیثیت رکھتی ہیں، چنانچہ ان کو ہر حال میں مقدم رکھا جائے گا۔ مثال کے طور پر اگر "ضروری" یا "حاجی" مصلحت کا تقاضا ہو تو تحسینی مصلحت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپریشن، یا مرض کی تشخیص کی خاطر جس سے جان کی حفاظت وابستہ ہے ستر عورت کی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا جو کہ تحسینی مصالح میں شمار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ضرورت اور اضطرار کی حالت میں "میتہ" کا کھانا حلال ہوگا اور تحسینی مقصد یعنی مطعومات میں سے خبیث چیزوں سے احتراز کی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا، "بیع سلم" اور "استصناع" کے جواز کی بناء بھی یہی ہے کہ "حاجت" کی خاطر "تحسینی" مقصد یعنی مبیع کے وجود کی شرط کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

اور ضروریات میں بھی باہم فرق مراتب کا لحاظ ہوگا، دین کی حفاظت کی خاطر جان کی حفاظت کو نظر انداز کیا جائے گا، اسی طرح جان کی حفاظت کی خاطر مال کی حفاظت کی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا، امام غزالیؒ اور بعض دوسرے ائمہ اصول نے نسل کی حفاظت کو عقل کی حفاظت پر مقدم رکھا ہے، جب کہ دوسرے فقہاء کے یہاں ترتیب میں "عقل"، نسل سے مقدم ہے۔

"مقاصد" اور "مصالح" کی ایک اور تقسیم بھی کی جاتی ہے، کچھ مقاصد ایسے ہیں جن کا تعلق فرد کی ذات سے ہے، اور کچھ مصالح ایسی ہیں جن کا تعلق ساری امت یا جماعت مسلمین سے ہے۔

مثال کے طور پر دشمنوں سے ملک کی حفاظت، دین کی حفاظت، قرآن کریم کی حفاظت، سنت کی حفاظت، اسی طرح حرمین شریفین کی دشمنوں کے ہاتھ میں چلے جانے سے حفاظت۔ یہ سب کلی مصالح ہیں، جن کی خاطر جزوی مصالح کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

علامہ ابن عاشور نے مصالح کی ایک اور تقسیم بھی کی ہے، جس کی رو سے کچھ مصالح تو وہ ہیں جو قطعی ہیں، جن کی نشاندہی خود نصوص سے ہوتی ہے، یا مجموعی طور پر شرعی احکام کے تتبع اور استقراء سے جیسا کہ ''مصالح ضروریہ'' یا ''کلیات خمسہ'' کی حفاظت کے بارے میں گذر چکا ہے، یا عقل اس بات کی شہادت دے کہ اس کو ترک کرنے میں امت کو زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا، جیسے حضرت ابوبکرؓ کا یہ فیصلہ کرنا کہ مانعین زکاۃ سے قتال کیا جانا ضروری ہے۔

دوسری قسم کی مصالح وہ ہیں جو ''ظنی'' ہیں، اس کی مثال خوف کی وجہ سے حفاظت کے لئے کتے کے پالنے کا جواز ہے، جو دلیل ظنی سے ثابت ہے۔

اور تیسری قسم ان مصالح کی ہے جو وہمی ہیں اور ان کا دائرہ بے حد وسیع ہے، اس کی مثال، شراب، افیون، ہیروئن، کوکائین اور قات وغیرہ کے بارے میں ان کے استعمال کرنے والوں کا یہ وہم کہ یہ چیزیں مفید اور نشاط آور ہیں۔ شریعت نے اس طرح کی ''وہمی'' مصالح کو نظر انداز کیا ہے اور ان چیزوں کی حرمت کا حکم دیا ہے۔

چند ضروری وضاحتیں:

۱- مقاصد شریعت کے مدارج کے اس طرح پر ذکر سے یہ خیال نہیں ہونا چاہئے کہ وہ چیزیں جو ضروریات میں شمار کی گئی ہیں وہ سب کی سب فرض وواجب کا درجہ رکھتی ہیں، اور وہ امور جن کا ذکر کمالیات وتحسینیات کے ذیل میں کیا گیا ہے وہ سب کی سب نفل اور مکروہ کے ذیل میں آئیں گی، بلکہ اس کے برعکس ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک چیز مدارج کے لحاظ سے تو تحسینیات میں شمار ہوتی ہو، لیکن شرعی حکم کے لحاظ سے وہ قطعی حرام ہو، یا واجب ہو، اس لئے کہ ایجاب وتحریم اور اباحت وکراہت وغیرہ علاحدہ موضوع ہیں اور مقاصد شریعت اور اس کے مدارج ایک علاحدہ بحث ہے اور اس کی تفصیل حکم تکلیفی کے مدارج میں آئے گی، یہاں اس کے ذکر کا موقع نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ستر عورت اور طہارت کے مسائل کو یہاں تحسینیات میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن

سب جانتے ہیں کہ ستر عورت کی ایک مقدار فرض ہے اور طہارت بھی جنابت کی حالت میں ضروری ہے، اس کی تقسیم تو مختصر طور پر یوں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب جس چیز سے متعلق ہو وہاں طلب ''جازم'' ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر طلب فعل ہو تو وہ ''واجب'' ہوگا اور اگر طلب ترک فعل ہو تو وہ ''حرام'' ہوگا۔ اور اگر طلب ''غیر جازم'' ہو تو دونوں جانب یا تو برابر ہوں گے تو وہ ''مباح'' ہوگا، اور اگر جانب وجود غالب ہو تو ''مندوب'' ہوگا اور اگر جانب عدم غالب ہو تو ''مکروہ'' ہوگا۔ خواہ اس کا تعلق ان امور سے ہو جو مقاصد و مصالح کے لحاظ سے ضروریات میں شمار کیے گئے ہوں، یا ''حاجیات'' میں یا ''کمالیات'' میں۔

۲- اصول و قواعد ہمیشہ عمومی احوال کو پیش نظر رکھ کر بنائے جاتے ہیں، بعض جزئیات پر کسی قاعدہ کے کسی خاص وجہ سے منطبق نہ ہونے کی وجہ سے اصل قاعدہ کی جامعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثال کے طور پر عقوبات اس لئے مشروع کی گئیں ہیں کہ جرم کا ارتکاب کرنے والا شخص اپنے جرم سے باز آ جائے، لیکن یہ ممکن ہے کہ کسی خاص شخص پر یہ اثر مرتب نہ ہو، چنانچہ قطع ید کے بعد بھی ایک شخص چوری کا ارتکاب کرے یا کوڑوں کی سزا پانے کے بعد بھی ایک شخص زنا سے باز نہ آئے۔

اسی طرح سفر میں قصر صلوٰۃ اور روزے کے افطار کی مشروعیت مشقت کے پیش نظر کی گئی ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ بادشاہ وقت یا کسی مرفہ الحال شخص کا سفر اس طرح پر ہو کہ اسے قطعی کوئی مشقت نہ ہو، لیکن اس کی وجہ سے وہ اس رخصت سے فائدہ اٹھانے کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح طہارت کی مشروعیت تو نظافت کے لئے کی گئی ہے، لیکن مٹی کے ذریعہ تیمّم کو بھی طہارت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے جس میں بظاہر آلودگی ہے۔

بقول علامہ شاطبیؒ:

''فكل هذا غير قادح في أصل المشروعية لأن الأمر الكلي إذا ثبت

كليا فتخلف بعض الجزئيات عن مقتضى الكلي لا يخرجه عن كونه كليا فإن حفظ النفوس مشروع وهذا كلي بقصد الشارع إليه ثم شرع القصاص حفظا للنفوس فقتل النفس في القصاص محافظة عليه بالقصد"۔

(یہ ساری باتیں اصل مشروعیت کے لئے مضر نہیں ہیں، کیونکہ کسی امر کلی کے بعض جزئیات کا اگر تحقق نہ ہو تو اس سے اس کی کلیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، چنانچہ جان کی حفاظت مطلوب و مشروع ہے اور یہ امر کلی ہے، کیونکہ شارع نے اس کو ضروری قرار دیا ہے، لہذا جان کی حفاظت ہی کی خاطر قصاص میں قتل نفس اس کے منافی نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا مقصد لوگوں کی جانوں کی حفاظت ہی ہے)۔

۳- جان کی حفاظت شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے۔ چنانچہ اگر جان کی حفاظت مال کے اتلاف کے بغیر ممکن نہ ہو تو جان کی حفاظت کو ترجیح دی جائے گی، لیکن اگر جان کی حفاظت کا مقصد دین کو مٹانے کا باعث ہو تو پھر دین کی حفاظت کے مقصد کو ترجیح دی جائے گی، جیسا کہ جہاد کی مشروعیت اور قتل مرتد کے مسئلہ سے یہ بات واضح ہے۔

اسی طرح اگر جان کی حفاظت سے کئی جانوں کا اتلاف لازم آتا ہو تو پھر کئی جانوں کی حفاظت کی فکر کی جائے گی، چنانچہ اگر کفار کسی مسلمان کو ڈھال بنالیں اور اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو کہ مسلمان کی جان قربان کئے بغیر کفار پر غلبہ و نصرت حاصل کی جاسکے تو ایسی صورت میں اس مسلمان کی جان کو اجتماعی مصلحت پر قربان کئے جانے کو گوارا کیا جائے گا۔

اور اگر کسی کو ہتھیار کے زور پر اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ کفریہ کلمات کہے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا تو ایسی صورت میں اس کے لئے یہ جائز ہوگا کہ کلمات کفر زبان سے ادا کرے اور اس کا دل مومن ہو، اسی طرح اکراہ کی وجہ سے شراب کا پینا، کسی دوسرے شخص کا مال کھانا، نماز اور روزہ ترک کرنا سب جان کی حفاظت کی خاطر مباح ہوگا، لیکن اگر اسے اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے تو اس کے لئے یہ جائز نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی

شخص ایسی بھوک میں مبتلا ہو اور اس کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ ہو تو اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہوگی کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھائے۔

۴-دو مصلحتوں کے درمیان اگر تعارض ہو تو جو قوی تر مصلحت ہو اس کو ترجیح دی جائے گی، مثال کے طور پر اگر ایک شخص نماز ادا کر رہا ہو اور اس کی نظر ایک ڈوبتے ہوئے شخص پر پڑ گئی تو ڈوبنے والے شخص کو بچانا نماز کی ادائیگی پر مقدم ہوگا، اور اس شخص کا فریضہ ہوگا کہ پہلے ڈوبتے ہوئے شخص کو بچائے پھر اپنی نماز ادا کرے۔

اسی طرح محرمات کے درمیان بھی فرق مراتب اور درجات ہیں، شراب کا پینا شراب بیچنے کے مقابلہ میں زیادہ سنگین جرم ہے، اور شادی شدہ عورت سے زنا کرنا غیر شادی شدہ عورت سے زنا کے مقابلہ میں زیادہ سنگین جرم ہے۔

امام عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں:

"المقاصد الضرورية أصل للحاجية و التحسينية وأن الحاجي ومن هنا إذا دعت الضرورة إلى إحياء المهجة بتناول النجس كان تناوله أولى- كما يجوز الاطلاع على العورات للمباضعة والمداواة"۔

(ضروری مقاصد، "حاجی" اور "تحسینی" مقاصد پر مقدم ہیں، چنانچہ "حاجی" "ضروری" کی تکمیل کرتے ہیں اور "تحسینی"، "حاجی" کی۔ لہٰذا اگر اس کی ضرورت پیش آئے کہ جان کی حفاظت کے لئے نجس چیز کو کھانا پڑے گا تو اس کا کھانا جائز اور اولیٰ ہو جائے گا جس طرح کہ علاج اور آپریشن کی خاطر مریض کے کشف عورت کی اجازت ہوگی)۔

☆ اگر چند افراد کسی جزیرہ یا صحرا، یا کسی ظالم حکمراں کی جیل میں اس طریقہ پر محصور ہو گئے ہوں کہ ان کے پاس کھانے کا کوئی سامان نہ ہو اور فاقہ کے اس درجہ کو پہنچ گئے ہوں کہ ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ رہ گیا ہو کہ وہ اپنے رفقاء میں سے کسی ایک کو قربان کر کے اس کا گوشت کھالیں، تا کہ باقی لوگوں کی جان بچ سکے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہوگی؟

☆ چند افراد کشتی میں سوار ہوئے، موجوں کی شدت اور ہوا کے تھپیڑوں نے ان کو ایسی حالت سے دوچار کر دیا کہ ان کے لئے ڈوبنے سے بچنے کا صرف ایک ہی ذریعہ باقی رہ گیا ہو کہ وہ اپنے ساتھ سوار کسی ایک فرد کو دریا میں ڈال دیں تاکہ کشتی کا وزن کم ہو اور کشتی سلامت رہ سکے، ورنہ اس کا یقین ہے کہ سب کے سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے، تو کیا ایسی صورت میں یہ بات جائز ہوگی کہ کسی فرد کو اس ارادہ سے دریا کی نذر کر دیا جائے، تاکہ دوسروں کی جان بچائی جا سکے؟

☆ کفار نے چند مسلمانوں کو اس طریقہ پر ڈھال بنالیا ہو کہ اگر ان مسلمان قیدیوں کی جان کا خیال کیا جائے تو سارا عالم اسلام کفار کے تسلط میں چلا جائے گا اور سینکڑوں افراد کی جانوں کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں کیا یہ درست ہوگا کہ ان بے قصور مسلمان قیدیوں کی جان کی پرواہ کئے بغیر عمومی مصلحت کو سامنے رکھا جائے اور انہیں نشانہ بنایا جائے، تاکہ کفار پر غلبہ حاصل ہو سکے؟

یہ اور اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جن کا جواب مقاصد شریعت اور ان کے مدارج کو سامنے رکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تفصیل کے لئے امام غزالیؒ کی ''المستصفی'' اور امام سرخسی کی ''المبسوط'' وغیرہ دیکھی جائیں۔

اس مضمون میں جن کتابوں سے مدد لی گئی وہ حسب ذیل ہیں:

۱- الموافقات ۲/ ۲ تا ۳۹
۲- المستصفی للغزالی ۱/ ۲۸۴ تا ۳۱۴
۳- مسلم الثبوت، علی ہامش المستصفی ۲
۴- قواعد الاحکام فی مصالح الانام ۱/ ۶۲
۵- اصول الفقہ لابی زہرہ
۶- اصول الفقہ للزحیلی
۷- فیض الباری جلد ۱
۸- التحریر لابن الہمام ۳/ ۳۰۶، ۳۰۷۔

مقاصد شریعت اور اصول فقہ

عربی تحریر: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
اردو ترجمہ: مولانا محمد ہشام الحق ندوی

سب سے پہلے میں اس فقہی پروگرام کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے علماء کرام سے خطاب کا موقع فراہم کیا۔

یہ بات قابل تعریف ہے کہ خود منتظمین ہی نے محاضرہ کا موضوع بھی متعین کیا اور مجھے یہ ذمہ داری دی گئی ہے کہ میں "اصول فقہ سے مقاصد شریعت کا ربط و تعلق" کے موضوع پر گفتگو کروں۔ تمہید کو طول دیئے بغیر اور اصل موضوع پر گفتگو سے پہلے موضوع کے علمی تقاضے کے طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصول فقہ کے موضوع پر پھر مقاصد پر روشنی ڈالی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے ان دونوں کے درمیان ربط بھی واضح ہو جائے گا۔

بہت سے اصولیین نے اصول فقہ پر بحث کرتے وقت پہلے فقہ پر گفتگو کی ہے۔ چنانچہ جامع علوم وفنون اور مشہور عالم امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) اپنی کتاب "المستصفی" میں، جو اصول فقہ کی ایک مشہور کتاب ہے، فرماتے ہیں: "فقہ کے معنی لغت میں علم و فہم ہیں لیکن یہ لفظ علماء کے عرف میں مکلفین کے افعال کے شرعی احکام جاننے کے لئے خاص ہو گیا ہے (المستصفی ار۴ طبع امیریہ بولاق، مصر ۱۳۲۲ھ) البتہ اس لفظ کے لغوی اور فقہی استعمال اور اصطلاحی معنی کے درمیان علماء یہ فرق کرتے ہیں کہ یہ لغوی معنی میں باب سمع سے مستعمل ہے اور اصطلاحی معنی

میں باب کرم سے، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی (متوفی ۱۲۵۲ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''ردالمختار'' میں علامہ ابن نجیم مصری (متوفی ۹۷۰ھ) سے نقل کیا ہے (دیکھئے: ردالمختار ۱/۲۵ طبع المکتبۃ النعمانیہ دیوبند الہند)۔

یہ بات واضح ہے کہ یہ اصطلاح بعد میں مروج ہوئی ورنہ متقدمین کے نزدیک اس کے اطلاق کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع مانا جاتا تھا، مثال کے طور پر جلیل القدر تابعی اور بڑے عالم حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) سے منقول ہے:

فقیہ وہ ہے جو دنیا سے اعراض کرنے والا، امور آخرت میں رغبت کرنے والا اور اپنی خامیوں پر نظر رکھنے والا ہو (الدرالمختار للحصکفی ۱/۲۶ طبع دیوبند)۔

اور فقہ کی تعریف امام مجتہد اور جلیل القدر تابعی امام ابوحنیفہؒ (متوفی ۱۵۰ھ) سے یہ منقول ہے:

''فقہ اپنے نفس کے حقوق وفرائض کی معرفت حاصل کرنے کا نام ہے''۔

اصول فقہ میں امامت، تقدم کے درجہ پر فائز اور اصول فقہ کے ابتدائی دور کے مصنفین میں سرفہرست اور اصول کی مشہور کتاب اصول البزدوی کے مصنف امام ابوالحسن علی بن محمود البزدوی (متوفی ۴۸۳ھ) نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک حصہ یہاں نقل کرنا مناسب ہوگا، انشاء اللہ وہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں:

''فقہ کی تین قسمیں ہیں: خود مشروع کا جاننا، دوسری قسم اس کی گہری معرفت یعنی نصوص کو ان کے معانی کے ساتھ سمجھنا اور اصول کو ان کے فروع کے ساتھ منضبط کرنا اور تیسری قسم اس پر عمل کرنا ہے تاکہ صرف علم ہی مقصود بن کر نہ رہ جائے، جب کسی شخص میں یہ تینوں باتیں مکمل طور پر پائی جائیں تو وہ فقیہ قرار پائے گا''۔

پھر موصوف نے اپنے قول پر ایک مفصل کلام سے استدلال کیا ہے۔ اسی کا ایک حصہ یہ ہے:

''اللہ تعالی نے شریعت کے علم کو حکمت قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا: ''یؤتی الحکمة من یشاء......'' حضرت ابن عباسؓ نے قرآن میں وارد لفظ حکمت کی تفسیر حلال وحرام کے علم سے کی ہے، اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة'' (آپ حکمت اور موعظت یعنی فقہ اور شریعت کے ذریعہ اپنے رب کی طرف بلایئے)۔ امام بزدویؒ نے مزید فرمایا: حکمت لغت میں علم اور عمل ہے اسی طرح اس لفظ ''فقہ'' کا مادۂ اشتقاق بھی اس پر دلیل ہے کیونکہ فقہ قطعیت کے ساتھ جاننے کا نام ہے کہ جس کے ساتھ عمل بھی ہو'' (اصول البزدوی مع الشرح لعبد العزیز البخاری (متوفی ۷۳۰ھ) ۱ر ۱۲، ۱۳ طبع دار سعادت ۱۳۱۰ھ، اصول البزدوی رص ۴ طبع کراچی)۔ لیکن علماء کے حلقہ میں فقہ کی رائج تعریف وہ ہے جو امام غزالی کی ''المستصفی'' سے نقل کی گئی، البتہ بعض اصولیین نے فقہ کی ایک ایسی تعریف ذکر کی ہے جو اصول فقہ کی تعریف سے قریب تر ہے، مثال کے طور پر ملا محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) نے اصول فقہ پر اپنی مشہور کتاب ''مسلم الثبوت'' میں، جو کئی صدیوں تک ہندوستان کے عربی مدارس میں پڑھائی جاتی رہی ہے، فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ شرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام ہے (فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ۱ر ۷، بحر العلوم مولانا عبد العلی، متوفی ۱۲۲۵ھ)۔

مشہور حنفی فقیہ علاء الدین حصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ) نے امام غزالی اور محب اللہ بہاری کی ذکر کردہ دونوں تعریفات کے درمیان فرق کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

اصولیین کے نزدیک فقہ ان شرعی احکام کو جاننے کا نام ہے جو تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہوں، فقہاء کے نزدیک صرف جزئیات کو یاد کر لینے کا نام فقہ ہے (الدر المختار مع رد المحتار ۱ر ۲۶ طبع دیوبند)۔

اس سے پہلے فقہ کی تعریف کے ضمن میں ''احکام شرعیہ'' کا لفظ گذرا ہے اور آئندہ بھی یہ آئے گا، اس لئے مستند علماء کے اقوال سے اس کی وضاحت کر دینا مناسب ہوگا۔ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود بخاری (متوفی ۷۴۷ھ) کی تصنیف کردہ اصول فقہ کی مشہور کتاب ''التوضیح فی حل غوامض التنقیح'' میں ہے:

احکام شرعیہ سے مراد وہ احکام ہیں جن کا ادراک شارع کے خطاب کے بغیر ممکن نہ ہو، خواہ خطاب اصل حکم سے متعلق ہو یا اس کی نظیر سے، جس پر اس کو قیاس کیا جائے (التوضیح ۱/ ۱۲)۔

متقدمین کے اقوال ذکر کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصول فقہ کی تعریف وغیرہ سے متعلق دور جدید کے بعض نامور علماء کے چند اقوال پیش کر دیئے جائیں، کیونکہ ان کا اسلوب آسان اور زیادہ واضح ہے۔

بیسوی صدی کی ابتدا کے ایک عالم شیخ محمد خضری بک اپنی کتاب ''اصول الفقہ'' میں اصول فقہ کی تعریف ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اصول فقہ وہ قواعد ہیں جن کے ذریعہ شرعی احکام کا استنباط ہو سکے۔ پھر وہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''قاعدہ'' اس ''کلیہ'' کا نام ہے جو بہت سے جزئیات پر منطبق ہو سکے۔ پھر انہوں نے اس کی یہ مثال دی ہے: ہمارا یہ کہنا کہ ''امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے'' ایک قاعدہ ہے جو شارع کے قول: ''أقيموا الصلاة وآتوا الزكاة'' (نماز قائم کرو اور زکاۃ دو) اور ''واعبدوا الله'' (اللہ کی عبادت کرو) وغیرہ جزئیات پر منطبق ہوتا ہے۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

اس طرح کے قواعد ہر علم میں ہوتے ہیں، سو اگر ان قواعد کے ذریعہ شرعی احکام تک رسائی ہو تو یہی وہ قواعد ہیں جن کو اصول فقہ کہا جاتا ہے، چنانچہ ان ہی اصولوں سے ان قواعد کی تخریج کی جاتی ہے جن کے ذریعہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ مستنبط احکام کو مؤید و مدلل کرنے یا ان کی تردید کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اسی کا نام ''علم الخلاف'' ہے (اصول الفقہ للخضری بک /ص ۱۳، چھٹا ایڈیشن)۔

اسی صدی کے ایک اور نامور عالم واستاذ شیخ عبدالوہاب خلاف نے اپنی مشہور کتاب ''علم اصول الفقہ'' کے مقدمہ میں جو تعریف ذکر کی ہے وہ بڑی حد تک اوپر ذکر کی گئی تعریف سے مطابقت رکھتی ہے۔ انہوں نے فقہ کی تعریف یہ ذکر کی ہے کہ وہ ان عملی شرعی احکام کو جاننے کا نام ہے جو اپنے تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہوں یا وہ ان عملی شرعی احکام کے مجموعہ کا نام ہے جو تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہوں (علم اصول الفقہ لعبدالوہاب خلاف /ص ۱۱)۔

پھر انہوں نے اصول فقہ کی تعریف اس طرح کی ہے: اصطلاح شرع میں علم اصول فقہ دراصل ان قواعد اور بحثوں کا جاننا ہے جن کے ذریعہ عملی شرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے اخذ کرنے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہے، یا وہ ان قواعد اور بحثوں کے مجموعہ کا نام ہے جن کے ذریعہ عملی شرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے اخذ کرنے کی رسائی حاصل ہوتی ہے (علم اصول الفقہ لعبد الوہاب خلاف، ص ۱۲، بیسواں ایڈیشن)۔

اصول فقہ یا علم اصول فقہ کی اس تعریف کے ذکر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''مقاصد'' پر گفتگو کی جائے۔ یہ بات واضح ہے کہ یہاں مقاصد سے مراد مقاصد شریعت ہیں یعنی الف لام ''مضاف الیہ'' کے عوض ہے یا ''عہد'' کے لئے ہے۔

شریعت سے مراد پوری شریعت ہے نہ کہ اس کے کچھ حصے یا اس کا ایک حصہ (یہاں قرائن کا تقاضا یہی ہے) اگرچہ کہ کبھی کوئی قرینہ ہو تو کل کو جز سے موسوم کرنے کی بنا پر شریعت سے اس کے کچھ حصے بھی مراد ہوتے ہیں، اگر موضوع کی تعیین کرنے والوں کے پیش نظر شریعت اس عمومی معنی میں ہے جس میں اس کے تمام احکام شامل ہوتے ہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں لفظ مقاصد اس معنی میں ہے جسے متقدمین نے لفظ ''غایت'' سے تعبیر کیا ہے (دونوں کے درمیان بس فرق اتنا ہے کہ ''غایت'' واحد ہے اور ''مقاصد'' جمع، اس فرق کی توجیہ اہل علم کو معلوم ہے کہ کچھ مشکل نہیں)۔

گیارہویں صدی کے بڑے حنفی فقیہ علاء الدین حصکفی (متوفی ۱۰۸۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب ''الدر المختار'' میں فقہ کی غایت اس طرح بیان کی ہے: ''اس کی غایت دنیا اور آخرت کی سعادت سے ہم کنار ہونا ہے''۔ اس کے ممتاز شارح اور مشہور عالم ابن عابدین شامی نے (متوفی ۱۲۵۲ھ) اس کی وضاحت اس طرح کی ہے: یعنی دنیا کی کامیابی اس طرح پر کہ نفس کو جہالت کی پستی سے علم کی چوٹی پر پہنچایا جائے اور لوگوں کو بتائے کہ ان کے لئے کیا مفید ہے اور کیا مضر، لوگوں کے حقوق و فرائض بیان کرے اور جھگڑے چکائے، اور آخرت کی کامیابی

سے یعنی عظیم نعمتوں سے سرفرازی کی بات بتائے یا پہنچائے'' (ردالمحتار ار ۲۷ طبع المکتبۃ النعمانیہ دیوبند)۔

اہل علم پر یہ مخفی نہیں ہے کہ ان کا قول "ما للناس وما علیهم" (لوگوں کے حقوق وفرائض (یعنی نافع وضار)) کتنا جامع ہے۔ اس میں تمام دنیاوی واخروی امور آ گئے۔

شاید یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ آٹھویں صدی کے مشہور فقیہ اور ممتاز اصولی علامہ ابراہیم بن موسیٰ معروف بہ ابواسحاق شاطبی غرناطی مالکی (متوفی ۷۹۰ھ) نے جو یہ فرمایا ہے کہ '' امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریعت پانچ قسم کی ضروریات کی حفاظت کے لئے وضع کی گئی ہے یعنی دین، نفس، نسل، مال اور عقل'' اور جس میں انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ '' ان کا علم امت کے نزدیک یقین کے درجہ میں ہے'' (الموافقات ص ار ۳۸ طبع دارالمعرفہ بیروت، لبنان)، یہ '' غایت'' اور '' مقاصد'' ہی کی توضیح وتشریح ہے۔ (شاطبی کا یہ ارشاد امام غزالی کے قول سے قریب بلکہ اسی سے مستفاد ہے)۔

اگر ہماری مذکورہ بات درست ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ '' مقاصد'' کا فقہ اور اصول فقہ سے کتنا گہرا اور مضبوط تعلق ہے، دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ دونوں کے درمیان سبب اور مسبب یا وسیلہ اور نتیجہ کا سا تعلق ہے، یہ بات موضوع کے دائرہ سے باہر نہیں ہوگی اگر ہم کہیں (جس کی طرف ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے) کہ کبھی کبھی مقصد کا اطلاق حکمت، علت اور مصلحت پر بھی ہوتا ہے۔ کتاب وسنت میں بیشتر مقامات پر یہ استعمالات وارد ہوئے ہیں۔

چنانچہ مثال کے طور پر قرآن کریم میں نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"إن الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر" (العنکبوت:۴۵)۔ صدقہ سے متعلق ہے:"ويربي الصدقات" (البقرہ:۲۷۶)۔ اور روزہ کی مشروعیت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:"لعلكم تتقون" (البقرہ:۱۸۳)، اسی طرح بعض معاصی کے بارے میں مروی ہے، مثلاً ربا کے متعلق ہے:"يمحق الله الربا" (بقرہ:۲۷۶)۔ سفر یا مرض کی وجہ سے رمضان کا روزہ ترک

کرنے کی رخصت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر" (البقرہ:۸۵)۔

اسی طرح بہت سی احادیث شریفہ میں احکام شریعت کے مصالح اور مہلک گناہوں و معاصی کے مفاسد بیان کئے گئے ہیں، مثال کے طور پر سچ اور جھوٹ کے بارے میں کہا گیا ہے (گویا سچ کی ترغیب دی جا رہی ہے اور جھوٹ سے ڈرایا جا رہا ہے): "سچ نجات دلاتا ہے اور جھوٹ برباد کرتا ہے" (صحیح بخاری "کتاب الأنبیاء" کی طویل حدیث میں ہے: "لا ينجيكم إلا الصدق"۔ موطا امام مالک "باب فی الصدق والكذب" میں ہے: "إن الصدق يهدي إلى البر...... وإن الكذب يهدي إلى الفجور")۔

اسی طرح ہم جو احادیث نبویہ میں صلہ رحمی کی وجہ سے "إنساء الأثر"، یعنی عمر میں برکت ("من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأ له في أثره فليصل رحمه" (جو اپنی روزی میں وسعت اور عمر میں برکت چاہتا ہو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے) اس کی روایت شیخین وغیرہ نے کی ہے (صحیح بخاری: کتاب البیوع، صحیح مسلم: کتاب السیر) اور زنا کی وجہ سے فقر کے غلبہ (کنوز الحقائق للمناوی (الزنا یورث الفقر) اور کشف الخفاء میں یہ حدیث ابن ماجہ وغیرہ سے نقل کی گئی ہے) کا تذکرہ دیکھتے ہیں، ان کو بھی ایجابی یا سلبی طور پر ان مصالح اور مقاصد کے ضمن میں رکھا جا سکتا ہے۔

اگر موضوع کی تعیین کرنے والوں کی مراد مقاصد سے یہی ہے تو ہماری ذکر کردہ تفصیل کی روشنی میں فقہ اور اصول فقہ اور مقاصد کے درمیان ربط و تعلق تلاش کرنا مشکل نہیں ہے۔

جب مصلحت کا ذکر آ ہی گیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصالح کے موضوع پر حکیم الاسلام احمد بن عبد الرحیم معروف بہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی کی ایک تحریر بھی اختصار کے ساتھ پیش کر دی جائے، کیونکہ اس میں بہت نادر اور اچھی بحث کی گئی ہے جو دوسری جگہ ہمیں نہیں ملتی۔ شاید اس سے علوم شریعت سے اشتغال رکھنے والوں کی نگاہیں روشن ہوں، وہ فرماتے ہیں:

جان لو کہ شارع نے ہمیں دو قسم کے علوم عطا کیے ہیں، یہ دونوں اپنے احکام اور اپنے مدارج میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں، ان میں سے ایک تو مصالح اور مفاسد کا علم ہے۔ اس سے میری مراد وہ تشریح ہے جو شارع نے دنیا یا آخرت میں نفع پہنچانے والے طور طریقوں کو اختیار کر کے نفس کی تہذیب، اس کی ضد کے ازالہ، تدبیر منزل، آداب زندگی اور سیاست مدینہ سے متعلق ذکر کی ہے، اور متعین معیارات کے ذریعہ اس کا تعین نہیں کیا ہے، اور نہ منضبط تعریفات کے ذریعہ اس کے مبہم پہلوؤں کو متعین کیا ہے اور نہ طے شدہ علامتوں کے ذریعہ اس کے باہم مشابہ امور کے درمیان تمیز کی ہے بلکہ قابل تعریف باتوں کی ترغیب دی ہے، بری عادتوں سے بے رغبتی کی تعلیم دی ہے، اور اپنے کلام کو ایسے انداز پر رکھا ہے جس سے اہل لغت سمجھ جائیں، اور مطالبہ یا ممانعت کا مدار مصالح و مضار کو قرار دیا ہے نہ کہ صرف ایسے احتمالات کو جن سے مصالح اور مضار کا بس ربط ہے اور نہ ایسی علامتوں کو جو ان مصالح کی پہچان کرائیں جیسا کہ شارع نے دانائی اور بہادری کی تعریف کی ہے اور نرمی، محبت اور طرز زندگی میں اعتدال کا حکم دیا ہے......اور ہر وہ مصلحت جس پر شارع نے ہمیں ابھارا ہے اور ہر وہ مفسدہ جس سے شارع نے ہمیں روکا ہے، تین اصولوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہے: ایک نفس کی ایسی اصلاح جس سے آخرت میں نفع پہنچے یا دنیا میں نفع پہنچانے والے تمام طور طریقوں کا اپنانا آسان ہو جائے۔ دوسرا کلمہ حق بلند کرنا، شرعی احکام کے عملی نفاذ اور ان کو فروغ دینے کی کوشش کرنا۔ اور تیسرا لوگوں کی شیرازہ بندی، ان کی ضروریات کی فراہمی اور ان کے معاملات کی درستگی، خداوند تعالیٰ کی رضا دراصل ان ہی مصالح سے متعلق ہے اور ناراضگی تمام ضرر رساں کاموں سے ہوتی ہے......علم کی دوسری قسم شرائع، حدود اور فرائض کا علم ہے، اس سے میری مراد وہ معیارات ہیں جو شارع نے بیان کیے ہیں، چنانچہ اس نے (مصالح) کے لئے منضبط و متعین علامتیں مقرر کی ہیں اور ان پر حکم کا مدار رکھا ہے اور ان کا مکلف بنایا ہے، اور ارکان، شروط اور آداب کی تعیین کے ذریعہ اچھے کاموں کی مختلف انواع کو منضبط کیا ہے...... اس طرح تکلیف کا تعلق ان ہی علامتوں سے ہو گیا جو

ازروئے شرع مقرر کر دی گئیں اور احکام ان علامتوں پر مبنی قرار دے دیئے گئے .....(حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۹، ۱۳۰، المبحث السابع، باب الفرق بین المصالح والشرائع، طبع دمشق)۔

اور شاہ ولی اللہ کا یہ مفصل کلام نگاہوں کو روشن کرنے والا ہے البتہ دقیق ہے۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور سماعت فرمانے کے لئے آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اجازت چاہتا ہوں۔

امام شاطبی کا نظریہ مقاصد شریعت

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
اردو ترجمہ: مولانا محمد ہشام الحق ندوی

امام شاطبی آٹھویں صدی ہجری کے ایک مشہور عالم ہیں۔ علماء نے ان کی کتاب "الموافقات" کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے۔ امام شاطبی نے بھی اسی طرح انقلابی علمی کارنامہ انجام دیا جس طرح امام شافعی نے جن کی کتاب "الرسالہ" ہے۔ امام شافعی نے ابتداء میں اسباق کی صورت میں اس کتاب کو طلبہ کے سامنے پیش کیا اور ان کے مشورہ سے ربیع بن سلیمان مرادی نے ان اسباق کو لکھا پھر انہیں امام شافعی کو دکھلا لیا۔

اس وقت ہم جس عظیم شخصیت کا ذکر کر رہے ہیں وہ درحقیقت مختلف امور میں فکر اسلامی کی مجدد ہے۔ ان کی پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ انہوں نے علم اصول فقہ پر اپنی تالیف میں پہلی بار شافعیہ اور حنفیہ کے طرز کو جمع کیا اور اس سلسلے میں ایک خواب دیکھنے کے بعد اپنی تالیف کا نام "الموافقات" رکھا۔ ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے سابقین سے استفادہ کرنے کے باوجود اپنے علم میں مقلد نہیں ہیں۔ انہوں نے فکر مقاصد کو ایک طاقتور اور بالکل نئے زاویہ نظر سے پیش کیا۔ موصوف نے مقاصد کو پرورش کے عہد سے نکال کر نگہداشت اور تعمیر کے عہد میں داخل کر دیا، اگرچہ میرے خیال میں مقاصدی فکر ابھی تک شباب اور اس سے اوپر کے عہد تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ اس کے بعد امام طاہر بن عاشور آئے اور انہوں نے اس مرحلہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ یہ علم اب بھی مزید تحقیق و پیش رفت کا متقاضی ہے۔ شیخ رشید رضا فرماتے ہیں: کتاب

''الموافقات'' کا اپنے موضوع پر جواب نہیں، اس طرح کا کوئی کام اس سے پہلے نہیں کیا گیا۔ اس کے مؤلف اسلام کے ایک عظیم مجدد ہیں۔ شیخ دراز جنہوں نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے، فرماتے ہیں: امام شافعی کے بعد مقاصد شریعت سے دلچسپی اور اعتناء میں امام شاطبی کا بڑا نمایاں کردار ہے۔ تجدیدی نقطۂ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ شیخ زرقاء فرماتے ہیں: ''الموافقات'' اصول فقہ اور مقاصد شریعت کے موضوع پر ان اہم کتابوں میں سے ایک ہے جنہیں ہم جانتے ہیں۔ اس کے مؤلف نے درست فکر، فقہی بصیرت اور جدید اسلوب کے نادر نمونے پیش کیے ہیں۔

شیخ مصطفیٰ الحسن فرماتے ہیں: امام شاطبی نے ''الموافقات'' میں ایک ایسا نادر طریقہ اختیار کیا ہے جس کی نظیر ان سے پہلے نہیں ملتی۔ اس کتاب کو بہت سے علماء اور محققین نیز جامع از ہر تک پہنچانے میں جہاں دنیا کے مختلف گوشوں سے علماء کی تشریف آوری ہوتی ہے۔ شیخ محمد عبدہ کا بڑا اہم رول ہے۔ بعد میں ان حضرات نے اس کتاب کو مختلف مقامات پر پہنچایا بلکہ اگر ہم امام شاطبی کو ابن عاشور سے جوڑنا چاہیں تو ہمیں شیخ محمد عبدہ کے سوا کوئی اور شخصیت ان دونوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے والی نہیں ملے گی۔ جب شیخ محمد عبدہ نے ۱۸۹۴ء میں تونس کا دورہ کیا تو انہوں نے ابن عاشور کو اس کتاب کے مطالعہ کی طرف متوجہ کیا۔ اس وقت سے ابن عاشور کی پوری فکر ہی فکر مقاصدی میں تبدیل ہوگئی، میدان خواہ تفسیر کا ہو یا تحریر و تجدید کا، خواہ کتابت و افتاء کا۔ یہ کتاب اپنے زمانہ میں غیر معروف رہی۔ آپ اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ معاصرت ایک حجاب ہے۔

آپ کو علماء کے درمیان پائی جانے والی رنجشوں اور عداوتوں کا بھی علم ہے۔ ہمارے یہاں مصر میں ایک مثل مشہور ہے: زمار الحي لا يطرب (محلہ کا سازندہ اہل محلہ کو اچھا نہیں لگتا) اگر وہی محلہ سے باہر جا کر گائے تو لوگ اس سے خوب خوش ہوں گے۔

امام شاطبی نے ''الموافقات'' میں متعدد مسائل پر بحث کی ہے:

پہلا مسئلہ جس پر انہوں نے گفتگو کی ہے، وہ ہے: عبادات و معاملات کے تمام امور میں احکام شرعیہ کی تعلیل۔ آپ محسوس کریں گے کہ مقاصد کے مسئلہ پر گفتگو کرنے والے تمام فقہاء بشمول ابن عاشور نے اپنی بحث کا آغاز اسی "تعلیل" کے مسئلہ سے کیا ہے۔ تعلیل کا مسئلہ ابن عاشور کے نزدیک بھی اور دیگر تمام علماء کے نزدیک بھی محوری مسئلہ ہے۔ تمام فقہاء پہلے مقدمہ کے طور پر تعلیل کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں پھر اصل موضوع کو زیر بحث لاتے ہیں یعنی یہ کہ شارع کا وضع شریعت سے کیا مقصود ہے؟ امام شاطبی نے پہلی بار یہ اضافہ کیا کہ مقاصد شرعیہ کا تحقق اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب شارع کا قصد مکلف کے قصد سے ہم آہنگ ہو۔ اگر کوئی عورت حجاب لگا کر مسلمان خواتین کے درمیان گھس آئے تو کیا یہاں حجاب سے شریعت کا مقصد حاصل ہو رہا ہے؟ امریکہ میں ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے: "صائدة المخربين" (تخریب کاروں کا شکار کرنے والی)۔ ایک عراقی یہودی عورت حجاب لگا کر اسرائیل گئی پھر اس نے وہاں سے امریکہ کا سفر کیا اور وہاں وہ حکومت سے مل کر ہمارے خلاف کام کرتی رہی۔ اس عورت نے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کا ایک حصہ مجھ سے متعلق ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ شخص (یعنی میں) امریکہ میں صہیونیت اور اسرائیل کے خلاف سب سے بڑا تخریب کار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک شرف ہے جس پر میں اس کی حمد کرتا ہوں۔ یہ عورت حجاب پہن کر ہماری ایک بڑی کانفرنس میں جو ہر سال شکاگو میں منعقد ہوتی ہے اور آج بھی منعقد ہو رہی ہے، شریک ہوگئی اور لوگوں کے بیچ گھسی رہی، اس کے پاس ریکارڈز تھے، اس نے لکھا اور کہا کہ میں نے جمعہ کا خطبہ سنا، اگر خطبہ کے بعد یہ شخص تمام حاضرین کو حکم دے دے کہ وہ اسرائیل جا کر فلاں کارروائی کر دیں تو سب کے سب چلے جائیں گے اور ایک شخص بھی یہاں نہیں رہے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس حجاب کے ذریعہ جو اس نے لگایا اور اس طویل لباس کے ذریعہ جو اس نے پہنا، مقصد شریعت پورا ہوا؟ اس نے تو مقصد شریعت کے بالکل ہی برعکس کام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام شاطبی نے فقہ مقاصدی اور فقہ اصولی کی تاریخ میں پہلی بار عملی تطبیق کی صورت میں قصد شارع

کو قصد مکلف کے ساتھ مربوط کیا۔اس سے مقصد شرعی پورا ہوگا۔ایک شخص کسی عورت سے شادی کرتا ہے اور اپنی بری حالت کو چھپاتا ہے اور اس بات کو بھی وہ ظاہر نہیں کرتا ہے کہ اس شادی سے اس کا مقصد کسی منصب تک پہنچنا ہے یا یہ ہے کہ وہ اس عورت تک کسی طرح پہنچ جائے بعد میں اسے چھوڑ کر کسی اور عورت سے شادی کر لے، مثلاً نکاح متعہ کر لے اور عورت سے مدت کا ذکر نہ کرے۔عورت کا مقصد تو رشتہ ازدواج سے منسلک ہو کر اپنی عفت کا سامان کرنا ہے اور ایک جائز عمل کر رہی ہے۔وہ اللہ تعالی کے طے کردہ مقاصد کو پورا کرنا چاہتی ہے۔لیکن شوہر کی نیت اس کے برعکس ہے۔کیونکہ اس نے تو عورت کو دھوکہ دیا۔لہذا مقاصد شریعت کا تحقق اسی صورت میں ممکن ہے جب بندہ اپنے عمل میں اللہ تعالی کے مطلوب کو پیش نظر رکھے اور اس میں نفس کا کوئی حصہ نہ ہو۔جب لوگوں سے معاملہ کرے تو نفس کے شائبہ سے پاک ہو اور اللہ کی خاطر حسن سلوک کا مظاہرہ کرے۔جب معاملہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہو تو اس کا مطمح نظر وہی ہو جس کا اظہار حضرت رابعہ عدویہ نے اس طرح کیا ہے:"ألاليت الذي بيني و بينك عامر – وبيني وبين العالمين خراب"(اے کاش!میرے اور تمہارے درمیان روابط استوار رہتے اور میرے اور سارے جہاں سے تعلقات منقطع رہتے)،اسی سیاق میں مسجد ضرار کا جلایا جانا بھی آتا ہے۔کیونکہ اس مسجد کی تعمیر سے مطلوبہ مقاصد پورے نہیں ہو رہے تھے۔

اب ہم امام شاطبی کے پیش کردہ تیسرے مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔امام شاطبی اس مسئلہ کو چھیڑنے میں نئے ہیں۔وہ مسئلہ یہ ہے کہ شارع کا مقصد کیسے معلوم کیا جائے؟کس طرح مقاصد شرع سے آگہی حاصل کی جائے گی؟امام طاہر بن عاشور نے بھی اس مسئلہ کو ذکر کر کے اس میں مزید گہرائی سے کام لیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:ہمیں امر و نہی کے ذریعہ،اسی طرح جن مقامات پر منصوص علیہ مقاصد کے ذریعہ علت کی صراحت کی گئی ہے ان کے حوالہ سے شارع کے مقاصد پر غور کرنا چاہئے۔پھر امام موصوف نے استقراء کا ذکر فرمایا ہے اور انہوں نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ استقراء کے ذریعہ مقاصد شریعت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔استقراء دراصل

ایک ایسا منہج ہے جس سے اب تک پوری دنیا کام لے رہی ہے اور انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اس وقت مسلمان اس سے بہت کم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے پاس اپنی صورت حال کی جائزہ رپورٹیں ہونی چاہئیں۔ ہمارے بزرگوں اور ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ وہ اپنے معاشرہ میں موجود سماجی مسائل، جرائم کے تناسب، والدین کے حالات، باپ اور بیٹے کے درمیان روابط اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے مالی خساروں کا سروے کریں۔ ہمارے دوست جب آپس میں مل کر کسی کمپنی میں شراکت اختیار کرتے ہیں تو بعض کو بعض سے خسارہ لاحق ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ لہذا ضروری ہے کہ ان امور سے واقفیت کے لئے جو محض حالت نہیں بلکہ ظاہرہ کی صورت اختیار کر چکے ہیں، جائزہ لیا جائے۔ حالت اور ظاہرہ کے درمیان فرق ہے۔ یہ ایک سنگین صورت حال ہے جس کا مداوا ضروری ہے۔ خطبہ دینے والے بزرگ اور فتوی دینے والے امام کے لئے اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے کہ ایک وہ حالت ہوتی ہے جس کا حل انفرادی طور پر تلاش کیا جاتا ہے، اور ایک وہ ظاہرہ ہوتا ہے جس کا حل امت یا اس معاشرہ کی سطح پر ڈھونڈھا جاتا ہے جس میں وہ خطیب یا امام خود رہ رہا ہوتا ہے۔ ثانی الذکر صورت حال کے حل کے لئے استقصاء، احصاء اور استقراء کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ استقراء ایک ایسا علم ہے جس سے دنیا نے مسلمانوں کے ذریعہ فائدہ اٹھایا پھر مسلمان خود اس میں استفادہ سے پیچھے رہ گئے۔

امام شاطبی نے مقاصد اصلیہ اور مقاصد تابعہ کے معتبر ہونے کے مسئلہ پر بھی بحث کی ہے۔ میں عنقریب اس مسئلہ میں اپنی رائے بھی ذکر کروں گا۔ امام شاطبی نے سکوت شارع کے مسئلہ پر بھی بحث کی ہے۔ امام شاطبی اسے منطق العصر کا نام دیتے ہیں۔ کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ ہر چیز حرام ہو جائے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اشیاء میں اصل حرمت ہے، سوائے ان اشیاء کے جن کی حلت کا حکم نازل ہو چکا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالی کا فرمان اس کے برعکس ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وسخر لكم ما في السموات وما في الأرض جميعا منه (سورۂ جاثیہ: ۱۳) (اور اس نے تمہارے لئے مسخر بنایا جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کو اپنی

طرف سے) — قل تعالوا أتل ما حرم ربکم علیکم الخ" (سورۂ انعام:۱۵۱) (آپ کہئے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو تم پر تمہارے پروردگار نے حرام کی ہیں الخ)، تو شارع کا سکوت اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے اس مقصد کو ظاہر کررہا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ لوگ ان چیزوں سے مستفید ہوں۔ اس کے برعکس ایک مثال بقرہ کی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ بقرہ (گائے) کی حقیقت کیا ہے؟ مگر بنی اسرائیل نے سرکشی میں کہا: "ادع لنا ربک یبین لنا مالونھا" (سورۂ بقرہ:۶۹) (آپ (موسیٰ علیہ السلام) ہمارے لئے اپنے رب سے دعاء کیجئے کہ وہ ہمارے لئے یہ وضاحت کرے کہ اس گائے کا رنگ کیا ہوگا) یہ سب کا سب مذاق اور اللہ تعالیٰ کی شریعت میں حیلہ بازی ہے جس کا ارتکاب بنی اسرائیل نے کیا، اللہ ان کو غارت کرے! یہ کہاں بھکے جارہے ہیں؟۔

امام شاطبی نے مقاصد شریعت کو جاننے کے متعدد ذرائع بیان کئے ہیں: امر، نہی، معلل، غیر معلل، سکوت شارع، استقراء، مقاصد اصلیہ اور مقاصد تابعہ کا اعتبار وغیرہ۔ مثال کے طور پر آپ اپنی عفت نفس، حفاظت نسل اور نفس کی تسکین کی خاطر چار شادیاں کرنا چاہتے ہیں۔ ایک بیوی انسیت اور نفس کی تسکین کے لئے: "ومن آیاته أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا إلیھا وجعل بینکم مودة ورحمة" (سورۂ روم:۲۱) (اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کردی) دوسری استمتاع اور جسمانی تلذذ کے لئے: "فما استمتعتم به منھن فآتوھن أجورھن فریضة" (سورۂ نساء:۲۴) (پھر جس طریقہ سے تم نے ان عورتوں سے لذت لی ہے، سو انہیں ان کے مقرر شدہ مہر دے دو)، تیسری حصول اولاد کے لئے: "والله جعل لکم من أنفسکم أزواجاً وجعل لکم من أزواجکم بنین وحفدة ورزقکم من الطیبات" (سورۂ نحل:۷۲) (اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا

کئے اور تمہیں نفیس چیزیں کھانے کو دیں)، چوتھی سماجی رشتہ کی غرض سے: "فجعله نسباً وصهراً" (سورۂ فرقان: ۵۴) (پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا) یہ اصلی مقاصد ہیں۔ لہذا ایک انسان جب شادی کرنا چاہے تو اس پر واجب ہے کہ ایسی عورت تلاش کرے جو دیندار ہو اور ان امور کو ملحوظ رکھنے والی ہو۔ کیونکہ اگر دین مفقود ہوگا تو شادی کے اصل مقاصد ہی فوت ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ تبعی مقاصد بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً یہ کہ دین کے ساتھ جمال کی قوت، مال کی کثرت اور حسب ونسب کی شرافت بھی پیش نظر رکھی جائے۔ لیکن اگر عورت جمال میں معیار مطلوب پر نہ ہو اور اس میں دین داری، حسب اور شرافت ہو تو ایسی صورت میں ذیلی مقصد دوسرے درجہ پر آ جائے گا اور اصل مقصد حاصل ہو جائے گا۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں یعنی قصد شارع۔ قصد شارع کے چار پہلو ہیں: ۱- وضع شریعت کا مقصود، ۲- شارع کا وضع شریعت سے مقصود افہام، ۳- شارع کا وضع شریعت سے مقصود مکلف بنانا، ۴- مکلف کے احکام شریعت کے تحت داخل ہونے میں شریعت کا مقصود۔

۱- شارع کا وضع شریعت سے مقصود:

اس کی پانچ قسمیں ہیں: پہلی قسم مصالح کی تین تقسیمیں ہیں: ضروری، حاجی، تحسینی۔ امام شاطبی نے اس تفصیل اور اضافہ میں بے نظیر مہارت کا ثبوت دیا ہے کہ تحسینی مصالح سے حاجی مصالح کی تکمیل ہوتی ہے اور ان دونوں سے ضروری مصالح کی تکمیل ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی تکمیل کرنے والے امور ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو امام شاطبی صحیح معنی میں بڑے ماہر نظر آتے ہیں۔ کتاب "الموافقات" جلد دوم میں جو مقاصد ہی پر مشتمل ہے، امام شاطبی بالکل منفرد نظر آتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ حصول مقاصد کے ذرائع کی تفصیل میں بھی وہ متقدمین سے ممتاز ہیں۔ البتہ ایک حد تک امام عز بن عبدالسلام کے قریب ہیں۔ لیکن امام شاطبی نے تحصیل

مقاصد کے دو پہلو ذکر کئے ہیں: مقاصد کی تحصیل اور ان کی حفاظت وجود کے پہلو سے اور اسی طرح ان کی تحصیل وحفاظت عدم کے پہلو سے۔ وجود کی مثال یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اسلام سکھاتے ہیں اور قرآن کا علم حاصل کرتے ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دین کبھی بھی اپنے مخالفین اور معارضین سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ اسی صورت حال کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد کو مشروع فرمایا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے دین کا تحفظ کیا گیا۔ امام ماوردی نے خلافت کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ دین کے تحفظ اور دنیوی امور کے انتظام وانصرام میں نبوت کی نیابت ہے۔ امام جوینیؒ ''غیاث الامم'' میں خلیفہ کی ذمہ داری یہ بتائی ہے کہ وہ حاصل شدہ چیز کو محفوظ رکھنا اور جو چیز حاصل نہ ہوئی ہو اس کے حصول کی کوشش کرنا ہے۔ ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب ''السیاسۃ الشرعیۃ'' میں یہی بات ذکر کی ہے۔ اس طرح ایک ساتھ دونوں پہلو ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر خاندان کا تحفظ ایک طرف شادی کے ذریعہ کیا گیا اور دوسری طرف زیادتی، زنا اور قذف (تہمت لگانا) کو حرام قرار دیا گیا اور لعان کا طریقہ طے کیا گیا۔ یہ دوسرا پہلو عدم کا پہلو ہے۔ اسی طرح ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیا گیا جو ازدواجی زندگی کو خراب کرتی ہیں۔ مال میں دیکھئے تو سود کو حرام قرار دیا گیا اور دوسری طرف مال کو گردش میں رکھنے کے لئے بیع کو جائز کیا گیا، اور سود کو حرام اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ انسان کمائی کرنے میں سستی وکاہلی نہ کرے۔ اس طرح قانون کا ایک پہلو وہ ہے جو ایک طرف کسی چیز کا تحفظ کرتا ہے اسے بڑھاتا ہے اور ترقی دیتا ہے اور دوسری طرف اس پر باہر سے کی جانے والی زیادتیوں اور اس پر پڑنے والے منفی اثرات سے اسے پاک رکھتا ہے یعنی علاج کے ساتھ فروغ بھی ہوتا رہتا ہے۔ ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ عبادت، نماز، روزہ، ذکر ودعا اور تضرع وخشیت الٰہی کے ذریعہ روحانی ترقی کی منزلیں طے کرے۔ اسی طرح اسے مطالعہ، غور وفکر، سوال اور تعلیم وتعلم کے ذریعہ ذہنی طور پر اپنے کو ترقی دینی چاہئے۔ اسے حلم اور صبر کی صفات سے متصف ہو کر اپنے آپ کو اخلاقی طور پر بھی فروغ دینا چاہئے، اسے جسمانی ترقی کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی دیگر ترقیات کی۔

"وزاده بسطة في العلم والجسم" (سورۂ بقرہ: ۲۴۷) (اور اسے علم وجسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی ہے) جسمانی طور پر طاقت ور ہونا ایک انسان کی ضرورت ہے۔

یہ تو وجود کا پہلو ہوا اور عدم کا پہلو یہ ہے کہ انسان ان ترقیات کے ساتھ ساتھ جسم کو نقصان پہنچانے والے امراض، زنا، فحاشی، شہوت پرستی، سستی، کمزوری اور ناز کی جیسی چیزوں سے اپنے کو بچائے اور خشونت اختیار کرے۔ اس لئے کہ عیش ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب اپنے بیٹے حسنؓ کو لشکر میں گھسنے اور اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دینے کا حکم دیتے تھے۔ انسانی شخصیت کی تعمیر اور عقل کو فروغ دینا شریعت کا ایک مقصد ہے۔ شریعت کی رو سے عقل کو مہمل اور بے کار نہیں چھوڑا جا سکتا۔ میں رومانیہ میں تھا۔ میں ٹرین پر سوار ہوا۔ ٹرین چند گھنٹے تک چلتی رہی، اس کے بعد میرے دوستوں نے کھانے پینے کی چیزیں نکالیں۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک رومانی شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے دوستوں سے کہا کہ سب سے پہلے ان کو دو، ہمارے ساتھ تین اور آدمی تھے، ہم سب ایک ہی بوگی میں تھے۔ اس رومانی شخص نے کہا: تم لوگ مجھے کیوں دے رہے ہو؟ اگر میرے پاس کھانے پینے کی چیزیں ہوتیں تو میں ان میں سے تم لوگوں کو کچھ نہیں دیتا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہمارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے موجود ہماری دینی کتاب میں ایک آیت ہے جو ہمیں تم سے حسن سلوک کا حکم دیتی ہے۔ اس نے کہا: آپ لوگ کیا ہیں؟ میں نے کہا: ہم لوگ مسلمان ہیں۔ ہمارے پاس سورۂ نساء کی ایک آیت ہے: "واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا......" اس میں ہے: "والصاحب بالجنب وابن السبيل" (سورۂ نساء: ۳۶) اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو تمہارے پڑوس میں ہو خواہ دن کے ایک گھنٹہ ہی کے لئے سہی۔ اس نے کہا: میں اسلام کے بارے میں سنتا ہوں کہ یہ ایک بے انتہا مشکل دین ہے اس سے وابستگی ممکن نہیں۔ میں نے کہا: یہ تو تم سنتے ہو لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس طرح مسئلہ احسان کے حوالہ سے ہم چھ گھنٹوں تک اس سے گفتگو کرتے رہے۔ پھر اس نے کہا: اس وقت میری عمر چالیس سال سے زائد ہے۔ میں شراب

پیتا ہوں پانی نہیں پیتا۔ میں کیونکر اسلام قبول کرسکتا ہوں اور کیسے شراب چھوڑ سکتا ہوں؟ میں نے کہا: آپ ایک تعلیم یافتہ آدمی اور یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ آپ نے اپنی عقل پر بہت کچھ خرچ کیا ہے، اگر آپ شراب پئیں گے تو آپ کی عقل سوچنے کی صلاحیت سے یا تو قاصر رہے گی یا محروم ہی ہو جائے گی۔ اسلام آپ کو یہ اعزاز عطا کرتا ہے کہ وہ آپ کی عقل کو ہمیشہ اختراع، تخلیق، تفکیر اور دنیا کو نوازتے رہنے کی پوزیشن میں رکھتا ہے۔ کیا یہ دین اس لایق نہیں ہے کہ اس کا احترام کیا جائے؟ کیا یہ بہتر ہوگا کہ آپ اپنے کو شہوت کے سپرد کر دیں اور شراب میں مست ہو کر اس عامی شخص کی طرح ہو جائیں جو آپ کے کمرہ کے دروازہ پر کھڑا رہتا ہے۔ اس نے کہا: بخدا یہ خیال تو بڑا اچھا ہے۔ اس خیال نے مجھے اسلام قبول کرنے کے معاملہ میں سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں اسلام کا مطالعہ کروں گا اور اگر وہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے تو میں اسلام قبول کرلوں گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے پاس رومانی زبان میں قرآن کا ترجمہ تھا، ہم نے وہ اسے دے دیا پھر رومانی زبان میں اسلام کا کچھ لٹریچر بھی دیا۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اسلام قبول کر چکا ہوتا کہ ہمیں بھی کچھ اجر مل جائے، إن شاء اللہ۔ تو عقل کا تحفظ اس لئے مطلوب ہے تا کہ اس میں معلومات حاصل کرنے کی قوت باقی رہے اور اس سے نشہ آور چیزیں اور اسے بے کار بنانے والی عادتیں دور رہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ امام شاطبی نے بڑی مہارت کے ساتھ مصالح کے درمیان یہ فرق کیا ہے کہ بعض مصالح وہ ہیں جن کا تحفظ اور فروغ وجود کے پہلو سے اہم ہے اور بعض مصالح وہ ہیں جن کا تحفظ عدم کے پہلو سے بڑی اہمیت رکھتا ہے، چنانچہ مصالح کو بے اثر بنانے والی رکاوٹوں کا ازالہ اسی قبیل سے ہے۔ اگر مصالح کے درمیان تعارض ہو تو ایسے قواعد موجود ہیں جن کے ذریعہ اس مسئلہ کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ اگر مصالح کے درمیان باہم تعارض ہو تو جو مصلحت آپ کے زیادہ مناسب حال ہو تو آپ اسے اختیار کرلیں گے لیکن جب مقابلہ مصالح اور مفاسد کا ہو تو مسئلہ پیچیدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کام اور تعلیم، اگر آپ کام کرتے ہیں تو آپ کی تعلیم

متاثر ہوتی ہے اور علمی منصوبہ اور علوم نافعہ کا حصول ثانوی درجہ پر آ جاتا ہے۔ مجھ پر ایک ایسا وقت آیا کہ مجھے پیسے کی ضرورت تھی لیکن تعلیم کی ضرورت اس سے کہیں زیادہ تھی اور مجھے جن کاموں کی پیشکش کی گئی تھی وہ رقم میں بہت زیادہ تھی لیکن میں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ ابھی میں تعلیم حاصل کرنے کے مرحلہ میں ہوں، تعلیم حاصل کرنے اور اپنے آپ کو سکھانے کے لئے بہت مشکل ترین زندگی بھی گذار لوں گا۔ فطری بات تھی، زندگی دشوار تھی جو میں نے گذاری اور بہت کچھ مشکلات جھیلیں لیکن اس کے عوض میں نے بہت سے مصالح کے حصول میں کامیابی حاصل کی۔ یہاں مسئلہ ترجیحی تھا۔ کہاں ایک طرف مصلحت تھی اور کہاں ایک طرف مفسدہ تھا۔ مفسدہ کا ازالہ آپ کے لئے مصالح کے حصول پر مقدم ہے۔ اگر دو قسم کے ضرر ہوں اور مفسدہ کا تعین ہو جائے تو ان میں سے شدید تر ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہلکے درجہ کے ضرر کا ارتکاب کر لیا جائے گا۔ اگر ایک حاملہ عورت ہو اور جنین کو ساقط نہ کئے جانے کی صورت میں عورت کی موت کا یقین ہو تو یہاں دو ہی صورتیں ہیں یا تو جنین کی موت ہو گی یا ماں کی موت ہو جائے گی۔ اگر ماں کی موت ہو گئی تو بچہ کی پرورش کون کرے گا؟ بیشتر فقہاء کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں جنین کے اسقاط میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر جسم کا کوئی عضو بے کار ہو جائے تو شدید تر ضرر کو دور کرنے کے لئے خفیف تر ضرر کو برداشت کرتے ہوئے اس عضو کو کاٹ دیا جائے گا۔ ایسا اس لئے ہے کہ مصالح میں تعارض نہیں ہونا چاہئے نہ ان میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ معطل کیا جانا چاہئے بلکہ ایک کو دوسرے سے تقویت حاصل ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ اسلامی شریعت مصالح کے درمیان توازن پیدا کرنے کے لئے آئی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی مصالح کے درمیان توازن، خاندان اور معاشرہ کے مصالح کے درمیان توازن، امیر اور غریب کے مصالح کے درمیان توازن حاکم اور محکوم کے مصالح کے درمیان توازن۔ میں کہتا ہوں کہ پوری دنیا کو اسلام کے عدل اور اس کے عطا کردہ توازن کی شدید ضرورت ہے۔ دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے جن میں مظالم اور ایسے مصالح نہ ہوں جن کی آڑ لے کر لوگ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرتے ہوں۔ "وان کثیراً من

الخلطاء ليبغي بعضهم علی بعض إلا الذين آمنوا وعملوا الصالحات" (سورۂ ص: ۲۴)
(اور اکثر شرکاء (یوں ہی) ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں مگر ہاں وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے) دنیا میں یہ ظلم کسی آسمانی اور ربانی منطق کے بغیر ہو رہا ہے۔ فرانس جو آزادی کا دعوی کرتا ہے، حجاب پر پابندی لگا رہا ہے۔ ایک طرف عورت کو پوری طرح ٹی وی اسکرین پر ننگا کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف اسکولوں اور سرکاری دفاتر میں حجاب پر پابندی عائد کی جا رہی ہے، لیکن اسلام کا انصاف دیکھئے کہ اسلام غیر مسلم کی بھی تکریم کرتا ہے، اس کے تحفظ کا سامان کرتا ہے، اسے محض کافر ہونے کی وجہ سے نقصان پہنچانے کو اور اس کی گرفت کرنے کو جائز نہیں قرار دیتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اگر وہ کوئی زیدتی کرے گا تو اس کی گرفت ہوگی۔ لہذا امام شاطبی کے بقول مصالح باہم متعارض نہیں ہوتے کیونکہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے ہیں، یعنی تشریع کا ایک حصہ ہیں۔ مصر کے نظام ٹیکس پر میرا مطالعہ ہے۔ ٹیکس کے اس نظام میں ۱۸۳۰ سے ۱۸۸۱ تک ستر ترمیمات ہو چکی ہیں۔ لیکن یہ تمام تر تبدیلیاں خواص کے لئے ہیں۔ ان تمام ترمیمات میں غریبوں کے مصالح پر ظلم ہوا ہے۔

یہ ایک دنیا کا حال ہے، اور اسلام کو دیکھئے کہ وہ صدقہ اور زکاۃ میں لوگوں کے بہتر مال لینے کو حرام قرار دیتا ہے۔ ابن قدامہ مقدسی کہتے ہیں: مالدار کی رعایت کرتے ہوئے اس کے بہتر اموال نہیں لئے جائیں گے اور غریب کو ملحوظ رکھتے ہوئے خراب مال نہیں لئے جائیں گے بلکہ دونوں قسم کے اموال میں سے درمیانی درجے کے اموال لئے جائیں گے۔ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ زکاۃ ایک دینی شعار ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے متعین کیا گیا ہے۔ اس سے شارع کا مقصد تحسینیات اور حاجیات کی حفاظت اور ضروریات کا تحفظ اور ان کو تقویت پہنچانا ہے۔ ایک مسلمان ہمیشہ بقدر کفاف پر گذارہ نہیں کرے گا۔ میں کہتا ہوں: ضروریات اسے حد کفاف تک پہنچائیں گی۔ حاجیات اسے حد کفایت تک پہنچائیں گی اور تحسینیات اسے آسودگی کی حد تک پہنچائیں گی۔ اس سے زائد جو ہوگا وہ ترف مرفہ الحالی ہے جو مذموم ہے۔ یہ میری رائے ہے، میں

نے اسے کسی کتاب میں نہیں پڑھا ہے۔ آپ اسے قبول بھی کر سکتے ہیں اور رد بھی کر سکتے ہیں۔ تو ضروریات حد کفاف کے مساوی ہیں، حاجیات حد کفایت کے اور تحسینیات آسودگی کی حد کے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان سے کفاف پر گذارہ کرنا مطلوب ہے یا حد کفایت پر؟ نہیں، ''قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده والطيبات من الرزق'' (سورۂ اعراف: ۳۲) (آپ کہئے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے کس نے حرام کر دیا ہے اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو؟) آگے امام شاطبی فرماتے ہیں کہ تحسینیات کی حفاظت سے حاجیات اور ضروریات کی حفاظت ہوتی ہے اور ان دونوں سے تحسینیات کی حفاظت ہوتی ہے۔

اس کے بعد امام شاطبی نے ایک بہت اہم مسئلہ چھیڑا ہے یعنی یہ کہ اگر زمین حرام سے بھر جائے تو کیا ایک مسلمان ایسی صورت میں قدر کفاف پر گذارہ کرے گا یا قدر کفایت پر؟ انہوں نے آسودگی کی حد پر گفتگو نہیں کی ہے، پھر وہ کہتے ہیں: اگر روئے زمین حرام سے بھر جائے تو ہم کسی مسلمان کو قدر کفاف پر جینے کا حکم نہیں دیں گے۔ اس لئے کہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی شوکت ختم ہو جائے گی یا دوسرے ان پر مسلط ہو جائیں گے۔ وہ حرام کے قدر کفایت پر گذارہ کرے گا۔ مضطر کا حکم اس کے برعکس ہے۔ وہ زندہ رہنے کے لئے کھاتا ہے نہ کہ آسودگی حاصل کرنے کے لئے، اس کے کھانے کی مقدار بقدر ضرورت مباح قرار دی گئی ہے اور ضرورت اپنی حد تک ہی ہوتی ہے۔

وضع شریعت سے شارع کا مقصود افہام:

مجھے اپنے ان دوستوں سے مل کر بے حد خوشی ہوتی ہے جو غیر عرب ممالک میں پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں مگر عربی زبان کو اہل عرب کی طرح یا ان سے بھی زیادہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہاں میں خود ایک ایسے ملک اور ایک ایسی قوم کو دیکھ رہا ہوں جو اہل عرب سے زیادہ بہتر عربی زبان کا علم رکھتے ہیں اور ان سے بہتر عربی بولتے ہیں، کل میں نے جو لکچر سنے

اس سے مجھے بے حد خوشی ہوئی۔اس حقیقت کے اثبات کے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ فیروز آبادی جنہوں نے عربوں کے طرز پر پہلی قاموس (ڈکشنری) تالیف کی۔عرب نہیں تھے، نہ سیبویہ اور ابن جنی عرب تھے۔ یہاں شاطبی جن ذرائع اور وسائل پر زور دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ وضع شریعت سے شارع کا مقصود بندوں کو سمجھانا ہے اور شریعت عربی زبان میں مہارت حاصل کیے بغیر نہیں سمجھی جاسکتی۔جس ذریعہ کے بغیر واجب کا قیام ممکن نہ ہو اس ذریعہ کا حصول بھی واجب ہوتا ہے۔اجتہاد کی اہلیت اور قدرت کا ایک پہلو یہ ہے کہ مسلمان عربی زبان پر عبور رکھتا ہو، اس کے خطاب، مفاہیم ومقاصد اور شاعری ونثر کو خوب خوب سمجھتا ہو۔ "شعر کا علم حاصل کرو، اس لئے کہ اس میں تمہارے قرآن کی ڈکشنری ہے"۔اسی مفہوم کا ایک قول حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے۔

وضع شریعت سے شارع کا مقصود اس کے تقاضوں کا مکلف بنانا:

امام شاطبی نے اس مسئلہ کے دونوں اجزاء پر گفتگو کی ہے: ۱-تکلیف مالا یطاق (ان چیزوں کا مکلّف بنانا جو انسان کی قدرت میں نہ ہوں)، ۲-"تکلیف ما یطاق" (ان چیزوں کا مکلّف بنانا جن پر انسان قادر ہو)، اسلام ہمیں آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے کا حکم دیتا ہے۔لوگوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ انہیں جس طرح چاہتا ہے پلٹتا ہے، لیکن شریعت کا مقصود یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسی کے دل کو زبردستی کسی سے محبت کرنے اور کسی سے نفرت کرنے پر مجبور کیا جائے۔کوئی شخص اپنے دل کو کسی سے محبت کرنے کا حکم دینے پر قادر نہیں ہے۔ وہ صرف ایمانی ذرائع کا استعمال کرسکتا ہے جن سے دل خود بخود کسی سے محبت کرنے لگے: **"لاتجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ....الخ"** (سورۂ مجادلہ: ۲۲) (جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں، آپ انہیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے پیمبر کے مخالف ہیں ....الخ) قرآن کی یہ

عبارت انتہائی خوبصورت اور جچی تلی ہے۔ آپ کا دل اپنے امام کے ساتھ ہو، آپ کے اندر تعلق باللہ ہو۔ آپ کو اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان سے محبت ہو اور منافقین سے نفرت ہو، آپ اہل ایمان سے خندہ پیشانی سے ملیں۔ یہ اپنی ذات میں ان قرآنی آیات کی تطبیق ہے۔ سلام، مصافحہ، بیمار کی عیادت یہ ان صفات تک پہنچنے کے مطلوبہ ذرائع و وسائل ہیں، لیکن شریعت کسی آدمی کو اس بات کا حکم نہیں دیتی کہ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو شمار کرے یا کسی سے محبت کرے یا کسی سے محبت نہ کرے۔ اسی حقیقت کی طرف آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا: "اللهم هذا قسمي فيما أملك" (اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس معاملہ میں جو میرے اختیار میں ہے)۔ رسول کریم ﷺ کی متعدد ازواج تھیں اور آپ ﷺ ان کے درمیان جذبہ اور دلی تعلق میں مساوات نہیں کر سکتے تھے لیکن آپ مادی امور میں ان کے درمیان برابری کا سلوک کرنے پر قادر تھے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: "اللهم هذا قسمي فيما أملك، فلا تؤاخذني فيما تملك و لا أملك" (اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس معاملہ میں جو میرے اختیار میں ہے، لہٰذا تو ان معاملات میں میری گرفت نہ فرما جو تیرے اختیار میں ہیں اور میرے اختیار میں نہیں) لیکن آپ ﷺ حضرت عائشہؓ سے محبت کرتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد سوال کیا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں آپ کی نظر میں سب سے زیادہ پسندیدہ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ، انہوں نے کہا: میں عورتوں کے بارے میں نہیں پوچھ رہا ہوں، میں مردوں کے بارے میں سوال کر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے والد، انہوں نے پھر سوال کیا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عمر، حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں خاموش ہو گیا۔

اس مسئلہ کا دوسرا جز ہے: تکلیف مایطاق (انسان کو ان چیزوں کا مکلف بنانا جو اس کی قدرت میں ہوں)۔ مکلف بنانے سے مراد ان امور میں بنانا ہے جن میں یک گونہ مشقت بھی ہے۔ یہ درحقیقت امام شاطبی کی چھیڑی ہوئی بڑی نفیس بحث ہے۔ ان کے مطابق شارع کا

مقصود لوگوں پر مشقت لادنا نہیں ہے۔"یرید الله بکم الیسر و لا یرید بکم العسر"
(سورۂ بقرہ:۱۸۵) (اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا)
شریعت کا مقصد لوگوں کو مشقت میں ڈالنا نہیں ہے۔ایک شخص دھوپ میں کھڑے رہنے کی نذر مان لیتا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ اس کو اس سے منع فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کو کس نے یہ حکم دے دیا کہ اپنے آپ کو ستائے،ایک شخص پیدل حج کرنے کی نذر مانتا ہے حالانکہ اس کو اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔اسی مقصود شریعت کے پیش نظر آپ ﷺ نے اپنی بعض ازواج، نیز حضرت ابن عباس اور حضرت اسماء وغیرہ کو فجر سے پہلے ہی جمرہ عقبہ کی رمی کی اجازت دے دی۔ کیونکہ شریعت کو مشقت مطلوب نہیں ہے، لیکن مکلّف بنائے جانے میں بجائے خود ایک طرح کی مشقت ہے۔اس لئے کہ مکلّف بنائے جانے سے جو مصلحت متوقع ہے وہ اس تکلیف سے کہیں زیادہ اہم ہے، لہذا شریعت ان مصالح کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتی جو اللہ کے علم میں مصالح ہیں، لیکن مشقت اس کو بھی مطلوب نہیں ہے۔اس طرح تو دنیا میں کوئی بھی عمل مشقت سے خالی نہیں ہے۔آپ تعلیم حاصل کریں، آپ مال کمانے کی کوشش کریں ان کاموں میں بھی مشقت ہے۔لہذا قاعدہ یہ قرار پایا کہ شارع کا مقصود مشقت کے بجائے ایسے امور کا مکلّف بنانا ہے جن میں مشقت تو ہے مگر عادتاً اسے مشقت نہیں کہا جاتا ہے۔ایک شخص ایک کام کرتا ہے، اس میں مشقت ہے لیکن وہ مشقت معتاد ہے، مقصود مکلّف کو حاصل ہونے والی مصلحت ہے نہ کہ اس کو لاحق ہونے والی مشقت۔ایک قاعدہ یہ ہے کہ مکلّف کے لئے بجائے خود مشقت کا قصد کرنا جائز نہیں ہے۔ایک شخص نے اپنے نفس کو مشقت میں ڈالتے ہوئے لگاتار روزہ رکھنا چاہا تو آپ ﷺ نے اس کو منع فرما دیا۔ایک موقع پر کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے معمولات عبادت معلوم کیے، جب وہ انہیں بتائے گئے تو ان لوگوں نے ان کی بہ نسبت اپنی عبادات کو کم سمجھا اور ان میں سے کچھ نے مسلسل روزہ رکھنے کا ارادہ کرلیا اور کچھ نے لگاتار نوافل پڑھنے اور شب گذاری کرنے کا، تو آپ ﷺ نے منع فرمایا اور اس رویہ کو شرعاً ناقابل قبول ٹھہرایا۔

شریعت میں رفع حرج دو مصلحتوں پر مبنی ہے: ایک یہ کہ انسان عبادت سے کٹ نہ جائے یعنی ایک دو ماہ یا دو سال تو اس کا سلسلہ جاری رکھے لیکن اس کے بعد قوت برداشت سے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے اس کے اندر شدید رد عمل پیدا ہو۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ حقوق و فرائض کی ادائیگی میں ایک توازن قائم رہے، یعنی جب انسان کسی عبادت کا قصد کرے تو اس سے دوسری چیزیں مثلاً جسم، اہل وعیال اور مال وغیرہ متاثر نہ ہوں۔شریعت کی ایک اہم بنیاد مکلّف کو خواہش کی پیروی سے آزاد کرنا ہے۔انسان کے لئے اپنی خواہشات کا مقابلہ کرنا ضروری ہے "أفرأيت من اتخذ إلهه هواه وأضله الله على علم" (سورۂ جاثیہ:۲۳) (سو کیا آپ نے اس شخص کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے)۔

شریعت خواہشات کو آزاد کر دینے والی مشقت میں تخفیف چاہتی ہے:"وأما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى" (سورۂ نازعات:۴۰) (اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا) شریعت نے روزہ فرض کیا ہے تاکہ جنسی شہوت، پیٹ کی شہوت، غصہ کی شہوت، کلام کی شہوت کو لگام دی جاسکے۔"من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه" (جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالی کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ شخص اپنا کھانا اور پینا چھوڑے رہے)۔حج میں ممنوعات احرام، بدگوئی، جماع، فسق، جدال، بال اکھاڑنا وغیرہ دراصل برائیوں کو پوری طرح لگام دینا ہے۔ یہ ممنوعات درحقیقت انسان کو حرام سے باز آنے پر قادر بنانے کا ذریعہ ہیں، تاکہ اس کے اندر محمود صفات پیدا ہوں اور وہ خود بخود حرام اور مشتبہات سے گریز کرنے لگے۔لہذا شریعت کا مقصد انسان کے اندر پائی جانے والی باغیانہ اور حد اعتدال سے بڑھی ہوئی خواہش کو زیر کرنا ہے۔اب رہی یہ بات کہ کونسی مشقت قابل تخفیف ہے؟ تو اس کا اندازہ عمل کی ضرورت واہمیت کے لحاظ سے لگایا جائے گا۔اس کے بعد امام شاطبی نے مختلف مشقتوں کے درجات ومراتب ذکر کئے ہیں۔

"تھون علینا في النائبات جسومنا   وتسلم أعراض لنا وعقول"

(مصائب ومشکلات میں ہمارے جسم ہماری نظروں میں ہلکے درجہ کی چیز ہو جاتے ہیں اور ہماری آبروئیں اور ہمارے ذہن محفوظ و مامون رہتے ہیں)۔

ایسے حالات میں شارع کے نزدیک جسم کو لاحق ہونے والی مشقتیں غیر اہم ہیں۔ عزت و ناموس کے معاملے میں کوئی نرمی نہیں برتی جاسکتی۔ ہاں اگر مشقت انسان کی قوت برداشت سے بڑھ جائے تو پھر فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے شارع نے ان مشقتوں کا لحاظ کیا ہے۔ جہاد کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:"إنکم مصبحو عدوکم غدا والفطر أعون لکم"(تم اپنے دشمنوں پر کل صبح حملہ کرو گے اور روزہ نہ رکھنا تمہارے لئے معاون ہوگا)۔تخفیف اور مشقت میں بھی بڑا عجیب پہلو ہے۔امام شاطبی فرماتے ہیں: شارع نے اس صورت میں شدت برتی ہے جب انسان اپنی خواہش کا غلام ہو جائے، چوری کرے، زنا کرے، قتل کرے، مثلاً قتل کی سزا، جلاوطنی کی سزا، ہاتھ پاؤں سمت مخالف سے کاٹے جانے کی سزا۔ یہاں مشقت لازماً اختیار کی جائے گی۔ کیونکہ یہ مشقت ایک بڑے سماجی اور اجتماعی ضرر کے بالمقابل ہے، اور مصالح میں ترتیب ضروری ہے۔اور شارع نے اس صورت میں تخفیف برتی ہے جب ان میں غلو سے کام لیا جائے، پوری عمر روزہ رکھے جائیں، پوری رات قیام کیا جائے، پورے کا پورا مال راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے۔ایسی صورت میں شارع کا حکم سونے اور اس کے ساتھ قیام کرنے، روزہ رکھنے اور اس کے ساتھ افطار کرنے اور تہائی مال جو بجائے خود زیادہ ہے کی وصیت کرنے کا ہے۔ان صورتوں میں شریعت نے رخصتیں دی ہیں۔اس طرح شریعت کی سزائیں حد اعتدال سے بڑھی ہوئی خواہش نفس اور کھلی بے قیدی کا مقابلہ کرنے کے لئے ہیں، اور اس کی طرف سے عطا کردہ رخصتوں اور آسانیوں کا مقصد دین میں غلو سے باز رکھنا ہے۔

تشدد اور تخفیف دو انتہائیں ہیں۔لیکن مجموعی احکام شریعت توسط اور اعتدال پر مبنی ہیں۔ان پر نہ خواہشات کا غلبہ ہے اور نہ رخصتوں کا۔آپ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، حج کریں،

شادی کریں، دیگر عقود و معاملات انجام دیں، ان تمام امور میں شرعی احکام میانہ روی اور اعتدال پر مبنی ہیں۔ تو تخفیف اور مشقت کے درمیان ربط یہ ہے کہ شریعت کی طرف سے کسی چیز میں سختی دراصل اباحیت اور بے لگام خواہش کو کنٹرول کرنے کے لئے ہے اور رخصت وتیسیر دین میں غلو سے روکنے اور بندہ کو اعتدال اور میانہ روی پر قائم رکھنے کے لئے ہے۔ یہ مسئلہ دراصل اس پہلو سے متعلق ہے کہ شارع کا وضع شریعت سے مقصود شریعت کے تقاضوں کے مطابق مکلّف بنانا ہے۔

قصد شارع کا آخری پہلو یہ ہے کہ شارع نے وضع شریعت سے مکلّف کو احکام شریعت کے تحت لانے کا قصد کیا ہے۔ شریعت میں اس پہلو سے متعلق مختلف قوانین اور حالات ہیں۔ اسلامی شریعت ہر فرد کے لئے ہے۔ ہر طرح کی صورت حال کے لئے ہے، امن کے لئے ہے، جنگ کے لئے ہے، غناء کے لئے ہے، فقر کے لئے ہے، کنوارے پن کے لئے ہے اور شادی کے لئے ہے، ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے ہے۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں آپ سے مخاطب ہے، اور وہ اس طرح کہ اس کا مقصد آپ کو ان تمام حالات میں احکام کا مکلّف بنانا ہے "قل یا أیها الناس إنی رسول الله إلیکم جمیعا" (سورۂ اعراف:۱۵۸) (کہہ دیجئے کہ اے انسانو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف) وضع شریعت سے شریعت کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ مکلّف کو اس کی خواہش نفس کے داعیہ سے آزاد کرانا ہے تاکہ وہ اختیاری حالت میں بھی اسی طرح اللہ کا بندہ بنے جس طرح وہ اضطراری حالت میں اللہ کا بندہ ہے۔ یہ بندہ کے لئے دو پہلوؤں سے معاون ہے:

۱- ارادی پہلو اور ۲- غیر ارادی پہلو۔ غیر ارادی پہلو (لاشعوری پہلو) دل کی دھڑکنوں کو شمار کرنا ہے جس طرح سمعی، بصری مشینیں اپنا عمل کرتی ہیں۔

اس سیاق میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ انسان کے شعوری پہلو کا اس کے اس لاشعوری پہلو سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے جس پر اللہ تعالی کا کامل تصرف ہے: "أن الله یحول بین

المرء وقلبه وأنه إليه تحشرون" (سورۂ انفال: ۲۴) (کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے درمیان انسان اور اس کے قلب کے اور یہ کہ تم (سب) کو اسی کے پاس اکٹھا ہونا ہے) انسان کی مکمل سعادت اس میں ہے کہ اللہ کی عبودیت میں اس کا اضطراری پہلو اس کے اختیاری پہلوؤں سے ہم آہنگ ہو یعنی اس کے جسم اور اس کی درست عقل اور اس کے متحرک دل اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت میں ایک جیسے ہوں۔

شریعت کے مقاصد مکلف کے اعتبار سے دو قسم کے ہیں: اصلی اور تبعی، ان کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اس ضمن میں یہ مثال بھی گذر چکی ہے کہ شادی کے چار مقاصد ہو سکتے ہیں۔ ۱-نفس کا سکون، ۲-جسمانی لطف اندوزی اور استمتاع، ۳-حصول اولاد، ۴-سماجی قرابت اور رشتہ داری۔ لیکن اگر ایک شخص اصلی مقاصد کو نظر انداز کر کے یا ان کو ثانوی حیثیت دے کر شادی کرتا ہے تو شریعت کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر اصل مقصد یعنی دین کے تحفظ کو اولیت دیتے ہوئے خوبصورت اور مالدار عورت سے شادی کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی لئے لذیذ غذائیں کھانے، نرم نرم لباس پہننے، آرام دہ سواریاں استعمال کرنے اور حسین عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ یہ تمام اعمال شریعت کے اصلی مقاصد سے متصادم نہ ہوں۔ کیونکہ شریعت کے نقطہ نظر سے ضروریات کا ایک درجہ ہے، حاجیات کا ایک درجہ ہے اور تحسینیات کا ایک درجہ ہے۔ اس کے نقطہ نظر سے بعض مقاصد اصلی ہیں اور بعض تبعی۔ مثال کے طور پر نماز مقصد اصلی ہے، اگر اسے تبعی مقصد قرار دیا جاتا تو ممکن تھا کہ ایک شخص پانی نہ ملنے کی صورت میں اسے ادا نہ کرتا تو طہارت مقصد تبعی ہوئی، اسی طرح قیام مقصد تبعی ہے، اسی وجہ سے جو شخص کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو اسے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ اصل مقصد یہ ہے کہ ایک انسان نماز ادا کرے۔ لہذا اگر اس نے نماز ادا نہیں کی تو مقصد اصلی فوت ہو گیا۔ اسی لئے امام شاطبی کہتے ہیں کہ مقاصد اصلیہ وجوب کے درجہ میں ہیں

اور مقاصد تبعیہ مباح کے درجہ میں۔ اس کی دلیل بھی استقراء ہے۔ امام شاطبی ان تمام مسائل میں بالکل منفرد ہیں جن پر انہوں نے بحث کی ہے، یعنی محور کی حیثیت سے تعلیل شریعت کا مسئلہ ہو یا قصد شارع کے چار مختلف پہلو ہوں ان سب میں ان کا انداز بحث و تحقیق دوسروں سے کلیۃً ممتاز اور مختلف ہے۔

امام محمد طاہر بن عاشور اور نظریہ مقاصد

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
ترجمہ: مولانا محمد ہشام الحق ندوی

امام محمد طاہر بن عاشور معاصر دور کے علماء میں سے ہیں۔ آپ کی وفات ۱۸۷۴ء میں ہوئی۔ آپ ان معاصر علماء میں ہم لوگوں سے سب سے زیادہ قریب ہیں جنہوں نے مقاصد کے مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔ امام محمد طاہر بن عاشور نے چند ایسے بنیادی اور متعین مسائل چھیڑے ہیں جن میں کسی کو بھی یہاں تک کہ خود امام شاطبی کو بھی ان پر سبقت حاصل نہیں ہے۔

ان کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ایک نئے اور مستقل علم کی بنیاد ڈالنے کی دعوت دی۔ اور وہ علم ہے مقاصد شریعت اور نظریہ مقاصد کا۔ آپ نے اس موضوع پر کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ دوسری اہم خصوصیت آپ کی یہ ہے کہ آپ نے عبادات، عائلی امور، معاملات اور بطور خاص مالی معاملات سے متعلق مقالات وتحقیقات میں مقاصد شریعت کو منطبق کر کے دکھایا۔ ان کی تطبیقات عملی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں اس میدان میں اتر چکا ہوں تم بھی میرے ساتھ آؤ۔ اسی طرح شریعت کا فہم حاصل ہوگا۔ انہوں نے علم المقاصد کے اہداف وضع کئے۔ ادلہ قطعیہ کو مرجع قرار دیا تا کہ فقہاء کے درمیان موجود اختلاف آراء کو ان کی طرف لوٹایا جاسکے اور ان ادلہ قطعیہ کی بنیاد پر ان میں ترجیح کی صورت اختیار کی جاسکے۔ اس کے بعد انہوں نے دلیل استئناس ذکر کر کے ایک منفرد نقطہ نظر پیش کیا تا کہ ایک عام انسان مقلد ہو کر تنفیذ احکام سے مقصد شرعی کا فہم حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنے لگے۔

امام محمد طاہر بن عاشور کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے معاصر دور میں اور معاصر تناظر میں قانونی خلا کو پر کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اس وقت مقاصد کے حوالہ سے مسلمانوں کی دادرسی کی جانی چاہئے اور ایسے قوانین بنائے جانے چاہئیں جن سے ان کے عارضی اور فوری مصالح پورے ہوں۔ تاکہ کسی قانونی خلا کا گمان نہ گزرے۔ کیا آج ہمارے یہاں خلا نہیں ہے؟ جی ہاں! ہمارے یہاں خلا ہے، ہم اللہ تعالی کے یہاں اس خلا کے لئے جوابدہ ہیں۔ لہذا واجب ہے کہ جلد از جلد حرکت میں آئیں۔ شریعت کا فہم حاصل کریں، مسلمانوں کو متحد کریں، عمومی مقاصد اور متحدہ نقاط نظر کو پیش نظر رکھ کر لوگوں کو فتوی دیں۔ لوگوں کو حیرانی اور تذبذب کی کیفیت میں مبتلا نہ چھوڑیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ حرام میں خوب خوب ڈوب جائیں پھر ہم آئیں اور ان کے افعال کو سند جواز عطا کریں یا انہیں ضرورت اور احکام ضرورت کی طرف لوٹانے لگیں۔ امام محمد طاہر بن عاشور کے نزدیک متعین مقاصد ہیں اور مقاصد کا ایک نظریہ ہے۔

علم مقاصد کا موضوع شرعاً مطلوب اصولوں کے اس مجموعہ سے عبارت ہے جس کے ذریعہ فہم شریعت تک رسائی حاصل کی جاتی ہے خواہ تفسیر کے ذریعہ یا تعلیل اور استدلال کے ذریعہ، یعنی احکام شریعت کی ایسی تفسیر اور ایسی تعلیل کہ وہ پڑھے لکھے اور عامی تمام لوگوں کے لئے بالکل واضح ہو جائیں، اور استدلال اور احکام شرعیہ کی تعلیل کا ماخذ علم المقاصد کے قواعد ہوتے ہیں تاکہ شرع میں مطلوب مصالح کا علم حاصل ہو، اور ایسے ذرائع و وسائل کام میں لائے جاتے ہیں جو شرعاً مطلوب اصولوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ ویسے مقاصد شریعت کی عملی تطبیق کے مسئلہ میں امام محمد طاہر بن عاشور کا ایک نمایاں کردار ہے لیکن وہ بہر حال اس میں منفرد نہیں ہیں۔ میں آپ کے سامنے امام محمد طاہر بن عاشور کی پیش کردہ کچھ تطبیقات کا ذکر بطور مثال کرتا ہوں۔ یہ مثالیں مقاصد کے فہم میں معاون ہوں گی۔

اما موصوف فرماتے ہیں: تیمم کی مشروعیت کیوں ہے؟ اس لئے تاکہ مسلمان یہ نہ سمجھے کہ طہارت حاصل کئے بغیر بھی نماز درست ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ طہارت حاصل کرنے کی

نیت سے محروم نہ ہو۔اور بدنی طہارت کی نیت نفسیاتی اور قلبی طہارت کی نیت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ کیونکہ بدنی طہارت ایمان کا ایک جز ہے۔اس طرح وہ ہمیشہ طہارت سے وابستہ رہے گا۔

اوقات نماز کی یہ تقسیم کیوں ہے؟ کیوں ہے یہ صبح، ظہر، عصر، مغرب، عشاء؟ امام موصوف فرماتے ہیں: تا کہ دل میں تقوی کے وہ افکار وخیالات راسخ ہو جائیں جن کے ذریعہ نفس نافرمانی سے گریز کرنے لگے اور تقوی کی صفت دائمی ملکہ میں تبدیل ہو جائے۔ تذکیر نافرمانی سے دور رکھے اور گناہوں سے معافی کا ذریعہ ہے پھر یہ کیفیت دائمی حالت میں تبدیل ہو جائے گی۔آپ کو عہد صحابہ کا علم ہے۔سلف صالحین کا حال یہ تھا کہ ان میں سے ایک کا قول ہے کہ میں نے بیس سال تک قیام لیل کے لئے اپنے نفس سے مجاہدہ کیا تو مجھے بیس سال تک اس کی حلاوت ملتی رہی۔انسان ایک کام شروع کرتا ہے پھر وہی اس کی طبیعت کا ایک جز بن جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت ہو میرے شیخ پر جنہوں نے مجھے ۱۶ سال کی عمر میں ایک بار میرے گھر پر سکھاتے ہوئے فرمایا: میں وضو کرنا چاہتا ہوں تا کہ میں یہ سمجھا سکوں کہ کتب فقہ میں وضو تین مواقع کے لئے مذکور ہے: نماز کے لئے وضو، بیت اللہ کے طواف کے لئے وضو اور تلاوت قرآن کے لئے وضو، جیسا کہ علماء کے درمیان اس سلسلے میں مختلف آراء ہیں۔میں نے ان سے کہا: آپ اس کی پابندی کرتے ہیں؟ فرمانے لگے: اے بیٹے! اللہ تعالی فرماتا ہے: "إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين" (سورۂ بقرہ: ۲۲۲) (بیشک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں سے)، اگر اللہ کو پاکی حاصل کرنے والے پسند ہیں تو پھر اس کی پابندی تو مطلوب ہے۔یہ وضو گناہوں اور معاصی کو دور کرتا ہے۔لہذا تم اس کی عادت بنا لو کہ ہمیشہ باوضو رہو، جب بھی وضو ٹوٹے وضو کرلو۔یہ کام بڑا مشکل تھا، شروع شروع میں میں نے سوچا یہ کیسے ممکن ہے؟ مگر میری خوش قسمتی ہے۔الحمد للہ اس کے بعد میں نے اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا شروع کیا۔اب چھ مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ میں اس طریقہ پر عمل کر کے اس قابل ہو گیا کہ کوئی بھی کام بغیر وضو کے نہ کروں۔یعنی پڑھنا، کھانا، غور وفکر کرنا ہر چیز وضو کی حالت میں۔لہذا اوقات

نماز کا مختلف ہونا، یہ دن ورات کی تقسیم، اس کے بعد پیر اور جمعرات کے روزے، تو یہ سب کے سب معاصی سے بچانے کے مختلف ذرائع ہیں۔

امام مسلم نے ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: **باب فضل صیام شهر رمضان و استحباب أن لا يخلو شهر عن صوم** (باب رمضان کے روزہ کی فضیلت کے بیان میں اور اس کے استحباب میں کہ کوئی مہینہ روزہ سے خالی نہ گذرے) درحقیقت روزہ تقوی کے لئے کیا جاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تقوی ہمارا اوڑھنا بچھونا ہو جائے اور ہمیشہ ہم اس اسلحہ سے لیس ہوں۔ حج میں تین دنوں کے روزے اور واپسی پر سات دنوں کے روزے آخر کیا ہیں؟ اہل کتاب کا کھانا حلال کیا گیا تا کہ ان سے میل جول رہے اور انہیں اسلام کی دعوت دی جا سکے۔ نکاح خاندان کے استحکام، زوجین کے درمیان معاشرت، فطرت کی تسکین اور شہوت کے جذبہ کے ذریعہ نسل کی تکثیر کے لئے مشروع کیا گیا ہے۔ اگر زوجین کے درمیان جنسی شہوت نہ ہوتی تو نسل ختم ہو جاتی۔ بسا اوقات یہ ہوتا کہ ایک شخص اپنی بیوی سے جنسی تعلق کرتے وقت کسی کڑوی دوا کے استعمال پر مجبور ہوتا لیکن جب اللہ تعالی نے اس کی فطرت میں داعیہ رکھا ہے تو اب بخوشی وہ اس عمل کو انجام دیتا ہے اور اولاد کی توقع رکھتا ہے۔ اللہ تعالی نے شہوت کا یہ جذبہ اس لئے رکھا ہے تا کہ آبادی برقرار رہے اور زوجین کے درمیان الفت وہم آہنگی قائم رہے۔ محرمات کی حرمت میں عز وشرف اور وقار کا استحکام، قرابت داروں کے درمیان حسد وغیریت اور شکوک وشبہات کے ازالہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ ہیں مقاصد شریعت۔

طلاق زوجین کو لاحق ہونے والے ضرر سے بچنے کی ایک صورت ہے، کیونکہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ گھٹن کے ساتھ رہیں گے، عدت نسب کی حفاظت اور رجوع کے امکان کو باقی رکھنے کے لئے ہے، شیخ ابن عاشور نے بیوی کو مارنے کا مسئلہ بھی ذکر کیا ہے اور میں اس رائے میں ان سے اختلاف کرتا ہوں، وہ عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ عطاء بیوی کو مارنے کی رائے نہیں رکھتے بلکہ وہ اس پر ناراض ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ امر مباح ہے

اور حاکم کو حق ہے کہ وہ مباح چیز کو روک دے۔ یہ ہمارے ہاں امریکہ میں ایک مناسب نقطہ نظر کہا جا سکتا ہے، کیونکہ امریکہ کے قانون کی رو سے بیویوں کو مارنا منع ہے۔ تو گویا ابن عاشور اسے امر مباح قرار دے کر حاکم کو اس کا اختیار دیتے ہیں کہ وہ اسے چاہے تو روک دے۔ مجھے اس معاملہ میں ہمیشہ اندیشہ رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان عام عورتوں کے سلسلے میں یہ ہے:'فالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظ اللہ الخ"(سورۂ نساء:۳۴) ایسی عورتوں کو ہرگز نہیں مارا جائے گا۔"واللاتی تخافون نشوزھن الخ"لفظ"اللاتی" "قلت" کا فائدہ دیتا ہے اور عطف لغت میں مغایرت کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ امام ابن عاشور کی تفسیر ہے اور ان کی رائے ہے۔ یعنی "اللاتی" ہے جو مفید قلت ہے، اس کے بعد ہے: "تخافون نشوزھن الخ" اور عورت کا نشوز گلاس توڑ دینا یا کوئی کام بھول جانا یا کھانا جلا دینا نہیں ہے، نشوز بیوی کا شوہر کے مقابلہ میں تکبر اور تعلی ہے۔ چنانچہ ایسی عورتیں کم ہیں جو نشوز سے کام لیتی ہیں تو حکم ہوا کہ "فعظوھن" انہیں نصیحت کرو۔ ان کی ایک تعداد تو اسی فہمائش سے درست ہو جائے گی، اب دیکھئے کہا گیا:"واھجروھن فی المضاجع"۔ ایک طبقہ اس سے راہ راست پر آ جائے گا، اب بہت تھوڑی تعداد رہ گئی اس کو مارا جا سکتا ہے۔ اب ہم یہ کہیں گے کہ اس سے مراد نص شرعی کے دائرہ میں رہ کر غیر تکلیف دہ مار ہے اور چہرہ پر مارنے سے گریز کیا جائے گا۔ یہ ضرب برائے تادیب ہے نہ کہ ضرب انتقام، ایک ایسی ضرب جس سے ازدواجی رشتے دوبارہ بحال ہو جائیں۔ اس ضرب سے ایک بڑے ضرر کو دور کرنا مقصود ہے یعنی ازدواجی بندھن کو ٹوٹنے اور اولاد کو ضیاع سے بچانا۔ اس میں نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہے۔ اس طرح اسلام نے خاندان، اولاد اور خود بیوی کو تحفظ عطا کیا۔ اس کو عقل کی طرف لوٹایا گیا ہے۔ امریکہ میں کیا جانے والا سروے بتاتا ہے کہ بیویوں کو مارنے کے سخت قانون کے باوجود ایک سال میں چھ ملین عورتوں نے عدالتوں میں شوہروں کی طرف سے پیٹے جانے کا مقدمہ دائر کیا ہے۔ چھ ملین عورتیں پیٹی گئیں اور انہوں نے شکایت کی۔ دوسری طرف ایک سال میں دو سو اسی ہزار مردوں

نے یہ شکایت درج کرائی کہ انہیں ان کی بیویوں نے تکلیف دہ مار ماری ہے۔

اسی طرح قرض کا لکھنا۔ میں اس مسئلہ میں جمہور علماء کے برخلاف شیخ ابن عاشور کا ہم خیال ہوں۔ جمہور کے نزدیک سورۂ بقرہ میں مذکور کتابت دَین کی آیت استحباب کے لئے ہے۔ لیکن میں نے مصر میں، خلیج میں جہاں میں تین سال تک رہ چکا ہوں، اسی طرح امریکہ میں جو حالات اور مسلمان بھائیوں کے معاملات دیکھے ان کی بنیاد پر میں ابن عاشورؒ کی رائے کو راجح قرار دیتا ہوں کہ معاملات کی توثیق، نزاع کا خاتمہ اور بے اعتمادی کا ازالہ یہ تمام امور دَین کے لکھ لینے ہی سے ٹھیک انجام پائیں گے۔ یہ ایک واضح صورت حال ہے۔ اس صورت حال میں مقاصد شریعت کا تقاضا ہے کہ قرض کو لکھ لیا جائے۔ شیخ طاہر بن عاشور کے نظریہ کی بنیاد ہے: نظام عالم کو منضبط کر کے انفرادی، اجتماعی اور عمرانی درستگی کو بروئے کار لانا اور اس کے نگراں مجازی یعنی انسان کی درستگی کے ذریعہ ہمیشہ اس کو درست کرتے رہنا۔ حقیقی نگراں تو اللہ تعالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا مقصد شرعی یہی ہے کہ نظام عالم کو منضبط کر کے انفرادی، اجتماعی اور عمرانی ہر سطح پر اسے ٹھیک کیا جائے، اسلام کی عالمگیریت ظاہر کی جائے اور اس کے سرپرست یعنی انسان کی اصلاح کی جاتی رہے تاکہ عالم کا نظام ہمیشہ ٹھیک رہے۔

ان کی اس رائے کے بالمقابل میں شریعت کے عمومی مقاصد اور شریعت کے خاص مقاصد پھر شریعت اسلامی کے اوصاف پر گفتگو کروں گا۔ انہوں نے بھی شریعت کے عمومی مقاصد کو ضروری، حاجی اور تحسینی تین قسم کے مصالح میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ انہوں نے عرض (عزت) کا ذکر نہیں کیا ہے اور اسے حاجی مصلحت قرار دیا ہے، اور یہ بھی افسوس کی بات ہے کہ انہوں نے نسل اور نسب پر مال کو مقدم کیا ہے یعنی کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے جگر گوشوں پر مال کو یہاں تک کہ عقل کو بھی مقدم کریں؟

امام طاہر بن عاشور نے حقوق اللہ اور حقوق العباد اور ان دونوں سے متعلق مسائل میں تشریع کے خصوصی مقاصد، درجہ مقاصد اور درجہ وسائل پر بھی گفتگو کی ہے۔ مثال کے طور پر زکاۃ

کا مسئلہ ہے۔اس میں فقراء کی مدد بھی ہے اور اللہ تعالی سے تعلق کا اظہار بھی ہے۔اس کے برعکس نماز خالص اللہ کے لئے ہے۔وصیت کے امور میں دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔امام موصوف فرماتے ہیں: نکاح جو ایک بنیادی معاملہ ہے اس کے مقاصد میں سے یہ ہے کہ اسے زنا یا دیگر عام مالی معاملات کی حیثیت نہ دی جائے۔اللہ تعالی اس کے بارے میں تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:"وكيف تأخذونه وقد أفضى بعضكم إلى بعض وأخذن منكم ميثاقا غليظا"(سورۂ نساء:۲۱)(اور تم کیسے اسے (واپس) لے سکتے ہو درآنحالیکہ ایک دوسرے سے خلوت کر چکے ہو اور وہ (بیویاں) تم سے ایک مضبوط اقرار لے چکی ہیں) یہ براہ راست عزت وآبرو کا مسئلہ ہے۔دوسرے الفاظ میں وہ فرماتے ہیں کہ گواہ بنانے کا مسئلہ دراصل عقد نکاح کا معاون ہے۔یہ اصلی مسئلہ نہیں ہے۔اب کچھ لوگ نکاح کرنا چاہیں اور انہیں دو عادل گواہ نہ مل سکیں اور وہ غیر عادل گواہوں کی گواہی سے شادی کرلیں تو نکاح صحیح ہوگا لیکن گواہ کو بالکل ترک کرنا صحیح نہ ہوگا۔کیونکہ نص صریح ہے:"لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل "(نکاح بغیر ولی اور دو عادل گواہوں کے نہیں ہوسکتا)۔مجھے معلوم ہے کہ حنفی مسلک میں ولی کے مسئلہ میں کلام ہے اور میں اس باب میں کبھی حنفی مسلک کی پیروی کرتا ہوں اور کبھی نہیں بھی کرتا،یعنی امریکہ میں ایک لڑکی مجھ سے رابطہ قائم کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ حنفی مسلک کی رو سے عورت بغیر ولی کے شادی کرسکتی ہے؟میں دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی کا تعلق کسی لڑکے سے ہو جاتا ہے اور وہ ماں باپ کو صورت حال کے قبول کرنے پر مجبور کر کے شادی کرنا چاہتی ہے اور ایسی صورت میں فقہ حنفی کے اس مسئلہ کو بنیاد بناتی ہے۔لیکن میرے خیال میں اس صورت پر امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تطبیق خود ان کے قول کے یا ان سے مروی روایت کے خلاف ہے،کیونکہ امام ابوحنیفہؒ نے ایسی شادی کے صحیح ہونے کے لئے کفو اور مہر مثل کی شرط لگائی ہے۔اور بہت افسوس کا مقام ہے کہ اس قسم کے لوگ بغیر کفو اور بغیر مہر مثل کے نکاح کی صورت میں اس فتوی کا استعمال کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کی مروجہ شکل کو جو دراصل سفاح کی حالت ہے،

شریعت سے سند جواز دلانا چاہتے ہیں۔اور جب دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی کا باپ دیندار نہیں ہے اور لڑکی پابند شرع ہے اور باپ لڑکی کو اپنے کسی ایسے رشتہ دار سے شادی پر مجبور کر رہا ہے جو پابند شرع نہیں تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ کے فتوی کو اختیار کرتا ہوں۔

امام محمد طاہر بن عاشور نے اوصاف شریعت پر گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس سیاق میں چار پہلوؤں پر نظر رہنی چاہئے:

۱-حق کی معرفت اور مقصد سے واقفیت حاصل کرنے میں فطرت کا مسئلہ یعنی وہ فطری سلیقہ جو بالکل صاف ستھرا ہونا چاہئے۔امام ابن عاشور نے پہلی بار مقاصد شریعت سے واقفیت حاصل کرنے میں فطرت کے مسئلہ کو شامل کیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑی ہی عمدہ بات ہے، اس لئے کہ حدیث نبوی میں اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور اس کے سلسلے میں تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس سے باخبر ہو جائیں گے، اور نیکی حسن اخلاق کا نام ہے۔

۲-مقاصد کے ضمن میں دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ احکام پر غور کرتے وقت الفاظ کے بجائے معانی کو ترجیح دی جائے۔مثال کے طور پر ایک شخص بہت پاکیزہ طریقہ پر شادی کرتا ہے لیکن کہہ دیتا ہے: "متعنی بابنتک" تو اسے نکاح متعہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔اگر نکاح ولی اور گواہ کے ذریعہ ہوا ہے تو وہ ابدی عقد اور عقد منجز ہے نہ کہ مؤقت۔اسی طرح مثلاً اگر ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میں نے ہندوستان کی اسلامک فقہ اکیڈمی کو اپنی موت کے بعد اپنا تہائی مال ہبہ کیا یا نصف مال بھی کہا تو کیا اسے ہبہ قرار دیا جائے گا؟ نہیں، ہبہ تو زندگی میں ہوتا ہے، یہ تو وصیت ہے۔اگر اس نے اپنی موت کے بعد کے الفاظ کہے تو ہم اس پر وصیت کے احکام جاری کریں گے۔اگر تمام ورثہ نصف نکالنے پر اتفاق کرلیں تو یہ بھی صحیح ہے اور اگر صرف تہائی مال کے نکالنے پر متفق ہوں یا ان میں اختلاف ہو تو ہم تہائی مال نکالنے کا حکم دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اہمیت الفاظ کی نہیں بلکہ ان کے معانی کی ہے۔اسی

قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے امریکہ میں اس کانفرنس کے بعد جس میں شیخ عتیق احمد شریک ہوئے تھے، اسلامی کمپنیوں نے لوگوں سے روپے اکٹھے کر کے ان کو مکانات خرید کر دینا شروع کیا لیکن وہ ہمارے سامنے اس صورت مسئلہ کو عقد، منافع اور انٹریسٹ لکھتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انہوں نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا؟ اس لئے کہ اس طریقہ سے ٹیکسوں کی معافی میں مدد ملتی ہے، جب ٹیکسوں سے معافی ممکن ہے تو یہ کوئی معقول بات نہیں کہ ہم ٹیکس ادا کریں اور امریکہ اس ٹیکس کو عراقی مسلمانوں پر حملہ کرنے اور اسرائیل کی مدد کرنے میں استعمال کرے اور ایک غیر مسلم آسانی سے اس طریقہ پر عمل کر کے اپنے ٹیکس معاف کرالے۔ لہذا ہم یہ کہیں گے کہ یہاں الفاظ کی قیمت نہیں ہے اصل اہمیت ان کے معانی کی ہے۔ ہمارے بعض بھائی یہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ حرام ہے، یہ ناجائز ہے، بھائی اللہ سے ڈرو! اللہ کا شکر ہے ہم نے ان کی بات نہیں مانی اور اس پر عمل بھی ہو رہا ہے، یہ کمپنیاں اپنی اسکیمیں چلا رہی ہیں۔ میں بھی کہتا ہوں کہ شریعت کا نفاذ، اس کا احترام اور حیلوں اور بہانوں کا ازالہ واجب ہے اور ہمیں اسلام کی حکمرانی اور بالادستی کے پہلو کو قوی تر کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس کے لئے قوت کا حصول واجب ہے۔

۳- تیسری بات جو مقاصد کے ضمن میں بڑی اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ دور کے مسائل کا ساتھ دینے اور شریعت کا تحفظ کرنے کے لئے اجتہاد کا استعمال بہت ضروری ہے، اسی کے ذریعہ بدلتی ہوئی صورت حال میں جائز قانونی رخصتیں بھی حاصل ہوسکتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ امام طاہر بن عاشور نے بڑے طاقتور اسلوب و انداز میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ نئے مسائل کے حل کی سمت میں صورت حال کو ملحوظ رکھنے کی جو صدا امام طاہر بن عاشور نے لگائی ہے وہ بڑی طاقت ور اور پرکشش ہے۔

۴- مقاصد شریعت ایک ایسا موضوع ہے کہ اس کی باقاعدہ ایک فیلڈ ہونی چاہئے۔ ایک ایسا میدان علم جس میں فقہاء اور محققین خوب خوب داد تحقیق دے سکیں، اس موضوع پر انتہائی فعالیت کا مظاہرہ کریں اور ان کی شبانہ روز محنتوں اور کاوشوں سے ان ہی کا لگایا یہ پودا برگ و بار

لائے۔ سچی بات یہ ہے کہ امام موصوف نے اس موضوع پر بہت ہی عمدہ طریقہ سے قلم اٹھایا مگر اس علم کے متوالے کی پیاس وہ بھی نہ بجھا سکے، نہ وہ اسے ہمارے دور کے مطلوبہ معیار تک ہی پہنچا سکے۔ شاید آپ اور ہم سب کی طرف سے پیش کی جانے والی آئندہ تحقیقات کسی حد تک ہی سہی مقصود تک پہنچنے میں کامیاب ہوں انشاء اللہ۔ امام طاہر بن عاشور مقاصد شریعت کے ذریعہ جو نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے ان کے لئے اصول میں ایسے قطعی اور معتمد دلائل موجود ہیں جو فقہاء کے لئے یقینی مراجع کا درجہ رکھتے ہیں، اور یہ دلائل عوام الناس کو مقاصد شریعت سے روشناس کرانے میں بڑے معاون ہوں گے۔

امام ابن عاشور نے مسلمانوں کے درمیان موجود دستوری خلا کو اور بطور خاص مسلم اقلیتوں کی فقہ سے متعلق پائے جانے والے خلا کو پر کیا ہے۔ جزاکم اللہ خیرا وشکر اللہ لکم والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

سوالات وجوابات

مولانا فہیم اختر ندوی صاحب:

یوں تو مقاصد پانچ ہیں، شیخ طاہر بن عاشور کے نزدیک مقاصد کی تعداد کیا ہے؟

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

شیخ طاہر بن عاشور نے آزادی اور مساوات کا اضافہ کیا ہے۔ میں یہ ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ اس یاددہانی پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے عزت کو حاجی مصلحت قرار دیا ہے، اللہ ان کو معاف کرے۔ شاعر کا قول ہے: "أصون عرضي بمالي لا أدنسه - لا بارك الله هذا العرض في مالي" گویا کہ آبرو ایسی چیز ہے کہ مال کے ذریعہ آدمی اس کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

میں جب سروے رپورٹوں اور جائزوں پر نظر ڈالتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ دنیا میں سب سے زیادہ تجارت تین چیزوں کی ہو رہی ہے: ۱-جنس کی تجارت، ۲-منشیات کی تجارت، ۳-ہتھیاروں کی تجارت۔ ایسی فساد زدہ صورت حال میں عزت وآبرو کے مسئلہ کو اولین ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہمیں تو ایسی صورت میں اسے جان پر بھی مقدم رکھنا چاہئے۔ میں نے کل آپ کے سامنے ایک جملہ کہا تھا، امید ہے کہ آپ اسے بھولے نہ ہوں گے۔ مغرب ہم سے چاہتا ہے کہ یا تو ہم فتنہ وفساد میں مبتلا رہ کر زندہ رہیں یا قتل کے ذریعہ لقمہ اجل بن جائیں۔ جب کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "والفتنة أشد من القتل"۔ اس وقت مغرب توپوں اور ہتھیاروں سے حملوں کے بعد اب ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عرب اور مسلم ممالک پر چوطرفہ حملہ کا منصوبہ بنا رہا

ہے۔ میری نظر میں ابلاغی حملہ فوجی حملہ سے کئی گنا زیادہ خطرناک اور دوررس اثرات کا حامل ہوگا۔ لہذا اس کے خلاف فوجی حملہ سے بدرجہا زیادہ طاقتور اور مؤثر ردعمل ظاہر کیا جانا چاہئے۔ فوجی حملہ میں ہوتا یہ تھا کہ ایک انسان یا تو عزت وشرافت کی موت مارا جاتا تھا یا پھر اللہ کے حکم سے شہید ہوتا تھا لیکن یہ ابلاغی حملہ انسان کو فتنہ زدہ بنا کر چھوڑے گا اور فتنہ کے بارے میں ہے: ''و الفتنة أكبر من القتل'' فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔ اللہ نہ کرے اگر کسی کا بیٹا اس کے سامنے کار سے یا کسی اور ذریعہ سے اس کے سامنے جاں بحق ہو تو یہ اس سے ہزار ہزار درجہ کم تکلیف دہ ہے کہ وہ اسے اپنے نگاہوں کے سامنے فتنہ میں مبتلا دیکھے۔

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس صاحب:......

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

تجدید دو ذرائع سے ہوتی ہے: ایک خود آدمی کے اندر موجود مہارت کی وجہ سے، اور دوسرے اپنے ماقبل کے شیوخ سے استفادہ اور ان کا اثر قبول کرنے کے ذریعہ۔ اس اعتبار سے جب آپ امام شاطبی کو دیکھیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ سب سے پہلے امام شاطبی پر جس شخصیت نے اپنا اثر چھوڑا ہے وہ امام غزالی ہیں۔ وہ امام غزالی کے حوالہ سے بہت زیادہ نقل کرتے ہیں۔ گویا امام غزالی وہ پہلے عالم ہیں جن کا اثر امام شاطبی نے قبول کیا ہے، لیکن خود امام شاطبی بھی ایمانی، عقلی اور فکری لحاظ سے درجہ کمال پر فائز تھے، ورنہ اگر دنیا کا بڑا سے بڑا عالم بھی کسی ایسے شخص کو تعلیم دے جس کے اندر مخصوص صلاحیتیں نہ ہوں تو اس بڑے عالم کی محنت کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔

آپ کانٹے سے انگور نہیں حاصل کر سکتے۔ امام شاطبی کے ہاں قواعد کا مسئلہ بڑا اہم ہے اور امام موصوف نے اسے بڑے نئے انداز سے ذکر کیا ہے۔ میں نے بھی آپ کے سامنے

امام شاطبی کے پیش کردہ قواعد کا مختصراً ذکر کیا، کیونکہ مقاصد کے ضمن میں قواعد سے مستغنی رہنا ممکن نہیں، اس لئے کہ یہ مقاصد کی بنیاد ہیں۔

مولانا اسعد قاسم سنبھلی صاحب:

امام شاطبی نے دوسری قسم یعنی شارع کا وضع شریعت سے مقصود افہام کی دو قسمیں کی ہیں: ایک یہ کہ اسلامی شریعت عربی ہے، آپ نے اس قسم کی خوب شرح کی۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ شریعت امی ہے۔ برائے مہربانی اس کی شرح فرمائیں۔

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

یہ بات مجھ سے چھوٹی نہیں ہے بلکہ میں نے قصداً ردک رکھا ہے۔ درحقیقت مجھے امام شاطبی کی یہ بات اچھی نہیں لگی کہ شریعت امی ہے۔ ایک معاشرہ کا امی ہونا اور بات ہے، جہاں تک شریعت کا تعلق ہے تو اس کا پہلا لفظ ہی "اقرأ" (پڑھئے) ہے۔ قرآن کی دوسری سورت میں لکھنے کا ذکر ہے: "ن، والقلم ومایسطرون"، اور تیسری سورت میں ہے: "فاقرؤا ماتیسر من القرآن" اور "ورتل القرآن ترتیلا"، ترتیل اولاً ذہن سے ہوتی ہے مگر قراءت (پڑھنا) تو کتاب ہی سے ہوگی۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ کی کتاب میں تنہا لفظ "علم" آٹھ سو پینسٹھ (۸۶۵) بار آیا ہے، معرفت، فکر، تدبر اور تذکر کے الفاظ الگ رہے۔ اس طرح "علم" اسلام کا رمز اور اس کا امتیازی نشان قرار پایا۔ اس لئے شریعت کو امی کہنا ممکن نہیں۔ شریعت تو بصیرت پر مبنی چیز ہے۔ اس کا نزول لوگوں کو بیدار اور متنبہ کرنے ہی کے لئے ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں میں سے ایک ایک شخص کی آزادی کا فدیہ دس افراد کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دینا قرار دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے سامنے لکھتے تھے۔ امام ابن حزم نے

''الإحکام'' میں، امام ثعالبی نے ''الفکر الاسلامی'' میں اور امام ابن القیم نے ''أعلام الموقعین'' میں ایک سوتیں ایسے بلند پایہ صحابہ کا ذکر کیا ہے جو سب کے سب مجتہد اور روئے زمین کے سب سے بہتر لوگ تھے۔ان بزرگوں نے لوگوں کو تعلیم دی، علماء کی تربیت کی اور پوری دنیا کی قیادت کی۔ کیا ان تمام کاوشوں کے باوجود میں یہ کہوں کہ شریعت امی ہے۔ میں نے اس بات کو اپنے نوٹ میں لکھا تھا مگر یہاں میں نے اس کو حذف کر دیا تھا، اور یہ حذف قصداً تھا نہ کہ سہواً۔

رہ گیا لفظ ''امیت'' تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم ایک ایسی امت ہیں جو علم حاصل کرتی ہے، اسے محفوظ رکھتی ہے اور پھر دوسروں تک اسے پہنچاتی ہے۔ امیت کی حقیقت یہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے:''نحن أمة أمية لا نحسب، الشهر هكذا ''(ہم ایک امی امت ہیں، ہم حساب نہیں لگاتے، مہینہ اس طرح ہوتا ہے، آپ نے انگلیوں سے اشارہ فرمایا، پھر تیسری بار آپ نے ایک انگلی روک لی)۔ مطلب یہ تھا کہ مہینہ تیس دنوں کا بھی ہوتا ہے اور انتیس دنوں کا بھی۔

لیکن موجودہ دور میں ہم ایک ایسی امت ہیں جو سیکھنے کے لئے کوشاں ہے لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ ایک خاص موقع پر کہی گئی بات کو شریعت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت قرار دے دیا گیا یہاں تک کہ کہہ دیا گیا کہ شریعت امی ہے۔

ایک شخص کا سوال:

ایسا کیوں ہے کہ لوگ امی قرار پائے مگر شریعت امی نہیں ہوئی؟

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

جی ہاں! میں معاشرہ کے امی ہونے اور شریعت کے امی ہونے کے درمیان فرق کرتا ہوں۔ شریعت امی نہیں ہے۔''قد جاء كم من الله نور و كتاب مبين يهدى به الله من

اتبع رضوانه سبل السلام ويخرجهم من الظلمات إلى النور بإذنه" یہ شریعت انتہائی ترقی یافتہ ہے، میں اس بات کے کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

آپ نے کہا کہ حنفیہ اور شافعیہ کے اصولوں کے درمیان جمع کرنے والے پہلے شخص امام شاطبی ہیں، مگر جو بات معروف ہے وہ یہ کہ ان دونوں طریقوں کو جمع کرنے والے صاحب بدیع النظام مظفر الدین الساعاتی ہیں اور بعد میں تاج الدین سبکی اور ابن الہمام انہیں نقش قدم پر چلے۔

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

یہ دونوں امام شاطبی کی طرح ماہر نہیں تھے۔ان کی طرف سے بھی کوششیں ہوئیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کا اعتراف اور ان کی قدر کی جانی چاہئے۔میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اختصار کے پیش نظر اسے ذکر نہیں کیا۔لیکن امام شاطبی کو ان دونوں مسالک کے اصولوں کے درمیان جمع کرنے کے ایک مکمل نظریہ کی بنیاد ڈالنے پر پوری قدرت حاصل تھی۔

مولانا احمد نادر قاسمی صاحب:......

آواز صاف نہیں ہے۔

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

اس کی سب سے بہتر مثال فتح مکہ ہے۔صحابہ نکلے۔پہلے دن آپ ﷺ نے بھی اور صحابہ نے بھی روزہ رکھا۔اس کے بعد بعض نے افطار کیا اور بعض نے روزہ رکھا، روزہ دار خود اپنی

خدمت نہ کر سکے اور افطار کرنے والوں نے ان کی خدمت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: آج افطار کرنے والے اجر لے گئے۔

ایک دن آیا اور روزہ دار بے ہوش ہو گئے۔ ایسے لوگ کیا جنگ کرتے اور کیسے فتح حاصل کر سکتے تھے۔ لہذا آپ ﷺ نے اس وقت وجوبی طور پر رخصت کو اختیار کیا۔ آپ ﷺ ایک پہاڑ پر کھڑے ہوئے یا ایک اونچی چٹان پر اور آپ ﷺ نے پانی منگوا کر پیا اور فرمایا: ''لیس من امبر امصیام في امسفر''۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس قبیلہ کی زبان میں تھا جس کے پاس سے آپ گذر رہے تھے، اس قبیلہ کے لہجہ کے مطابق آپ ﷺ نے الف لام کو میم سے بدل دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سفر میں روزہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے سفر میں افطار کو مباح قرار دیا ہے۔

بعض بھائی رخصت کے ہوتے ہوئے عزیمت کو اختیار کرتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ امام شاطبی نے یہاں یہ بتایا ہے کہ رخصتیں انسانوں کے لئے موت تک اللہ کی عبادت کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔ مکلّف کو احکام شرع کا پابند بنانے میں شارع کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔

مولانا احمد نادر قاسمی صاحب:......

آواز صاف نہیں ہے

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

اصول فقہ ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ شرعی عملی احکام اپنے تفصیلی دلائل سے مستنبط کئے جاتے ہیں۔ لیکن علم المقاصد شارع کے ان مقاصد اور اہداف کا جاننا ہے جو شارع نے اجمالاً اور تفصیلی ابواب میں تفصیلاً وضع شریعت میں پیش نظر رکھا ہے۔

اس کے بعد استقراء کا درجہ ہے۔ استقراء ایک قابل عمل چیز ہے۔ یہ دراصل حصول

معلومات کا ایک طریقہ ہے۔ یہ ایک وسیلہ ہے۔ لہذا اس کا استعمال علم اصول فقہ میں، علم المقاصد میں، منطق میں، ازدواجی مسائل کے حل میں اور دیگر تمام مسائل کے باب میں وسیلہ کی حیثیت سے کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے امام شاطبی نے اور امام طاہر بن عاشور نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ اور مقاصد اور وسائل میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔

مولانا محی الدین غازی صاحب:

آواز صاف نہیں ہے۔

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

تطبیق و تنظیر میں فرق ہے۔ استدلال ہی تطبیق ہے۔ جب کوئی فقیہ کسی حکم شرعی کا استنباط کرتا ہے تو اس کے ذہن میں مقصد کا تصور ہوتا ہے۔ کیونکہ شریعت کے مقاصد اہم ہیں۔ اسے استدلال کہتے ہیں۔ لیکن اس مسئلہ کی نظریہ سازی ایک دوسری چیز ہے۔ یہ چیز نہ امام جوینی کے ہاں ملتی ہے اور نہ امام غزالی کے ہاں بلکہ اس سے تعرض امام شاطبی نے کیا ہے۔ ان کے بعد امام طاہر بن عاشور، ڈاکٹر طہ جابر علوانی اور استاذ احمد ریسونی اور چند دیگر محققین نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔

مولانا محی الدین غازی صاحب:

آواز صاف نہیں ہے۔

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

جوینی، غزالی، قرافی، عز بن عبد السلام، ابن تیمیہ، ابن القیم سب نے مقاصد پر گفتگو کی

ہے مگر امام شاطبی نے خاص اس موضوع پر چار جلدوں میں ایک کتاب لکھی پھر ان کے بعد ابن عاشور نے اس موضوع پر مطالعہ کیا اور ایک خاص کتاب تالیف فرمائی اور اس کو اتنا ممیز کیا کہ وہ خود اصول فقہ سے علاحدہ ایک علم قرار پایا، انہوں نے تو علم اصول فقہ کا نئے سرے سے مطالعہ کرنے اور اسے فقہ المقاصد میں ضم کرنے کی دعوت دی۔ موجودہ صورتحال میں مجھے اس کے سوا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ فقہ المقاصد کو بنیاد بنا کر کچھ کم علم لوگ احکام جزئیہ قطعیہ کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہرگز ہرگز کوئی رواداری اور نرمی نہیں برتنی چاہئے۔ اللہ کی شریعت تعارض سے پاک ہے اور کسی بھی قطعی جزئی حکم کا اعتبار قیامت تک کے لئے ہے، "إعمال النص أولى من إهماله" (نص پر عمل کرنا اس کو ترک کر دینے سے بہتر ہے)، کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی حکم کو منسوخ کرے، اس لئے کہ علماء کرام کی تصریح کے مطابق بالاتفاق آپ ﷺ کے انتقال کے بعد نسخ منقطع ہو گیا۔ لہذا یہ وہ ممنوع عمل ہے جس میں ہمیں ہرگز نہیں پڑنا ہے۔ ہم ایک بار نہیں ایک ہزار بار اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ فکر مقاصدی پر ہمارا عمل کسی جزئی نص کو لغو نہ قرار دینے کے دائرہ میں رہ کر ہونا ضروری ہے۔

مولانا اسعد قاسم سنبھلی صاحب:

امام شاطبیؒ نے تعلیل کے مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔ کیا اس سلسلے میں ان کے نزدیک کوئی ایسا صریح نص ہے کہ شریعت کے تمام احکام کی علت موجود ہے؟

ڈاکٹر صلاح سلطان صاحب:

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا عمل لغویت سے پاک ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن کی متعدد آیات میں فرمایا کہ میں نے تم کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی ذات سے لغویت کی تردید فرمائی ہے۔ تخلیق کائنات کے پس پردہ مصلحت ہونے پر ہم سب کا اتفاق ہے۔

البتہ چونکہ فہم وادراک کی مختلف سطحیں ہوا کرتی ہیں اس لئے ایسا ہوسکتا ہے کہ میں ایک چیز کی علت کو سمجھ لوں اور دوسری چیز کی علت کو نہ سمجھ سکوں۔ علماء کے درمیان جو اختلاف ہے وہ اس امر میں کہ کیا تعلیل کا وجود بھی ہے یا نہیں؟ ابن حزم کہتے ہیں کہ تعلیل سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی ہیں اور رسالے بھی تحریر کئے ہیں۔

اس کے بعد کا مرحلہ یہ ہے کہ عبادات میں اصل توقف اور الفاظ کی پابندی ہے نہ کہ معانی کی طرف توجہ۔ اس طرح عبادات میں مقاصد و معانی کی نفی کر دی گئی ہے۔ حالانکہ عبادات میں بھی مقاصد پنہاں ہیں۔ ان کو معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ انسان اپنے عمل کا مکلف ہے اور عقل کا کام تفکیر سے کام لینا ہے، کیونکہ عقل پر کوئی حجاب نہیں ہے۔ امام شاطبی کے ہاں سکوت شارع بھی مقاصد کا ایک جز ہے۔ اس اعتبار سے ان امور میں شارع کی طرف سے تفکیر کی ممانعت پر سکوت بتاتا ہے کہ ان پر غور وفکر کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے مسجد میں تراویح باجماعت کا حکم دیا جب کہ آپ ﷺ کے عہد میں ایسا نہیں تھا۔ اور آپ نے آٹھ کے بجائے بیس کا اہتمام کرایا۔ حضرت عثمانؓ نے بیس رکعات میں بھی اضافہ فرمایا۔ بعد میں آنے والوں نے چھتیس رکعات کا بھی اہتمام کرایا۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ حضرت عثمانؓ نے زوراء کے علاقہ میں نئی اذان کا اضافہ فرمایا۔ کیونکہ اذان سے مقصود اعلام (اطلاع دینا) ہے۔ لیکن بعد کے لوگوں نے جمعہ کی نماز سے پہلے دو اذانیں شامل کر دیں۔ یہ بدعت تھی۔ امام شاطبی نے اسے بدعت قرار دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء جو امور عبادات میں فکر مقاصدی اور تعلیل سے گریز کرتے ہیں اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ امور عبادات میں صرف الفاظ ہی کو اختیار کیا جائے گا یہ موقف صحیح نہیں ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ زکاۃ میں قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔ اگر آپ کے پاس گائے اور بکریوں کی زکاۃ ہے اور آپ نے اس کے عوض نقد رقم زکاۃ میں نکال دی تو یہ صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں قیمت نکالی جائے گی۔ زکاۃ الفطر میں بھی قیمت نکالی جاسکتی ہے۔ اسی طرح وہ غلہ بھی نکالا جاسکتا ہے جو علاقہ اور آبادی

میں زیادہ رائج ہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ سب تو امور عبادات ہی ہیں۔ میں اس موضوع پر ایک مقالہ لکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس زمانہ کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے اس موضوع پر اپنے افکار کو مقالہ کی صورت میں لانا چاہتا ہوں کہ امور عبادات ان امور میں سے نہیں ہیں جو مقاصد سے الگ ہیں، اور فی الواقع میں نے اس موضوع پر لکھا بھی ہے مگر میں نے آغاز روحانی اور ایمانی پہلو سے کیا ہے۔ یہ چیز عبادات کے تربیتی اثرات اور مقاصد اور روح عبادات کے ضمن میں آئے گی کیونکہ روح سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد اخلاق کا پہلو ہے۔ اس کے بعد عقل نمبر تین پر ہے اور جسم نمبر چار پر ہے۔ میرے ذہن میں اس موضوع پر آئندہ کی سیریز کا خاکہ اس طرح ہے:

۱- خاندان کے سلسلے میں عبادات کے تربیتی مقاصد

۲- مسلم سماج میں عبادات کے تربیتی مقاصد

۳- مسلمان کے کردار میں عبادات کے تربیتی مقاصد

۴- خود عبادات کا مسئلہ حاکم اور محکوم اور ملک کی عمومی سیاست پر کیا اثر ڈالتا ہے؟

تو یہ اس سلسلہ کا آغاز ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ سلسلہ پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔

تیسرا باب:

مقاصد شریعت

تاریخی تناظر میں

مقاصد شریعت — عہد بہ عہد تاریخی جائزہ

مقاصد شریعت — عہد اول سے تاریخی تسلسل

تاریخ مقاصد پر ایک سرسری نظر

مقاصد شریعت
عہد بہ عہد تاریخی جائزہ

مولانا عتیق احمد بستوی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

ہمارے زیر بحث دو موضوعات ہیں۔ایک موضوع پورا دین اور پوری شریعت کے ہر ہر حکم کی مصلحت اور اس کے راز کا ہے، کس حکم میں کیا مصلحت ہے، چاہے وہ حکم عقائد سے متعلق ہو، چاہے اخلاقیات کے بارے میں ہو یا معاملات کے بارے میں ہو، گویا اسرار دین اور اسرار شریعت، ایک موضوع ہے۔اور دوسرا یہ ہے کہ اصول فقہ کے دائرہ میں جو علت کی بحث آتی ہے، پھر خاص طریقہ سے "تعلیل بالحکم" کا مسئلہ آتا ہے تو حکمت کی بنیاد پر احکام کی تعلیل کی گنجائش ہے یا نہیں، یہ اصول فقہ کا بہت اہم موضوع ہے، اس پورے تناظر میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ جس کو ہم مصالح مرسلہ کہتے ہیں اور مصالح مرسلہ کے تعیین کے لئے مصالح شرعیہ، اس کی تقسیمات، اسی ذیل میں ضروریات دین کی بحث، یہ ساری بحثیں فنی اور اصولی ہیں۔یہ ایک دوسرا حصہ ہوا، دونوں موضوع باہم گتھے ہوئے بھی ہیں، لیکن دونوں الگ بھی ہیں۔

جہاں تک اسرار شریعت کی بات ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کی تعلیمات میں حکمتیں اور مصالح ہیں، وہ مصالح بھی بندوں کے مصالح ہیں، مصالح عباد کے لئے حکم ہوا کرتا ہے، بہت سے احکام کی مصلحتوں کا ذکر قرآن پاک میں آگیا، حدیث میں آگیا، کہیں صراحتاً کہیں اشارتاً اور بعض احکام کی مصلحتوں کا ذکر اس طرح نہیں آیا ہے، لیکن نصوص کا استقراء کر کے اور شریعت کے عام مقاصد، عمومی آیات کی بنیاد پر ہمارے مفسرین فقہاء اور اصولیین نے بہت سے احکام کی مصلحتیں بیان فرمائی ہیں، تو اسرار دین کی وضاحت اور شریعت کے احکام کو ایسے انداز میں بیان کرنا اور پیش کرنا کہ وہ ہر دور میں قابل قبول اور قابل فہم ہو، یہ چیز تو ایسی ہے جس کے لئے ہمیں بہت ہی تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، مستقل کتابیں جن حضرات نے اس موضوع پر لکھی ہیں، اس سے ہٹ کر اگر آپ اپنے فقہی ذخیرے کا جائزہ لیں تو فقہی بحثوں کے دوران اختلافات کے دلائل بیان کرتے ہوئے ہر مسلک کے فقہاء اپنے موقف کے تعلق سے یا اگر متفق علیہ مسئلہ ہے تو اس حکم کے تعلق سے اکثر و بیشتر حکمتیں اور اس کی معقولیت کو واضح کرتے ہیں، بلکہ میں اس بات کو واضح کر دوں کہ اگر فقہی جزئیات اور فقہی مسائل کی بات ہے، تو فقہی مسائل اور فقہی کتابوں میں جس قدر مصالح اور فوائد کی بحث حنفیہ کے یہاں ہے اور فقہاء کے یہاں کم ملتی ہے، اس لئے ڈاکٹر ریسونی صاحب نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ فقہاء حنفیہ کے یہاں خاص طریقہ سے احکام فقہیہ پر بحث کرتے ہوئے ان احکام کی جو علتیں اور حکمتیں بیان کی گئی ہیں، چاہے وہ دوسرے مسالک کے مقابلہ میں اس کی ترجیح کے تعلق سے ہو یا ویسے، وہ اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو بہت بڑا ذخیرہ تیار ہوگا اور اس سے مقاصد شریعت کی تعیین میں اور ہر ہر حکم کی مصلحت کو بیان کرنے میں بڑی رہنمائی ملے گی، جتنی بھی کتابیں فقہ حنفی کی ہیں سب میں یہ چیزیں ملتی ہیں خاص طور سے فتح القدیر میں ابن الہمام کے یہاں، بدائع الصنائع میں کاسانی کے یہاں اور بھی دوسرے بڑے مصنفین کے یہاں، ان کتابوں میں تفصیل سے ان احکام کی علتوں اور مصلحتوں پر گفتگو کی جاتی ہے، ان کو یکجا کرنا

موضوع کے اعتبار سے اور مختلف زاویہ سے ان کو تقسیم کرنا، ان کی درجہ بندی کرنا یہ ایک خود بہت بڑا کام ہے۔ فقہ حنفی کے تعلق سے بھی اور جو دوسری فقہ موجود ہیں: فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی ان سب کے تعلق سے، ان کتابوں کا اس ناحیہ سے مطالعہ اور مصالح کو جمع کرنا بڑا کام ہے، جس کی منصوبہ سازی آپ کر سکتے ہیں، آپ نوجوان ہیں، علمی کاموں کی بات یہ ہوتی ہے کہ اگر بیس سال میں، پچیس سال میں آپ کوئی بڑا کام کر جائیں تو سمجھئے کہ زندگی وصول ہوگئی۔

لیکن علمی موضوعات جو تحقیق کے محتاج ہیں ان میں خاص ریاضت درکار ہے ان موضوعات کے لئے ہم اپنے آپ کو تیار کریں۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جو کتابیں فقہ اسلامی کی مختلف مسالک کی ہیں ان سب کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ کہ ان میں موجود مصالح اور اسرار کے ذخیرہ کو یکجا کیا جائے، خود بہت بڑا کام ہے۔ اور اس سلسلہ میں قرآن پاک کی وہ تفسیریں جن میں خاص طور سے آیات احکام پر بحث کی گئی ہیں بہت مفید ہیں، جیسے احکام القرآن جصاص کی، ابن العربی کی، بیہقی کی، امام شافعی کی، قرطبی کی اور کیاہراسی کی۔ اس کے بعد جو بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں ان کتابوں کے اندر بھی احکام پر بحثیں ہوتی ہیں ان میں بہت سی کام کی چیزیں اور اصولی چیزیں مقاصد شریعت اور اسرار وحکم کے بارے میں ہم کو ملتی ہیں، تو ان کا بھی جائزہ اس نقطۂ نظر سے ایک بڑا کام ہے جس کو اگر انجام دیا جائے تو فن اسرار دین کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے، اور بعض تفسیریں ایسی ہیں اگر چہ خاص آیات احکام پر ان میں اتنا زور نہیں ہے، مثلاً امام رازی کی تفسیر کبیر، لیکن امام رازی کا ذہن یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ سے متعلق پیدا ہونے والے شبہات کو بیان کرتے ہیں اور ان کے جوابات بھی دیتے ہیں، تو انہوں نے بھی کافی بحثیں اس طرح کی ہیں، اور آیات میں جو احکام آئے ہیں اور جو چیزیں آئی ہیں ان کی معقولیت، ان کے خلاف عقل نہ ہونا بلکہ موافق عقل ہونے پر بہت تفصیل سے انہوں نے اظہار کلام کیا ہے اور اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں، اس طرح کی جتنی بھی تفسیریں ہیں ان میں خاص طریقہ سے آیات احکام پر اور اس سے آگے بڑھ کر تو پورے دین، توحید،

رسالت، آخرت، ان سب کے اسرار پر بھی ہم کو اچھا مواد وہاں ملے گا، ہم کو جمع کرنا چاہیے۔

میں یہ عرض کرر ہا تھا کہ ایک تو پورے دین کے اسرار اور مصالح کی بات ہے، یہ ایک مستقل موضوع ہے اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ ہر زمانہ میں ہم دین کے حقائق کو اس انداز میں پیش کریں جو اس دور کے لوگوں کے لئے قابل قبول ہو، دین کی بات کو محض بیان کر دینا کافی نہیں ہے، ایسے انداز اور اسلوب میں بیان کرنا جو دلوں میں اتر جائے اور ذہنوں میں بیٹھ جائے، مخاطبین کی رعایت کرتے ہوئے، یہ خود ایک بڑا علم کلام ہے۔ اور ہمارے بزرگوں نے اپنے اپنے زمانے میں اس کام کو انجام دیا ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامؒ کی یاد آتی ہے کہ بہت سے موقعوں پر دیکھا ہے، بہت بہت نازک مواقع پر اور ایسے مجمعوں میں جہاں ایک سے ایک چوٹی کے لوگ جمع ہوتے تھے جن کے دلوں میں دین کے بارے میں اور دین کی تعلیمات کے بارے میں مختلف قسم کے کانٹے اور شبہات تھے، ایسے موقعوں پر حضرت قاضی صاحبؒ نے دین کے بعض احکام کی اس انداز میں ترجمانی کی کہ وہ چیز سب کے لئے قابل قبول اور قابل فہم ہوگئی اور لوگ پھڑک اٹھے۔ اس کی ایک مثال مجھے یاد آتی ہے، جامعہ ملیہ میں ایک پروگرام تھا، یہ اکیڈمی کے قیام سے پہلی کی بات ہے، اس میں بہت سے سماجی مسائل زیر بحث تھے، تو ان سماجی مسائل میں سے سماجی نابرابری اور مسئلہ کفاءت کا ذکر تھا اور جتنے بھی لوگ اسٹیج پر آرہے تھے، پروفیسرز، اسلامک اسٹڈیز کے اساتذہ، سب کی گفتگو کی تان یہیں آکر ٹوٹ رہی تھی کہ اسلام تو مساوات کی دعوت لے کر آیا ہے، یہ کفاءت کا مسئلہ کہاں سے فقہاء نے نکال دیا اور کہاں سے بیان کردیا، اس کا کوئی جوڑ اسلامی تعلیمات کے ساتھ نہیں ہے۔ بہر حال اکثر و بیشتر حضرات نے یہ بات کہی، حضرت قاضی صاحب کو اخیر میں دعوت دی گئی، انہوں نے بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ اس مسئلہ کو سمجھایا تو لوگ واقعی عش عش کر کے رہ گئے۔ انہوں نے کہا کہ کفاءت کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اسلام کی تعلیمات سے ٹکراتا ہو، کفاءت (میچنگ) کا نام ہے، اس کی حقیقت میچنگ ہے، مرد عورت کے

واسطے لباس ہے اور عورت مرد کے لئے لباس ہے، "هن لباس لكم وأنتم لباس لهن"۔ قرآن پاک نے میاں بیوی کے درمیان تعلق کی یہ تعبیر کی، انہوں نے کئی آیتیں پڑھیں اور کہا مسئلہ لباس کا ہے، اگر آپ لباس تیار کرتے ہیں، آپ کے پاس پینٹ کا کپڑا ہے، شرٹ کا کپڑا نہیں ہے تو میچنگ کے لئے آپ کتنی محنت کرتے ہیں، کوالیٹی دونوں کپڑوں کی برابر ہو، رنگ ملتا جلتا ہو، اس کے لئے آپ کتنی دکانوں کا چکر لگاتے ہیں، یہاں وہاں دوڑتے ہیں حالانکہ اس کپڑے کی حیثیت یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ دو مہینے، ایک مہینہ میں، دو روز، ایک روز میں آپ اتار دیں، استعمال نہ کریں، کسی اور کو دے دیں، یہ جو عارضی اور وقتی لباس ہے، اس میں آپ کو میچنگ کا اتنا خیال ہے اور اس میں کوئی دقت کی بات نہیں ہے، لیکن اگر شریعت نے یہ بات کہہ دی کہ رشتہ کے انتخاب میں میچنگ ہونی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میاں بیوی کے ماحول میں، ان دونوں کے مزاج میں زیادہ دوری ہو اور نباہ نہ ہو سکے، اور نکاح کا جو دائمی رشتہ ہونا چاہیے اس میں پائیداری متاثر نہ ہونے پائے، اگر شریعت کہتی ہے کہ شادی میں میچنگ کا لحاظ کیجیے، اس لئے کہ یہ رشتہ ایسا ہے کہ آخری تک اس کو باقی رہنا ہے تو اس میں کون سی بات نا قابل فہم اور قابل اعتراض ہے۔ ہاں ہم نے اس کو بہت بڑھا چڑھا لیا ہے، ہم نے بہت سی چیزیں رسم ورواج اور جہالت کی بنیاد پر شامل کر لی ہیں، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، کفاءت لڑکی اور اس کے اولیاء کا حق ہے، دونوں کے مصلحت اور فائدہ کے لئے اسے شریعت نے رکھا ہے۔ لڑکی اور اس کے اولیاء اگر غیر کفو میں نکاح کرنے پر آمادہ ہوں تو کر سکتے ہیں، اب صورت حال یہ ہوتی ہے کہ پورا خاندان کھڑا ہو جاتا ہے کہ ہماری ناک کٹ جائے گی ہم تو نہیں ہونے دیں گے، یہ جہالت کی بات ہوئی، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں، لڑکی کی مصلحت اور اس کے اولیاء کی مصلحت کے لئے شریعت نے ایک ہدایت دی ہے، اگر دوسرے مصالح کی بنیاد پر وہ اس کو نظر انداز کرتے ہیں تو ٹھیک ہے، کوئی حرج نہیں۔ اس کی بنیاد پر آپ اسلام پر طعن کریں یہ صحیح نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے کفاءت کے لئے میچنگ کی تعبیر اختیار کی اور اس کی تھوڑی

وضاحت کی تو جو لوگ اعتراض کے لئے کھڑے ہوئے تھے سب مطمئن ہو گئے اور سب نے اعتراف کیا کہ آج ہم نے اس کو سمجھا ہے کہ شریعت نے کس حکمت سے یہ بات رکھی۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دین کی ترجمانی ہر زمانہ کے حالات کے اعتبار سے علماء کی ذمہ داری ہوتی ہے، اس ترجمانی کے لئے ہمیں احکام شریعت کے مصالح اور اسرار سے واقف ہونے کی ضرورت ہے، اپنے زمانہ کے حالات، ماحول کو پڑھنا اور لوگوں کی سطح کیا ہے، کس انداز سے ان سے بات کرنا چاہیے، کن چیزوں کا مطالعہ ضروری ہے ان سب پر گہری نظر رکھنی چاہئے، ورنہ پھر یہ ہوتا ہے کہ عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سے قیمتی بات بلکہ منصوص بات ہم پیش کریں، لیکن پیش کرنے کا انداز ایسا نہ ہو کہ مخاطب کی ذہنیت اور نفسیات کے مطابق ہو، تو بسا اوقات وہ چیز قبول نہیں کی جاتی ہے۔ چاہے آدمی اس کو مسترد نہ کرے، لیکن بہر حال وہ مطمئن نہیں ہوا کرتا، اس لئے علماء کے لئے ہر زمانہ میں یہ ضروری ہے کہ شریعت کے مصالح و اسرار سے واقف ہوں اور موجودہ حالات، مزاج اور مخاطب کی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے اس کام کو انجام دیں اور اس کام کو انجام دینے کے لئے اسرار شریعت، اور پورے دین کے احکام کے مصالح سے واقفیت کی کوشش کرنی چاہیے، یہ بہت اہم اور ضروری کام ہے۔ اس کے لئے ماضی میں جو کوششیں ہمارے بزرگوں نے کی ہیں ان کو جمع اور مرتب کرنے کی کوشش کریں اور پھر اللہ نے ہمیں جو عقل دی اور فہم دیا ہے اس کا استعمال کر کے کچھ اور مصالح اور مزید حکمتیں جو ہمارے ذہن میں آئیں ان کو بھی قلمبند کریں، یہ بہت بنیادی کام ہے۔ ہمارے علماء ہی کے ذمہ ہے۔

اس سلسلہ میں مجھے ایک اور واقعہ یاد آرہا ہے چند سال پہلے کی بات ہے ہم لوگ پاکستان گئے تھے، مولانا خالد سیف اللہ صاحب بھی تھے اور مولانا فہیم اختر صاحب بھی تھے، ہندوستانی وفد کے اعزاز میں پنجاب یونیورسٹی میں ایک پروگرام ہوا۔ میں نے اسلام میں عورتوں کے حقوق کے موضوع پر خطاب کیا، اس کے بعد طلبہ و حاضرین کو سوال کرنے کا موقع تھا، وہاں ایک نوجوان نے سوال کیا، لڑکیاں بھی ہال کے ایک حصہ میں بیٹھی ہوئی تھیں، کہ لڑکا جب بالغ

ہو گیا تو لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد اس کو اپنے رشتہ کے بارے میں اختیار ہے، وہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہے، وہ ولی کا پابند نہیں ہے، جہاں اس نے رشتہ پسند کرلیا وہ کر سکتا ہے، لیکن لڑکی کو شریعت پابند کرتی ہے کہ اگر وہ کسی مناسب جگہ یعنی کفو میں رشتہ کر رہی ہے تو ٹھیک ہے، ویسے تو ولی کو اس کا نکاح کرنا چاہئے، لیکن اگر مان لیجئے دونوں میں اتفاق نہیں ہو پاتا ہے، اور لڑکی نے غیر کفو میں نکاح کرلیا تب تو ایک قول یہ ہے کہ نکاح ہوا ہی نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ نکاح ہو گیا لیکن ولی کو اعتراض کا حق ہے، وہ قاضی کے یہاں مقدمہ قائم کر سکتا ہے، یہ نابرابری کیوں ہے، کہ لڑکا بالغ ہو گیا تو اس کو شریعت نے پورا حق دیا، کفاءت کی شرط نہیں رکھی، اگر غیر کفو میں وہ نکاح کرتا ہے تب بھی اس کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے، اور لڑکی نے اگر یہی صورت حال اختیار کی، غیر کفو میں نکاح کرلیا، حالانکہ بالغ ہو چکی ہے تو شریعت کہتی ہے کہ نکاح نہیں ہوا ہے یا ولی کو اعتراض کا حق ہے۔ یہ فرق کیوں؟ یہ تو گویا مرد عورت ہونے کی بنیاد پر فرق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ زیادہ تر حاضرین نوجوان تھے، یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات تھے، اس وقت بروقت میرے ذہن میں ایک بات آئی، میں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ اسلام نے جو نفقہ کا اور اخراجات کو لازم کرنے کا نظام رکھا ہے، اس سے آپ اس کو ملا کر دیکھیں، کہ لڑکا جب بالغ ہو گیا، تو بالغ ہونے کے بعد اس کے اخراجات اور اس کا نفقہ باپ کے ذمہ اور ولی کے ذمہ لازم نہیں الا یہ کہ معذور ہو تو الگ بات ہے۔ عام حالات میں اس کی کی ہوئی شادی کامیاب ہوتی ہے یا ناکام اس کا کوئی بوجھ باپ اور ولی پر نہیں پڑتا ہے، لیکن لڑکی اگر نکاح کر رہی ہے۔ نکاح کی وجہ سے اخراجات ہوئے۔ اب خدانخواستہ یہ نکاح ناکام ہوتا ہے، تو پھر وہ لڑکی لوٹ کر باپ کے پاس آئے گی، باپ کو اس کا پورا خرچ اٹھانا پڑے گا، اس لئے شریعت نے اس بنیاد پر اس کے باپ کو یہ حق دے رکھا ہے کہ وہ بھی دیکھ لے کہ رشتہ مناسب ہے یا نہیں، چلنے والا ہے کہ نہیں۔ لڑکے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، اگر نکاح ناکام ہوتا ہے تو شرعی لحاظ سے کوئی بوجھ باپ پر نہیں پڑنے والا ہے۔ اور لڑکی کے مسئلہ میں نکاح ناکام ہوتا ہے تو یہ بار باپ کے اوپر یا بھائی کے اوپر آئے گا، جب نکاح کی ناکامی کا اثر ولی

پر پڑتا ہے تو ولی کو اتنا اختیار دیا گیا کہ اس کو دیکھ لے، کہیں نکاح بے جوڑ ہو اور اس کی وجہ سے چل نہ سکے۔ جہاں نکاح کے ناکام ہونے کی صورت میں ذمہ داری ولی پر نہیں آنے والی ہے وہاں شریعت نے ولی کو اختیار نہیں دیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اس طرح احکام شریعت کے مصالح واسرار، اللہ کی طرف سے اپنے بندوں پر، اپنے علماء پر جو دین کا کام کرنے والے ہیں کھولے جاتے ہیں، کوئی ضروری نہیں کہ کوئی بہت بڑا عالم ہو، بہت معروف ہو، بسا اوقات ایک طالب علم ہوتا ہے، لیکن اس کے اندر دین کا جذبہ ہے وہ دین کی ترجمانی کر رہا ہے تو بعض دفعہ ایسے نکتے اس کے ذہن میں آتے ہیں کہ دین قابل فہم بن سکے، تو دین کی ترجمانی کے اعتبار سے علم اسرار و حکم بڑا اہم علم ہے اور فقہ دراصل دین کی ترجمانی ہی کا نام ہے، تفقہ کا معنی آپ جانتے ہی ہیں، کہ فقہ اصل معنی کے اعتبار سے پورے دین کا صحیح فہم ہے، خواہ وہ عقائد ہوں، معاملات ہوں یا عبادات ہوں، یہ سب جب تک نہ ہو صحیح معنوں سے کوئی فقیہ نہیں ہوسکتا ہے، اس نقطہ نظر سے یہ بات ضروری ہے کہ آدمی مقاصد شریعت کے موضوع کو اہمیت دے اور اس سلسلہ میں جو کوششیں ہمارے اسلاف نے کی ہیں اور اس سلسلہ میں جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے ہوگا، ان سب کا وسیع اور گہرا مطالعہ کرے۔

علم اسرار و مصالح کی اہم کتابیں:

اسرار شریعت پر کئی کتابیں حکیم ترمذی کی ہیں، حکیم ترمذی بہت بڑے فقیہ کی حیثیت سے معروف نہیں ہیں، "نوادر الاصول فی احادیث الرسول" ان کی کتاب ہے جس میں ہر طرح کی حدیثیں ہیں، لیکن ان کے حالات میں جن کتابوں کا ذکر آتا ہے، اور بعض کتابیں ان میں سے چھپ بھی چکی ہیں وہ کتابیں اسی طرح کی ہیں جن کا تعلق اسرار شریعت سے ہے، اس معنی میں مقاصد شریعت جس کی وضاحت ہم آگے کریں گے اس میں وہ چیز نہیں آتی ہے، ان

کی کتاب "اسرار الصلاۃ ومقاصدھا" شائع ہو چکی ہے، اس کتاب کے نام سے واضح ہوتا ہے کہ اسرار شریعت پر یہ کتاب ہے، اسی طرح ان کی ایک کتاب "علل الشریعۃ" کو اسرار شریعت کے عمومی دائرے میں لا سکتے ہیں، اور میں نے کہا کہ اسرار شریعت کے موضوع کا مطالعہ کرنے کے لئے جہاں فقہاء کی کتابیں جو تفصیلی ہیں ان کو پڑھنا چاہئے اسی طرح تفسیریں جو ہمارے مفسرین نے لکھی ہیں خاص طور پر آیات احکام پر جنھوں نے تفصیلی کلام کیا ہے ان کو جمع کرنے اور پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے علاوہ جو سب سے اہم کتاب اسرار شریعت کے موضوع پر ہے جس کو ہم سب جانتے ہیں وہ سیدنا امام غزالیؒ کی "احیاء علوم الدین" ہے، جس میں پورے دین پر، دین کے سارے حصے خواہ وہ عبادات ہوں، عقائد ہوں، احکام ہوں یا اخلاق، ساری تعلیمات جو دین کی ہیں ان پر انھوں نے کلام کیا ہے اور ان کے رموز کو واضح کیا ہے، اور امام غزالیؒ کی شخصیت فقہ کے تعلق سے ہی نہیں بہت سارے موضوعات کے تعلق سے بہت ہی اہمیت کی حامل ہے، "احیاء علوم الدین" ہمارے علماء کے مطالعہ میں ہونی ہی چاہئے، اس کا مطالعہ برابر آدمی کو کرنا چاہئے اور اس کے علاوہ جو مستقل کتاب اسرار شریعت کے موضوع پر موجود ہے وہ ہمارے ہندوستان میں سب سے بڑے عالم بارہویں صدی ہجری کے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حجۃ اللہ البالغہ ہے، انھوں نے پوری شریعت کو عقائد سے لے کر آخر تک سارے ابواب کو، اس کے اسرار و رموز کو جس طرح سے واضح کیا ہے وہ کام اپنی جگہ پر غیر معمولی ہے۔ اور آج کل بلاد عربیہ میں اور ساری دنیا میں حجۃ اللہ البالغہ کا ذکر ہے، جو لوگ بھی اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ سب اس سے استفادہ کرتے ہیں، اور وہ احادیث کی بہترین شرح کی طرح ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ کتاب غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ اس آخری دور میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "المصالح العقلية للأحكام النقلية" بھی اسی انداز کی ہے، حالانکہ حضرت تھانویؒ اصلاً اس ذہن کے مخالف ہیں، انہوں نے آغاز کتاب میں لکھا ہے:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں جن کے بعد ان کے

امتثال اور قبول کرنے میں ان میں کسی مصلحت وحکمت کے معلوم ہونے کا انتظار کرنا بالیقین حضرت سبحانہ وتعالی کے ساتھ بغاوت ہے......غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں لیکن اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں کہ باوجود اس کے پھر بھی ان احکام میں بہت سے مصالح اور اسرار بھی ہیں اور مدار ثبوت احکام کا ان پر نہ ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن ان میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لئے ان کا معلوم ہو جانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لئے ایک درجہ میں معین ضرور ہے، گو اہل یقین راسخ کو اس کی ضرورت نہیں لیکن بعض ضعفاء کے لئے تسلی بخش وقوت بخش بھی ہے (اور اس وقت ایسی طبائع کی کثرت ہے)......اس مبحث میں ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ لکھ چکے ہیں'' (احکام اسلام عقل کی نظر میں ص ۱۳-۱۵)۔

بہر حال ایک تو ہوا اسرار شریعت کا موضوع جو پورے دین کے تعلق سے ہے، اس موضوع پر کتابیں انتہائی محدود ہیں اور اس موضوع پر جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں قفال شاشی کی ایک کتاب کا ذکر لوگ کرتے ہیں، انھوںؒ نے ''محاسن الشریعۃ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب ابھی دستیاب نہیں ہے، یا میرے علم میں نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کا مخطوطہ کہیں موجود ہو، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس میں گویا اسرار شریعت کے موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہو، اور میں سمجھتا ہوں کہ اب بھی ایک کام یہ بھی ہے کہ جو کتابوں کے تذکرے ہیں ''الفہرست'' ابن ندیم کی ہے، کشف الظنون ہے، ان کتابوں کو ہم پڑھیں، ان کتابوں کے اندر اب بھی بعض ایسی کتابوں کا ذکر ملے گا جو ان موضوعات پر لکھی گئی ہیں، میرا اپنا احساس ہے کہ جن لوگوں نے اس پر کام کیا ہے انہوں نے اس کا احاطہ نہیں کیا ہے، ان فہارس پر مکمل طور پر نظر نہیں ڈالی ہے۔ ہمارے ہندوستان کے تعلق سے حضرت مولانا عبدالحی حسنیؒ کی کتاب ہے: ''ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون'' اس کو پڑھنا چاہئے اس میں کون سی ایسی کتابوں کی نشاندہی مقاصد شریعت یا اسرار شریعت پر ملتی ہے، تو ان کتابوں کی جستجو اور تلاش بھی ہونی چاہئے، میں

نے ایک بار عرض کیا تھا کسی موقع پر کہ میرا اپنا احساس ہے کہ جب ہم فہارس کو پڑھتے ہیں جو فہارس مطبوعہ ہیں جیسے کشف الظنون، الفہرست وغیرہ تو اب بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کا جو علمی کام ہے اس کا دس فیصد حصہ مشکل سے وہ ہوگا جو موجود ہے اور ہمارے علم میں ہے، مخطوطہ کی شکل میں یا مطبوعہ کی شکل میں، ورنہ نوے فیصد حصہ علوم اسلامیہ کا ضائع ہو چکا ہے۔ اس کا ہمیں احساس نہیں، فوجی اور سیاسی انقلابات اور زمینی و آسمانی آفات نے ہمارا بہت بڑا ذخیرہ برباد کر دیا۔ اپنے علمی ذخیروں کی حفاظت کی طرف ہماری توجہ بھی بہت کم رہی، خود ہندوستان کی تقسیم کے بعد کتنے ذخیرے ضائع ہوئے اور اب بھی ضائع ہو رہے ہیں، علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
انھیں دیکھا جو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

لیکن میرا دل تو خوش ہوتا ہے کہ جو کتابیں وہاں پہنچ گئیں وہ محفوظ ہیں، اگر ہم اپنی چیز کی حفاظت نہ کر سکیں، اس کو ہم ضائع کر رہے ہوں تو اس سے بہتر ہے کہ کسی جگہ وہ چیز پہنچ جائے جہاں محفوظ ہو، اور اب بھی یہاں خود ہندوستان میں ایسے بہت سے شخصی کتب خانے مختلف علاقوں میں موجود ہیں جن میں نادر مخطوطات ہیں جو ضائع ہو رہے ہیں، ان خاندانوں میں اصحاب علم نہیں رہے تو ان کو احساس نہیں کہ ان کے پاس یہ کتنی بڑی دولت ہے، نہ ان کی حفاظت کر پاتے ہیں اور چونکہ یہ اس خاندان کی شان ہے اس لئے اس کو نہ فروخت کرنے پر آمادہ ہیں، نہ ہی کسی اچھی لائبریری میں محفوظ کر۔نے پر تیار ہیں۔

میں عرض کر رہا تھا کہ وہ کتابیں جو اس موضوع کی آپ کو ملیں، ان کا ذکر ملے اس کو جمع کیجئے اور جن مکتبات کی فہرستیں شائع ہو چکی ہیں، بہت سے بڑے بڑے مکتبات کی فہرستیں شائع ہوگئی ہیں، خدا بخش لائبریری پٹنہ، رامپور کی رضا لائبریری، حیدر آباد کی لائبریریاں اور بہت سی لائبریریاں ہیں ان میں جستجو کیجئے کہ کون مخطوطے ہیں اس موضوع پر، مقاصد شریعت پر، اسرار

شریعت پر یا کسی بھی ایسے موضوع پر، اور ان کتابوں کو زندہ کرنے کی کوشش کیجیے، ان پر تحقیق کا کام ہو، ہمارے نوجوان علماء یہ کام کریں، مدارس کے لوگ کریں، بڑی کمی ہے، ہمارے مدارس میں اس طرف توجہ نہیں ہو رہی ہے، میں عرض کر رہا تھا کہ اس موضوع کی بہت سی کتابیں جن کا ذکر ملے گا، ان کو جمع کیجیے اور ان فہرستوں میں اس کی جستجو کیجیے جو فہرستیں چھپ چکی ہیں، اور بہت سے مکتبات کی فہرستیں ابھی شائع نہیں ہوئی ہیں، وہاں کوششیں ہونی چاہئے کہ وہ فہرستیں شائع ہو جائیں تا کہ یہ معلوم ہو کہ ہمارے پاس کتنا علمی ذخیرہ موجود ہے، بہت سے ایسے ادارے قائم ہیں جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں، لندن میں ''الفرقان'' کے نام سے ایک ادارہ ہے، وہاں انھوں نے کوشش کی ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں جہاں ایسی لائبریریاں جن میں اسلامیات کے نادر مخطوطات ہیں، ان کا تعارف تیار کرائیں، ان کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں، اور انھوں نے اس سلسلہ میں کافی کوشش کی ہیں، اور کام کیا ہے، خدا کرے کہ ہمارے نوجوانوں میں مخطوطات کی تحقیق اور اس پر کام کرنے کا ذوق پیدا ہو، تو اسرار شریعت، اصول فقہ اور فقہ کے بہت سے ایسے مخطوطات ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے، خود ہمارے بڑے حنفی فقہاء میں سے امام جصاص رازی کی بہت سے کتابیں ہیں جو موجود ہیں۔ ''ادب القاضی'' کی شرح ہے کئی جلدوں میں ''الجامع الکبیر'' کی شرح ہے، اس کے نسخے میں نے قاہرہ میں دیکھے ہیں، دمشق میں دیکھے ہیں، اور بہت سے ایسے نسخے موجود ہیں، اور ان میں اتنی اہم کتابیں ہیں ہمارے ان بڑے اصحاب تحقیق علماء کی جن میں اسرار شریعت پر بھی اچھی خاصی بحثیں ضمناً ہو جاتی ہیں، ان کتابوں کی تحقیق پر توجہ ہونی چاہئے۔

بہر حال ایک حصہ تو اس موضوع کا وہ ہے جو اسرار شریعت سے متعلق ہے، اور اس موضوع پر جو کتابیں مستقلاً ہیں ان کا میں نے اشارہ کیا، لیکن اصل موضوع جو اس وقت ہمارے یہاں زیر بحث ہے، جس پس منظر میں ہم یہ ورکشاپ کر رہے ہیں، وہ ایک دوسرا موضوع ہے جو اس سے تھوڑا سا مختلف ہے اور اس سے ملا جلا بھی ہے، مقاصد شریعت سے کیا مراد ہے، پھر اس

میں مقاصد کی تقسیم: مقاصد عامہ، مقاصد خاصہ، مقاصد جزئیہ کی گئی ہے، ان سب چیزوں کو جاننے کے لئے جو تمہیدی باتیں ہیں، ڈاکٹر ریسونی نے اپنے مقالہ کے شروع حصہ میں ان پر گفتگو کی ہے اور ان کی تعریفات طاہر بن عاشور نے کی ہے، علامہ شاطبی جو اس فن کے گویا امام ہیں، انہوں نے تو کوئی تعریف نہیں کی ہے، اور کسی چیز کی تعریف کا رواج بھی پہلے اتنا نہیں تھا، انہوں نے اس کتاب کو پڑھنے کے لئے جو شرط رکھ دی ہے، وہ شرط پڑھ کر آدمی ہل جاتا ہے جو بالکل سیراب ہو، آسودہ ہو، اسرار شریعت سے، علم شریعت سے، کتاب وسنت سے، علم لغت سے وہی اس کتاب کو چھوئے۔ اس شرط کو پڑھ کر ڈر لگتا ہے، لیکن کتاب اتنی اہم ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے، تو ان چیزوں کا اعادہ کرنے کے بجائے جو آپ پڑھ چکے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر جو بنیادی کام ہوئے ہیں جس کا میں نے سرسری ذکر صبح میں کیا تھا، اس کا تفصیلی تذکرہ کردوں۔

مقاصد شریعت کا وہ حصہ جس کو ہمارے اصولیین استحسان، مصالح مرسلہ وغیرہ کے ذیل میں بیان کرتے ہیں اس پر جو کام ہوا ہے، اہل اصول میں سے جن حضرات نے اس پر کام کیا ہے ان میں سب سے پہلی شخصیت میرے نزدیک اپنے دستیاب مطالعہ میں امام الحرمین عبدالملک جوینیؒ کی ہے، جو امام غزالی کے استاذ ہیں، انہوں نے ''البرہان فی أصول الفقہ'' لکھی ہے جو اصول فقہ پر ان کی مشہور کتاب ہے، دو جلدوں میں ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب کی تحقیق کے ساتھ قطر سے شائع ہو چکی ہے، یہاں یہ بھی تذکرہ کردوں کہ بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو کسی شخصیت کو پکڑ لیتے ہیں اور پوری عمر اسی شخصیت کی تصنیفات وافکار کے احیاء میں گذار دیتے ہیں، یہ بڑا مبارک کام ہے، امام الحرمین کی کتابوں کو لوگ جانتے بھی نہیں تھے، لیکن ڈاکٹر عبدالعظیم جو بڑے محقق ہیں، انہوں نے امام الحرمین کو اپنا موضوع بنایا، ان کو جو کتابیں بھی ان کی مل سکیں، ان سب کی تحقیق وتخریج کر کے اشاعت کر رہے ہیں، کویت سے کئی کتابیں چھپی ہیں، ان میں ''البرہان فی أصول الفقہ'' بھی ہے۔ ''البرہان'' میں امام الحرمین نے کئی مقامات پر مقاصد

شریعت سے تعرض کیا ہے، انہوں نے جگہ جگہ مختلف احکام کے مصالح پر بھی بحث کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "من لم يتفطن لوقوع المقاصد في الأوامر والنواهي ليس على بصيرة في وضع الشريعة" کہ جو شخص شریعت کے اوامر ونواہی میں مقاصد پائے جانے کا شعور نہ کر سکا اور یہ جان نہیں سکا کہ ان احکام میں مقاصد ومصالح ہیں تو اس کو شریعت کے بارے میں بصیرت حاصل نہیں ہے اور اس کا علم گہرا نہیں ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے ثلاثی تقسیم: ضروریات، حاجیات، تحسینیات قائم کی ہے، تحسینیات کو انہوں نے مکرمات کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، یہ تقسیم سب سے پہلے ان ہی کے یہاں ملتی ہے یعنی امام الحرمین کے یہاں، اور ان کی تعبیر: "میں یہ تقسیم کر رہا ہوں" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی سے نقل نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے غور وفکر کے نتیجہ میں انہوں نے احکام شرع کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، ان میں سے کچھ کا تعلق ضروریات سے ہے، کچھ کا حاجیات اور کچھ کا تحسینیات سے۔ اس کے علاوہ امام غزالی والی تقسیم مقاصد خمسہ والی آتی ہے کہ شریعت کے پانچ مقاصد ہیں، یہ چیز اتنی وضاحت سے تو نہیں، لیکن الفاظ کے فرق کے ساتھ مختلف جگہوں پر ان مقاصد کی نشاندہی انہوں نے کی ہے، لیکن "البرهان في أصول الفقه" سے بڑھ کر میرے نزدیک ان کی دوسری کتاب جو "الغیاثی" کے نام سے معروف ہے مقاصد شریعت کے تعلق سے زیادہ اہم ہے، پورا نام "غياث الأمم في التياث الظلم" ہے، وہ حنفی عالم نہیں تھے، لیکن اس کتاب میں آپ دیکھئے کہ کیسے کیسے مسائل کو وہ فرض کرتے ہیں، اگر یہ صورت حال ہو جائے تو کیا ہوگا، شریعت کے احکام کی تطبیق کیسے ہوگی، اس کتاب کا نام بھی بتا رہا ہے: غياث الأمم في التياث الظلم یعنی جب تاریکیاں چھا جائیں، لوگ تاریکیوں میں ملوث ہو جائیں، مختلف حالات کے اعتبار سے، اس صورت میں کیسے فریاد رسی ہوگی؟ شریعت کس طرح اس میں رہنمائی کرتی ہے؟ کس طرح وہ شریعت پر عمل کریں گے؟ انہوں نے بہت سی بحثیں اس میں کی ہیں، اور تطبیقی بحثیں کی ہیں، محض نظریاتی نہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک بات لکھی: اگر پوری دنیا یا کسی خاص خطۂ زمین پر حرام عام ہو گیا، حلال کمائی کے

راستے بند ہیں، اس کے وسائل موجود نہیں ہیں، حرام ہی کمائی کے ذرائع ہیں، حلال کمائی کے ذرائع نہیں ہیں یا بہت نادر ہیں جو سب کو میسر نہیں ہو سکتے، تو اس صورت میں کیا شکل اختیار کی جائے گی؟ کیا ایسے حالات میں بھی حرام سے استفادہ، اس سے کھانا پینا، ضروریات کو پورا کرنا اس کے لئے وہی شرط ہے جو اضطرار کی صورت میں ہوا کرتی ہے کہ جب کوئی جاں بلب ہو جائے، جان کو خطرہ ہو، کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، تو اسے استعمال کرے گا؟ اس میں گویا مسئلہ ایک فرد کا نہیں ہے، بلکہ پورے سماج کا ہو، تو اس صورت میں حرام آمدنی سے آدمی کس حد تک استفادہ کرے گا اور کیا اس کی حدود ہیں؟ اس کی انہوں نے بہت تفصیل کی ہے، اور یہ بات بار بار لکھی ہے کہ یہ بات ذہن سے نکال دینی چاہیے، کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بات کہتا ہوں، وہ فرماتے ہیں: انفرادی معاملہ میں، ایک فرد کے معاملہ میں جو شرط کسی حرام چیز کے استعمال کی گنجائش کے لئے ہے اجتماعی صورت حال جب پیدا ہو، پورا سماج جب مبتلا ہو اس کے لئے بھی ویسی شرط رکھیں یہ شریعت کے مقاصد سے ہم آہنگ چیز نہیں ہے۔ بلکہ حاجت عامہ جو پورے سماج کے تعلق سے ہو اسی طرح حرام کے استعمال کی گنجائش پیدا کر دیتا ہے جس طرح فرد کے حق میں اضطرار سے حرام کے استعمال کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اور بھی بہت سی بحثیں کی ہیں، اس کی مثالیں بھی دی ہیں، کھانے میں کہاں تک گنجائش لوگوں کے لئے ہے، شادی میں، لباس میں، مکان میں، مکان کی ضرورت کس حد تک ہے؟ اس کے لئے کیا وسائل ہو سکتے ہیں؟ ان تمام پر پوری بحثیں انہوں نے کی ہیں، لیکن ذرا کتاب گٹھی ہوئی ہے، امام غزالی کا اسلوب نہیں ہے، امام غزالی نے تو ان چیزوں کو بہت آسان کر دیا ہے، امام الحرمین کے یہاں تھوڑا گٹھا ہوا فنی قسم کا اسلوب ہے، تو اس کو اس انداز سے پڑھنا ہوگا جیسے درسیات کو پڑھتے ہیں، جس طرح درسیات کا مطالعہ ٹھہر ٹھہر کر کیا جاتا ہے، غور کر کے، اسی انداز سے اس کتاب کو پڑھنا ہوگا، اس کتاب کا مطالعہ خاص طریقہ سے مقاصد شریعت اور مدارج احکام کو پہچاننے کے لئے بہت ضروری ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہم ان کی ہر رائے سے اتفاق کریں، لیکن جو انہوں نے روشنی

دی ہے، جو اصولی گفتگو کی ہے، اس گفتگو سے واقف ہونا اور اس سے روشنی حاصل کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔

اس کے بعد امام غزالیؒ کا نام آتا ہے جو اس موضوع کے تعلق سے بہت معروف ہیں، ان کی کتابیں جو اصول فقہ پر معروف ہیں: المنخول ہے جو شائع ہو چکی ہے، اور ''المستصفی'' زیادہ مروج و معروف ہے، یہ زیادہ پختہ کتاب ہے، ''المنخول'' پہلے لکھی گئی ہے اور ''المستصفی'' آخری دور کی تصنیف ہے، اور ایک کتاب ان کی ''شفاء الغلیل'' کے نام سے ہے، یہ قیاس کے موضوع پر ہے، قیاس کی کیا بنیادیں ہیں؟ اوصاف مناسب، غیر مناسب، ملائم، غیر ملائم کیا ہیں؟ ان سب مسائل پر انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے، مباحث قیاس پر یہ ضخیم اور فنی کتاب ہے، اور شائع بھی ہو چکی ہے، تو ان کتابوں کے اندر قیاس کی بحث کے تحت انہوں نے جہاں پر استصلاح کی گفتگو کی ہے، وہاں مصالح مرسلہ پر بھی اچھی گفتگو کی ہے۔ امام غزالی نے اس میں خاص طریقہ سے شریعت کے مقاصد خمسہ کی تعیین کی ہے، پہلی بار انہوں نے یہ بات وضاحت سے لکھی: ''مقصود الشرع من الخلق خمسة وهو أن يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم'' (خلق سے شریعت کے پانچ مقاصد ہیں: وہ یہ کہ ان کے دین، ان کی جان، ان کی عقل، ان کی نسل اور ان کے مال کی حفاظت کی جائے) انہوں نے مثالیں دے کر کے وضاحت کی ہے کہ فلاں حکم کا تعلق حفظ نسل سے ہے اور فلاں حکم کا تعلق حفظ مال سے ہے، ان مقاصد خمسہ میں بھی ترتیب آئے گی کہ حفظ دین سے متعلق کچھ احکام وہ ہیں جن کا تعلق ضروریات سے ہے، کچھ کا تعلق حاجیات سے ہے اور کچھ کا تعلق تحسینیات سے ہے، پھر جب تعارض پیدا ہوگا تو تعارض کی شکل میں کس طرح ترتیب ہوگی کیا ترجیح ہوگی؟ ان چیزوں پر انہوں نے تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ موضوع سے دلچسپی رکھنے والے ہمارے نوجوان فضلاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان بحثوں کو پڑھیں۔ حضرت مولانا سجاد صاحبؒ جنہوں نے اپنی زمانہ شناسی اور نظر دوررس سے بہت سے کام ہندوستان میں انجام

دیئے، جن کی افادیت آج ہم سمجھتے ہیں، اور محسوس کر رہے ہیں، انہوں نے خاص طریقہ سے علماء سے یہ بات کہی ہے۔ بلکہ بار بار یہ بات کہا کرتے تھے کہ علماء کو المستصفی کی مصالح کی بحث کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ میں اسی میں دائر نہیں کرتا، بلکہ اور بھی دوسری کتابوں میں بحثیں منقح ہو کر آگئی ہیں، اس وقت کتابیں بہت ساری آگئی ہیں، ان کتابوں کو ہمیں خاص طریقہ سے پڑھنا چاہیے اور مقاصد شریعت کی بحث کو جگہ جگہ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں اٹھایا ہے اور فکر انگیز بحثیں کی ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے اہل اصول نے بھی ضمناً مقاصد شریعت پر کلام کیا ہے ہمیں ان سب بحثوں کو پڑھنا اور ہضم کرنا چاہیئے۔

امام غزالی کے بعد جن اہل اصول کا لوگ ذکر کرتے ہیں ان میں امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) بھی ہیں، امام رازی کے یہاں بھی "المحصول" میں اس پر گفتگو آتی ہے، مقاصد شریعت پر ضمنی گفتگو ہے، بہت تفصیلی گفتگو نہیں ہے۔

جو شخصیت ان کے بعد سب سے اہم ابھری ہے وہ شیخ عز الدین بن عبد السلام کی ہے، جن کی وفات ۶۶۰ھ میں ہوئی، اور میں یہ عرض کروں گا کہ شاطبی کو پڑھنے سے پہلے شیخ عز الدین بن عبد السلام کو پڑھنا بہت ضروری ہے، ایک تو اس لئے کہ شیخ عز الدین نے بڑا آسان اسلوب اختیار کیا ہے، ان کے یہاں تفلسف نہیں ہے، بہت ہی آسان پیرائے میں مقاصد شریعت کے مباحث کو پیش کیا ہے، تو اس کو پڑھنے کے بعد آپ شاطبی کی بحثیں پڑھیں گے تو زیادہ قابل فہم ہوں گی، دوسری وجہ یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ شاطبی کے پیش نظر شیخ عز الدین کی کتاب ضرور تھی، شیخ عز الدین نے جو کام کیا ہے، علامہ شاطبی کی پوری اہمیت کے باوجود شیخ عز الدین کے کام سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ "**قواعد الأحكام في مصالح الأنام**" شیخ عز الدین کی مشہور کتاب ہے یہ کتاب متداول ہے، لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں، اس میں انہوں نے جو باتیں کہی ہیں، ان میں ایک بات انہوں نے یہ کہی کہ شریعت کے سارے احکام بندوں کے جلب منفعت کے لئے ہیں یا دفع مضرت کے لئے۔ انہوں نے یہ بات بھی کہی کہ اس دنیا میں مفسدہ خالصہ، مصلحت

خالصہ یعنی خالص مصلحت اور خالص مفسدہ بہت نادر چیز ہے، بہت کم چیزیں آپ کو ملیں گی جن کو آپ خالص مصلحت کہہ سکیں یا خالص مفسدہ کہہ سکیں، مصلحت کے اندر مفسدہ ہوا کرتا ہے اور مفسدہ کے اندر مصلحت ہوا کرتی ہے۔ قرآن پاک نے شراب اور جوا کے بارے میں فرمایا: "یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس واثمهما اکبر من نفعهما" (لوگ آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے: ان دونوں میں بڑا گناہ اور لوگوں کے لئے کچھ منافع ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے نفع سے زیادہ بڑا ہے) گویا نفع کا پہلو ان دونوں محرمات کے اندر بھی ہے، تو جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا، محرمات میں شمار کیا، ایسا نہیں کہ ان میں نفع کا پہلو نہیں ہے یا جن چیزوں کا شریعت نے حکم دیا، اس میں کوئی پہلو ضرر کا نہیں ہے، ایسی بات نہیں ہے، گویا انہوں نے کہا آخرت میں ہی مصلحت خالصہ ہوگی اور مفسدہ خالصہ ہوگا، دنیا میں تو شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے، مصلحہ کے ساتھ مفسدہ اور مفسدہ کے ساتھ مصلحہ کی آمیزش ہوتی ہے، شریعت نے اصول یہ مقرر کیا کہ جس میں مفسدہ کا پہلو غالب ہوگا شریعت اسے منع کردے گی، اور جہاں مصلحہ غالب ہوگی شریعت اس کا حکم دے گی اور اس کی اجازت دے گی، تو یہ بحث انہوں نے بہت تفصیلی کی ہے، اس کی مثالیں دی ہیں، اور ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے: "معظم مقاصد القرآن الأمر باكتساب المصالح وأسبابها والزجر عن اكتساب المفاسد وأسبابها" (قرآن کے بیشتر مقاصد مصالح اور ان کے اسباب کے حصول کے حکم اور مفاسد اور ان کے اسباب کے ارتکاب سے اجتناب پر مشتمل ہیں) پھر لکھتے ہیں: "و الشريعة كلها مصالح إما تدرء مفاسد أو تجلب مصالح فإذا سمعت الله يقول: "يايها الذين آمنوا فتامل وصيته بعد نداءه فلا تجد إلا خيرا يحثك عليه أو شرا يزجرک عنه أو جمعا بين الحث والزجر، وقد أبان في كتابه ما في بعض الأحكام من المفاسد حثا على اجتناب المفاسد وما في بعض الأحكام من المصالح حثا عن إتيان

المصالح'' (شریعت پوری کی پوری مصالح پر مبنی ہے۔ اس کا مقصد یا تو مفاسد کا ازالہ ہے یا مصالح کا حصول۔ جب تم اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اے ایمان والو! سنو تو تم اس کے خطاب کے بعد کی اس کی ہدایت پر غور کرو، تم دیکھو گے کہ وہ تمہیں کسی نہ کسی خیر ہی پر ابھار رہا ہے یا کسی نہ کسی شر سے روک رہا ہے یا اس کی ہدایت ابھارنے اور روکنے دونوں پر مشتمل ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں مفاسد سے اجتناب پر آمادہ کرتے ہوئے بعض ایسے احکام کی وضاحت کر دی ہے جن میں مفاسد ہیں اور مصالح پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے بعض ان احکام کی بھی وضاحت کر دی ہے جو مصالح پر مبنی ہیں) (قواعد الاحکام ۱/۱۱)۔ یہ کتاب بہت ضخیم نہیں ہے، پوری کتاب پڑھنے کی ہے، غور سے اس کو آپ پڑھیں، اسلوب بھی ایسا ہے کہ انشاء اللہ آپ آسانی کے ساتھ پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں، لیکن ان کی ایک اور کتاب ہے جس کا ابھی رواج نہیں ہے اور وہ ابھی علمی حلقوں میں زیادہ پہنچی بھی نہیں ہے، مکتبات میں بھی عموماً نہیں ہے، شیخ ریسونی نے اپنے اس مقالہ میں جو کتاب کی شکل میں آپ تک پہنچی ہوگی، اس کا ذکر کیا ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی ایک کتاب ''شجرۃ المعارف والاحوال'' ہے معلوم نہیں کہ یہ کتاب کہیں موجود بھی ہے یا نہیں، شاید اس وقت وہ کتاب شائع نہیں ہوئی تھی، لیکن وہ کتاب شائع ہو چکی ہے اور میں شام کے سفر میں اس کو ساتھ لایا تھا، یہ ضخیم کتاب ہے،'' شجرة المعارف والأحوال وصالح الأقوال والأعمال''، پانچ سو صفحات سے زائد ہیں، یہ سمجھئے کہ مقاصد شریعت اور اسرار شریعت پر تطبیق کتاب ہے، انہوں نے گویا شریعت کے مقاصد کو احکام پر منطبق کیا ہے اور اس کی مثالیں دی ہیں، اور اس میں ایک خاص آخری حصہ مصالح کے بارے میں ہے، جس کی عبارت بہت سلیس ہے، لکھتے ہیں: اعلم أن الله سبحانه لم يشرع حكما من أحكامه إلا لمصلحة آجلة أو عاجلة تفضلا منه على عباده إذ لاحق لأحد منهم عليه ولو شرع الأحكام كلها خالية عن المصالح لكان قسطا منه و عدلا كما كان شرعها للمصالح إحسانا منه و فضلا وقد وصف نفسه بأنه لطيف بعباده وأنه بالناس

لرؤف رحيم وتمنن عليهم باللطف والحكمة كما تمنن عليهم بالرافة والرحمة وأخبر أنه يريد بهم اليسر ولا يريد بهم العسر وأنه بر رحيم، تواب حكيم وليس من آثار اللطف والرحمة واليسر والحكمة أن يكلف عباده لمشاق بغير فائدة عاجلة ولا آجلة لكنه دعاهم إلى كل ما يقربهم اليه من لحسنات درجات "(ص۴۵۱،۴۵۲)(جان لوکہ اللہ سبحانہ نے اپنے ہر حکم کو کسی نہ کسی دنیوی یا خروی فائدہ ہی کے لئے مشروع کیا ہے۔ یہ اس کی طرف سے اپنے بندوں پر بطور احسان ہے، کیونکہ بندوں میں سے کسی کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ اگر وہ مصالح سے خالی ہونے کی حالت میں بھی احکام کو مشروع قرار دیتا تو اس کی طرف سے عین عدل وانصاف ہوتا بالکل اسی طرح جس طرح کہ اس کی طرف سے مصالح کے لئے احکام کی مشروعیت اس کا فضل و احسان ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے بندوں پر مہربان اور لوگوں کے ساتھ نرمی اور رحم کا معاملہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی مہربانی و حکمت کو اسی طرح بطور احسان ذکر کیا ہے جس طرح اس نے بندوں پر اپنی رحمت و عاطفت کو اپنا احسان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالی نے لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ وہ ان کے ساتھ آسانی چاہتا ہے، مشکل نہیں چاہتا، وہ ان پر مہربان اور رحم دل ہے، ان کی توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔ یہ کوئی مہربانی، رحمت، آسانی اور حکمت کا تقاضا نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو بغیر کسی دنیوی اور اخروی فائدہ کے پر مشقت امور کا مکلّف بنائے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالی نے انہیں ان نیکیوں اور مراتب کا حکم دیا ہے جن کے ذریعہ وہ اللہ سے قریب ہوئے ہیں) اور بہت تفصیلی عبارت ان کی ہے، ایک بات جسے خاص طریقہ سے انہوں نے "قواعد الأحکام" میں بھی بیان کی ہے اور "شجرۃ المعارف" میں بھی، اس میں انہوں نے اصولی بات کہی ہے، حضرت عمرؓ کا قول ہے: "لا يكون الرجل فقيها حتى يعرف أهون الشرين" کہ آدمی فقیہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس کو اہون الشرین (دو برائیوں میں سے ہلکی برائی) کی معرفت نہ ہو۔ خیر، طاعت، عبادت ہر آدمی جانتا

ہے۔ یہ نماز ہے، یہ روزہ ہے، یہ اچھی چیز ہے۔ اصل آزمائش فقیہ کی کب ہوتی ہے جب اس طرح کی صورت حال پیش آتی ہے کہ دو شر ہیں، ان دو شر کو دفع کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے کسی ایک میں ہم کو مبتلا ہونا پڑے گا، تو ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ان میں سے جو اہون ہو اس کو اختیار کیا جائے، جس میں شر زیادہ ہو اس سے گریز کیا جائے، انہوں نے بہت ہی تفصیل سے بحث کی ہے اور ایک مثال دی ہے کہ مان لیجئے اگر کسی ملک میں یہ صورت حال بنے کہ دو شخص حکومت کے دعویدار ہیں جن کا اقتدار میں آنے کا موقع ہے، کسی تیسرے آدمی کا کوئی موقع نہیں۔ اور ان دونوں میں سے کوئی عادل نہیں ہے، کوئی اصلاح پسند نہیں ہے، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ ان میں سے ایک کا تعلق آدمی کے قتل کرنے، عزت لوٹنے وغیرہ سے ہے اور دوسرا مال چھین لیتا ہے، غصب کر لیتا ہے، ناجائز طریقہ سے مال لے لیتا ہے۔ دو ہی آدمی ہیں ایسی صورت میں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ کیا ہم کنارہ کش ہو جائیں؟ وہ صاف صاف لکھتے ہیں کہ اگر ہم کنارہ کش ہو گئے، ہم نے یہ کوشش نہیں کی کہ جس ظالم کا ظلم مال تک محدود ہے وہی آ جائے۔ دوسرا وہ ظالم نہ آئے جس کا ظلم عزت اور جان تک جاتا ہو، اگر اس کے لئے ہم نے کوشش نہیں کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص آ گیا جو جان لیتا ہے اور آبرو سے کھیلتا ہے، تو ہم گناہ گار ہوں گے۔ ہم نے بڑے مفسدہ کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی انہوں نے اور بھی مثالیں دی ہیں۔ اس طرح کے حالات اس وقت پوری دنیا کے ہیں۔ خود اپنے ملک میں ان حالات میں ہم سب گرفتار ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ بہت سے ایسے مسائل آتے ہیں جہاں اس طرح کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ اس میں ہمارا رویہ کیا ہو؟ امت کو ہم کیا رہنمائی دیں؟ ان چیزوں کو جاننے کے لئے ان حضرات کی تحریروں کو پڑھنا، مقاصد شریعت کو پڑھنا اور مدارج احکام کو پڑھنا بہت ضروری ہے۔ یہ کتاب جو میں نے آپ کو دکھائی اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں انہوں نے مصالح شریعت کا نظریہ، ان کے درجات اور احکام پر بڑی فکر انگیز بحث ہے۔ اور مسائل پر ان کی تطبیق ہے، تو اس کو حاصل کرنا اور پڑھنا ہمارے لئے مفید ہوگا۔

اس سلسلہ میں ان کی ایک کتاب اور بھی ہے جو قواعد الأحکام کا اختصار ہے، وہ بھی شائع ہو چکی ہے، اس سے بھی آپ استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد ہم آگے بڑھتے ہیں تو امام ابن تیمیہ اور ابن القیم انہوں نے اس موضوع پر باضابطہ کوئی کتاب تو نہیں لکھی ہے، لیکن ان کی کتابوں کے اندر ایسی بہت سی بحثیں ملتی ہیں جن کا شریعت کے عام مقاصد اور احکام کے خاص مقاصد سے گہرا تعلق ہے، اور ان چیزوں کو پڑھنا انشاء اللہ ہمارے لئے بہت مفید ہوگا، امام ابن تیمیہ "مجموعة الفتاوی" میں لکھتے ہیں: "إن الشريعة جاءت بتحصيل المصالح وتكميلها وتعطيل المفاسد وتقليلها فإنها ترجح خير الخيرين، وشر الشرين وتحصل أعظم المصلحتين بتثبيت أدناه وتدفع أعظم المفسدتين باحتمال أدناه"۔ یعنی شریعت مصالح کی تحصیل اور اس کی تکمیل کے لئے آئی ہے اور مفاسد کو ختم کرنے یا اس کو کم کرنے کے لئے آئی ہے، چنانچہ اگر دو خیر ہیں اور دو خیر میں سے ایک ہی ہم کو مل سکتا ہے تو جو بہتر خیر ہوگا اسی کو ہم ترجیح دیں، اس تعلق سے شریعت حکم دیتی ہے۔ اور جہاں دو شر ہیں ایک ہی شر سے ہم بچ سکتے ہیں تو بڑے شر سے ہم بچنے کی کوشش کریں، اسی طرح انہوں نے اپنے فتاوی کے اندر مقاصد شریعت پر کچھ گفتگو کی ہے اور مقاصد شریعت کو انہی پانچ چیزوں پر منحصر کرنے پر بھی نقد کیا ہے۔ ان کے فتاوی کو پڑھنا چاہئے۔ اسی طرح حافظ ابن القیم کی "اعلام الموقعین" کو پڑھنا چاہئے۔ ان میں انہوں نے بہت آگے بڑھ کر بھی کچھ مسئلہ بیان کیا ہے، وہ مسئلہ ہے کہ جو احکام غیر مدرک بالقیاس ہیں، انکی جو تعلیلیں انہوں نے کی ہیں قیاس کے مطابق ثابت کرنے کے لئے، بعض جگہ ان میں بہت تکلفات پائے جاتے ہیں، لیکن بہر حال مجموعی طریقہ سے انہوں نے جو بحثیں کی ہیں، خاص طور سے معاملات وغیرہ پر انہیں ہمیں پڑھنا چاہیے اور اس میں بہت سے ایسے پہلو ہیں جن کو ہمیں نوٹ کرنا چاہئے۔

ان دونوں کے بعد بھی اصول فقہ کی کتابوں میں ضمنی گفتگو مقاصد شریعت پر ملتی ہے۔

لیکن سب سے بڑا کام جو مقاصد شریعت پر ہوا ہے وہ علامہ شاطبیؒ کا ہے۔ علامہ شاطبیؒ کی "الموافقات" اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس موضوع پر سب سے بڑی اور اہم ترین کتاب ہے، لیکن تھوڑی سی مشکل یہی ہے کہ مسائل کو پیش کرنے کا ان کا جو اسلوب ہے کہیں کہیں بہت دشوار ہوجاتا ہے، وہ کیا کہنا چاہتے ہیں بسا اوقات اس کا نکالنا مشکل ہوجاتا ہے، الحمدللہ اس دور میں لوگ اس کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، مثلاً ڈاکٹر ریسونی کی کتاب "نظرية المقاصد عند الامام الشاطبی" جو آپ کے پاس بھیجی گئی ہے، اسماعیل حسنی کی کتاب ہے "قواعد المقاصد عند الإمام الشاطبی"۔ اس طرح کی کئی کتابیں آچکی ہیں جن میں انہوں نے امام شاطبی کو پڑھنے کی کوشش کی ہے، امام شاطبی کیا کہنا چاہتے ہیں، شاطبی بسا اوقات بہت بڑے دعوے کر جاتے ہیں، لیکن دلیل ان کی بروقت نہیں دیتے۔ انہوں نے فرمایا "إن أصول الفقه قطعية" (بیشک اصول فقہ قطعی ہیں)، کیا مطلب ہے اصول فقہ کا، کس کو قطعی کہہ رہے ہیں، اس کی توجیہات کا موقع نہیں ہے۔

امام شاطبیؒ نے ایک خاص بات یہ لکھی ہے: شریعت کے نصوص کے تتبع کرنے سے بعض کلی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، جو شریعت کا مقصد معلوم ہوتا ہے، تو اگرچہ اس کے بارے میں کوئی خاص نص نہیں ہے، لیکن جو ہم نے دس، بیس، پچیس آیتوں اور حدیثوں کا مطالعہ کیا اور غور کیا، ان سب کے مطالعہ سے یہ بات نکلتی ہے، یہ استقراء ہے استقراء بھی استیعابی ہونا چاہیے۔ اس کی بنیاد پر اصل قاعدہ اور کلی بات معلوم ہوتی ہے اس کو وہ قطعی کہتے ہیں، یہ حدیث ہے، یہ خبر واحد ہے، اس میں کوئی بات کہی گئی ہے، اس میں بہت سے امکانات ہیں، روایت کی صحت کے بارے میں، راوی کے فہم کے بارے میں، بات کیا کہی گئی، کیا سمجھی گئی اور کیا نقل ہوئی۔ لیکن شریعت کے بے شمار نصوص سے، اس کے مطالعہ اور غور کرنے سے جو اصل معلوم ہوتی ہے، اس اصل میں قطعیت ہے۔ اس میں اطمینان زیادہ ہوتا ہے۔ یہی بات ابن عبدالبرؒ نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں الاستذکار میں لکھی ہے کہ امام صاحب کے یہاں کچھ ایسے اصول تھے.

کتاب وسنت کے استقراء سے انہوں نے اصول نکالے تھے چنانچہ بسا اوقات کسی روایت کے ٹکرانے کی صورت میں وہ حدیث کی تاویل کرتے تھے، اس لئے کہ ان کے نزدیک وہ اصول جو بے شمار نصوص کے استقراء سے ماخوذ ہوئے ہیں، ان میں خبر واحد کے مقابلہ میں زیادہ قوت ہے، کیونکہ خبر واحد میں ظنی امکانات بہت زیادہ ہیں۔ بہر حال یہ پہلو اصول فقہ حنفی میں خاص طریقہ سے ہے، اصولیین نے اس پر کلام بھی کیا ہے، اس کا مطالعہ کریں اور اس کو دیکھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاطبی کی جو رائے ہے استقراء کے تعلق سے اس کو ہم آگے بڑھ کر فقہ حنفی کے مراجع میں دیکھیں، اس نقطۂ نظر سے کہ امام صاحب کے یہاں بھی اس طرح کے اصول تھے، وہ اصول کیا تھے؟ اور فقہ حنفی میں کن اصولوں کا استعمال کیا گیا ہے؟ اسی طرح قواعد فقہیہ میں کچھ قواعد ایسے ہیں جو منصوص ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو گویا استقراء کی بنیاد پر وضع کئے گئے ہیں، ان کی بھی اہمیت غیر معمولی ہے۔ پھر قواعد فقہیہ کا اجتہاد میں اور استنباط میں کیا رول ہے، کیا ان کی بنیاد پر کسی مسئلہ کا استنباط ہو سکتا ہے؟ یہ خود بھی ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، جس پر ہمارے فقہاء گفتگو کرتے ہیں۔ بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ شیخ عز الدین بن عبد السلام کے بعد مقاصد شریعت پر امام شاطبی کا کام سب سے وقیع ہے۔ اور اس میں تھوڑی ریاضت زیادہ ہے۔ یعنی جب تک آپ الموافقات کو کئی بار نہیں پڑھیں گے تب تک پوری طرح سمجھ نہیں پائیں گے۔ جبکہ شیخ عز الدین کی بات سمجھنا آسان ہے، لیکن محض اس بنیاد پر کہ شاطبی کے یہاں کچھ تفلسف اور تعقید پائی جاتی ہے ہم ان کی بحث کو نہ پڑھیں یہ علماء کا شیوا کبھی نہیں رہا ہے اور نہ ہونا چاہیے۔ اور انشاء اللہ اکیڈمی نے جو ذوق نوجوانوں میں پیدا کرنا چاہا ہے اس کا بھی تقاضا ہے کہ ہم گہرائی میں جانے کے عادی بنیں، محنت کرنے کے عادی ہو جائیں، سطحیت اور صحافیت سے بلند ہو کر علمی موضوعات کے لئے جو ریاضت درکار ہوتی ہے اس ریاضت کے ہم عادی بنیں تو انشاء اللہ بہت سے علمی کام جس کے آپ منتظر ہیں وہ پورے ہو سکتے ہیں۔

علامہ شاطبی کے بعد اصول فقہ کی کتابوں میں ضمنی طور پر تو بحثیں مقاصد شریعت پر ملتی

ہیں، لیکن با قاعدہ کوئی بحث ہمارے اصولیین کے یہاں نہیں ملتی ہے۔کوئی نیا کام، کوئی نیا اضافہ نہیں ملتا ہے اور طویل سناٹا نظر آتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا کام مقاصد شریعت پر حجۃ اللہ البالغہ میں ضرور ہے لیکن میں نے کہا ہے کہ اس کی نوعیت دوسری ہے، وہ دوسرے انداز سے بہت ہی غیر معمولی کام ہے، دور عقلیت آنے والا تھا، اس کے لئے شاہ صاحب نے بند باندھا، گویا پورے دین کو عقل کے پیرائے میں اور استدلال کے پیرائے میں پیش کر دیا تاکہ جب دور عقلیت آئے تو ہمارے علماء کو دین کی ترجمانی میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

ادھر انیسویں بیسویں صدی میں اس موضوع کو خاصی اہمیت حاصل ہوئی، اور علامہ طاہر بن عاشور جو تونس کے ایک بڑے عالم تھے، انہوں نے کتاب لکھی ''مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ''، یہ کتاب بہت ہی عظیم اور ضخیم ہے، انہوں نے علامہ شاطبی ہی کی طرح مقاصد شریعت کو موضوع بنایا ہے، گویا علامہ شاطبی کے کام کو آگے بڑھایا ہے اور اسی پر اکتفاء نہیں کیا ہے، انہوں نے گویا ایک طرح سے نئی تقسیم کی ہے کہ ایک مقاصد عامہ ہے، جو شریعت کے مقاصد عامہ ہیں، وہ مصالح اور معانی ہیں جو شریعت کے سارے ابواب میں یا شریعت کے اکثر ابواب میں شارع کو ملحوظ ہیں، اور ایک ہے مقاصد خاصہ جو کسی خاص باب میں شریعت کے مقاصد ہیں مثلاً باب بیع میں، باب رہن میں، باب نکاح میں کیا شریعت کے مقاصد ہیں؟ اس پر انہوں نے الگ عنوان باندھا ہے مقاصد خاصہ کا، اور تفصیلی گفتگو کی ہے۔اور پھر مقاصد جزئیہ تیسری قسم انہوں نے قائم کی ہے، جو مختلف احکام شریعت ہیں، ہر ایک حکم کی مصلحت اور اس کے مقصد پر فقہاء نے گفتگو کی ہے۔اسی کے ساتھ انہیں کے معاصر شیخ علال الفاسی بھی تونس ہی کے تھے اور غیر معمولی صاحب فکر اور صاحب علم تھے، انہوں نے بھی "مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ ومکارمھا" کے نام سے کتاب لکھی، وہ کتاب بھی بہت فکر انگیز ہے، اس موضوع میں انہوں نے غور وفکر کے لئے نئے گوشے شامل کیے ہیں، تو وہ کتاب بھی ہمارے یہاں ہونی چاہئے، ہمارے

مدارس میں، ہمارے طلبا کے پاس، تاکہ وہ مطالعہ کریں، یہاں میں عرض کردوں کہ مقاصد شریعت کا موضوع بہت گہرے طور پر دو اصولوں سے مربوط ہے جو فقہاء کے یہاں مشہور ہیں، یعنی ایک تو استصلاح کی اصل جو مالکیہ کے یہاں مصالح مرسلہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے، دوسرے استحسان جو حنفیہ کے یہاں زیادہ معروف ہے۔ان دونوں میں بہت گہرا تعلق ہے،اس لئے اس دور میں جن لوگوں نے مصلحت پر یا مصالح مرسلہ پر لکھا ہے،انھوں نے بہت تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔اس زمانہ میں کئی کتابیں اس موضوع پر آچکی ہیں،ان میں سے ایک کتاب ڈاکٹر سعید رمضان بوطی کی "ضوابط المصلحة فی الشریعة الإسلامیة" ہے، بہت ہی عمدہ کتاب ہے،اور بہت ہی تفصیلی کتاب ہے،اس میں انھوں نے مصالح کی قسمیں اور مقاصد کے درجات اور تعارض کی صورت میں ترجیح کے اصول بہت وضاحت اور تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ زید نے بھی ایک کتاب لکھی طوفی اور مصلحت کے عنوان پر "المصلحة عند الطوفی" نجم الدین الطوفی جو اس مسئلہ میں متنازع شخصیت ہیں ،ان کے نظریات اور ان کے بارے میں مزید تفصیلات انھوں نے پیش کی ہیں۔اور بھی کئی کتابیں اس موضوع پر آئی ہیں، یا استحسان کے موضوع پر بعض چیزیں آئی ہیں،ان سب کا گہرا تعلق مقاصد شریعت سے ہے۔اسی کے ساتھ ساتھ آپ واقف ہیں کہ "المعہد العالمی للفکر الإسلامی" نے آج مقاصد شریعت کو موضوع بنا کر جو کتابیں اپنے یہاں سے شائع کی ہیں ان میں سے بعض آپ کے پاس بھیجی گئیں وہ کتابیں بھی کافی فکر انگیز اور حوصلہ افزا ہیں،ان کو آپ نے پڑھا ہوگا،ان پر گفتگو اور تبصرے بھی آپ کریں گے لیکن انھوں نے بہر حال ایک خاص کوشش کی ہے۔اور ان کی کاوش تو یہ ہے کہ مقاصد شریعت کا موضوع مستقل ایک الگ فن بن جائے۔یہ اصول فقہ کا ایک حصہ اور جز نہ رہے، بلکہ مستقل فن بن جائے،اور اس کے دائرے کو انھوں نے کافی وسیع کیا ہے اور اس دائرے کے اندر محض احکام عملیہ ہی نہیں،پوری شریعت کو لانے کی کوشش وہ حضرات کررہے

ہیں۔ امام غزالیؒ نے جو پانچ قسموں میں مقاصد شریعت کی تقسیم کی ہے، بعض معاصر مصنفین کی رائے یہ ہے کہ موجودہ دور اور حالات کے اعتبار سے اگر ہم ایک نئی تقسیم کرتے ہیں ایسی جس میں ان مقاصد کی معنویت اور ان کی افادیت زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے لوگوں کے سامنے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ انتہائی مفید کام ہے، جس طرح خود فقہ اسلامی کی نئی تبویب و تقسیم بعض لوگوں نے کی ہے، شیخ مصطفیٰ زرقاء نے اپنی کتاب "المدخل الفقهي العام" میں جدید عصری قوانین اور قانونی نظریات کی روشنی میں فقہ اسلامی کی نئی تبویب و تقسیم کی ہے، تو اگر اسی انداز سے مقاصد شریعت کی بھی ہم تقسیم کرتے ہیں، مثلاً ایک یہ ہے کہ "مقاصد الشريعة في الحياة الفردية" یعنی انفرادی زندگی میں کیا شریعت کے مقاصد ہیں؟ کس کس طرح کی آزادیاں، کس کس طرح کی پابندیاں شریعت کو مطلوب ہیں؟ پھر مناکحات میں یا نظام الأسرة میں یعنی خاندانی نظام میں شریعت کے مقاصد کیا ہیں؟ ایک فیملی، ایک گھر بہت اہم یونٹ ہے، اس کو مستقل موضوع اس دور میں بنایا گیا ہے، تو اس تعلق سے شریعت کے مقاصد کیا ہیں؟ وہ کس طرح سے تشکیل کرنا چاہتی ہے فیملی کی، نکاح، طلاق اور جتنے مسائل ہیں اس کے متعلق، اس کو ہم الگ کرلیں۔ اور معاملات کے باب میں شریعت کے مقاصد کیا ہیں؟ بین الاقوامی تعلقات کے باب میں شریعت کے مقاصد کیا ہیں؟ اور بنیادی اصول کیا ہیں؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اگر نئے زمانے میں مقاصد شریعت کی تفہیم کو آسان بنانے کے لئے اور زیادہ قابل قبول بنانے کے لئے ہم اس زمانے کے حالات کے اعتبار سے کوئی نئی تقسیم اس طرح کی کرتے ہیں، اس کا کوئی ٹکراؤ مقاصد خمسہ سے نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شریعت کا کوئی حکم آپ لائیں گے وہ جو پانچ مقاصد امام غزالی نے بیان کیے ہیں کسی نہ کسی میں وہ فٹ ہوجائے گا۔ اس سے باہر کوئی چیز پیش کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دور حاضر کے تقاضوں کے اعتبار سے اور موجودہ حالات کے اعتبار سے ان مقاصد کی ہم نئی تقسیم کریں، جو

لوگوں کے لئے قابل فہم ہو جائے، جس سے اسلام کی ترجمانی بہتر انداز سے ہو سکے، یہ ایک مفید کام ہوگا، اس کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

اس محاضرہ اور مناقشہ کا مقصد بھی یہی ہے کہ کچھ نئے پہلو غور وفکر کے ہمارے سامنے آئیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

کچھ محاضرہ سے متعلق:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

جیسا کہ مولانا عتیق احمد صاحب نے اپنے محاضرہ میں تقسیم فرمائی، اسرار شریعت اور مقاصد شریعت یہ دونوں موضوع ایک دوسرے سے بہت مربوط بھی ہیں لیکن اپنی تفصیلات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں، آئندہ محاضرات میں جب ہم اس پر گفتگو کریں تو اس فرق کو ملحوظ رکھیں۔ اسرار شریعت پر امام غزالیؒ کی ''احیاء علوم الدین'' اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ''حجۃ اللہ البالغہ''، عز الدین بن عبد السلام کی ''قواعد الأحکام فی مصالح الأنام'' جس میں انہوں نے مقاصد و مصالح کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا اور دوسری کتابوں کا ذکر آپ نے سنا۔ یوں تو اسرار و حکم پر بہت سے لوگوں نے لکھا ہے لیکن حضرت امام غزالیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ان دونوں کی خصوصیت مجھے یہ محسوس ہوتی ہے کہ انہوں نے پورے اسلامی نظام کو مربوط طریقہ پر حکمت و مصلحت کے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، یعنی صرف جزوی طور پر احکام کے مصالح نہیں بلکہ ایک پورا نظام اسلام اور پوری زندگی کا ایک سسٹم پیش کیا ہے جو ایک دوسرے سے مربوط ہے اور مکمل طور پر فطرت اور تقاضۂ حکمت و مصلحت کے مطابق ہے۔ انہوں نے ایک نیا اسلوب اور ایک نیا انداز دیا ہے جس سے عقلی طور پر دین کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ آپ نے علامہ شاطبیؒ کے بارے میں سنا کہ مقاصد پر جہاں امام الحرمین

سے کام شروع ہوا اور علامہ شاطبیؒ کا جو اس میں مقام ہے، وہ واضح ہے لیکن تقیید کا جو کام ہے، مقصد کے سلسلے میں قاعدہ سازی کا اور ضابطہ بندی کا جو کام ہے، قواعد کے مقرر کرنے، مختلف مقاصد میں ترجیحات، کس مقصد کو کس مقصد پر ترجیح ہوگی، اور اس کی درجہ بندی اس کی جتنی واضح شکل علامہ شاطبی کے یہاں ملتی ہے اتنی وضاحت اس سے پہلے کسی مصنفین کے یہاں نہیں ملتی، اب چونکہ وہ متکلم بھی تھے اور فقیہ بھی اس لئے ان کی گفتگو میں بسا اوقات بلکہ بہت سی جگہ جیسا کہ مولانا نے فرمایا تفلسف اور اغلاق کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اور مولانا نے جیسا کہ ذکر فرمایا: علامہ ابن القیم کی ''اعلام الموقعین'' اسرار پر بڑی اہم کتاب ہے۔ لیکن ایک بات ضرور قابل ذکر ہے کہ فقہاء احناف نے جن احکام کو خلاف قیاس قرار دیا ہے، علامہ ابن القیم کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ احناف اس کو خلاف عقل و مصلحت کہتے ہیں اور یہ فرض کر کے انہوں نے ایک طویل بحث کی اور مختلف احکام کے مصالح بیان کئے۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ کسی حکم کا خلاف قیاس ہونا اور ہے اور خلاف عقل و مصلحت ہونا اور ہے، خلاف قیاس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کا حکم اس واقعہ کی نظیر سے مختلف ہو، لیکن یہ اختلاف یقیناً کسی مصلحت کی بنیاد پر اور کسی دوسری حکمت کی بنیاد پر ہوگا۔ بد قسمتی سے بعد میں بھی بہت سے اہل علم نے علامہ ابن القیم کی بات کو اس طرح پیش کیا کہ گویا احناف شریعت کے بہت سے احکام کو خلاف عقل و مصلحت کہتے ہیں۔ اس پہلو پر بھی ہماری ضرور نگاہ ہونی چاہئے۔ اسی طرح مولانا نے ایک بہت بنیادی بات اٹھائی ہے، ہم نے بھی ''خیر مقدمی کلمات'' میں اس کی طرف کچھ اشارہ کیا تھا، وہ یہ کہ علامہ شاطبی کے یہاں استقراء سے جو ثابت ہونے والی باتیں ہیں ان کو بھی بعض دفعہ وہ قطعیات میں شمار کرتے ہیں۔ اور خود مقاصد کے معتبر ہونے میں انہوں نے یہی بات پیش کی ہے کہ شریعت کے تتبع اور استقراء سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، تو دین کے جو اصول مسلمہ اور ثابتہ ہیں اس کی خاص اہمیت ہوتی ہے، جہاں تک میرے ذہن میں آتا ہے کہ میں نے کہیں یہ عبارت نقل بھی کی ہے، فقہاء مالکیہ میں علامہ ابن العربی نے اور فقہاء حنفیہ میں علامہ کرخی نے اس کو صراحتاً نقل کیا ہے کہ اگر کوئی خبر واحد

دین کے اصول ثابتہ اور اصول مسلمہ کے خلاف ہو تو اس میں تاویل کی جائے گی، وہ نص مؤول ہوگی، ظاہر ہے کہ کوئی نص مہمل نہیں ہوسکتی، اس میں اہمال نہیں ہوسکتا، وہ معطل نہیں ہوسکتی، لیکن وہ نص مؤول ہوگی، جیسا کہ امام صاحبؒ مس ذکر (عضو تناسل کو چھونے)، مس مرأۃ (عورت کو چھونے) مختلف مسائل میں ایسی نصوص کو ترجیح دیتے ہیں جو اصول ثابتہ سے ہم آہنگ اور اس سے موافقت رکھتی ہوں، یہ دین کی ایک دلیل قطعی کی تائید کی بنیاد پر اور اس کے مؤید ہونے کی بنیاد پر ایک نص کو دوسرے نص پر ترجیح دینا ہے۔

مولانا نے ایک بنیادی بات اٹھائی ہے کہ ہر زمانہ کے حالات کے لحاظ سے مقاصد کی تقسیم ہونی چاہیے، ظاہر ہے کہ جن فقہاء نے مقاصد خمسہ میں اس کی تقسیم کی ہے وہ بھی کوئی عقلی نہیں بلکہ استقرائی ہے۔ اس میں اضافہ ہوسکتا ہے، ایک رجحان اس میں یہ بھی ہے کہ جو تقسیم امام الحرمین اور امام غزالی وغیرہ نے کی ہے اس کے مفہوم میں توسیع کی جائے، جیسے شیخ ابوزہرہ نے حفظ نفس، جس سے عام معنی حفظ جان لیا جاتا ہے اس میں وسعت پیدا کی، وہ کہتے ہیں کہ کرامت نفس کا تحفظ بھی حفظ نفس میں داخل ہے، حریت رائے بھی اس میں داخل ہے اور ایک شخص کا جرم سے بری ہونا جب تک کہ اس کا جرم ثابت نہ ہو یہ بھی حفظ نفس میں داخل ہے، اور کسی آدمی پر اتہام اور قذف کا ممنوع ہونا یہ بھی حفظ نفس میں داخل ہے، تو یہ دونوں پہلو ہیں، یا تو مقاصد کی بھی توسیع کی جائے اور جو مقاصد مذکور ہیں اپنے زمانہ اور اپنے عہد کے اعتبار سے اس کی تطبیق میں اور اس کے دائرہ کو متعین کرنے میں بھی توسیع کی جاسکتی ہے۔

ہم نے بھی حضرت عمرؓ کا وہ قول کبھی پڑھا تھا، لیکن یاد نہیں تھا، مولانا نے برمحل اس کو نقل کیا، واقعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے: ”لایکون الرجل فقیها حتی یعرف أهون الشرین“ امام صاحبؒ کا بھی قول میں نے پڑھا ہے کہ شر کو جاننا اور اس میں ترجیحات متعین کرنا یہ اصل تفقہ ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اہم نکتہ ہمارے سامنے آیا ہے اور اس سے آئندہ کی نشستوں میں ہمارے لئے غور وفکر کی سمتیں متعین ہوتی ہیں۔

سوالات وجوابات:

مقاصد سے استفادہ

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس صاحب:

پہلی بات یہ ہے کہ چونکہ مقاصد شریعت پر گفتگو ہو رہی ہے اور مقاصد شریعت کے اندر اصل قرآن مجید ہے اور ہمارے مفسرین کرام جو قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتے ہیں، میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی ایسے مفسر گزرے ہیں جنھوں نے خاص طور سے مقاصد شریعت کو بیان کرنے کا اہتمام کیا ہو، اس لئے کہ ابھی ہم نے بذریعہ سی ڈی جو محاضرہ سنا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیات احکام ہی کی تعلیل نہیں، بلکہ جتنے امور شرعیہ ہیں سب کی تعلیل ہونی چاہئے، تاکہ مخاطبین کو احکام کے سلسلہ میں اطمینان حاصل ہو اور اس پر وہ قانع ہو سکیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابھی جو گفتگو چل رہی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کرام کو خاص طور پر مقاصد شریعت سے واقفیت ہونی چاہئے، اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور الحمد للہ ہمارے فقہاء کرام نے اس کا اہتمام بھی کیا ہے، اور اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا بلکہ جن لوگوں نے کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ان کو معلوم ہوگا کہ فقہاء حنفیہ نے اپنے فتاوی میں خاص طور سے اس کا اہتمام کیا ہے، دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ انہوں نے جو بھی حکم بیان کیا ہے تو اس کی نقلی دلیل پیش کرنے کے بعد عقلی دلیل بھی پیش کی ہے، عقلی دلیل پیش کرنا دراصل یہی تو ہے کہ سامنے والا مطمئن ہو جائے کہ ایسا ہونا چاہئے، میرا خیال ہے کہ فقہاء کرام کے ساتھ ساتھ داعیان کو بھی شامل کر لیا جائے کہ ان کو بھی مقاصد شریعت سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے، قرآن مجید کے

اندر بھی کہا گیا ہے:"ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی أحسن" کہ سامنے والوں کو جن کو دعوت دی جارہی ہے ان کو کیسے مطمئن کیا جائے گا؟ وہاں اعتراضات بہت سامنے آتے ہیں، عقلی اعتبار سے ان کو کیسے مطمئن کریں گے؟

تیسری بات یہ ہے کہ یہاں یہ بات چل رہی ہے کہ دین واحکام کی ہم ایسی ترجمانی کریں کہ سامنے والا عقلی اعتبار سے بھی، مصلحت کے اعتبار سے بھی، گویا ہر اعتبار سے وہ حتی الامکان مطمئن ہوجائے، اس سلسلہ میں مولا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بعض واقعات بھی نقل کئے ہیں کہ مخاطبین نے عقلی اعتبار سے اعتراض کیا، پھر اس کے جوابات دیئے گئے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تعلیم میں ارتقاء ہوگا تو کسی بھی حکم کو ماننے کے لئے وہ عقلی اعتبار سے مطالبہ کریں گے، اس کا کیا حل ہے؟ زمانہ یہ کہہ رہا ہے، آپ یہ کہہ رہے ہیں، ہم اس چیز کو کیسے قبول کریں گے؟ اس کے لئے تو تعلیل ضروری ہوگی، بہرحال اس میں ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ میڈیکل سائنس کے اعتبار سے طبی فوائد کے نقطہ نظر سے احکام کا جائزہ لیا جائے، بعض لوگوں نے اس پر کام بھی کیا ہے، مثلاً حیدرآباد کے ایک پروفیسر کی کتاب "اسلام اور میڈیکل سائنس" کے نام سے پانچ جلدوں میں آئی ہے، اس میں انہوں نے میڈیکل سائنس کے اعتبار سے احکام کا جائزہ لیا ہے کہ فلاں حکم دیا گیا ہے تو میڈیکل سائنس کے اعتبار سے اس میں کیا فائدہ ہے، اور کیا نقصان ہے؟ لہذا مناسب ہوتو اس کو بھی مقاصد کے اندر شامل کیا جاسکتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ الفاظ، مقاصد کے بھی آئے ہیں اسرار کے بھی اور علل کے بھی آئے ہیں، اور ہم نے جس کتاب کا مطالعہ کیا ہے، اس میں ایک جگہ تحریر ہے کہ یہ سب الفاظ مترادف ہیں، بات ایک ہی ہے، لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اس کی طرف اشارہ کیا، کہ اس کی تقسیم ہونی چاہئے اور اس میں تنوع ہونا چاہئے، انہوں نے فرمایا کہ مقاصد اور اسرار دونوں الگ الگ شی ہیں۔میری رائے یہ

ہے کہ اس کی تین تقسیم ہونی چاہئے: مقاصد الگ، اسرار الگ اور علل الگ۔ علل کو دوسرے الفاظ میں جس میں فقہاء زیادہ گفتگو کرتے ہیں قیاس کہتے ہیں، کسی علت کو وہ نکالتے ہیں اس کے بعد منصوص مسائل سے اس کو نکال کر غیر منصوص مسائل میں اس کو جاری کرتے ہیں۔ اسرار تو رموز ہیں، حکمتیں ہیں، جیسے حجۃ اللہ البالغہ ہے، احیاء علوم الدین وغیرہ کتابیں ہیں، اور مقاصد جو ہے کہ شریعت جو حکم دے رہی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصد ہے؟ کیوں حکم دے رہا ہے؟ قرآن کریم میں فرمایا گیا: "وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کی تخلیق کا مقصد بیان کیا، تو مقاصد میں ایسی چیزیں آنی چاہئے۔

پانچویں بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ابھی آپ نے جیسا کہ "خصائص الشریعۃ الاسلامیۃ" کے عنوان سے محاضرہ سنا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تعلیل کو عام کیا، یعنی گویا کہ فقہاء کرام جو قیاس کرتے ہیں وہ بھی تعلیل کے دائرہ میں ہے اور احکام سے ہٹ کر دوسرے امور بھی تعلیل کے دائرہ میں ہیں، گویا دوسرے الفاظ میں شاید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فقہاء کرام نے قیاس کو احکام تک محدود کر دیا ہے، ایسا نہیں، بلکہ قیاس کا دائرہ وسیع ہے، احکام سے ذرا آگے چل کر دوسرے امور میں جو تعلیل بیان کی جائے اس کو بھی قیاس کہا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا ہے کہ جو الفاظ اصطلاح کا دامن تھام لیں تو مناسب یہ ہے کہ ان کو وہیں باقی رکھا جائے، ورنہ بعد میں چل کر غلط فہمی ہو جاتی ہے، فقہاء جس مقصد کے لئے قیاس کو استعمال کرتے ہیں اس کو اسی مقصد میں استعمال کیا جائے، اور اس کی دوسری تعبیر استعمال کی جائے، یہ ہو سکتا ہے۔

جواب:

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں کچھ سوالات پیدا ہوئے، کچھ وضاحتیں آپ نے چاہی۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے محاضرہ میں دلچسپی لی، چیزوں کو غور سے سنا اور جو

ورکشاپ کا اصل مقصد ہے کہ آپس میں آراء کا تبادلہ ہو، ایک دوسرے کی رائے کو ہم سنیں اور غور کریں ۔اور جو موضوع زیر بحث ہے اس کے پہلوؤں کو ہم روشن کرنے کی کوشش کریں۔

انشاء اللہ ہمارے آپس کے اس تبادلۂ خیال سے یہ مقصد حاصل ہوگا۔اس وقت جن حضرات نے اظہار خیال کیا ہے، بعض نے بعض گوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے، بعض نے کچھ سوالات کھڑے کئے ہیں، مولانا مصطفیٰ عبد القدوس صاحب نے پوچھا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیروں میں کتنے مفسر نے اس موضوع پر زور دیا ہے اور خاص گفتگو کی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ مصطفیٰ عبد القدوس صاحب خود ایک عالم دین اور صاحب نظر ہیں، اور جو تفسیریں متداول اور مروج ہیں ان تفسیروں میں (میں نے صبح گفتگو میں اشارہ بھی کیا تھا) جہاں تک آیات احکام کی بات ہے جن حضرات نے آیات احکام پر خاص زور دیا ہے ان کے یہاں یہ بحث اچھی خاصی ملتی ہے۔اسی طرح امام رازی خاص طور سے محض آیات احکام ہی نہیں بلکہ تمام نظام شریعت کے بارے میں آیتوں کے تعلق سے اسرار کو بھی واضح کرتے ہیں۔اور سوالات کے جوابات بھی دیا کرتے ہیں۔ پھر اس زمانہ میں بہت سی نئی تفسیریں بھی آرہی ہیں، ''تفسیر المنار''، ''تفسیر المراغی'' اور دوسری تفسیریں ہیں جن میں شبہات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہمارے بزرگوں میں حضرت تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' اس سلسلہ میں بہت ہی فائق ہے۔ علماء کے پڑھنے کی چیز ہے۔اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی ''معارف القرآن'' بھی، اس میں بسا اوقات اس طرح کی چیزوں پر تحقیق کی جاتی ہے۔

ایک بات انہوں نے یہ بھی کہی کہ فقہاء کے ساتھ داعیوں کو بھی اسرار شریعت اور مقاصد شریعت سے واقف ہونا چاہئے ۔تو یہ بالکل صحیح بات ہے۔ اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لئے اور اسلام کی ترجمانی کے لئے اسرار شریعت اور مقاصد شریعت سے واقفیت بہت معاون ہوگی۔ اگر ایک داعی ان اسرار و رموز سے واقف ہو۔

انہوں نے تیسری بات یہ کہی تھی کہ میڈیکل سائنس کے ذریعہ محرمات اشیاء کے

نقصانات پیش کیے جائیں اور اس کے بارے میں گفتگو کی جائے تو یہ بھی ایک مفید کام ہوگا۔ تو وہ کام تو الحمدللہ ہو رہا ہے۔ ہم کو پورا یقین ہے بلکہ ہر مومن کو پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبائث کو حرام قرار دیا اور طیبات کو حلال قرار دیا ہے، جن چیزوں میں صحت کے اعتبار سے، نفسیات کے اعتبار سے اور انجام کے اعتبار سے مضرت ہے انہی چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہو رہی ہے جس طرح ترقی ہو رہی ہے، کہ جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ان میں اتنے نقصانات ہیں کہ پہلے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، تو یہ خدشہ اپنی جگہ پر ہے۔ اگر ہم یہ کہیں گے کہ فلاں وجہ سے لحم خنزیر حرام ہے تو اصل تو حرمت کی علت اللہ کا حکم ہے۔ قرآن پاک نے منع کر دیا۔ یہ ہمارے لیے کافی ہے، مسلمانوں کو خاص طور سے یہی ذہن بنانا چاہئے کہ اصل تو اطاعت ہے۔ اگرچہ ہم اس کی علت وحکمت کو نہیں جانتے ہوں۔ اگر میڈیکل سائنس کے لوگ پوری کتابیں لکھ ڈالیں اور پوری تحقیق کر ڈالیں کہ لحم خنزیر میں اتنے فوائد ہیں تب بھی ہمارے نزدیک جو کراہت ہے، جو نفرت ہے لحم خنزیر سے اس میں کوئی اثر نہیں پڑنا چاہئے۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا میں اس کی تحقیقات آگے بڑھیں گی انشاء اللہ۔ اور دن بدن وہ چیزیں جن کو شریعت نے حلال قرار دیا ہے ان کے فوائد اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کے نقصانات روشن ہوتے چلے جائیں گے۔

ایک گفتگو یہ بھی ان حضرات نے کی ہے اور واقعۃً ہونی بھی چاہئے کہ مقاصد، اسرار اور علل تینوں چیزوں کو باہم گڈمڈ کیا جاتا ہے۔ فتاویٰ میں جس کا ذکر ہے، سب کو باہم ایک کیا گیا۔ حالانکہ ان کے درمیان فرق ہونا چاہئے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب موضوعات تو ابھی آپ کے سامنے آئیں گے۔ یہ گویا ایک تمہیدی نشست تھی جس میں آپ نے ان کاموں کا ایک اجمالی تعارف سنا۔ لیکن جو سوالات ہیں بہت بنیادی قسم کے، جن پر آپ کو غور کرنا ہے، ان میں یہ سوال بھی ہے، کہ اس کی درجہ بندی کس طرح آپ کریں گے؟ کیا حد بندی ہو سکتی ہے؟ ان موضوعات پر آپ کو غور بھی کرنا ہے۔

ایک بات ڈاکٹر علوانی صاحب کے محاضرہ کے تعلق سے آئی ہے۔ جس میں انہوں نے فرمایا ہے اور ان حضرات کا احساس بھی ہے، تو جہاں تک میں نے سنا انہوں نے تعبد کا انکار نہیں کیا، کہ تعبد سرے سے نہیں ہے۔ یہ انہوں نے کہا ہے کہ تعبد کا دائرہ محدود ہے۔ ویسے ہر حکم شریعت کو ماننا تعبد ہے۔ ان کا کہنا یہی ہے کہ شریعت کے سارے احکام یا بیشتر احکام میں علل ہیں۔ حکمتیں ہیں۔ جن کی شناخت ہوسکتی ہے۔ بلکہ ہورہی ہے، تو باقی ان کا جو پورا محاضرہ تھا تو مجھے خود ان سے گفتگو کرنی تھی اگر وہ خود ہوتے اور مناقشہ کرتا۔ لیکن وہ موجود نہیں ہیں اور وقت بھی تنگ ہے، اس لئے میں مزید اس پر گفتگو نہیں کروں گا۔

مقاصد اور اسرار میں فرق

مولانا سعید الرحمٰن فاروقی:

ایک بات یہ کہ مقاصد شریعت اور اسرار شریعت کے درمیان فرق ہے، جو ہمارے ذہن میں ہے کہ فرق ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں جو اسرار و حکم بیان فرمائے ہیں وہ حکمتیں اور علتیں ہیں۔ اور جہاں شریعت کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں وہاں پر شریعت کی روح ایک مسئلہ میں کیا ہے وہ بنیادی طور پر جو قانون شریعت انہوں نے وضع کئے ہیں، اس قانون کے اندر وہ کون سی چیز ہے، تمام نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے کہ اس بنیاد پر دوسرے مسائل کا اس پر انطباق اور تطبیق ہو سکے؟ لہذا اس نقطہ نظر سے اسرار شریعت اور مقاصد شریعت دو طرح کی باتیں ہیں۔

مقاصد شریعت — ایک مستقل فن کیوں

ہمارے علماء وفقہاء نے اصول فقہ کے ضمن میں مقاصد کو مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے، مصالح مرسلہ کی شکل میں، استحسان کی شکل میں، سد ذرائع کے طریقہ سے یا دوسرے قواعد و ضوابط کے طریقہ سے۔ تو ان مقاصد شریعت کو مستقل فن اور مستقل موضوع بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی کہ اسے ایک فن بنایا جائے؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں علماء نے مستقلاً مقاصد شریعت کے تعلق سے بحث تو کی ہے، علامہ شاطبیؒ نے الموافقات کی دوسری جلد میں اس پر مکمل طور پر بحث کی ہے۔ اور ظاہر ہے ان کی جو کتاب ہے، ان کا جو انداز ہے، ان کا جو اسلوب ہے وہ ہم سب پر واضح ہے۔ لیکن اس کو ایک مستقل فن دیا گیا مجھے معلوم نہیں ہے۔ یہاں یہ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مقاصد شریعت کو پورے طور پر سمجھنا چاہئے، اس کی تمام حدود کو سمجھنا چاہئے۔ اور آج کے دور میں جو نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ان میں تطبیق کی شکلیں سوچنی چاہئے۔

مقاصد جاننے کا مقصد بظاہر جو میں نے سمجھا ہے وہ دو ہے: ایک تو اجتہادی مسائل کا زیادہ سے زیادہ استخراج و استنباط کیا جا سکے اور دوسرے دعوت و تبلیغ پر کام کرنے والوں کے لئے احکام دوسرے کو سمجھانا آسان ہو سکے، افہام و تفہیم کا کام ہو سکے۔ اس میں بطور خاص یہ بات ذہن میں رہے کہ موجودہ مسائل کے استخراج اور استنباط کے لئے تو ماشاء اللہ اسلامک فقہ اکیڈمی کام کر رہی ہے۔ اور اس کے مسائل کا استخراج اور استنباط تو مستقل ہو ہی رہا ہے، اور اس طرح کے بہت سارے لوگ اس کام کو کر رہے ہیں۔ خود اس کو اسرار و حکم میں لایا جائے تو وہ بھی ماشاء اللہ ایک موضوع الگ ہے، وہ کام بھی کافی ہوا ہے۔ اس کے لئے کوئی اور خاص بات پیش نظر ہو مثلاً دعوت اسلام کو عام کرنا اور اس کے افہام و تفہیم کا کام کرنا تو اس میں تو سب سے زیادہ ضروری میرے حساب سے یہ ہے کہ کیا عقل کی کوئی بندش ہے؟ اور احکام اسلام کے کسی ضابطہ کے تحت لوگوں کی عقل کو روکا جائے کہ اس کے مطابق ہم کام کریں گے؟ مثلاً مولانا عتیق صاحب نے دو باتیں فرمائیں: ایک تو حضرت قاضی صاحبؒ کے کفاءت کے مسئلہ کا ترجمہ میچنگ سے۔ اور دوسرے پاکستان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مگر موجودہ دور میں اس پر جو اعتراض ہمارے

سامنے پیدا ہوگا اس کا جواب ہمیں دینا چاہئے۔ میچنگ تو ہم اپنے لوگوں کو سمجھا دیں گے، مسلمانوں کو، ان کے لئے مشکل بھی نہیں ہے، بہت سارے مسلمان بغیر سمجھے مان جائیں گے۔ مگر جو غیر مسلم ہیں، جن کو ہمیں اسلام پیش کرنا ہے وہ تو اپنی عقل سے تولیں گے، جب وہ اپنی عقل سے تولیں گے تو ہم میچنگ ان کو نہیں سمجھا پائیں گے۔ یہ ہم ان کو نہیں سمجھا سکتے، پھر اس کا حل کیا ہو سکتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ مولانا نے پاکستان کا واقعہ فرمایا۔ اس کا تعلق کفالت سے ہے، مگر اب صورت حال اس کے برعکس ہے، اب تو لڑکیاں مردوں کی کفالت کرتی ہیں، لڑکیوں کو مردوں کی کفالت کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا آپ جو یہ دلیل پیش کرتے ہیں وہ غلط ہے، اسلام کی بنیادی بات ہم نہیں مانتے، ایک غیر مسلم قوم کو سمجھانا ہے تو مشکل ہے، اس کو ہی بدل دیجئے، لڑکیوں کو پڑھائیے، اعلیٰ تعلیم دیجئے، وہ سیکھیں، پڑھیں اور سب کا خرچ برداشت کریں، تو جواب عقلی طور پر ابھی شیخ نے سی ڈی میں فرمایا کہ کوئی امر تعبدی ہے ہی نہیں...... سبحان اللہ ٹھیک ہے، سب عقلی ہے، عقلیات سے بحث کر کے کوئی جیت ہی نہیں سکتا، جب تک کہ عقل کی بندش نہ کی جائے۔ اس سلسلہ میں میں چاہتا ہوں کہ اگر کوئی مفید بات میرے سامنے آجائے تو مشکور ہوں گا۔

جواب:

مولانا سعید الرحمٰن صاحب کی گفتگو میں بھی مقاصد اور اسرار میں فرق کی بات بتائی گئی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ پر واضح ہے کہ مقاصد و اسرار کا جو لفظ ہے کبھی مترادف طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مقاصد کو بھی اسرار کے معنی میں بول دیا جاتا ہے۔ لیکن اب جو چیزیں لکھی جارہی ہیں، ان میں اور جو چیزیں استعمال ہو رہی ہیں ان میں اسرار کا لفظ عام طریقہ پر پورے دین کے جو رموز ہیں، جو حکمتیں ہیں، جن سے آپ لوگوں کو احکام کے بارے میں مطمئن کر سکتے ہیں ان کے لئے

بولا جاتا ہے۔اور لفظ مقاصد کا ایک خاص مفہوم ہے۔اور محدود ہے۔اسی کے لئے اس کا استعمال ہوا کرتا ہے۔تو بہر حال اصطلاحات کے استعمال میں کبھی اس طرح گڈمڈ ہوجایا کرتا ہے۔ویسے اس کی کوئی واضح تحدید اور حد فاصل قائم نہیں ہوسکی ہے کہ ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ نہ ہو،اور شاید آسانی کے ساتھ ایسا ہو بھی نہ سکے۔

ایک بات مولانا سعید الرحمٰن صاحب نے بہت اچھی فرمائی ہے کہ کیا فن مقاصد و مصالح کو اصول فقہ سے الگ مستقل فن قرار دینا مناسب بات ہے؟اس کے کیا دوررس اثرات پڑ سکتے ہیں؟اور اب تک یہ گویا فن اصول فقہ کا ضمنی شعبہ تھا۔میں یہ بات واضح کردوں کہ اصل میں رسول اللہ ﷺ نے مسائل بیان کرنے کے تعلق سے حضرت معاذؓ کو حکم دیا، بہت مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیسے فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا: کتاب اللہ سے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں نہ ملے؟انہوں نے کہا کہ آپ کی حدیث سے۔اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا: "اجتهد برأيي" آپ نے گویا اجتہاد کی بات فرمائی، یہ اجتہاد قیاس سے کہیں بڑھ کر ہے،اس پر تو ہمیں محسوس کرنا چاہئے کہ جو اصولی قیاس ہے، جس کی ایک مخصوص حد بندی ہے اور جس کا مخصوص دائرہ ہے اس سے کہیں وسیع مفہوم میں اجتہاد ہے۔اور اجتہاد ان مسائل میں بھی ہوتا ہے، جن میں کئی نصوص ہوں جو باہم متعارض نظر آتے ہوں، یا ایک نص ہو یا ایک حدیث ہو، لیکن اس میں کئی دلالت کا احتمال ہو۔اور اس سے آگے بڑھ کر قیاس کا فنی تصور جو اہل اصول کے یہاں پیدا ہوا ہے، میں نے طٰہٰ جابر صاحب کی گفتگو سے جو بات محسوس کی وہ یہی ہے کہ عہد صحابہ میں اجتہاد کا عمل تھا قیاس پر دائر نہیں تھا۔اس سے وسیع مفہوم میں اجتہاد ہوا کرتا تھا۔اور اس میں بڑی حد تک مقاصد شریعت پر زیادہ گفتگو ہوا کرتی تھی۔

مجھے یاد آتا ہے کہ کتاب الخراج میں حضرت عمر فاروقؓ کی گفتگو صحابہ کرام سے سواد عراق کی زمینوں کے تعلق سے ہے کہ زمینیں تقسیم کی جائیں غانمین میں یا تقسیم نہ کی جائیں۔وہاں

کی گفتگو آپ کے ذہن میں ہوگی۔ آپ اس کو پڑھیں گے تو بنیادی حصہ اس میں مقاصد شریعت کا ہے کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو آئندہ اس کے اثرات کیا پڑیں گے؟ کیا نقصانات ہوں گے یا کیا فوائد ہوں گے؟ حضرت عمرؓ نے ایک آیت کا حوالہ دیا اس کے بعد مباحثہ ختم ہوگیا۔ لیکن اس سے جو استنباط تھا اس سے بعض حضرات نے اختلاف بھی کیا ہے۔ اسی طرح قرآن جمع کرنے کے تعلق سے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گفتگو ہے، اور جو مسائل عہد صحابہ میں زیر بحث آئے، ان سب میں گویا اس طرح کا قیاس جو فنی قیاس ہے استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ مقاصد شریعت کی روشنی میں اور عام مصالح کی بنیاد پر اجتہاد کیا گیا۔ یہ ایک مستقل مناقشہ اور گفتگو کا موضوع ہے۔ دوسرے انہوں نے جو یہ بات کہی ہے میں سمجھتا ہوں کہ قیاس میں کبھی غلو ہو جاتا ہے، اس قیاس کے غلو کو ختم کرنے ہی کے لئے ہمارے اصولیین اور فقہاء میں سے مالکیہ کے یہاں استصلاح اور حنفیہ کے یہاں استحسان ہے۔ بلکہ عُرف کے بارے میں بھی آپ جانتے ہیں کہ اگر ایسا مسئلہ جو قیاسی ہو، اس کا ٹکراؤ عرف عام سے ہو جائے تو عرف عام کی بنیاد پر اس قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو قیاس میں غلو کے نتیجہ میں جو بعض دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ عدل سے ظلم کی طرف منتقل ہوگیا، اس کے علاج کرنے کی کوشش ہمارے فقہاء نے کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ دور آخر میں کچھ رجحان جزئیات کو جزئیات پر قیاس کرنے کا پیدا ہوا ہے۔ اس سے کچھ زیادہ ہی نقصان ہوا ہے۔ کوئی نیا مسئلہ پیش آیا تو ہم نے بجائے اس کے کہ نصوص کی طرف جائیں، مقاصد شریعت کو دیکھیں، ہم نے اس سے ملتا جلتا کوئی جزئیہ تلاش کیا اس کے بعد فتویٰ دے دیا۔

جب نوٹ کا مسئلہ پیدا ہوا کہ نوٹ کی فروختگی زیادتی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ سو روپئے ایک ہزار کے بدلہ میں بیچ دیں تو ایک کاغذ کو ایک ہزار کاغذ کے بدلہ میں آپ بیچ دیتے ہیں تو جائز ہے۔ تو مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ایک جزئیہ فتح القدیر سے یا کہیں اور سے نکال لیا، اور اس کے بعد آپ نے اس پر تطبیق کردی۔ اب اس کے کیا اثرات پڑیں گے؟ اور کیا

اس کا انجام ہوتا ہے؟ جزئیات پر جزئیات کے قیاس کرنے کا جو عمل ہے، اس کی بنیاد پر مقاصد شریعت نظر انداز ہوا کرتے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ کے جو مسائل ہیں، جس وسیع پس منظر میں ہیں، اور جتنے معقد و پیچیدہ ہیں۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے ہمیں ایک وسیع پیمانے پر قیاس کو، اجتہاد کو، مقاصد شریعت کو دیکھنا ہوگا۔ بہر حال مفتی سعید الرحمٰن صاحب نے بعض گفتگو کی ہے، جو پہلے آچکی ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ کوئی مثال دینے کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ مثال ہی زیر بحث آجائے، یعنی مقصد یہ ہے کہ مخاطب جس طرح کا ہو، آپ یہ سمجھیں کہ وہ اس طرح مطمئن ہوسکتا ہے۔ ''کلموا الناس علی قدر عقولھم'' اصل چیز یہ ہے۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ حسب موقع اور مخاطبین کی رعایت کرتے ہوئے دین کو ہم اس طرح پیش کریں، اور اس پیرائے میں کہ وہ قابل قبول ہو۔ یہ زیادہ اچھی بات ہے۔ باقی جہاں تک غیر مسلموں کو قائل کرنے کا مسئلہ ہے تو آج خود مسلمانوں کو سمجھانا ہی بہت بڑا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔ اب ایسی بات نہیں ہے کہ مسلمان مان لیتے ہیں۔ یہ بھی اب کہاں ماننے والے ہیں۔ اتنی بحثیں کرتے ہیں کہ پہلے ان کو مطمئن کیا جائے۔ غیر مسلموں کے لئے بھی ہم کوشش کریں کہ ان کو کس انداز سے سمجھایا جاسکتا ہے؟ کس طرح دینی عقائد ان کے سامنے پیش کئے جاسکتے ہیں؟ اس کے لئے ہم کوشش کریں گے، اور اللہ کے دوسرے بندے اس راہ میں کوشش کررہے ہیں۔ لیکن یہ ذمہ داری ایک فقیہ، ایک متکلم کی ہے کہ ہر زمانے میں اس زمانہ کی ذہنیت کے اعتبار سے، مخاطبین کی ذہنی سطح کے اعتبار سے اسلامی تعلیمات کو پیش کیا جائے، یہ ذمہ داری کبھی ختم نہیں ہوگی، قیامت تک باقی رہے گی۔

مقاصد منصوص یا غیر منصوص

مولانا اسعد قاسم سنبھلی صاحب:

حضرت مولانا عتیق احمد صاحب کا محاضرہ سنا، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دو تین چیزیں ایسی ہیں جن کی طرف مزید توجہ کی ضرورت ہے، پہلی چیز یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ مقاصد شریعت یقیناً ہماری کتابوں کا اہم ترین موضوع ہے۔ اور ہمارے اسلاف علماء کرام اس پر خصوصی توجہ دیتے رہے ہیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض مقاصد تو منصوص ہیں اور بعض غیر منصوص، اب ان میں ایک اختلاف یہ پیدا ہوگا کہ جو مقاصد غیر منصوص ہیں ان میں مقاصد کے استنباط میں فرق پیدا ہو جائے گا، مثلاً ایک شخص کہہ رہا ہے کہ اس کا یہ مقصد ہے۔ دوسرا کہہ رہا ہے کہ اس کا دوسرا مقصد ہے، تیسرا کہہ رہا ہے کہ اس کا یہ مقصد ہے۔ تو اس میں اس بات کی وضاحت ہونی چاہئے کہ وہ کون سا معیار ہے جس سے ہم جانچ اور پرکھ سکیں کہ شریعت کا مقصد کون سا ہے۔

دوسری بات مولانا نے یہ فرمائی اور ایک کتاب کا حوالہ دیا کہ اگر پورا معاشرہ حرام کا ارتکاب کرنے لگے اور حرام عام ہو جائے تو اس وقت صورت حال یہ ہو جائے گی کہ امت پوری کی پوری حالت اضطرار میں آ جائے گی، ہوسکتا ہے کہ میرے سمجھنے میں غلطی ہو، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعت نے اضطرار کا جو حکم بیان کیا ہے وہ تو بالکل خال خال افراد کے لئے ہے، یعنی ایسا نہیں کہ کروڑوں کی تعداد رکھنے والی امت بیک وقت حالت اضطرار میں آ جائے۔ بالفرض اگر آ جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا اس پر راضی رہیں، یا اضطرار سے نکلنے کی بھی کوشش کریں، اس سلسلہ کی بھی وضاحت ہونی چاہئے۔

جواب:

مولانا اسعد قاسم صاحب نے ایک بات کہی ہے کہ غیر منصوص مقاصد کے استنباط میں اختلاف ہوگا، تو اس سے تو کوئی مفر نہیں ہے۔ جہاں مسئلہ قطعیت کا نہیں ہے وہاں اختلاف رائے ہو، تو یہ اختلاف رائے کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ محمود چیز ہے۔ جہاں مسئلہ ظنیات کا آئے گا،

جہاں مسئلہ اجتہاد و استنباط کا آئے گا وہاں دو رائیں ہو سکتی ہیں۔ آپ سمجھتے ہوں کہ اس حکم کا یہ مقصد ہے۔ یا اس کی علت یہ ہے۔ یا وہی طرز اختیار کریں جو فقہاء و اصولیین کا ہے، قیاس کر لیں آپ۔ قیاس میں اختلاف ہو جاتا ہے، اس نص کی علت یہ ہے یا وہ۔ اختلاف رائے تو ہو گا، یہ مذموم چیز نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات اس میں امت کے لئے وسعت پیدا ہوتی ہے۔ مسئلہ مجتہد فیہ میں کئی آراء ہیں تو جس رائے کو اختیار کرنے میں امت حرج و تنگی سے نکلے اس رائے کو ہم اختیار کر لیں گے، تو اس لئے یہ خطرے کی چیز نہیں ہے کہ اس سے ڈریں۔

ایک بات جو میں نے "الغیاثی" کے حوالہ سے کہی تھی۔ شاید میں اپنی بات زیادہ وضاحت سے نہیں کہہ سکا۔ لیکن ان کا کہنا یہ ہے، میں نہیں کہتا ہوں کہ آپ ضرور اس سے اتفاق کریں، یہ تو گفتگو ہے، یہ مجلس منعقد ہی کی گئی ہے بحث و مناقشہ کے لئے، آپ امام غزالیؒ، امام الحرمین سے بھی اختلاف کر سکتے ہیں، میں ہرگز یہ نہیں کہتا ہوں کہ انہوں نے جو کہہ دیا وہ حرف آخر ہے، ان کی جو بات تھی اسے میں نے نقل کی تھی، اور میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں جس میں ہم ہیں، اور جن حالات سے ہم دوچار ہیں اور جو صورتحال عالمی بنی ہوئی ہے ان حالات میں ہم اجتماعی حاجت گویا حاجت عامہ کا انکار کر سکتے ہیں۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ انہوں نے جو بات کہی ہے، ایک ہے انفرادی اضطرار۔ اگر پوری امت، یا امت کا ایک طبقہ، یا ایسا خاص علاقہ جہاں بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں ایسی صورت حال سے دوچار ہوں تو وہاں بھی حلت کے لئے انفرادی اضطرار کا جو معیار ہے کہ "جان نکلنے والی ہو، جان خطرے میں ہو" وہی شرط یہاں بھی ضروری ہے؟ ایسا نہیں ہے۔ یہاں پر حاجت عامہ قائم مقام ضرورت کے ہو جائے گی۔ یہ پوری بحث پڑھنے کی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ آپ اس سے اتفاق یا اختلاف کریں۔ میں نے صرف اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

مسئلہ کفاءت

مولانا ظہیر احمد صاحب:

میرا پہلا سوال مولانا عتیق صاحب کے محاضرہ میں کفاءت کے مسئلہ سے متعلق ہے کہ ہمارے یہاں باضابطہ علت ہے کہ جو حق اعتراض اولیاء کو دیا گیا ہے، اسی کا جواب آپ نے فرمایا تھا۔ چونکہ ولی کے ذمہ کفالت کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے، اس وجہ سے ایسا ہے۔ لیکن ہماری فقہی کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ دراصل عورت کا ولی عار محسوس کرتا ہے دناءت کی وجہ سے، اس وجہ سے ولی کو حق اعتراض دیا گیا ہے، یہ تو بالکل واضح ہے، ہر ایک کو اس پر مطمئن بھی کیا جا سکتا ہے، رہی بات میچنگ کی تو تھوڑی دیر کے لئے اس کے ذریعہ کسی کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

مقاصد کے سلسلہ میں جیسا کہ ابھی بہت سوں کو اعتراض ہوا اور میرے ذہن میں بھی یہ بات آتی ہے کہ مقصد کیا ہے اور مصلحت کیا ہے؟ تو ہم مقصد کو عام درجہ میں رکھتے ہیں کہ مقصد مصالح کے ہم معنی ہے۔ اور اس کے بعد پھر مصالح کی دو قسمیں ہیں: بعض مصالح از قبیل علل کے ہیں اور بعض مصالح از قبیل اسرار و حِکَم کے ہیں، اب اس میں فرق یہ ہوگا کہ کسی حکم کی علت ایک ہی ہوگی، اس لئے کہ علت اور معلول کے درمیان تعلق ہوتا ہے، لہذا کسی بھی حکم کی علت ایک ہی ہوسکتی ہے، ورنہ معلول بھی متعدد ہوں گے۔ اس لئے کہ علت و معلول کے درمیان تخلف محال ہے۔ ہاں البتہ جو حکمتیں اور اسرار و رموز ہیں وہ بہت سارے ہوسکتے ہیں۔ اس کی علت جیسا کہ مولانا نے بتایا میچنگ بھی ہوسکتی ہے اور ہمارے فقہاء نے اس کے جو اسباب لکھے ہیں وہ اسباب بھی ہوسکتے ہیں، تو ہم یہ کہیں گے کہ اگر علت کے معنی میں لیتے ہیں، اور اگر ہم سبب کے معنی میں لیں حالانکہ علت اور سبب کے درمیان بھی فرق ہے، تو مقصد کے ضمن میں یہ ساری چیزیں

آجائیں گی۔ مقصد اور مصالح عام ہیں، مصلحت کسی بھی درجہ کی ہے، تو اس میں کچھ مصلحتیں ایسی ہوں گی جو منصوص ہوں گی۔ اور ان کے علاوہ جو ہیں وہ از قبیل حکم واسرار کے ہوسکتے ہیں۔

مقاصد کی پانچ تقسیم؟

مولانا مجیب الرحمٰن عتیق سنبھلی صاحب:

جیسا کہ آپ حضرات کے سامنے ایک بات آئی ہے کہ جہاں مقاصد کی بحث شروع ہوتی ہے وہاں دو الگ الگ حصے ہیں۔ ایک حصہ اسرار و حکم کا، اور دوسرا حصہ وہ جس کو مقاصد خمسہ کے ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقاصد خمسہ یا اسرار و حکم یہ دونوں شریعت اسلامی کے اندر ایک امر واقع کا اظہار ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا: "دین میں کوئی حرج وتنگی نہیں ہے"۔ اس کو اصول فقہ کی زبان میں یہ کہا جاتا ہے کہ دین آسان ہے، اس میں یسر ہے۔ دین کے اندر یسر کا پہلو ایک امر واقع کا اظہار ہے، اسی طرح سے شریعت کے احکام مصالح پر مبنی ہیں یہ بھی ایک امر واقع کا اظہار ہے۔ فقہاء نے جن قواعد کا استخراج اس ضمن میں کیا ہے اور اصولی زبان میں جن کو یوں بیان کیا گیا ہے: "الحرج مدفوع" یا "المشقة تجلب التيسير"، ان سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ نے جو پانچ تقسیمیں کی ہیں یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ امام غزالی کی وہ تقسیم حرف آخر نہیں ہوسکتی، اس میں بھی حذف واضافہ کی گنجائش ہوسکتی ہے، بلکہ ہوگی۔ اور اس کے بعد بحث آتی ہے کہ وہ مصلحت شریعت کی نظر میں معتبر مانی گئی ہے تو وہ مصالح معتبرہ ہیں۔ اور اگر شریعت نے اس کا انکار کیا ہے، اس پر کہیں رد کیا ہے تو وہ مصالح ملغاۃ ہیں۔ اور ایک تیسری قسم مصالح مرسلہ کی ہے۔ ان باتوں کو سامنے رکھ کر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مستجدات، نوازل یا حیات انسانی کے وقائع غیر متناہیہ جن کو حل کرنے کے لئے ہمارے پاس نصوص متناہیہ ہیں، انہی میں استصلاح کو،

مصلحت کو، مصالح مرسلہ کو بطور ایک دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔ کہ مستجدات ونوازل کے حل کے لئے ہم ان قواعد کو، مقاصد شریعت کو استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کی بنیاد پر ہم نئے واقعات کا کوئی حکم دریافت کر سکتے ہیں۔ یہ بات یہاں کچھ گنجلک معلوم ہوتی ہے۔ ایک ایسی چیز سے جو شریعت میں ایک امر واقع کا اظہار ہے ہم اس کو نئے مسائل کے لئے بطور دلیل کیوں کر مانیں؟ اور وہ بھی اس صورت حال میں جبکہ مقاصد کی ساری بحث وہ بھی مرسلہ کی، ظنیات پر مبنی ہوتی ہیں، ہاں یہاں میں کچھ اتفاق کرتا ہوں ڈاکٹر مصطفیٰ زرقاء اور معروف دوالیبی سے، جہاں انہوں نے بیان کیا ہے کہ اجتہاد کی اصلاً دو قسمیں ہونی چاہئے: ایک اجتہاد بیانی اور ایک اجتہاد استصلاحی۔ اور اجتہاد استصلاحی کے اندر دراصل قیاس کو، استحسان کو دخل ہے، تو وہاں بھی جہاں ہم اور آپ یہ کہنا چاہیں کہ اصلاً مصالح کو نوازل کے حل کے لئے بطور دلیل پیش کیا جائے، اگر اس کی تہہ میں غور کریں تو بظاہر مجھے اس میں قیاس ہی نظر آتا ہے، تو فقہاء اور اصولیین جو اس ضمن میں کہا کرتے ہیں کہ مصالح مرسلہ کو جدید مسائل کے حل کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے تو بطور دلیل اس کو پیش کرنے کے لئے ہم کس حد تک اس کو قبول کریں گے؟ اور اس کو بطور دلیل بیان کرنے کے لئے ہم کس چیز کا سہارا لیں؟ اس کی حیثیت فقہی اصولی کیا ہو سکتی ہے؟

جواب:

ظہیر احمد صاحب نے کفاءت کے مسئلہ پر گفتگو کی ہے۔ مجیب الرحمٰن صاحب نے گفتگو کی ہے۔ امام غزالی کی تقسیم حرف آخر نہیں ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ آپ کوئی نئی تقسیم لے کر آئیں۔ میں نے کہا بھی کہ نئے زمانے اور نئے حالات کے اعتبار سے لوگ کوشش کر رہے ہیں۔ امام غزالی نے خود دعویٰ نہیں کیا ہے کہ یہ اسی میں منحصر ہے۔ حصر کا دعویٰ کس نے کیا ہے؟ اس میں نئی تقسیم ہو سکتی ہے۔ اور نئے حالات میں اس کی درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔

مفسدہ کی درجہ بندی کا معیار

مولانا احمد نادر صاحب:

مقاصد شریعت سے متعلق مصلحت اور مفسدہ کی بات چل رہی تھی۔ اس سلسلہ میں مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے خاص طور سے شر اور مفسدہ کے بارے میں فرمایا کہ اہون الشرین کا جاننا نہایت ہی اہم ہے، ابھی مطالعہ کے دوران بہت سے ایسے بھی سوالات سامنے آئے کہ جتنے مفاسد ہیں وہ کبھی کبھی زمان اور مکان کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں، یعنی ایک مفسدہ ایک جگہ کے رہنے والے شخص کیلئے اس کی اپنی زندگی اور حالات کے اعتبار سے قوی مفسدہ ہے۔ اور وہی مفسدہ ایک دوسری جگہ کے رہنے والے کے لئے وہاں کی زندگی اور حالات کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ تو اس سلسلہ میں سوال یہ ہے کہ جو اُہون الشرین ہے اور جو مفسدہ ہے اس کی کمی اور زیادتی کا معیار اس کی کیفیت کو کس طرح طے کیا جائے۔ کہ وہی مفسدہ ایک جگہ کے آدمی کے لئے زیادہ ضرر رساں ہے اور دوسری جگہ کے آدمی کے لئے کم ضرر رساں ہے؟ تو کیا شرعی اعتبار سے کوئی ضابطہ اور کوئی قاعدہ ایسا طے کیا جاسکتا ہے؟ جس سے یہ سمجھا جائے کہ یہ وہ مفسدہ ہے جس پر "المشقة تجلب التيسير"، "الحرج مدفوع" کا قاعدہ جاری ہوتا ہے، وہی حرج، تنگی اور مفسدہ ہیں۔ اس کو طے کرنے کے لئے کوئی ایسا کلیہ ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ ہر شخص پر لاگو ہو۔ اور یہ زیادہ شر ہے اور یہ کم شر ہے۔ تو کمی وزیادتی کو پرکھنے کا کوئی پیمانہ مقاصد شریعت کی روشنی میں آجائے تو بہتر ہوگا۔

جواب:

مولانا نادر قاسمی صاحب نے یہ بات اٹھائی ہے کہ اُہون المفسد تین کی شناخت کیسے

ہو؟ تو اسی لئے تو آپ بیٹھائے گئے ہیں۔ آپ مفتی ہیں۔ اصحاب افتاء کس لئے ہیں؟ لوگ آپ سے رجوع کریں گے کہ یہ دو مفاسد ہیں، دونوں میں ہم مبتلا ہیں۔ دونوں کو چھوڑنا اور الگ ہونا ممکن نہیں ہے۔ کون سا اُہون ہے؟ یہی کام تو ہمارے فقہاء اور ہمارے علماء کا ہے۔ اس میں دماغ سوزی کرنی ہوگی، کوئی ایسی آٹومیٹک مشین نہیں مل سکتی کہ بٹن دبایا اور معلوم ہوگیا کہ یہ ایسا ہے اور یہ ایسا۔ آپ کو علاقوں اور ملکوں کے اعتبار سے جائزہ لینا پڑے گا۔ علاقوں اور ملکوں کے اعتبار سے اس میں فرق بھی پڑسکتا ہے۔

علت اور حکمت

مولانا محمد علی صاحب:

ایک بات یہ ہے کہ احکام کے استنباط کے سلسلہ میں اصل تو حکمت ہی ہے۔ لیکن چونکہ حکمت غیر منضبط ہے، اس لئے فقہاء نے علت کو اسی کا قائم مقام قرار دیا۔ اور یہ بھی چیز جو فقہاء نے کہی ہے، یہ شریعت ہی سے مستنبط ہے۔ اور شریعت ہی نے اس کے اشارے دیئے ہیں۔ جیسے مشقت کے سلسلہ میں سفر وغیرہ کو متعین کردینا، یا مرض کی حالت میں۔ تو یہ بات بھی ایک اشکال کی ہے کہ حکمت غیر منضبط ہے اور مصالح غیر منضبطہ ہیں اور علتوں کو اس کے قائم مقام اسی لئے رکھا گیا۔ تو یہ چیز بھی قابل افہام ہے۔ جن حضرات نے اس سلسلہ میں اشکالات کئے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں اشکال کی ضرورت ہی نہیں ہے، یہ تو ایک حکمت بیان کی گئی ہے۔

جواب:

مولانا محمد علی ندوی صاحب نے کہا کہ اصل میں بنیاد حکمت ہوتی ہے۔ مقصد ہوتا ہے، لیکن منضبط نہیں ہے۔ اس کے عدم انضباط کی بنیاد پر فقہاء نے علت کو جو وصف ظاہر منضبط ہوا کرتا

ہے، اس کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ یہ معروف بات ہے۔ آپ سب جانتے ہیں۔

میں مشکور ہوں آپ حضرات کا کہ آپ نے اس محاضرہ میں دلچسپی لی اور نکات کو ابھارا، انشاءاللہ آئندہ بھی دلچسپی کے ساتھ پروگراموں میں شریک ہوں گے۔

ہمدرد کے ایک طالب علم کا سوال:

خنزیر کے گوشت کو ریسرچ کے ذریعہ یہ ثابت کیا گیا کہ وہ بہترین غذا ہے۔ ابھی ریسرچ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ خنزیر کے گوشت میں ایک ''کریم'' ہوتا ہے۔ اس کو چاول میں ڈال کر دیکھا گیا تو چاول کی پیداوار اور اس کے سائز کو بڑا کر کے دکھایا گیا، اس میں بہت فائدہ دیکھا گیا، اسی طرح شراب کے اندر بھی فوائد ہیں۔ ہم جو دوائیں بناتے ہیں ان میں ننانوے فیصد دواؤں میں شراب ملائی جاتی ہے۔ اس سے اچھی کوئی دوسری چیز نہیں ہے، جس سے دوا دیر تک رہ سکے۔ اسی طرح سود کا مسئلہ بھی ہے جو بہت ہی عام ہو چکا ہے۔

جواب: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:

ایک بات تو یہ ہے کہ آپ بی فارما کے طالب علم ہیں۔ اس لئے یہ بات عرض کرنی ہے کہ یہ جو طب یونانی ہے پہلے اہل یورپ اور اہل یونان کے ہاتھ میں تھی تو اس وقت بھی دواؤں کو دیر پا رکھنے کے لئے شراب کا استعمال ہوتا تھا۔ جب یہ فن مسلمان اطباء کے ہاتھوں میں آیا، تو انہوں نے شہد کی شکل میں اس کا متبادل تلاش کیا۔ اور ایک حلال جز ایسا تلاش کیا۔ ایک ایسی چیز دریافت کی، کہ جس کے ذریعہ کسی چیز کو دیر پا کیا جا سکے۔ تو سب سے اہم بات جو آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ شراب پینے کے جو نقصانات ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں آج بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اس سے جسم کو جو نقصان پہنچتا ہے، عقل انسانی، انسانی اخلاق کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ محل اختلاف نہیں۔ لیکن یہ مسلمان اطباء پر آپ جیسے لوگوں پر ذمہ داری ہے کہ آپ ایسے

حرام کا ایسا حلال متبادل اور حل تلاش کریں جو ان دواؤں کو حرام اجزاء سے بچا سکے۔ اور اس کی حفاظت کر سکے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اگر اس پر محنت کی جائے اور اس پر کوشش کی جائے تو یقیناً آپ ایسا متبادل تلاش کرنے پر قدرت پاسکیں گے۔ صورت حال یہ ہے کہ اس وقت سائنس اور علم و تحقیق جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ خود نا آگاہ نہیں بلکہ خدا بیزار ہیں۔ تو اس لئے وہ قصداً ایسی چیزوں کو جو اخلاقی قدروں سے متعلق ہیں ان کو انسانی سماج کے لئے ناگزیر بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ مولانا نے فرمایا کہ شریعت میں جیسے شراب کو حرام قرار دیا گیا اور جوا کے بارے میں کیا گیا: "إثمهما أكبر من نفعهما"۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں فائدے کا بھی کوئی پہلو ہو۔ اور اللہ تعالی نے جتنی چیزوں کو دنیا میں پیدا کیا ہے اس میں کوئی پہلو نفع کا ضرور ہوتا ہے۔ لیکن یہ دیکھنا ہوگا کہ اس میں غالب پہلو نقصان کا ہے یا نفع کا۔ اور نقصان کو صرف جسمانی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ اخلاقی نقطہ نظر سے بھی تولنا ہوگا۔ اگر آپ اس تناظر میں اس مسئلہ کو دیکھیں گے تو بہتر طور پر آپ حل کر سکیں گے۔

مقاصد شریعت
عہد اول سے تاریخی تسلسل

ڈاکٹر طہ جابر علوانی صاحب
ترجمہ: مولانا محمد فہیم اختر ندوی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وصحبه ومن تبع واهتدى بهديه إلى يوم الدين، اما بعد!

آج کی اس نشست میں گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ مقاصد شریعت کو نظر انداز کرنے یا ان کی رعایت نہ کرنے کے نتیجہ میں جو فقہی مسائل سامنے آئے انہوں نے کس طرح یہ احساس پیدا کیا کہ یہ شریعت ایک ایسے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے جو گذر چکا، اور یہ دعوی کہ شریعت ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، غلط ہے۔ کیونکہ موجودہ مسائل کے فتاوی حرج وتنگی پیدا کر رہے ہیں۔ اسلامی شریعت کے دونوں مصادر قرآن اور اس کی تشریح سنت نبویہ نے یہ ثابت کیا کہ علماء نئے مسائل میں ایسے فتاوی دیں جو حالات کے زیادہ مناسب ہوں، ان میں نہ حرج ہو، نہ وہ نا قابل برداشت حکم ہو اور نہ لوگوں کے مصالح سے نظر اندازی یا ان کے لئے ضرر رسانی ہو۔ دوسری تہذیبوں کے عروج کے اس دور میں فطری بات تھی کہ ہر گھنٹہ بلکہ ہر منٹ ایسے چیلنج اور ایسے مسائل کی بھرمار ہو جائے کہ اگر ان کا جواب نہ دیا جائے تو لوگ شریعت

اور فقہ اسلامی سے دور ہو جائیں اور اپنے مسائل کا حل شریعت کے دائرہ سے باہر تلاش کریں۔ اور جب ایسا ہوگا تو العیاذ باللہ یہ اسلام سے دوری ہوگی اور ارتداد ہوگا۔ اور لوگ اسلام مخالف یا کم از کم اسلام سے دوری رکھنے والی تحریکوں کا شکار ہو جائیں گے۔ بعض لوگوں نے یہ جرأت کی کہ اسلامی شریعت کی جانب عجز و قصور کو منسوب کیا اور کہا کہ یہ شریعت انسان کے روزمرہ پیدا ہونے والے مسائل اور بدلتے احوال میں ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، ایسے لوگوں کو یا تو اللہ کی شریعت سے ناواقفیت تھی، یا انہیں یہ توہم ہوا کہ فقہاء کی آراء اور فتاوی ہی دراصل اسلامی شریعت ہیں۔ اس طرح ایک فقیہ کی عاجزی اور نئے مسائل کو حل کرنے میں اس کی عدم قدرت نے بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں پوری اسلامی شریعت کے خلاف منفی احساس کو جنم دیا۔

کچھ ناواقفوں کے ذہنوں میں یہ تصور ابھر آیا کہ اسلامی شریعت کے احکام اور امور آخرت کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ صرف تعبدی امور ہیں۔ اور یہ شریعت لوگوں کی دنیاوی زندگی کے ان مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، جن کو آج کی قانونی اصطلاح میں سول قوانین اور دیوانی وفوجداری قوانین کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کا اصل ہدف لوگوں کی زندگی کو اس طرح منظم و مرتب کرنا ہے جس کے ذریعہ اس دنیا میں مخلوق کے بارے میں اللہ کے مقاصد کی تکمیل ہو۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**لقد أرسلنا رسلنا بالبينات وأنزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط**" (سورۂ حدید: ۲۵) (ہم نے اپنے پیمبروں کو کھلی ہوئی چیز دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا، تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں) یہاں یہ نہیں کہا جارہا ہے کہ آخرت میں لوگوں کے عمل کی تعیین کی جائے، آخرت تو جزاء کا مقام ہے، عمل کا مقام نہیں ہے۔ عبادات سے تعلق رکھنے والے امور محدود اور گنتی کے ہیں۔ ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں اسلامی شریعت کی صلاحیت کو ثابت کرنے کے لئے اور زمانہ کے چیلنجوں کا جواب دینے کی اس کی قدرت کو واضح کرنے کے لئے سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ہمیں مقاصد

شریعت کا ادراک اور اس کا فہم ہو۔ اور ان مقاصد کو استعمال کرنے کے آسان راستے معلوم ہوں، اور اس روشنی میں مرتب ہونے والی فقہ مخلوق کے بارے میں اللہ کے مقاصد کو پوری کرے۔ اور نئے مسائل میں سے ہر مسئلہ کا مناسب جواب فراہم کرے اور اس میں صحیح رہنمائی دے۔

مقاصد کی تاریخ لکھنے والے کچھ مؤرخین نے یہ ذکر کیا ہے کہ مقاصد کا خیال سب سے پہلے امام الحرمین الجوینی کے یہاں پیدا ہوا۔ اور ان سے امام غزالیؒ نے اخذ کیا۔ پھر چند علماء کے ذریعہ قواعد کی صورت میں نمایاں کیا گیا۔ جیسے عز بن عبد السلام اور امام شاطبی جو مقاصد کے نظریہ کو بنانے والی شخصیت سمجھے جاتے ہیں۔ یا بعض علماء نے اسے اسلامی فقہ کے مصادر میں سے ایک مصدر کے طور پر پیش کیا۔ اور قانون سازی میں اس کے رول کو نمایاں کیا۔ لیکن مؤرخین کی اس رائے سے مجھے مکمل اتفاق نہیں ہے۔ اس لئے کہ خود قرآن کریم نے احکام کی علتیں بتائی ہیں۔ اور سنت نبویہ میں ان علتوں کو بیان کیا گیا اور انہیں مکمل کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے احکام کی علتیں بتائیں۔ اگر یہ ضروری ہو کہ مقاصد پر کام کو کسی کی جانب منسوب کیا جائے تو اس انتساب کے سب سے اولین مستحق قرآن کریم اور سنت نبوی کے بعد حضرات شیخین حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ ہیں۔ ان دونوں حضرات نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے نئے مسائل کا سامنا کیا اور ان مسائل میں مقاصد شریعت کو پیش نظر رکھا۔ اگر حضرت ابو بکرؓ کے سامنے یہ مقاصد نہ ہوتے، گرچہ انہوں نے مقاصد کا نام نہیں دیا اور نہ اصولی انداز پر اسے پیش کیا تو وہ نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کرنے والوں کے خلاف جہاد کے لئے بحث و مناقشہ نہیں کرتے۔ جن لوگوں نے نماز کی پابندی رکھی اور زکاۃ دینے سے انکار کیا انہیں حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین قرار دیا۔ اور جمہور صحابہ سے اختلاف کے باوجود انہوں نے ان لوگوں سے جہاد کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ بھی اختلاف کرنے والوں میں تھے۔ لیکن مقاصد شریعت پر گہری نظر ہی کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے محسوس کیا کہ اگر ان لوگوں کے ساتھ نرمی برتی جائے گی تو یہ امت اپنا پاؤں جمانے سے پہلے اکھڑ جائے گی۔ اور جب امت کے قدم اکھڑ جائیں گے تو امت کے

وجود سے شریعت کا بنیادی مقصد فوت ہو جائے گا، یعنی شہادت علی الناس کا فریضہ باقی نہیں رہے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی نیابت باقی نہیں رہ جائے گی، اگر امت مسلمہ اس واجب شہادت کو ادا نہیں کرتی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گمراہی اور انحراف اور شرک انسانی زندگی کے راستہ کو روک دیں گے اور ہر چیز پر یہ چھا جائیں گے۔ اسی لئے حضرت صدیقؓ نے اس مقصد شریعت اور روح شریعت کے ادراک کی وجہ سے اپنے فیصلہ پر اصرار فرمایا۔ یہی حضرت صدیق اکبرؓ ہیں جنہوں نے فرمایا کہ اے لوگو! تم قرآن کریم کی اس آیت کو دوسرا مطلب پہناتے ہو، اللہ کہتا ہے: "لا یضر کم من ضل إذا اهتدیتم" میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے "لتأخذن علی ید الظالم ولتأطرنه علی الحق أطرا أو لیسلطن الله علیکم" (تم ضرور ظالم کا ہاتھ پکڑلو اور اسے زبردستی حق پر لے آؤ ورنہ اللہ تم پر دوسرے کو مسلط فرمادے گا)۔ یہ نص شریعت کے مقاصد اور اس میں مخفی شریعت کے غایات کا ادراک اور اس کی جانب لوگوں کی توجہ کو مبذول کرنا تھا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں نئے مسائل اور واقعات کثرت سے پیش آئے، اور حالات و واقعات نے انہیں مجبور کیا کہ وہ مقاصد شریعت اور احکام کی تعلیل کا راستہ اپنائیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال اور سوچ غلط ہے کہ حضرت عمرؓ نے کچھ شرعی احکام کو موقوف کر دیا تھا جیسا کہ ان کی جانب منسوب چوبیس مسائل کے بارے میں کچھ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ مقاصد شریعت کو اس طرح پیش نظر رکھتے تھے کہ دوسرے صحابہ کرام اس طرح پیش نظر نہیں رکھ پاتے تھے۔ خمس میں آل رسول اللہ ﷺ کے حصہ کے مسئلہ میں انہوں نے مقصد شریعت کو پیش نظر رکھا۔ مؤلفۃ القلوب کے مسئلہ میں، تین طلاق کے غلط استعمال کے مسئلہ میں اور بے شمار نئے مسائل میں انہوں نے شریعت کے مقاصد ہی کو پیش نظر رکھ کر فتاوی دیئے۔ ان تمام مسائل میں مقاصد شریعت کی رعایت دراصل شریعت کے نصوص کو کلیات کی شکل میں عمل میں لانا تھا، خواہ وہاں کوئی جزوی نص براہ راست موجود نہ ہو، یا مجتہد کے ذہن میں اس مسئلہ کے تئیں شرعی

مقصد کا نکتہ جزئی دلیل کی صورت میں واضح نہ ہو۔ یہ کافی ہے کہ کلی دلائل کے اندر مقاصد شریعت نمایاں ہوں اور وہ قطعی شکل اختیار کریں، جن کی علت حضرت عمرؓ نے ان مسائل میں بیان فرمائی۔ یہ صحیح ہے کہ امام الحرمین نے اسے اصولی شکل دی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مقاصد کوئی ایسی چیز ہے جو عہد صحابہ اور عہد تابعین کے بعد نئی پیدا ہوئی ہے، بلکہ یہ مقاصد عہد صحابہ میں ہی بعض کبار صحابہ کے ذریعہ نمایاں ہوئے اور ان پر کام ہوا۔

بعض اہل اصول نے مقاصد شریعت پر گفتگو قیاس کے مباحث میں کی ہے۔ اور بعض نے مصالح کے ضمن میں گفتگو کی ہے۔ وہ مقاصد شریعت کو ایک ایسے مستقل دلیل کے طور پر علاحدہ نہیں بیان کر سکے جس سے احکام شریعت کا استنباط کیا جائے، اور مسائل کے بڑے حصہ کا حل پیش کرے اور جو فقہ اسلامی سے اس تہمت کو دور کر سکے کہ نصوص محدود ہیں اور واقعات لامحدود ہیں۔ گویا وہ واقعات کو تو اطلاق کا وصف دیتے ہیں اور نصوص سے بالخصوص قرآنی نصوص سے یہ وصف ہٹا لیتے ہیں، جبکہ قرآنی نصوص زمان و مکان کے عوامل کی حدبندیوں سے وسیع ہیں۔ لیکن حقیقی بات یہ ہے کہ امام الحرمین نے یہ مقاصد اپنی دو اہم کتابوں میں ذکر کئے ہیں۔ ایک البرہان میں، اور کچھ باتیں دوسری کتاب الغیاثی . ں، جو شرعی سیاست سے متعلق قواعد کی تعیین میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ امام غزالی نے امام الحرمین کی باتوں کو مزید تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب المستصفی میں بیان کیا، پھر ان کی مزید تفصیل و توضیح اور ان مقاصد کی درجہ بندی وغیرہ اپنی مشہور و اہم کتاب "شفاء الغلیل فی بیان الشبہ والمخیل ومسالک التعلیل" میں فرمائی ہے۔ امام غزالی نے مقاصد کی رعایت اور احکام کے ساتھ ان کے تعلق پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ مناسب معانی کا تعلق امر مقصود کی رعایت سے ہے، مقصود دنیوی ہوتا ہے یا دینی۔ اور ہر دو کی د، قسمیں ہیں، ایک حاصل کرنا اور دوسرے باقی رکھنا، اور امر مقصود سے باہر ہر چیز کو انہوں نے غیر مناسب قرار دیا۔ اسی طرح مقاصد کے مراتب بیان کئے اور ان کو ثابت کرنے کے طریقے بیان فرمائے۔ اسی طرح ان کی کتاب احیاء علوم الدین میں احکام سے متعلق بہت ساری حکمتیں

اور علتیں بیان ہوئی ہیں۔ امام غزالی نے جو کچھ بیان فرمایا جو مختصر تھا، اور ان سے پہلے جو کچھ بیان کیا گیا جو مختصر ترین تھا، ان پر ہی متاخرین نے اپنے مقاصد میں مذاہب کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام (۶۶۰ھ) نے اپنی کتاب القواعد الکبریٰ لکھی، جس کو بہت پسند کیا گیا، یہاں تک کہ صاحب کشف الظنون نے فرمایا کہ اس جیسی کوئی کتاب نہیں ہے۔ پھر انہوں نے معارف القواعد الصغریٰ لکھی۔ یہ دونوں کتابیں مطبوعہ اور متداول ہیں۔ اسی طرح ان کی کتاب قواعد الاحکام فی مصالح الانام کئی بار طبع ہو چکی ہے، اس میں انہوں نے تمام احکام میں مصالح کی رعایت اور اس سے مستثنیٰ احکام کا ذکر کیا اور ان تک پہنچنے کے راستے بتائے۔ اسی طرح مصالح اور مفاسد کے فرق اور ہر دو کے درجات اور اقسام بیان کئے، اور بتایا کہ احکام کے ساتھ علتوں کی مناسبت ہے اور اسباب کے زوال کے ساتھ احکام بھی ختم ہو جاتے ہیں، اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم نے اس موضوع پر لکھا۔ اسی طرح امام ابراہیم بن موسیٰ لخمی شاطبی (۷۹۰ھ) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الموافقات فی اصول الشریعہ لکھی۔ امام شاطبی کی کتاب میں بڑی تفصیل ہے اور متقدمین کی بحث پر کافی اضافہ ہے، اس موضوع پر یہ سب سے جامع اور اہم کتاب ہے، انہوں نے اس میں اور الاعتصام میں مقاصد پر بحث کی۔ اور مقاصد پر براہ راست بڑی مفصل بحث کی، اور مقاصد شارع اور مقاصد مکلفین میں فرق کیا۔ مقاصد شارع کی انہوں نے چار قسمیں کیں: ۱-شریعت سازی سے شارع کے اصل مقاصد، ۲-شریعت سازی کے مقاصد برائے تفہیم، ۳-شریعت سازی کے مقاصد برائے تکلیفی حکم، ۴-اور شریعت سازی کے مقاصد برائے حکم برآری۔ لیکن اپنی تمام تر اہمیت اور سابقین کے مقابلہ میں ان کے کاموں کی عظمت کے باوجود انہوں نے پہلی قسم شریعت سازی سے شارع کے اصل مقاصد کو مناسب حد تک واضح نہیں فرمایا۔ جبکہ انہوں نے ان سب کو مصالح مکلفین کی تکمیل میں شریعت کے مقاصد کے تحت داخل کر دیا۔ اور اس کے انہوں نے تین درجے فرمائے: ضروریات، حاجیات اور تحسینیات۔ یہ کام اپنی ذات میں بہت بڑا علمی کارنامہ تھا جس نے بعد

میں آنے والے علماء کے سامنے غور وفکر کے وسیع دروازے کھول دیئے، کہ وہ اس راستہ پر چلیں اوراس بنیاد پر مزید تعمیر کریں، اوراس طرح مقاصد پر کام آگے بڑھتا گیااور آج موجودہ انداز پر جاری ہے۔

لیکن شریعت سازی سے شارع کے اصل مقاصد پر خاطر خواہ توجہ نہ تو امام شاطبی کے یہاں اور نہ بعد کے علماء کے یہاں ڈالی جاسکی۔ تین سطحوں پر بحث جاری رہی: مقاصد ضروریہ، مقاصد حاجیہ، اور مقاصد تحسینیہ۔ اور بالخصوص مقاصد ضروریہ کو پانچ معروف قسموں میں محدود کردیا گیا جو آپ سب سے مخفی نہیں ہے۔ لیکن جیسی ہمیں تمنا تھی اور ہم چاہتے تھے کہ وہ یا ان کے بعد کے علماء اس پہلی قسم پر اس طرح روشنی ڈالتے اور ان کی ایسی توضیح کی جاتی کہ فقیہ اور اصولی حضرات قرآن کریم اور سنت نبویہ کے بعد دوسرے تمام مصادر شریعت پر اس کو مقدم کرنے کی قدرت پاسکتے۔ اسی لئے اس عاجز نے اس پہلو پر توجہ دی اور اس پر کام کرنا چاہا، بالخصوص اس وقت جب فقہ الاقلیات المسلمہ پر کام کا آغاز ہوا۔ اس فقہ کے ضمن میں ہم نے دیکھا کہ بہت سے ایسے دلائل جو مختلف فیہ ہیں وہ موجودہ مسائل ومشکلات کا جواب فراہم نہیں کرپاتے ہیں۔ لیکن قرآن اور سنت اپنے مقاصد اور کلیات کے دائرہ میں ہمیں ان کے احکام اور ایسے سوالات کے جواب تک پہنچاتے ہیں جن سے ہم آج کے اس سماج میں دوچار ہیں جہاں ہم اقلیت کی حیثیت میں ہیں۔ لیکن ان کلیات اور مقاصد سے فقہاء مانوس نہیں ہوسکے ہیں، اور ہم اب تک ان کی ایسی توضیح نہیں کرسکے کہ ایک فقیہ ان کی طرف مراجعت کرکے موجودہ دور کے بے شمار نئے مسائل اور مشکلات کے لازمی جوابات فراہم کرسکے۔ شاید میں دوسری گفتگو میں اس بابت کچھ بنیادی باتیں عرض کرسکوں۔ جسے میں نے المقاصد القرآنیہ الحاکمہ (عظیم قرآنی مقاصد) کا نام دیا ہے، تاکہ فقہاء ان سوالات کے جوابات دے سکیں جن سے ہم اقلیتی ممالک میں دوچار ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے حالات کے پیش نظر آپ بھی ہمارے اس کام میں شریک ہوں گے، اور ہم مل جل کر ان قرآنی عظیم مقاصد کو نمایاں کریں گے، انشاءاللہ۔ جزاکم اللہ۔

تاریخ مقاصد پر ایک سرسری نظر

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
ترجمہ: مولانا محمد فہیم اختر ندوی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستهديه، ونصلي و نسلم على رسولنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ۔

عہد نبوی میں مقاصد شریعت کی رعایت کس درجہ رہتی تھی اس کو سمجھنے کے لئے چند واقعات کا ہم تذکرہ کرتے ہیں۔ مقاصد شریعت کے سلسلہ میں دور نبوی کا ایک واقعہ بہت اہم ہے، یہ مسجد ضرار کی تحریق کا واقعہ ہے۔ مسجد کی تعمیر شریعت کے مقاصد میں سے ہے، ہر مسلم آبادی میں مسجد قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حتی کہ اگر کسی علاقہ کے لوگ اس بات پر مصر ہو جائیں کہ وہ اذان نہیں دیں گے تو ان سے جنگ کی جائے گی، حالانکہ اذان سنت ہے۔ یہ اس لئے کہ مسجد کا قیام اور اللہ کے نام کی بلندی شریعت کے مقاصد میں سے ہے۔ لیکن منافقین نے شریعت کے مقصد کو اپنی منافقانہ سرگرمیوں کا آلہ بنانا چاہا، انہوں نے مسجد تعمیر کی اور یہ پلاننگ کی کہ رسول اللہ ﷺ سے (نعوذ باللہ) بغض رکھنے والے تمام لوگوں کو یہاں اکٹھا کرلیا جائے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے اس مسجد کا افتتاح خود حضور اکرم ﷺ سے کرانا چاہا تا کہ انہیں سرکاری لائسنس حاصل ہو جائے، وہ اپنی تمام مفسدانہ کارروائیوں کا لائسنس بھی حاصل کرلینا چاہتے تھے، لیکن اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو باخبر کردیا اور آیت کریمہ نازل فرمائی: "والذين اتخذوا مسجدا ضراراً وكفرا وتفريقا بين المؤمنين وإرصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل

وليحلفن إن أردنا إلا الحسنى والله يشهد إنهم لكاذبون ، لاتقم فيه أبدا لمسجد أسس على التقوى من أول يوم أحق أن تقوم فيه، فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين" (سورۂ توبہ: ۱۰۷-۱۰۸) (اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے کو بنائی ہے اور کفر کی غرض سے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی غرض سے اور اسی غرض کے لئے جو اس کے قبل اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے اسے ایک کمین گاہ مل جائے، اور یہ لوگ قسم کھا جائیں گے کہ ہماری غرض بجز بھلائی کے کچھ نہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ (بالکل) جھوٹے ہیں، آپ اس میں کبھی بھی نہ کھڑے ہوں (البتہ جس) مسجد کی بنیاد تقوی پر اول روز سے پڑی ہے وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں (ایسے) آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے) رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کو جلا دیا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر شارع کے مقصد کو دوسرے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کو روکا جائے گا۔ مسجد کے سلسلہ میں قصد شارع کیا ہے؟ حدیث رسول ﷺ ہے کہ "جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی جس سے وہ اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے تو اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا"۔ تو مسجد کا مقصود اللہ کی خوشنودی ہے۔ یہاں جو مسجد بنائی گئی اس کا مقصود اللہ کی خوشنودی نہیں بلکہ فساد اور بگاڑ تھا۔ مقصد شارع کے برعکس یہاں ارادہ کیا گیا، تو اس کا حکم یہ طے پایا کہ ایسی مسجد جلا دی جائے۔

دوسرا واقعہ وہ ہے جس میں ایک خاتون حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ جا رہی تھی، جس میں اہل مکہ کو اس خبر سے آگاہ کیا گیا تھا کہ مدینہ کے دس ہزار فوجی مکہ فتح کرنے آ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ کو مخفی رکھنا چاہا تھا، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ نے اس خاتون کو راستہ میں پکڑ لیا، اور اس سے خط طلب کیا، اس نے خط کا انکار کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اگر یہ خط مکہ چلا گیا اور اہل مکہ نے خبر پا کر پہلے مدینہ پر حملہ کر دیا

تو یہاں سینکڑوں بلکہ ہزاروں لوگ حملہ میں شہید ہو سکتے ہیں، مدینہ کی حرمت پامال ہوگی اور عرب کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ یہ لوگ ماہ حرام میں جنگ کر رہے ہیں۔ ایک طرف اتنی بڑی مصلحت تھی، چنانچہ انہوں نے عورت کو دھمکی دی کہ یا تو خط نکالو ورنہ ہم تمہیں ننگا کر دیں گے۔ وہ خط چھپائے تھی، اتنی بڑی مصلحت اور بڑے نقصان سے بچنے کے لئے انہوں نے اس چھوٹے نقصان کو گوارا کرنا چاہا کہ عورت اگر خط نہیں دیتی ہے تو اس کے کپڑے نکال کر خط حاصل کر لیا جائے۔

اسی طرح جب دس ہزار بنو غطفان نے مدینہ کا محاصرہ کیا اور بنو قریظہ نے اپنا معاہدہ توڑ دیا تو ایسے موقع پر حضور ﷺ نے مدینہ کے ایک تہائی پھل کے عوض بنو غطفان سے صلح کرنی چاہی۔ لیکن حضرت اسیدؓ بن حضیر اور حضرت سعدؓ بن معاذ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں ان کو کچھ دینا گوارہ نہیں کرتے تھے، اب جبکہ اللہ نے ہمیں آپ کے ذریعہ اور اسلام کے ذریعہ عزت بخشی ہے، ہم مدینہ کا ایک تہائی پھل انہیں کیسے دے سکتے ہیں؟ لیکن انہوں نے پہلے رسول اللہ ﷺ سے ایک سوال کیا۔ یہی اہم سوال ہے اور ہمیں اس کا خیال رکھنا ہے۔ انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ وحی الٰہی ہے جس کی پابندی ہم پر لازم ہے، یا جنگی تدبیر اور چال ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جنگی تدبیر اور چال ہے وحی الٰہی نہیں ہے۔ میں نے تم لوگوں کی خاطر یہ چاہا ہے۔ تب انہوں نے عرض کیا: پھر ہم ان کو ایک دانہ نہیں دے سکتے، انہوں نے خط لے کر پھاڑ دیا۔ یہ تمام واقعات بتاتے ہیں کہ وہاں فکر مقاصدی کس طرح کام کر رہی تھی، اور رسول اللہ ﷺ کی حیات میں جزئی نص وحکم کے ساتھ مقاصد شریعت پر نظر رکھی جا رہی تھی، بلکہ مقاصد شریعت جزئی نص کے لئے مخصص بنتے تھے۔

اسلام کی تاریخ میں فکر مقاصدی کا استعمال ہمیشہ ہوتا رہا ہے، ذیل میں ہم ان کا سرسری تذکرہ کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تمام اصولیین اور فقہاء باستثنائے ظاہریہ وبعض شیعہ فکر مقاصدی کو استعمال کرتے رہے ہیں۔ لیکن عملی تطبیق کے موقع پر قرین انصاف بات یہ ہے کہ ہم کو

کوئی ایک بھی فقیہ یا ایک بھی فقہی اسکول مکمل ایسا نہیں ملتا جس نے فکر مقاصدی کو نظر انداز کیا ہو۔ عملی میدان میں مسائل کی تطبیق کے وقت کوئی فقیہ بھی ایسا نہیں ہے جو حکم شرعی کی تعلیل پر نظر نہ رکھتا ہو، خواہ یہ علت حکم بذات خود نصوص سے نکل رہی ہو، یا نصوص سے اس کا استنباط کیا جا رہا ہو۔ ہاں صرف یہ فرق ملتا ہے کہ کچھ لوگ علت کو اپنے فطری سلیقہ اور رجحان کے تحت استعمال کرتے ہیں، اور کچھ اسے نظریہ کی شکل دیتے ہیں۔ اس طرح اس معاملہ کے دو درجے ہو جاتے ہیں۔ ایک تطبیقی درجہ ہے، جیسے عربوں کے اشعار کا معاملہ ہے، کیا ایسا کبھی ہوا کہ اہل عرب نے شعری بحور اور وزن میں اس وقت تک شعر ہی نہ کہا ہو جب تک کہ خلیل بن احمد فراہیدی نے اس فن کو نہ بتایا ہو۔ نہیں۔ عرب اپنے طبعی سلیقہ کے تحت اشعار کہا کرتے تھے۔ خلیل بن احمد نے اسے بعد میں فنی شکل دی۔ پھر ان کے فن سے ان لوگوں نے بھی استفادہ کیا جو سلیقہ کے تحت اشعار کہنے والے تھے اور دوسروں نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ ہر عربی شعر کے اندر ایک نظم اور وزن ہوتا ہے، اور اس وزن پر ہی وہ شعر چل رہا ہوتا ہے۔ وزن اور بحر پر شعر کی قراءت علاحدہ ہوتی ہے، جبکہ بظاہر اسے رواں پڑھا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح فکر مقاصدی فقہاء کے یہاں کام کرتی رہی ہے۔ اسی لئے میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ کسی فقہی اسکول نے مکمل طور پر فکر مقاصدی کو نظر انداز کیا ہو۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس فقہی اسکول کے پاس نہ تو عقل ہے اور نہ فکر۔ پھر مسائل کا استنباط انہوں نے کیسے کیا؟ فقہاء اربعہ سب کے سب فکر مقاصدی کا استعمال اپنے استنباطات میں کرتے رہے تھے۔ لیکن جہاں تک تنظیر اور نظریہ بنانے کی بات ہے تو یہ تاریخ میں دیکھنے کی چیز ہے۔ نحو اور لغت کی طرح مقاصد کے موضوع پر بھی نظریہ سازی کا کام بعد میں ہوا۔

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ حکیم ترمذی (۲۷۵ھ) جو تیسری صدی ہجری کے ہیں انہوں نے اپنی کتابوں کے لئے مقاصد اور علل کا لفظ استعمال کیا۔ ان کی کتاب ہے: ''الصلاۃ ومقاصدھا''، ''الحج واسرارہ''، ان میں انہوں نے عبودیت اور احکام کے مقاصد پر گفتگو کی ہے۔ حکیم ترمذی نے گویا اس پر کام شروع کیا۔ اسی طرح انہوں نے ''الفروق'' کے نام سے

ایک رسالہ لکھا۔ ابو منصور ماتریدی (۳۳۳ھ) جو عقائد کے موضوع پر زیادہ مشہور ہیں، انہوں نے مقاصد شریعت پر لکھا ہے۔ "مأخذ الشرائع" ان کی کتاب ہے۔ ابوبکر قفال الشاشی (۳۶۵ھ) جو قفال کبیر سے مشہور ہیں، ان کی کتاب "محاسن الشریعة" ہے، جس میں انہوں نے اسرار اور علل کے موضوع پر گفتگو کی ہے۔ ابوبکر أبہری (۳۷۵ھ) کی کتاب "مسألة الجواب والدلائل والعلل" ہے۔ امام باقلانی (۴۰۳ھ) کی "المقنع فی أصول الفقه" ہے، اور "الاحکام والعلل" ہے۔ ان میں انہوں نے اسی موضوع پر گفتگو کی ہے۔

یہ سب کے سب شریعت کے اسرار اور مقاصد و حکمت پر کوششیں تھیں۔ لیکن سب سے پہلی کتاب جسے تاریخ فکر مقاصدی کے میدان میں بیج کہا جاسکتا ہے، وہ امام الحرمین عبدالملک الجوینی (۴۷۸ھ) کی کتاب ہے، ان کی دو کتابیں بہت اہم ہیں: "البرهان" اور "الغیاثی"۔ الغیاثی انتہائی اہم کتاب ہے، میں آپ تمام کو نصیحت کرتا ہوں کہ جسے بھی فقہی اور اصولی عقل و اسلامی سیاست کو سمجھنا ہو وہ اس کتاب کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرے۔ ان کتابوں کے محقق ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب ہیں۔ کتاب کا پورا نام "غیاث الامم فی التیاث الظلم" ہے، گرچہ اس کتاب کی تحقیق استاذ مصطفیٰ حلمی نے بھی کی ہے، جو میرے استاذ ہیں، لیکن ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب کی تحقیق زیادہ وقیع اور فاضلانہ ہے۔ امام جوینی نے پہلی مرتبہ کہا کہ مصالح تین ہیں، انہوں نے بتایا کہ ایک ضروریات ہیں، دوسرے حاجیات ہیں اور تیسرے ایسے ہیں جو نہ ضروری میں آتے ہیں نہ حاجی میں آتے ہیں۔ جس طرح احناف نے حدیث کی تقسیم کی کہ ایک قسم متواتر ہے اور دوسری مشہور ہے، اور تیسری قسم وہ ہے جو نہ متواتر ہے نہ مشہور۔ اس کا نام انہوں نے "خبر واحد" رکھا۔ اسی طرح امام جوینی نے تیسری قسم وہ بتائی جو نہ ضروری ہے نہ حاجی میں آتی ہے۔ پھر انہوں نے چوتھی قسم ذکر کی اور کہا کہ یہ بہت ہی نادر ہے، یہ وہ ہے جس کی واضح تعلیل اور معین مقصود ظاہر نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر مغرب کی نماز تین رکعات کیوں ہے؟ جبکہ فجر کی دو رکعات ہیں۔ حجر اسود کو ہم بوسہ کیوں دیتے ہیں؟ وغیرہ۔ لیکن ایسے احکام جن کی علت

واضح نہیں ہے، بہت ہی نادر ہیں۔ یہ باتیں امام جوینی کے ذہن میں تھیں۔ ان کے بعد جب ان کے شاگرد امام غزالی (۵۰۵ھ) آئے تو انہوں نے مصالح کی تین قسمیں بتائیں: ۱-ضروری، ۲-حاجی، ۳-تحسینی۔ ان لوگوں نے اگرچہ بیج ڈالا لیکن اس وقت تک مسئلہ اس طرح واضح نہیں ہوا تھا جس طرح بعد میں چل کر واضح ہوا۔ انہوں نے ایک اور مسئلہ کی بنیاد ڈالی، انہوں نے کہا کہ عبادات کی تعلیل ہو سکتی ہے، تیمّم کی علت بتائی جاسکتی ہے۔ امام جوینی کے نزدیک تیمّم کی علت مٹی کو طہارت کے قائم مقام بنانا ہے۔ کوئی شخص اگر پانی نہیں پاتا ہے تو وہ ایسا نہ کرے کہ سیدھا آ کر نماز شروع کر دے۔ امام محمد بن عاشور نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ تیمّم کا مقصود یہ ہے کہ انسان کو یہ احساس رہے کہ وہ بغیر طہارت کے نماز میں داخل نہیں ہوسکتا۔ دونوں باتیں قریب قریب ہیں، یعنی نماز سے پہلے اس کے لئے جسمانی تیاری کا احساس۔

امام جوینی نے جن مسائل کے بیج ڈالے تھے، امام غزالی نے اسے پروان چڑھایا، آگے بڑھایا، اور اسے فن کی شکل دی۔ امام غزالی نے مصالح کی تین قسمیں بتائیں: ضروری، حاجی، تحسینی۔ پھر مصالح ضروریہ کے تحت انہوں نے فرمایا کہ یہ چیزیں آتی ہیں: دین، نفس، عقل، بضع اور مال۔ نسب، نسل اور عرض امام غزالی کے ذہن میں واضح نہیں تھے، عرض کی جگہ پر انہوں نے بضع کہا، دوسری جگہ انہوں نے نسب کہا، پھر کسی جگہ انہوں نے نسل کا نام لیا۔ گویا یہ مسئلہ پوری طرح واضح نہیں ہو سکا۔ لیکن اس کے باوجود امام غزالی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس مسئلہ پر پوری توسع کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ اور یہی وہ بنیاد تھی جس پر بعد میں امام شاطبی نے علم مقاصد کی پوری خوبصورت عمارت تعمیر کی۔ امام غزالی اور امام شاطبی کے علاوہ امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) نے بھی اس میدان میں خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی کتاب "المحصول" ہے جو کہ ابو الحسین کی کتاب "**المعتمد**"، امام غزالی کی "**المستصفی**" اور جوینی کی "البرهان" کی تلخیص ہے۔ المحصول کی بہترین تحقیق ڈاکٹر طہ جابر علوانی نے کی ہے۔ اس تحقیق میں واقعی علم و تحقیق ہے اور معلومات کا دریا ہے، بڑی جہد و کاوش اور عقل وفہم کے ساتھ تحقیق کی گئی

ہے، واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر طہ جابر علوانی کے ساتھ میرے تعلق کا ذریعہ یہی تحقیق ہے۔ امام فخر الدین رازی نے بھی ضروریات خمسہ پر گفتگو کی، لیکن ان کے یہاں ان پانچ ضروریات کی ترتیب واضح نہیں ہے۔ انہوں نے نفس، مال، نسب کے بعد دین پھر عقل کا ذکر کیا ہے۔ دین کا مقام نسب، مال اور نفس کے بعد اور عقل سے پہلے رکھا، دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں: نفوس، عقول، ادیان، اموال، انساب۔ اس طرح ان پانچ ضروریات کی ترتیب ان کے یہاں واضح نہیں رہ جاتی ہے۔ پھر سیف الدین آمدی (۶۳۱ھ) کا دور آتا ہے، ان کی کتاب "الإحکام فی اصول الاحکام" ہے۔ انہوں نے امام فخر الدین رازی کی طرح ہی مذکورہ کتابوں کی تلخیص کی۔

یہ دور تلخیص کا ہے جس میں سابق دور کی تحریروں کی تلخیصیں کی گئیں۔ لیکن ان کے اندر فکری نقاط بھی ہیں۔ اور نئے خیالات بھی پیش کئے گئے ہیں جو پہلے سے موجود نہ تھے۔ ابن عبدالبر کی بات پر ہم سب کو خوب غور کرنا چاہئے، ہم میں سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہاء کرام نے مقاصد شریعت کو نہیں برتا۔ ایسا نہیں ہے، انہوں نے مقاصد کو برتا، اس کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: "علم کے لئے اس سے زیادہ نقصان دہ جملہ کوئی نہیں کہ "ما ترک الأولون للآخرین من شئ" (پہلے کے لوگوں نے بعد والوں کے لئے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا)۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب کسی کام کی ضرورت نہیں ہے، صرف تلخیص اور حفظ کافی ہے۔ متون کے حفظ سے ٹھیک ہے کہ مسائل کا استحضار ہو جاتا ہے، لیکن صرف یہی کافی نہیں ہو سکتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم غور و فکر کریں۔ اسلامی اکیڈمیوں کا رول صرف یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ماضی کے مسائل و احکام کا تذکرہ کر دیں۔ ہم نے سنا کہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ، ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور دیگر علماء سب کہتے آرہے ہیں کہ آج بہت سے نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسے ایسے پیچیدہ مسائل ہمارے سامنے ہیں کہ اگر آج ائمہ مجتہدین ایک ساتھ آجاتے اور آج کی دنیا کے ان پیچیدہ ترین کثیر مسائل کو ان کے سامنے رکھا جاتا تو وہ حیران ہوتے۔ وہ اس کے لئے مجلس غور و فکر منعقد

کرتے، اور بار بار مجلسوں کا انعقاد کرنا پڑتا تب کہیں جا کر وہ ان کے احکام طے کرتے۔ آج ایک صاحب اٹھ کر فوراً ہی اپنی رائے ظاہر کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ حرام ہے۔ یا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ ہمارے یہاں ایک شہر میں چار افراد نے اسلام قبول کیا۔ انہیں کیا تعلیم دی گئی کہ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ سوائے ہم چار کے بقیہ پوری دنیا کے مسلمان کافر ہیں، پانچویں شخص کے اسلام میں شک ہے، لہذا احتیاطاً اسے بھی ہم کافر قرار دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ پوری امت مسلمہ اب صرف چار افراد میں سمٹ گئی۔ یہ کیسی بند عقل ہے۔ افسوس کہ آج ہمارے درمیان یہ مصیبت بھی آ گئی ہے۔

امام آمدی نے پہلی بار قیاس کے اندر ترجیحات کو مقاصد میں داخل کیا، اگر قیاس کے درمیان تعارض ہو جائے، ایک مسئلہ پر کئی رخ سے قیاس ہو سکتا ہے تو ترجیح کس طرح ہو گی؟ انہوں نے بتایا کہ قیاس کے تعارض میں ترجیح شرعی مقاصد کی بنیاد پر ہو گی۔ انہوں نے ترتیب بھی بدلی، فرمایا: دین، نفس، نسل، عقل پھر مال۔ اس ترتیب کو ہی بعد کے بیشتر اہل علم نے اختیار کیا۔ یہ گویا امام آمدیؒ کے اضافات میں سے ہے۔ اس کے بعد امام ابن حاجب (۶۴۶ھ) آئے، انہوں نے "منتهى الوصول والأمل في علمي الأصول والجدل" کتاب لکھی۔ ابن حاجب بھی آمدی کے راستہ پر چلے اور ان کے بیان کردہ بعض ترجیحات میں کچھ تفصیل کی اور بتایا کہ یہ پانچ ہیں۔ گویا انہوں نے بہت ہلکا اضافہ کیا۔ پھر امام بیضاوی (۶۸۵ھ) نے "منهاج الوصول إلى علم الاصول" لکھی اور بتایا کہ مسئلہ کی دو قسمیں ہیں: ۱- دنیوی، ۲- اخروی۔ پھر بتایا کہ دنیوی مصالح کی تین قسمیں ہیں: ۱- ضروریہ، ۲- مصلحیہ، ۳- تحسینیہ۔ دیکھئے انہوں نے حاجیہ کی اصطلاح چھوڑ کر مصلحیہ کی اصطلاح اپنائی۔ حالانکہ مصلحت تو ضروریہ اور تحسینیہ میں بھی موجود ہے، پھر مصلحیہ کی قسمیں کیں؟ یہ گویا ایک نئی فکر پیش کی۔ یہ اصطلاحات کا فرق ہے اور اصطلاحات کے مسئلہ میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ پھر امام اسنوی (۷۷۲ھ) نے "نهاية السول في شرح منهاج الأصول" میں نسل کو عقل پر مقدم رکھا۔ پھر ابن

السبکی (۷۷۱ھ) نے "جمع الجوامع" لکھی۔ امام عزالدین بن عبدالسلام (۶۶۰ھ) نے "قواعد الأحکام فی مصالح الأنام" کتاب لکھی۔ ان کی دوسری کتاب "المصالح والمفاسد" ہے، انہوں نے یہ فکر پیش کی کہ تمام شرعی احکام معلل ہیں۔ اس فکر کے وہ پہلے علمبردار ہیں۔ عبادات کے احکام ہوں یا غیر عبادات کے، کچھ علتوں کو ہم سمجھ سکتے ہیں، اور کچھ علتیں ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی ہیں، لیکن عدم علم عدم وجود کی دلیل نہیں ہے۔ پھر انہوں نے تفکیر تشریعی کے مسائل پر گفتگو کی، چنانچہ سب سے پہلے بتایا کہ مفاسد یا مصالح کا خالص وجود نادر ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ مصالح بالکل خالص پائے جائیں، یا مفاسد بالکل خالص پائے جائیں۔ تمام شرعی احکام بلکہ زندگی کے تمام امور میں مصالح کے ساتھ ساتھ مفاسد بھی داخل ہوتے ہیں، نہ تو خالص مصلحت موجود ہوگی اور نہ خالص مفسدہ پایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لقد خلقنا الانسان فی کبد" (سورۂ بلد: ۴) (اور ہم نے انسان کو بڑی مشقت کے لئے پیدا کیا ہے) یہ پریشانی انسان کے ساتھ لگی ہے۔ دوسری چیز انہوں نے یہ بتائی کہ دنیوی اور اخروی دونوں مصالح ہوتے ہیں، اور دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں کس کو ترجیح دی جائے گی۔ مفاسد کے ازالہ کو مصالح کے حصول پر ترجیح حاصل ہے، لیکن کیا ہر جگہ ایسا ہی ہوگا؟ عورت کے قابل ستر حصے علاج کے لئے کھولے جاسکتے ہیں، لیکن اشتہار اور اعلان کے لئے یہ کیسے جائز ہوگا؟ یہاں حکم علاحدہ ہوگا۔ اسی طرح کچھ مصالح اخروی اور مؤجل ہوتے ہیں۔ جیسے عبادات پر اللہ کی جانب سے اجر ملنے کے مصالح ہیں، اور کچھ مصالح وقتی اور فوری ہوتے ہیں۔ انہوں نے تمام احکام کے معلل ہونے کی بات کی ہے، اس میں مقاصد کی بات آتی ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو مال دینا جائز ہے جو گرچہ اسے حرام میں استعمال کرے۔ لیکن دینے والے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اسے حرام میں خرچ کرنے کے لئے دے رہا ہے۔ انہوں نے اس کی دو مثالیں دی ہیں۔ میں تیسری مثال کا اضافہ کرتا ہوں:

پہلی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حملہ آور ہو جائے اور اندازہ ہو کہ اس کا مقابلہ نہیں

کیا جا سکتا، وہ شخص کچھ روپیہ لے کر چلا جائے گا۔ تو اب یہاں مسئلہ جان کی حفاظت اور مال کی حفاظت دونوں کا ہے۔ اس کو اگر مال دیا جائے تو معلوم ہے کہ وہ غلط چیزوں میں اسے خرچ کرے گا۔ لیکن یہاں اس کو مال دینے کی غرض جان کی حفاظت ہے۔ لہذا ایسی صورت میں اس حملہ آور شخص کو مال دینا درست ہوگا۔

دوسری مثال قیدیوں کو چھڑانے کا ہے، دشمن کو رقم دے کر قیدیوں کو چھڑایا جائے تو ظاہری بات ہے کہ اس رقم سے وہ اپنی جنگی تیاری کریں گے اور آئندہ نقصان پہنچائیں گے۔ لیکن یہاں اس سے بڑا مقصود اور مصلحت مسلم قیدیوں کو چھڑانے کا ہے، قیدیوں کو چھڑانا اسلامی حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "فکوا العاني" (قیدی کو چھڑاؤ)۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ قیدیوں کو آزاد کرائیں چاہے ان کا پورا مال قرض میں ڈوب جائے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں: اگر میں ایک مسلمان قیدی کو آزاد کرادوں تو یہ میرے نزدیک پورے جزیرۃ العرب سے بہتر ہے۔ ان چیزوں میں بڑی مصلحت کی وجہ سے ان مفاسد کو گوارہ کیا جا رہا ہے۔

ان دونوں مثالوں پر میں ایک تیسری مثال کا اضافہ کرتا ہوں۔ یہ مسئلہ تترس کا ہے۔ یعنی اگر دشمن اپنی فوج کے سامنے مسلمانوں کو کھڑا کر دیں اور انہیں ڈھال بنالیں تو کیا کیا جائے گا؟ دشمن نے مسلمان قیدیوں کو پکڑ کر جنگی مقامات پر انہیں کھڑا کر کے انسانی ڈھال بنالیا ہے، اگر مسلمان حملہ کریں گے تو پہلے یہ مسلمان قیدی نشانہ بنیں گے، اور ان مسلم جانوں کو تلف کرنا پڑے گا۔ تو یہاں بھی دشمن کے حملہ سے بچنے کے لئے اس چھوٹے نقصان کو گوارا کیا جائے گا۔

امام عز بن عبد السلام نے اسی فکری منہج کے ذیل میں بہت سارے مسائل ذکر کئے ہیں۔ اس بات پر تمام انسانوں کا اتفاق ہے کہ انسانی افعال کے ذریعہ بڑے مصالح کا حصول اور بڑے مفاسد سے اجتناب مقصود ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ دنیوی اور اخروی مصالح کے معلوم کرنے کا ذریعہ شرعی نصوص اور صحیح استدلال ہیں۔ جہاں تک صرف دنیوی مصالح کے جاننے کا

تعلق ہے تو وہ دو راستوں سے ہوتا ہے: ایک ضرورت اور دوسرے تجربہ۔ یہ وہ اضافات ہیں جو عزالدین بن عبد السلام نے پیش فرمائے۔ پھر انہیں امام قرافی (۶۸۵ھ) نے پیش کیا۔ جو عزالدین بن عبدالسلام کے شاگرد ہیں۔ ان کی کتاب " الفروق" بہت مشہور ہے، اور دوسری کتاب ہے: "الأنوار والقواعد السنية فى الاسرار الفقهية" جو تعلیل اور مقاصد کے موضوع سے بحث کرتی ہے۔ انہوں نے فکر مقاصدی میں پانچ نقاط کا اضافہ کیا۔ اول یہ کہ قواعد فقہیہ قواعد لغویہ سے زیادہ اہم ہیں۔ اس لئے کہ قواعد فقہیہ کے اندر اسرار و حکم ہیں، یہ فقہی اصولی تاریخ میں پہلی مرتبہ واضح کیا گیا کہ فقہی قواعد لغوی قواعد سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ دوم: انہوں نے پہلی مرتبہ مقاصد ضروریہ میں عرض (آبرو) کا اضافہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے دین، نفس، نسب، عقل اور مال کے بعد عرض کا ذکر کیا۔ سوم: انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے تصرفات میں فرق کرتے ہوئے بتایا کہ آپ کے کچھ اعمال و تصرفات بحیثیت رسول و نبی کے ہیں، اور کچھ دوسرے تصرفات بحیثیت انسان اور بشر کے ہیں۔ اور کچھ تصرفات آپ ﷺ کے ایسے ہیں جو آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً آپ ﷺ نے کئی شادی فرمائی، اور آپ ﷺ نے روزے رکھے اور فرمایا کہ مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

ایک مسئلہ مقاصد کو وسائل پر ترجیح دینے کا ہے۔ مقاصد کی روشنی میں ہی وسائل کا اندازہ لگایا جائے گا۔ انہوں نے ذرائع اور سد ذرائع پر مقاصد اور مقاصد کے حجم کے تناظر میں گفتگو فرمائی ہے۔ آخری نقطہ قیاس وغیرہ کے اکثر فروق کو مفاسد اور مصالح کے نظریہ پر بنا کرنے کا ہے۔ مثال کے طور پر نائب اور وکیل بنانے کا مسئلہ ہے، کیا یہ درست ہے اور کہاں کہاں درست ہے؟ نیابت میں تجارت کی جاسکتی ہے، نیابت میں تجارت کے معاہدہ کو ختم کیا جاسکتا ہے، نیابت میں شادی کرائی جاسکتی ہے؟ لیکن نیابت میں دوسرے کی بیوی سے تعلق نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ اس میں نیابت درست نہیں ہوسکتی ہے۔ نماز کی عبادت ہے، اس کا مقصود یہ ہے کہ انسان بذات خود خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالی کے سامنے کھڑا ہو، اس میں

نیابت نہیں ہوسکتی ہے۔ پھر امام قرافی نے ایسے امور ذکر فرمائے جن میں تردد ہے کہ آیا ان میں نیابت درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جیسے روزہ اور حج کے مسائل ہیں۔ اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ مقصد کلی اور نص جزئی میں تعارض ہو تو کیا ہونا چاہئے؟ بخاری شریف میں ہے کہ ایک صحابی کا انتقال ہوگیا، ان پر تیس روزے باقی تھے۔ تو ایک دن تیس صحابہ نے ان کی طرف سے روزہ رکھا۔ اور خثعمی خاتون والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے، انہوں نے حج نہیں کیا، کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارے والد پر قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتی؟ خاتون نے عرض کیا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: حج کی قضا کرلو، اللہ کا قرض زیادہ مستحق ہے کہ اس کی قضا کی جائے۔ لیکن امام مالک کی رائے ہے کہ حج اور روزہ میں نیابت درست نہیں ہے۔ پھر امام قرافی نے نصوص کے درمیان باہمی تعارض کا ذکر کیا۔ اس میں سب سے بہتر نہ تو نسخ کا طریقہ اپنا کر نص کو چھوڑنے کا ہے اور نہ ترجیح کا طریقہ اختیار کر کے نص کے اہمال کا ہے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو دونوں نصوص کے درمیان جمع وتطبیق کا ہے۔ امام قرافی نے تمام فروق کے مسائل میں مصالح اور مفاسد کی فکر کو پیش نظر رکھا ہے۔

ان کے بعد امام نجم الدین طوفی (۷۱۶ھ) آئے، انہوں نے مصلحت کے موضوع پر گفتگو کی۔ حدیث "لا ضرر و لا ضرار" کی شرح پر ان کا رسالہ شیخ رشید رضا نے طبع کرایا۔ یہ گویا ایک فکری بم تھا۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ مصلحت اجماع پر مقدم ہوگی، ان کے نزدیک اجماع نص سے زیادہ قوی ہے۔ تو مصلحت نص سے بھی زیادہ قوی اور اس پر مقدم ہوگئی۔ انہوں نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ عبادات اور مقدرات کے اندر اصل تو یہ ہے کہ ہم نصوص اور اجماع کو اختیار کریں۔ لیکن عادات اور معاملات کے اندر مصالح کو اختیار کیا جائے گا۔ شیخ مصطفیٰ زید نے اپنے ایم اے کے مقالہ "**المصلحة ونجم الدين طوفي**" میں اس پر رد لکھا۔ لیکن مجھے یہ رد زیادہ قوی نہیں محسوس ہوا۔ تو میں نے نجم الدین طوفی کے رد پر ایک مقالہ

لکھا۔ جس میں نجم الدین طوفی نے مصلحت کو نص پر مقدم کرنے کے سلسلہ میں جو جو دلائل دیئے تھے سب کی میں نے تردید کی۔ ہم اس بات پر راضی نہیں ہو سکتے کہ نص کو ترک کر دیا جائے، نص کو وہی مقام ملنا چاہئے جو اس کا حق ہے۔ سب سے پہلے قرآن کا مقام ہے، ہم سنت کو بھی قرآن پر مقدم نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**وأنزلنا إليک الذکر لتبين للناس ما نزل اليهم**" (سورۂ نحل: ۴۴) (اور ہم نے آپ پر بھی یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کر دیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ پہلے قرآن ہے۔ مزید ارشاد ہے: "**يا يها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول**" (سورۂ نساء: ۵۹) (اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی)۔ میں نے امام طوفی کی ایک ایک دلیل اور ایک ایک مسئلہ کا رد لکھا۔ جو احادیث انہوں نے نقل کیں ان کی اسناد اور ان کے متون پر گفتگو کی، نیز جو مسائل پیش کئے ان کا بھی جواب لکھا، لیکن علمی اسلوب اور ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ امام طوفی نے وسائل اور مقاصد کے درمیان فرق کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نصوص دراصل مصلحت کی تکمیل کے لئے معاون ہوتے ہیں۔ اور مقاصد اصل میں مصالح ہی کا نام ہے۔ انہوں نے کہا کہ نصوص وسائل ہیں اور مصالح اہداف ہیں۔ اس طرح انہوں نے ترتیب پلٹ دی تاکہ مصلحت کو نص پر مقدم ثابت کر سکیں۔ لیکن ہم اس بات پر راضی نہیں ہو سکتے۔ ضروری ہے کہ نص کو اس کا تقدس اور اس کا مقام حاصل رہے، کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ نص کو نظر انداز کر دے، بالخصوص جبکہ وہ قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہو۔ نص پر حتی الامکان عمل آوری واجب ہے۔

نجم الدین طوفی نے عرض (آبرو) کو ضرورات خمسہ کے بعد شامل کیا، اس طرح یہ کل چھ ہو گئے۔ یہی عمل امام شہاب الدین قرافی نے کیا تھا۔ میں نے بھی اپنی تحریر میں اس بات کو پوری قوت سے ثابت کیا کہ ضرورات چھ ہیں، پانچ نہیں، کیونکہ عرض (آبرو) بالکل علاحدہ چیز ہے، یہ نسل کا حصہ نہیں ہے، کیونکہ اگر ایک خاتون توالد و تناسل کی حالت میں نہیں ہے تو اس پر زیادتی سے نسل متاثر

نہیں ہوگی۔تو کیا ایسی خاتون کی عرض اور آبرو پر دست درازی ہوسکتی ہے؟ممانعت زنا کی علت صرف نسب کا اختلاط نہیں ہے، کیونکہ ایک عورت ایسی ہوسکتی ہے جو بانجھ ہے لیکن اس کے اندر جنسی قدرت ہے، یا مرد وعورت کے اندر جنسی قوت ہے پر وہ موانع حمل استعمال کرتے ہیں، یا ایسے موقع پر جنسی تعلق قائم کرتے ہیں جب حمل نہیں ٹھہرتا تو ان صورتوں میں نسب کے اختلاط کا اندیشہ نہیں ہے، پھر بھی زنا کی اجازت نہیں ہوسکتی، کہ اس سے آبرو پر دست درازی ہوتی ہے۔ یہ ساری تفصیلات بتاتی ہیں کہ آبرو بالکل علاحدہ اور مستقل چیز ہے۔اور آبرو کی حفاظت مستقل طور پر واجب ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"من قتل دون عرضه فهو شهيد"(جو اپنی آبرو کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے)۔

علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) نے اپنے فتاوی میں اس بات پر نقد فرمایا ہے کہ مصالح صرف پانچ میں منحصر ہیں۔اسی چیز نے امام طاہر بن عاشور وغیرہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مساوات اور آزادی کو مقاصد شرع میں شامل کریں۔جو کچھ امام جوینی، امام غزالی اور امام قرافی وغیرہ نے ذکر کیا اس پر ہمیں اضافہ کرنا چاہئے۔کیونکہ ہماری گفتگو آج کے ان حالات میں ہوگی جن میں ہم جی رہے ہیں۔میں بھی سمجھتا ہوں کہ حریت اور آزادی اسلامی بنیادی ترجیحات میں آنی چاہئے، کیونکہ امت مسلمہ جب تک آزادی سے محروم رہے گی وہ ہرگز ہرگز اپنا استحکام حاصل نہیں کرسکے گی۔اس لئے حریت کا مسئلہ نمایاں مقام پر آنا چاہئے۔امام ابن تیمیہ نے اس دروازہ کو کھولا ہے، اور یہ آج بھی کھلا ہوا ہے۔

امام ابن تیمیہ نے قیاس کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ قیاس صحیح ہمیشہ مقاصد کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ابن القیم (۷۵۱ھ) نے اپنی اعلام الموقعین اور الطرق الحکمیہ وغیرہ میں اس موضوع پر گفتگو فرمائی۔انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی باتوں کو مزید گہرائی کے ساتھ پیش کیا۔ہر موضوع پر انہوں نے تفصیل سے مثالیں پیش فرمائیں۔عبادات کے احکام میں تعلیل

سے مسئلہ پر بات کی اور بتایا کہ عبادات کے اندر شارع کے اسرار ہیں، انسانی عقل اگر بالتفصیل ان کا ادراک نہیں کرسکتی تو بالجملہ ادراک کرلیتی ہے۔ان کے بعد ابن السبکی (۷۷۱ھ) آئے اور انہوں نے ''جمع الجوامع'' کتاب لکھی۔جس میں انہوں نے نسب کی جگہ پر نسل کو بیان کیا۔ جس طرح رازی اور طوفی نے کیا تھا، اور ساتھ ہی چھٹے مقصد کے طور پر عرض کا اضافہ کیا۔

یہ تاریخ مقاصد کا ایک سرسری تذکرہ اور جائزہ ہے۔

چوتھا باب:

مقاصد شریعت

تطبیق اور استفادہ

مقاصد شریعت اور نئے مسائل

مسلم اقلیتوں کی مشکلات اور مقاصد شریعت

مقاصد شریعت اور نئے مسائل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

نئے مسائل کے حل میں مقاصد شریعت کی کیا اہمیت ہے؟ اور مسلمان اقلیتوں کی دشواریوں کو حل کرنے میں اس کا کیا رول ہے؟ یہ دونوں موضوعات ایک دوسرے سے مربوط ہیں، کیونکہ اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کی جو مجموعی آبادی ہے، اس کی تیس فیصد آبادی عالم اسلام سے باہر ہے، اور وہ اقلیت کی حیثیت سے مختلف ملکوں میں رہتی ہے، سترہویں صدی ہجری سے پہلے عام طور پر ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی ملک مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جاتا تھا، تو وہاں کے مسلمان ہجرت کر جاتے تھے، اس طرح مفتوح مسلمانوں کو غیر مسلم غلبہ والی مملکت میں قیام پذیر رہنے کا عمومی مزاج نہیں تھا، مواصلات اور ذرائع ابلاغ محدود تھے، تعلقات کے لئے کوئی عالمی قانون نہیں تھا، تجارت کا دائرہ بھی سمٹا ہوا تھا، اس لئے ایسا کم ہوتا تھا کہ کسی مسلمان ملک کے باشندے بڑی تعداد میں تارکین وطن کی حیثیت سے کسی غیر مسلم ملک میں جا کر مقیم ہو جائیں، لیکن یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد ایک نئی فضا پیدا ہوئی اور اقوام متحدہ کے قیام کی وجہ سے عالمی روابط استوار ہوئے، اور اب آپ جانتے ہیں کہ پوری دنیا میں اور خاص کر مغربی ممالک میں، بعض ممالک تو ایسے ہیں کہ جہاں تارکین وطن کی اکثریت ہے اور اصل باشندے تعداد میں بہت کم ہو گئے ہیں، اس صورتحال کی وجہ سے مسلمان اقلیتوں کا مسئلہ پیدا ہوا، اور ظاہر ہے کہ مقام

کی تبدیلی کی وجہ سے بھی بعض احکام میں تبدیلی ہوا کرتی ہے، خود بہت سے مسائل میں احناف نے تو زیادہ اور تقریباً دوسرے فقہاء نے بھی دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان فرق کیا ہے، جیسے ارتداد کا مسئلہ ہے، زوجین میں سے کسی ایک کے قبول اسلام کا مسئلہ ہے، عقود فاسدہ کا مسئلہ ہے، اس میں دار الاسلام اور دار الکفر کے درمیان فرق کیا گیا ہے، کیونکہ جیسے زمانہ کے تغیر سے احکام میں تغیر آتا ہے، اسی طرح مقام اور مقامی احوال کی تبدیلی کی وجہ سے بھی احکام میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔

ہم نے اس موضوع کو جو بہت پھیلا ہوا موضوع ہے یوں سمیٹنے کی کوشش کی ہے کہ یہ قضایا معاصرہ کیوں کر پیدا ہوتے ہیں؟ پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ اور ان مسائل کو ہمارے فقہاء متقدمین اور متاخرین نے اپنے عہد میں حل کرنے کی کوشش کی ہے، اس میں کس طور سے مقاصد شریعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے؟ عام طور پر جو نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں، وہ بنیادی طور پر دو وجہ سے: ایک تو تغیر احوال کی وجہ سے، دوسرے فساد زمان کی وجہ سے، جیسا کہ علامہ شامی نے اپنے مشہور رسالہ ''نشر العرف'' میں لکھا ہے:

''كثير من الأحكام تختلف باختلاف الزمان لتغير عرف أهله أو لحدوث ضرورة أو لفساد أهل الزمان، بحيث لو بقي الحكم على ما كان أولاً للزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف قواعد الشريعة المبنية على التخفيف والتيسير ودفع الضرر والفساد''

کہ بنیادی طور پر احکام میں تبدیلی کا سبب یہ دو چیزیں ہوتی ہیں، فساد اخلاق اور تغیر احوال، پھر احوال کے تغیر کو آج کے حالات کے اعتبار سے دو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: سیاسی حالات کی تبدیلی، عرف اور تعامل کی تبدیلی اور نئے وسائل کی پیدائش۔ کوئی ضروری نہیں کہ یہی صورتیں ہوں، لیکن عام طور پر یہی صورتیں پیش آتی ہیں، یہ گویا چار بنیادی اسباب

ہیں، اخلاقی انحطاط، سیاسی حالات کی تبدیلی، عرف وتعامل کی تبدیلی اور نئے مسائل کی پیدائش، اس کے علاوہ اور اسباب بھی ہیں، جیسے معاشی نظام میں تبدیلیاں آتی ہیں، ان کی وجہ سے بھی احکام میں تبدیلی ہوتی ہے لیکن زیادہ تر یہی چار اسباب ہیں، جو نئے مسائل کے پیدا ہونے کا باعث بنتے ہیں، یا ان تبدیلیوں کی وجہ سے بعض اہم مسائل پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

پہلے نمبر میں اخلاقی انحطاط کی وجہ سے جو نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور احکام میں تبدیلیاں آتی ہیں، ان کا ذکر کرتا ہوں۔ اس کا ثبوت اگر آپ دیکھیں تو عہد صحابہ میں بھی موجود ہے، ترمذی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد لقطہ کے بارے میں ہے کہ: آدمی کو کوئی گمشدہ چیز ملے تو آدمی اسے محفوظ کر لے، تاکہ وہ اس کے مالک تک پہنچ جائے، بکری کے بارے میں پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اسے بھی لے لے، ورنہ ہوسکتا ہے کہ بھیڑیا اسے کھالے، لیکن جب اونٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اونٹ کو اپنی تحویل میں لینے کی ضرورت نہیں ہے، اونٹ ایسا جانور ہے جو ایک مدت تک اپنی غذا خود ہی پوری کرسکتا ہے، چل پھر سکتا ہے، اپنی مدافعت کی خود صلاحیت رکھتا ہے، لیکن بعد میں لوگوں نے دیکھا کہ انسان کی قوت غصب کے مقابلہ میں اونٹ کی قوت مدافعت کمزور پڑ رہی ہے اور بہت سے لوگ ایسے اونٹ کو اچک لیتے ہیں تو حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانے میں حکم جاری فرمایا کہ: ضالۃ الابل یعنی گمشدہ اونٹ کو بھی اس دور میں چھوڑنا مناسب نہیں ہے، ورنہ بد دیانت لوگ اسے لے لیں گے، اس لئے آدمی اس کو اپنی تحویل میں لے کر بیت المال کے حوالہ کردے، یہ تبدیلی فساد زمان کی وجہ سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے جو "التقاط" سے منع فرمایا اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے، اور کسی خائن آدمی کے لئے اپنی خیانت کا وسیلہ نہ بن جائے، اور حضرت عثمان غنیؓ کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس کو خیانت سے محفوظ رکھا جائے، لیکن احوال میں تبدیلی اور اخلاق میں تغیر کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے یہ حکم جاری فرمایا۔

اسی طرح مشہور روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ نے آج

کی خواتین کو دیکھا ہوتا تو انہیں مسجد میں آنے سے منع فرما دیا ہوتا، ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد اخلاقی حالات میں تغیر کی وجہ سے تھا، تو اخلاقی حالات میں تغیر کی وجہ سے بعض مسائل پر از سر نو غور کرنا پڑتا ہے اور اس کی حیثیت نئے مسئلہ کی ہو جاتی ہے۔

ایک مسئلہ اسی ذیل میں "تضمین صانع" کا بھی آتا ہے، جو کاریگر ہوتے ہیں، اگر ان سے کوئی چیز ضائع ہو جائے، دھوبی سے کپڑا ضائع ہو جائے، جوتا بنانے والے سے چمڑا ضائع ہو جائے تو کیا اس سے اس کا ضمان وصول کیا جائے گا؟ اور وہ ضامن ہوگا یا امین سمجھا جائے گا، بعد کے فقہاء میں بھی اس سلسلہ میں اختلاف رہا، لیکن صحابہؓ کے ابتدائی عہد میں صانع کو امین مانا جاتا تھا اور اگر اس سے وہ چیز ضائع ہو گئی تو اس کا کوئی تاوان اس کے ذمہ لازم نہیں کیا جاتا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے غالباً پہلی بار یہ فتوی دیا کہ حالات ایسے بدل گئے ہیں کہ لوگ اس کو اپنی بد دیانتی کے لئے ڈھال بنالیں گے، اس لئے صانع کو ضامن قرار دیا جائے گا: "لا یصلح الناس إلا بالتضمین" کہ لوگوں کے حالات اس کے بغیر درست نہیں رہ سکتے، اور مصلحت کا تقاضا یہی ہے۔

اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے بعد کے فقہاء نے بھی بہت سے احکام میں اخلاقی احوال کے بدلنے سے تغیر کو قبول کیا، مثال کے طور پر حضرت امام شافعی کے نزدیک قاضی کے لئے عادل اور مجتہد ہونا ضروری ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ شرط بہت سخت ہے، عادل کی جو تعریف متقدمین نے کی ہے، اب انہیں ڈھونڈو چراغ رخ زیبا لے کر، لیکن شاید ڈھونڈھنے اور تلاش کرنے سے بھی ایسے لوگ نہیں ملیں گے، لیکن بعد کے فقہاء شوافع نے محسوس کیا کہ اصل مقصد یہ تھا کہ انصاف کو یقینی بنایا جائے، کیونکہ جب عادل اور علم کے اعتبار سے مقام اجتہاد کو پہنچا ہوا قاضی ہوگا تو ظاہر ہے کہ انصاف زیادہ یقینی ہوگا، لیکن امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ: "اجتماع هذه الشروط من العدالة والاجتهاد وغيرهما متعذر في عصرنا لخلو العصر من المجتهد والعدل فالوجه تنفيذ قضاء كل من ولاه سلطان ذو شوكة وإن كان جاهلاً" کہ

ان شرطوں کا حامل قاضی کا اس دور میں پایا جانا دشوار ہے، اس لئے حکومت جس کو بھی قاضی مقرر کردے، اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، یہ تغیر احوال کی وجہ سے ہے، اصل میں شریعت کا مقصد ہے لوگوں کے حقوق کی حفاظت، عدل کا تعلق تمام حقوق، حفظ دین، حفظ نفس، حفظ مال، حفظ عقل اور حفظ نسل سے ہے۔ کیونکہ انصاف کا مدار اصل میں قاضی کے فیصلہ پر اور شاہد کی شہادت پر ہوتا ہے، اس زمانہ میں اس مقصد کے حصول کے لئے امام شافعیؒ کی نگاہ میں عدالت اور اجتہاد کی شرط ضروری تھی، اس لئے انہوں نے اس کو ضروری قرار دیا، اور بعد کے دور میں ایسی شرط لگانے سے انصاف مشکل ہو جاتا، اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت دشوار ہو جاتی، کیونکہ ایسی صلاحیتوں اور ایسے اوصاف کے حامل لوگ نہیں مل پاتے، تو امام غزالیؒ نے فرمایا کہ اب یہ شرط باقی نہیں رہی اور اس دور میں یہ ضروری نہیں ہوگا، اسی طرح کی بات معین الحکام میں حنفیہ کے یہاں بھی ملتی ہے کہ احناف کے یہاں قاضی کا مجتہد ہونا مستحب ہے، اور کم سے کم صفات مستحبہ میں ہمارے نزدیک بھی ہے، لیکن بعد کے فقہاء نے کہا کہ یہ تو بہت دشوار ہے کہ آج کے دور میں ایسے لوگ پائے جاتیں، بقول علامہ علاء الدین طرابلسی کے "لاتجد عنهم من آثار الصحابه والتابعن كبير شئ وإنما مصحفهم مذهب إمامهم" آج آپ ان کو صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے معیار کے علوم کے حامل تلاش کرنا چاہیں تو بہت مشکل ہے، اس زمانہ میں تو جو ان کے مذہب کی کتابیں ہیں وہی گویا ان کے علم کا محور اور سرچشمہ ہیں۔

اسی طرح مثال کے طور پر حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک گواہ کے لئے عادل ہونے کی شرط ہے، اور گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے، امام ابو یوسفؒ جب خود منصب قضاء پر آئے، اور لوگوں کے احوال کو دیکھا تو ان کی رائے ہوئی کہ فاسق کی شہادت بھی مطلقاً رد نہیں کی جاسکتی، بلکہ بعض فاسقوں کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے، چنانچہ خود امام ابو یوسفؒ کا قول منقول ہے:

"إن الفاسق إذا كان وجيها في الناس ذا مروة تقبل شهادته

لأنه لا يتجاسر لوجاهته ويمتنع عن الكذب لمروته" (اگر کوئی شخص فاسق ہے، لیکن سماج میں وجیہ سمجھا جاتا ہے، صاحب اثر ہے، صاحب عزت ہے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی مروت اور اپنی حیثیت کی وجہ سے جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں کر سکے گا)۔

اور بعد کے فقہاء نے اس میں اور بھی توسع برتا، قاضی علاء الدین طرابلسی لکھتے ہیں:

"إذا كان الرجل يشرب سراً و هو ذومروة فللقاضى أن يقبل شهادته" اگر کوئی شخص فاسق ہو، لیکن علانیہ شراب نہیں پیتا ہو، چھپ کر شراب پیتا ہو، اور لوگوں میں معزز سمجھا جاتا ہو تو قاضی کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ اس کی شہادت کو قبول کرے۔

اور مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں:

"بل فی زماننا هذا الفاسق إذا كان وجيها ذامروة يغلب على الظن أنه لا يكذب فی الشهادة أو دلت القرائن على صدقه تقبل شهادته" کہ موجودہ زمانہ میں کسی کے بارے میں یہ غالب گمان ہو کہ یہ گواہی کی حد تک کم سے کم جھوٹ نہیں بولے گا یا قرائن یہ بتلاتے ہوں کہ یہ آدمی اس بات میں سچا ہے تو یہ بات اس کی گواہی قبول کرنے کے لئے کافی ہے۔

اسی طرح ایک مشہور اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں گواہ کے لئے تزکیہ ظاہری کافی تھا، گواہ عادل ہے یا نہیں؟ اس کو معلوم کرنے کے لئے ظاہری تزکیہ کو کافی سمجھا جاتا تھا، ظاہری طور پر ایک آدمی عادل محسوس ہوتا ہے، اس کی گواہی کو قبول کیا جاتا تھا، کیونکہ مؤمن کے معاملہ کو صواب وسداد پر محمول کیا جائے گا، لیکن صاحبین نے کہا کہ نہیں بلکہ تزکیہ ظاہری وتزکیہ سری دونوں ضروری ہے، تزکیہ ظاہری بھی ہو اور اندرونی طور پر بھی اس کے بارے

میں تحقیق کی جائے، ظاہری طور پر بھی کوئی بتائے کہ یہ عادل آدمی ہے اور اندرونی طور پر بھی تحقیق کی جائے، پھر اس کی گواہی کا اعتبار ہوگا، لیکن صورت حال یہ ہوگئی کہ اگر اتنی زیادہ تحقیق عمیق آپ کریں تو آج کے حالات میں ایسے عادل گواہ کا ملنا بہت دشوار ہو جائے گا، جو تزکیہ کے مرحلہ سے گذر سکے، اسی لئے متاخرین کہتے ہیں:

"لما تعذرت التزكية بغلبة الفسق اختار القضاة كما اختار ابن أبي ليلى إستحلاف الشهود بغلبة الظن"

(اس زمانہ میں چونکہ فسق کے غلبہ کی وجہ سے تزکیہ اور لوگوں کی اندرونی حالت کو جاننا اور پرکھنا بہت دشوار ہو گیا ہے، اس لئے جیسا کہ ابن ابی لیلی کی رائے ہے، اس پر اکتفاء کیا جائے گا کہ گواہ سے قسم لی جائے، تا کہ اس کی سچائی کا غالب گمان حاصل ہو سکے)۔

یہ ایک مثال ہے، جو قضاء اور شہادت سے جڑی ہوئی ہے، اور جس میں متقدمین اور متاخرین کی آراء میں اختلاف اور بعد کے ادوار میں تنزل معلوم ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ دونوں کی بنیاد مقاصد شریعت پر ہے، جن لوگوں نے پہلے کسی حکم میں سختی برتی ہے، اس کا مقصد بھی یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور ان کے انصاف کو یقینی بنایا جا سکے، اور بعد میں جن لوگوں نے ان احکام میں تنزل اختیار کیا ہے، ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ اب فسق اور غلبہ شر کے زمانہ میں اتنی سخت شرطیں نہ لگادی جائیں کہ کسی معاملہ کا ثابت ہونا مشکل ہو جائے، لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں اور جو شریعت کا اصل مقصد ہے وہ مقصد ہی فوت ہو کر رہ جائے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اخلاقی انحطاط کی وجہ سے جو احکام بدلتے ہیں اور جو نئی آراء وجود میں آتی ہیں، ان کا اصل رشتہ شریعت کے مقاصد ہی سے جڑا ہوا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اس کی ایک دو اور مثالیں دے دوں، جیسے مال مغصوب کی اجرت کا مسئلہ ہے، حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص نے کسی کا مال غصب کر لیا تو زمانۂ غصب کی اجرت

واجب نہیں ہوتی، کیونکہ مال کی منفعت اصل میں قابل عوض نہیں ہے، یہ عقد کی وجہ سے قابل عوض بنتی ہے، اور ظاہر ہے کہ غاصب جب کوئی مال غصب کرتا ہے تو اس میں عقد پایا نہیں جاتا ہے، اس لئے فقہاء کے نزدیک وہ قابل عوض نہیں ہے، مال مغصوب کی اجرت غاصب سے نہیں وصول کی جائے گی، لیکن بعد کے دور میں اور خاص کر خلافت عثمانیہ میں "مجلۃ الاحکام" کی ترتیب کے وقت فقہاء کی جس رائے کو ترجیح دی گئی وہ یہ کہ اگر کسی یتیم کا مال ہو، یا وقف کی جائداد ہو جس پر لوگوں نے قبضہ کرلیا ہو، اور پھر غاصبوں سے اسے بازیاب کرایا جائے تو اس مدت کی اجرت اس سے وصول کی جائے گی، کیونکہ وقف اور یتیم کے مال کا کوئی طالب نہیں ہے، عام طور پر اس کا مستغیث نہیں ہوتا کہ جلدی عدالت میں استغاثہ کرے، اور اس کی وجہ سے لوگ اس پر جری ہوجاتے ہیں، تو ضروری ہے کہ ان حقوق کے تحفظ کے لئے حفظ مال کے مقصد کے تحت اس کی اجرت واجب قرار دی جائے، تاکہ اس کے نقصان کی تلافی بھی ہو اور دوسرے غاصب بھی اس کی وجہ سے خوف محسوس کرسکیں کہ اس کو یوں چھٹکارا حاصل نہیں ہوگا۔

اسی طرح اجارہ کی مدت کی ہمارے یہاں کوئی تحدید نہیں، اجارہ ایک بہت طویل مدت کے لئے ہوسکتا ہے، نوے سال کا بھی ہوسکتا ہے اور سو سال کا بھی، لیکن ہوتا یہ تھا کہ جو اوقاف کی زمینیں ہوتی تھیں یا جو یتیموں کی املاک ہوتی تھیں کرایہ دار انہیں لے لیتے تھے اور لینے کے بعد پھر اس پر قبضہ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے تھے اور کرایہ بڑھانے کو بھی تیار نہیں ہوتے تھے، آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں مسجد کی بعض عمارتیں ایسی ہیں کہ جس کا کرایہ ماہانہ پانچ ہزار دس ہزار ہونا چاہئے، لیکن کرایہ دس روپئے، پندرہ روپئے اور پچیس روپئے ہے، یہ بدبختی کی بات ہے، اس لئے فقہاء متاخرین نے لکھا ہے کہ اوقاف اور یتیم کی جائداد میں اگر مکان یا دوکان ہوں تو زیادہ سے زیادہ ایک سال کی مدت تک ہی کے لئے اجارہ ہوگا، اس سے زیادہ مدت کے لئے اجارہ درست نہیں ہوگا، اور اگر اس کے بعد پھر لینا چاہتا ہو تو ازسرنو کرایہ متعین کرکے اس کی تجدید کی جائے گی، اور اگر اراضی ہوں، کھیت یا باغات ہوں تو زیادہ

سے زیادہ تین سال تک کے لئے اجارہ پر دیا جائے گا، اس سے زیادہ کی اگر مدت ہو تو پھر اس مدت کے بعد اس کی تجدید کی جائے گی، اس کا کیا مقصد ہے؟ مقصد اصل میں یہی ہے کہ مال کی حفاظت ہو، اور اوقاف اور یتیموں کے حقوق ضائع نہ ہوں، آج کے دور میں غور کیا جاسکتا ہے کہ بعض دفعہ ایسے ادارے وقف کی عمارت کو طویل مدت کے لئے لیتے ہیں، پچاس سال، ساٹھ سال کے لئے، کوئی کمپنی لیتی ہے اور ایسی کمپنیاں ہوتی ہیں جہاں حقوق کی حفاظت کا زیادہ گمان ہوتا ہے، کہ یہ کرایہ ادا کردے گی، یہ شخصی معاملہ نہیں ہے، فلاں کمپنی کا معاملہ ہے، یہ ضرور ہی کرایہ ادا کردے گی، اب یہ بات اس دور میں سوچی جاسکتی ہے کہ وہاں کرایہ کی مدت کو کم کرنے میں اور کسی شخص کو دینے میں زیادہ تحفظ ہے یا ایسی کمپنی کو دینے میں اس جائداد کا تحفظ ہے جس سے اس کے مفادات زیادہ محفوظ ہوں اور جس میں اوقاف کا تحفظ ہو اس پر عمل کیا جائے۔

اسی طرح ایک مشہور مسئلہ ہے کہ اگر کوئی مقروض ہو اور مستغرق بالدین ہو تو آپ جانتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تفلیس کا کوئی اعتبار نہیں، اگر قاضی کسی کو مفلس قرار دے دے، دیوالیہ قرار دے دے، تب بھی اس کے تصرفات کو روکا نہیں جاسکتا، یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے، کیونکہ انسانی شرافت اور کرامت کے مغائر ہے کہ اس کو جانور کی طرح یا جمادات کی طرح مسلوب الاختیار بنادیا جائے، فقہ حنفی کا یہ ایک امتیازی پہلو ہے کہ اس میں انسانی شرافت وکرامت کا لحاظ بہت زیادہ ہے، لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اگر کسی شخص پر دین بہت زیادہ ہوگیا ہو پھر بھی اس کے لئے تصرفات کی گنجائش باقی رہتی ہے، لیکن فقہاء متاخرین نے دیکھا کہ ایک آدمی دین میں بالکل غرق ہے اور نئے تصرفات کرتا جارہا ہے، کسی کو ہبہ کررہا ہے، کسی کے لئے کسی چیز کا اقرار کررہا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو دائن ہے اس کے حقوق ضائع ہوجائیں گے، پس دائن کے حقوق اور اس کے مال کی حفاظت کے لئے فقہاء نے کہا کہ ایسے شخص کو نئے مالی تصرف کا حق حاصل نہیں ہوگا، فقہاء متاخرین نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔

اسی طرح ایک مشہور مسئلہ ہے ''قضاء قاضی بعلم القاضی'' کا، احناف کے یہاں قضاء کی جو بنیادیں ہیں، ان بنیادوں پر قاضی فیصلہ کرسکتا ہے۔ ان میں ایک قضاء بعلم القاضی بھی ہے، قاضی اپنے ذاتی اور شخصی علم کی بنیاد پر بعض حالات میں جبکہ دوسرے وسائل اثبات موجود نہ ہوں فیصلہ کرسکتا ہے۔ فقہاء متقدمین نے اس بات کی اجازت دی ہے، لیکن بعد کے حالات میں جب کہ لوگوں نے دیکھا کہ اس سے جور وظلم کا دروازہ کھل سکتا ہے اور قاضی جانبداری اور طرفداری کرسکتا ہے تو متاخرین نے فتوی دیا کہ اس دور میں قاضی اپنے شخصی علم کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرسکتا ''لا یصح أن یقضی القاضی بعلمه الشخصی فی الوقائع'' (جو واقعات پیش آئیں اس میں اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر قاضی فیصلہ نہیں کرسکتا)۔

اسی طرح فقہاء متقدمین کی رائے تھی کہ اگر بیوی اپنا مہر وصول کر چکی ہو اور شوہر کہے کہ فلاں جگہ تم کو میرے ساتھ جانا ہوگا تو عورت پر واجب ہوگا کہ وہ اس کے ساتھ جائے، لیکن ہمارے فقہاء متاخرین نے فساد زمان کی وجہ سے کہا کہ بعض اوقات شوہر بیوی کو دور لے کر جاتا ہے، پھر وہاں اس پر ظلم وزیادتی کرتا ہے اور کوئی فریاد سننے والا نہیں ہوتا، اس لئے اگر مہر معجّل عورت وصول بھی کر چکی ہو تب بھی اس پر یہ بات واجب نہیں ہوگی، سوائے اس کے کہ وہ ایسے شہر میں لے جانا چاہتا ہو، جہاں بیوی کا میکہ ہے، اس کے علاوہ فقہاء کے یہاں اس کی اور بھی مثالیں ملیں گی۔ لیکن وقت کم ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے، کہ جو نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں ان میں ایک حصہ وہ ہے جس کا تعلق فساد اخلاق کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل سے ہے، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں بھی اس کی نظیر ہے، اور بعد کے فقہاء اور ہر مکتب فکر کے علماء نے اس کو پیش نظر رکھ کر فتاوی دیئے ہیں، اور یہ سب مقاصد شریعت سے جڑے ہوئے ہیں، ایک ہی چیز جو ایک زمانہ میں کسی حق کے حاصل ہونے کا ذریعہ تھا اگر وہی چیز بعد کے ادوار میں حق کے حاصل کرنے اور اس کی حفاظت کے لئے ناکافی ہو جائے تو فقہاء نے اس میں نئی رائے قائم کی ہے اور ان کو بھی حوادث اور قضایا معاصرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے سیاسی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے جو تغیر احوال ہوتے ہیں اس کی بھی بہت سی مثالیں ہیں، اور اس دور میں تو اس کی مثالیں بہت پیدا ہو رہی ہیں، جیسے اذان، اقامت اور تعلیم قرآن پر اجرت کا مشہور مسئلہ ہے، امام صاحب کا مسلک تو یہی ہے کہ یہ تمام چیزیں جو طاعات میں سے ہیں، ان پر اجرت لینا درست نہیں ہوگا، لیکن ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اسلام کے اولین دور خلافت راشدہ اور اس کے بعد کچھ زمانہ تک جو معلمین ہوا کرتے تھے، ائمہ ہوا کرتے تھے، ان کے لئے تنخواہ تو نہیں ہوتی تھی، البتہ ان کے وظائف ہوا کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں تو ایک قول یہ ہے کہ بدری صحابہ کے بعد سب سے زیادہ وظائف انہوں نے معلمین کے لئے متعین کئے تھے، وظائف مقرر کرنے میں ان کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، لیکن بعد کے دور میں یہ صورت حال باقی نہیں رہی اور ہمارے سلف نے اس کو بہتر بھی نہیں سمجھا، یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ دنیا کے مذاہب میں اسلام ایسا مذہب ہے کہ اس کے علوم وافکار ہمیشہ حکومت کے اثر سے آزاد رہے، عیسائیوں میں تثلیث کیسے پیدا ہوئی؟ جب یونانی بادشاہوں نے عیسائیت کو قبول کیا تو ان کے قدیم مذہب میں تثلیث تھی، انہوں نے تثلیث کو مسلط کر دیا اور عیسائی علماء نے اس کو ایسا قبول کیا کہ آج تک وہ اس "دام ہم رنگ زمیں" سے باہر نہیں آسکے، لیکن اسلام کی تاریخ اس بارے میں نہایت روشن ہے، کوئی محدث اگر بادشاہ کے دربار میں زیادہ جاتا تو لوگ اس کی روایت قبول نہیں کرتے، کوئی فقیہ اگر حکومت کا کوئی عہدہ قبول کر لیتا تھا تو لوگ اس کے فتوی کو قبول نہیں کرتے، یہاں تک کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے جب عہدہ قضاء کو قبول فرمایا اور نیک نیتی سے قبول فرمایا، بہت سی اصلاحات کیں، کتاب الخراج کا مقدمہ آپ دیکھ لیں کہ کس دل سوزی سے اور کس حکمت کے ساتھ بادشاہ کو نصیحت بھی کیا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود ہم آپ سب جانتے ہیں کہ امام صاحب کے بعض تلامذہ اس کے بعد امام ابو یوسفؒ سے کنارہ کش ہو گئے۔

اللہ تعالی نے اس دین کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے، یہ اس کا ایک حصہ ہے، اللہ تعالی

نے اس دین کے علوم کو حکومت کے اثرات سے آزاد رکھا، ہمارے بزرگوں اور سلف صالحین نے مشقتوں اور ابتلاؤں کو برداشت کیا، بادشاہوں کی طرف سے آنے والی آزمائشوں کو جھیلا، لیکن انہوں نے کبھی اس علم کو سرکاری اداروں اور شخصیتوں سے مربوط نہیں ہونے دیا، اس کا ایک دوسرا اثر یہ تھا کہ علماء جو اس طرح کی خدمت کرنے والے تھے، ان کو سرکاری وظائف نہیں ملتے تھے، بعد کے فقہاء نے اسی لئے کہا کہ امامت پر، تعلیم قرآن پر اجرت لی جاسکتی ہے، کیونکہ "لولم يصح الاستجار وأخذ الأجرة لضاع القرآن و فيه ضياع الدين" (اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو قرآن ضائع ہو جائے گا اور اس میں دین کا ضیاع ہے) جیسا کہ ظاہر ہے، حفظ دین اس کا مقصد ہے، اس مسئلہ کا سیاسی حالات کی تبدیلی سے بھی بڑا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ خلفاء راشدین جیسے خلفاء ہوتے، صحابہ کا دور ہوتا تو شاید اس کی نوبت نہ آتی، حکومت ہی کی طرف سے اس کا نظم ہوتا، اسی لئے بعد کے جن مشائخ نے اس کی اجازت دی انہوں نے کہا: "إن أبا حنيفة وأصحابه لو كانوا في عصرهم لقالوا كذا ورجعوا عن قولهم الأول" اگر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحابؒ آج موجود ہوتے تو وہ بھی یہی کہتے اور اپنے پہلے قول سے رجوع کرلیا ہوتا، دونوں کا مقصد حفظ دین تھا، امام صاحبؒ نے جو منع کیا، ان کا مقصد بھی حفظ دین تھا، امام صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ کہیں یہ دین کی خرید وفروخت تو نہیں ہوگی؟ دین میں اجرت لینا دین کی وقعت کو کم کرنا ہے، اور جن لوگوں نے اس کی اجازت دی ان کا مقصد بھی حفظ دین تھا، کیونکہ ان بدلے ہوئے حالات میں اس کے بغیر دین کی حفاظت ممکن نہیں تھی۔

اسی طرح غالباً پہلی بار وسیع سطح پر اندلس میں مسلمان اقلیت کا مسئلہ پیدا ہوا، اس وقت فقہاء نے لکھا: "يجب على المسلمين طلب وال مسلم" ان پر واجب ہے کہ غیر مسلم حکمرانوں سے مطالبہ کریں کہ وہ مسلمانوں میں سے ان کے لئے امیر مقرر کرے اور وہ امیر مسلمانوں کے مسائل کو انجام دے۔ قضاء کا مسئلہ ہے، جمعہ کا قیام ہے وغیرہ، ظاہر ہے کہ اصولی طور پر تولیت امیر کفار کی طرف سے تو نہیں ہوسکتی، اصل مسئلہ یہ ہے کہ تولیت امیر مسلمانوں کی

طرف سے ہوگی، مسلمانوں میں سے ارباب حل وعقد کی طرف سے ہوگی، لیکن چونکہ سیاسی حالات بدل چکے تھے، اس لئے فقہاء نے کہا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لئے اور ان کو انتشار اور بکھراؤ سے بچانے کے لئے ان حالات میں کافر کی طرف سے بھی کوئی امیر متعین کردیا جائے تو وہ قابل قبول ہوگا۔

اسی طرح قضاء کا عہدہ ہے، قضاء کا عہدہ عوامی انتخاب کا تو ہے نہیں کہ عام لوگ قاضی کو منتخب کریں، اگر عدالتیں لوگوں کی جانب سے منتخب کی جانے لگیں تو لوگ وہاں اپنے مفادات کو راہ دینے لگیں، امیر قاضی کا تقرر کرے گا، اس لئے کہ امیر کو لوگوں پر ولایت عامہ حاصل ہے، اور وہ اس ولایت عامہ کے تحت قاضی کی طرف اس ولایت کو منتقل کرتا ہے، لیکن بعد کے فقہاء نے لکھا کہ اگر مسلمان کہیں ایک امیر پر متفق نہ ہوسکیں، اور مسلمانوں کی حکومت وہاں نہ ہو: "یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" طحطاوی، البحر الرائق اور فقہ کی متعدد کتابوں میں یہ جزئیہ موجود ہے، یہ سیاسی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ہے، اس تبدیلی کا مقصد حفظ دین ہے، دین کے بہت سے احکام وہ ہیں جن کا تعلق امیر اور قاضی سے ہے، تو جہاں نصب امیر اور نصب قاضی کی اعلیٰ تر صورت موجود نہ ہو اور ممکن نہ ہو، تو وہاں جو اس سے کم تر صورت ہوگی اس صورت کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اسی میں یہ مسئلہ بھی ہے جو امام طحاوی نے نقل کیا ہے اور دوسرے علماء نے بھی، کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی زمانہ میں بنو ہاشم کے لئے خمس والا مد باقی نہ رہے تو ان کے لئے زکاۃ لینا جائز ہے، حالانکہ حدیث میں صراحت موجود ہے زکاۃ لینے کی ممانعت پر، اور اس حدیث میں حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "وعوّضکم بالخمس" اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کے بدلے تم کو خمس دیا ہے، تو امام صاحب کا منشاء یہی ہے کہ ان کے حقوق کا تحفظ ہو، حضور ﷺ نے اگر ان پر زکاۃ کو حرام قرار دیا تو ان کے لئے ایک مد بیت المال میں باقی رکھا، اب بیت المال کا مد باقی نہیں رہا، اگر زکاۃ کو بھی ان پر ممنوع قرار دے دیا جائے تو پھر وہ اپنے حقوق سے محروم ہو کر رہ

جائیں گے، ہمارے قریبی دور میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے مجھے اس سے غرض نہیں کہ اس قول پر فتوی دیا جائے یا نہ دیا جائے، اس سے قطع نظر میں صرف یہ بتلاتا ہوں کہ یہ سیاسی حالات کا فرق ہے، کیونکہ دور اول میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ خود حضور ﷺ کے اہل بیت میں اس کو تقسیم فرمایا کرتے تھے، پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو اس حصہ کا متولی بنا دیا گیا تھا، ان کو دے دیا جاتا تھا وہ لوگوں میں تقسیم کیا کرتے تھے، پھر خود حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے، پھر اس کے بعد بھی کچھ دور ایسا گذرا کہ گویا یہ مد باقی نہیں رہی، لیکن لوگوں میں سادات کی محبت تھی اور اسی نسبت سے وہ ان کا احترام بھی کرتے تھے اور تعاون بھی، اسی لئے امام ابو حنیفہؒ اور مختلف ائمہ نے خانوادہ سادات کی سیاسی مدد بھی فرمائی، لیکن اب بدقسمتی سے اس محبت کی آگ سرد ہوتی جا رہی ہے، امام ابو حنیفہؒ کے اس فتوی کا سیاسی حالات سے تعلق ہے، اس ذیل میں وہ مسئلہ بھی آتا ہے جس کو بعض فقہاء نے نقل کیا ہے کہ اگر کسی کو آپ نے سفید کپڑا دیا کہ وہ اسے سل دے اور ہوا یوں کہ اس نے اس کپڑے کو کالے رنگ میں رنگ کر واپس کر دیا تو کیا سمجھا جائے گا؟ اس میں اس نے نقص پیدا کیا یا اس کپڑے کو اور مکمل کر دیا؟ اگر نقص ہے تو یا تو اس کو واپس کرنے کا حق ہے یا اس کو رجوع بالنقصان کا حق حاصل ہوگا، ایک زمانہ میں فقہاء یہ کہتے تھے کہ یہ نقص نہیں ہے بلکہ یہ کپڑے میں کمال پیدا کرنا ہے۔ اس لئے اس کو رجوع بالنقصان کا حق نہیں ہوگا، یہ عباسی دور کی بات تھی، آپ جانتے ہیں کہ عباسی خلفاء نے اپنے لئے سیاہ لباس اختیار کیا تھا، حضرت عباسؓ کے بارے میں بعض روایت میں سیاہ کپڑے کا ذکر ہے، تو انہوں نے سیاہ لباس استعمال کیا اور جب کوئی بادشاہ کا لباس ہوتا ہے تو وہ ایک آئیڈیل لباس بن جاتا ہے، پوری دنیا اس کو افتخار اور اعزاز کے احساس کے ساتھ پہنتی ہے، اس زمانہ میں واقعۃً وہ ایک وجہ کمال تھا، آج ہم اور آپ کرتا درزی کو دیں اور وہ سیاہ رنگ میں رنگ کر واپس کرے، خاص کر ایسے شہروں میں جہاں روافض کالا کپڑا پہنتے ہیں جیسے حیدر آباد ہے اور ہم لوگ اس سے احتراز کرتے ہیں، تو یہ کمال نہیں ہے بلکہ نقص ہے،

حالانکہ اس کا براہ راست سیاست سے کوئی تعلق نہیں، لیکن سیاسی حالات کے اثرات بہت دوررس ہوتے ہیں، لوگوں کی تہذیب اور ثقافت پر، ان کے بناؤ سنگار اور لباس و پوشاک پر بھی ان چیزوں کا اثر پڑتا ہے، تو سیاسی حالات کی وجہ سے بہت سے احکام میں تبدیلی ہوئی ہے اور اگر آپ غور کریں گے تو مقاصد شریعت سے ان کا رشتہ جڑا ہوا ہے۔

آج کے دور میں بھی بہت سے مسائل ہیں، جو سیاسی نظام میں تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں میں ان کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کئے بغیر صرف ان کا تذکرہ کروں گا۔ جیسے یہ ووٹ ہی کا مسئلہ ہے، ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ آپ کے ووٹ کی ایک حیثیت توکیل کی بھی ہے، اس لئے ایک طرح سے آپ کے ووٹ سے منتخب شخص کا عمل آپ کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ جو رکن ہمارے ووٹ سے منتخب ہوتا ہے وہ پارلیمنٹ یا اسمبلی میں جا کر ساری باتیں اسلام کے مطابق یا مسلمانوں کے مفاد کے مطابق نہیں کہتا، اسی طرح سرکاری عہدوں کی قبولیت کی بات ہے، بہت سے سرکاری عہدے ایسے ہیں کہ جس میں بعض اوقات آپ کو ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جو کم سے کم مزاج اسلام کے مطابق نہیں ہوتا ہے، اور مسلمانوں کے مفادات سے ٹکراتا ہے، وزارتیں آپ کو قبول کرنی پڑتی ہیں، آپ اگر اسمبلی یا پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے تو دستور کا حلف لینا پڑتا ہے، کہ اس دستور کے ہم وفادار رہیں گے، حالانکہ ہندوستان کے دستور کو مکمل طور پر آپ کتاب وسنت کے مطابق تو نہیں کہہ سکتے، اب تو بدقسمتی سے مسلم ممالک کے دستور بھی ایسے نہیں رہے، اسی طرح مثلاً آج سیاسی جماعتوں میں شرکت کا مسئلہ ہے، اب تو ہندوستان میں قانون ایسا ہے کہ پارٹی وہپ کے جو احکام ہیں، اور پارٹی کی جو رہنمائی ہے، اس کے خلاف آپ ووٹ بھی نہیں دے سکتے، آپ سیاسی جماعت میں شریک ہوتے ہیں، بعض دفعہ آپ کو ایسے احکام کی تعمیل کرنی پڑتی ہے جو مفاد دین اور مفاد مسلمین کے خلاف ہے، سیاسی حالات کی وجہ سے یہ مسائل پیدا ہوئے، اور اس طرح خاص کر جمہوری نظام کے پیدا ہونے کی وجہ سے بہت سے مسائل ہیں، اب یہ بات قابل غور ہے کہ ان حالات میں مقاصد شریعت کی حفاظت کا تقاضا کیا ہے؟

قاضی ابوالحسن ماوردی وغیرہ نے امارت کی ایک قسم امارت قاہرہ بھی ذکر کی ہے کہ ایک امارت تو وہ ہے جو لوگوں کے انتخاب سے قائم ہو اور ایک یہ ہے کہ زبردستی کسی علاقہ پر غلبہ حاصل کرلے، تو اس امارت قاہرہ کی بھی اطاعت واجب ہوگی، فرق صرف اتنا ہوگا کہ جو امارت لوگوں کے اختیار و انتخاب سے قائم ہوئی ہے، اگر آپ طاقت رکھتے ہوں تب بھی اس کے خلاف بغاوت اور خروج جائز نہیں ہے۔ اور جو امارت قہر اور جبر کی بنیاد پر ہے، اگر آپ نے اتنی طاقت جمع کرلی ہے کہ اس کے خلاف بغاوت کرسکتے ہیں، تو خروج حرام نہیں ہوگا، لیکن قہر سے بھی امارت کا نفاذ ہو جائے گا، اور اس کے احکام کی اطاعت ضروری ہوگی، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نیک اور فاجر آدمی کے پیچھے تم نماز پڑھ سکتے ہو، اس میں اشارہ امارت کی طرف بھی ہے، کیونکہ امیر نماز پڑھایا کرتے تھے، وہ جیسے بھی ہوں فاجر ہوں ان کے پیچھے نماز ادا کرنی ہے، تو سیاسی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے، پہلے بھی فقہاء نے احکام میں تبدیلی کو قبول کیا ہے اور آج بھی اس کو برتنا ہوگا اور یہ سب مقاصد شریعت سے مربوط ہے۔

تیسری چیز بہت مشہور ہے اور اس پر ہمارے یہاں بہت اچھا فقہی سمینار ہو چکا ہے، وہ ہے عرف کا مسئلہ، عرف و تعامل کی بنیاد پر جو احکام بدلتے ہیں، چاہے عرف قولی ہو یا عرف عملی ہو، لوگوں کے مروج معاملات کی وجہ سے یا لوگوں کے طریقہ تعبیر کی وجہ سے، لوگوں کے عرف اور تعامل کی وجہ سے معاملات میں لوگوں کے رویہ اور ان کے قول کے منشاء و مقصد کو متعین کرنے میں مدد ملتی ہے، اور بعض دفعہ اسی کی وجہ سے احکام شریعت کی تعبیر اور اس کی تخصیص بھی ہوتی ہے، پہلی صورت اتنی اہم نہیں ہے، دوسری صورت زیادہ اہم ہے، اسی لئے علامہ قرافی نے لکھا ہے: "کل ما هو في الشريعة يتبع العوائد يتغير الحكم فيه عند تغير العادة إلى ما تقتضيه العادة المتجددة" کہ شریعت کے جو احکام عادت پر مبنی ہوں تو تغیر عادت کے وقت نئی عادت کے مطابق وہ تبدیل ہو جائیں گے، اس سلسلہ میں پہلے چند مثالیں دیتا ہوں پھر اخیر میں جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کی طرف متوجہ کروں گا۔

قدیم زمانہ میں عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ نکاح کے وقت کچھ نہ کچھ مہر ضرور دیا جاتا تھا، اور مہر کا کچھ نہ کچھ حصہ معجّل ضرور ہوتا تھا، اس لئے ہم کو روایت ملتی ہے کہ حضرت فاطمہؓ سے حضرت علیؓ کے نکاح کے موقع پر آپ ﷺ نے جب حضرت علی کی زرہ فروخت فرمائی تو اس میں سے کچھ ضرورت کے سامان لئے اور ان میں سے جو بچ گئے وہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ یکجائی کے وقت مہر کا کچھ حصہ ادا کردیں، اسی لئے ہمارے فقہاء متقدمین لکھتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے کہا کہ میرا پورا مہر شوہر کے ذمہ باقی ہے، کچھ بھی حصہ شوہر نے ادا نہیں کیا تھا تو قاضی اس کا اعتبار نہیں کرے گا، کیونکہ یہ عادت کے خلاف ہے، عادت یہ ہے کہ مہر کا کچھ نہ کچھ حصہ جب تک ادا نہ کیا جائے عورت تسلیم نفس نہیں کرتی ہے، اور اس کی رخصتی نہیں ہوتی ہے، لیکن آج کل ہمارے یہاں جو عادت ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے کہ نکاح کے وقت مرد کا مہر تو تلک اور گھوڑے جوڑے کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے، اور بے چاری لڑکی کا مہر تو ادا ہوتا ہی نہیں، پس فقہاء نے جو حکم دیا کہ قاضی کے یہاں اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کا مقصد کیا ہے؟ حفظ مال، شوہر نے اگر مال دے دیا ہو تو اس کا حق ضائع نہ ہو، اور آج اگر ہم اس کے مطابق حکم دیں گے تو یہ حق کو ضائع کرنا ہوگا، حفظ مال کے مقصد کے بالکل خلاف ہو جائے گا، اور بے چاری عورت اپنے حق سے محروم ہو کر رہ جائے گی۔

اسی طرح مشہور مسئلہ ہے کہ لفظ حرام کا طلاق کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن فقہاء متاخرین نے کہا کہ اس سے بلا نیت طلاق واقع ہو جائے گی، اسی طرح بیع معاطاۃ کا مسئلہ بھی ہے کہ قیمت ادا کردی اور سامان اٹھالیا، آج کل اس بیع المعاطاۃ کی اہمیت بہت زیادہ ہوگئی ہے، بہت سے مسائل میں، جس وقت ایجاب وقبول ہوتا ہے اس وقت ایجاب وقبول کی شکل ایسی ہوتی ہے کہ اس کو بیع صحیح کہنا دشوار ہے، لیکن جس وقت مشتری اس چیز کو بائع کی رضامندی سے لیتا ہے اور قیمت ادا کرتا ہے تو آپ تاویل کا راستہ اختیار کر کے اس کو بیع معاطاۃ قرار دے سکتے ہیں، اس میں ہم نے اختصار سے کام لیا ہے، کیونکہ یہ چیز تفصیل کے ساتھ علی گڑھ کے سمینار میں آچکی ہے۔

اسی بنیاد پر شریعت کے احکام میں بھی عموم بلوی کا اعتبار کیا گیا ہے، جیسے نجاسات کا مسئلہ، سڑکوں پر جو نجاستیں پائی جاتی ہیں اس کے بارے میں احناف کی رائے مشہور ہے کہ وہ اس کو ناپاکی کا سبب قرار نہیں دیتے ہیں، اسی طرح بیع نجاسات ہے، نجس چیزوں کی بیع اصل میں جائز نہیں ہے، لیکن بعد میں یہ تعامل ہوگیا کہ بعض ناپاک چیزوں کی بھی خرید وفروخت کی جانے لگی، تو بعض فقہاء مالکیہ نے بھی اس کی اجازت دی، کہ جانوروں کے فضلات کی بیع کی جاسکتی ہے، اور متاخرین حنفیہ نے بھی کہا: "**لا بأس عند الحنفية ببيع روث البهائم لتسميد الأرض**" جو جانوروں کے فضلات ہیں اگر وہ زمین کی کھاد کے لئے، اور اس کو بار آور کرنے کے لئے فروخت کی جائے تو اس کی اجازت ہے۔ اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ خالص کی اجازت نہیں ہے، بلکہ اختلاط کر دیا جائے مٹی کے ساتھ تب اس کی بیع جائز ہے، کیونکہ احناف کے یہاں نجس اور متنجس دونوں کے احکام الگ ہیں، ایک چیز جو اصل کے اعتبار سے نجس ہو اور ایک وہ جو کسی شی سے اتصال اور اختلاط کی وجہ سے نجس ہوگئی ہو، دونوں کے احکام ہمارے یہاں الگ ہیں، اسی لئے احناف کے یہاں ناپاک تیل کی بیع کو جائز قرار دیا گیا، کیونکہ وہ نجس نہیں ہے بلکہ متنجس ہے۔

تعامل ہی سے متعلق مسئلہ بیع حشرات الأرض کا ہے، ہمارے قدیم فقہاء حشرات الأرض کی بیع کو منع کرتے ہیں، لیکن بعد کے فقہاء نے شہد کی مکھی کی بیع کی اجازت دی، غالباً علامہ شامی نے بھی اس کو لکھا ہے کہ شہد کی مکھیوں کی بیع جائز ہوگی اگر اس کی باضابطہ آدمی پرورش کرتا ہو، اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ اب لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، آج کل ریشم کے کیڑوں کا بھی مسئلہ ہے، ریشم کے کیڑوں اور شہد کی اعلی نسلوں کے کیڑوں کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اس کے لئے ایسی جالیاں بن دی جاتی ہیں کہ باہر نہ جاسکیں اور باضابطہ وہ لوگوں کے انتفاع کا ذریعہ ہیں، تو بہت سی چیزیں جو فقہاء متقدمین کے یہاں قابل انتفاع نہیں سمجھی جاتی تھیں، متاخرین کے یہاں وہ تعامل کی وجہ سے قابل انتفاع ہوگئیں، اور فقہاء نے اس کی بیع کی اجازت دے دی، اسی میں آپ شامل کر سکتے ہیں سانپ کے چمڑے کے مسئلہ کو بھی، ہمارے فقہاء کہتے

ہیں کہ وہ دباغت کے بعد بھی پاک نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کی دباغت ممکن نہیں ہے، اور وہ قابل استعمال نہیں ہوتا ہے، لیکن آج ایسی نئی تکنیک پیدا ہوگئی ہے کہ سانپ کے چمڑے کو باوجود بہت پتلے ہونے کے دباغت دی جاتی ہے اور یہ چمڑا مہنگا ہوتا ہے، یورپ وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے، میں کوئی رائے نہیں دے رہا ہوں لیکن ان حالات میں یہ مسئلہ قابل غور ہے۔

اس دور میں بھی بہت سے مسائل ہیں، خود ہندوستان کے علماء نے بھی اس کو ملحوظ رکھا ہے، مثال کے طور پر جانور کی بٹائی ہے، آپ جانتے ہیں کہ حنفیہ بلکہ جمہور کے یہاں جانوروں کی بٹائی جائز نہیں ہے، لیکن حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں حنابلہ کی رائے کو اختیار کرتے ہوئے، لوگوں کے تعامل کو دیکھتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے، اسی طرح لباس کا مسئلہ ہے، بعض لباس جس میں شدید کراہت سمجھی جاتی تھی، بعد کے علماء نے کہا کہ اس میں کراہت کی جہت خفیف ہوگئی ہے، جیسے عورتوں کے لئے ساڑی کا استعمال ہے، جو اصل میں پہلے ہندوانہ لباس تھا، اب یہ لباس عام ہوگیا ہے، ہندوستان کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں مسلم خواتین بھی عام طور پر اس کا استعمال کرتی ہیں، مفتی کفایت اللہ صاحب نے اسی بنیاد پر لکھا ہے کہ اب اس میں تشبہ نہیں رہا، اسی طرح کوٹ پینٹ کا مسئلہ ہے، یہ پہلے انگریزوں کے لئے مخصوص تھا، اب یہ لباس عام ہوگیا ہے، حضرت تھانویؒ کی زبان میں یہ لباس قومی باقی نہیں رہا، بلکہ اب یہ لباس ملکی ہوگیا ہے، اس لئے اب اس میں کراہت اور تشبہ کی جہت خفیف ہوگئی ہے، اسی طرح آج کے تعامل کے لحاظ سے قبضہ کا مسئلہ ہے، اس پر ہمارے یہاں ایک فقہی سمینار ہو چکا ہے کہ آج کے تعامل کی روشنی میں کس چیز کو قبضہ سمجھا جائے گا؟ ڈرافٹ کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیا اس کو روپے کا قبضہ سمجھا جائے گا؟ اگر اس کو روپے کا قبضہ نہ مانا جائے تو بعض صورتوں میں ربا کی شکل پیدا ہو جائے گی، اسی طرح آج کل ہم لوگ جو مشینیں خریدتے ہیں، اس میں گارنٹی دی جاتی ہے، ایک سال اس کی مرمت کی گارنٹی ہوتی ہے، اور بیع بالشرط کی ممانعت ہے، ایسی شرط جس میں متعاقدین کا، یا ایسے معقود علیہ جس میں اپنے حق کے مطالبہ کی صلاحیت ہے، کا کوئی نفع متعلق ہو تو بیع فاسد ہو جاتی

ہے، اور اس میں مشتری کا نفع ہے، موجودہ دور میں ایسی شرط بہت مروج ہے، اور فتاویٰ عالمگیری میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ انہوں نے ایک استثناء رکھا ہے، شرط فاسد سے بیع فاسد ہو جاتی ہے "إلا أن يكون متعارفا" اگر کوئی شرط لوگوں میں متعارف ہو جائے، جو وجہ نزاع نہ بنے تو پھر وہ شرط مفسد بیع نہیں ہوگی، اس لئے کہ اصل مقصد شریعت کا ایسے احکام سے دفع نزاع ہے، اور جو چیز معروف و مروج ہو جاتی ہے اور لوگوں کے عمل اور تعامل میں آجاتی ہے تو پھر وہ چیز وجہ فساد نہیں بنتی ہے، یہ ہم نے محض نمونہ کے طور پر چند مثالیں دی ہیں، جتنی مثالیں ہم نے دی ہیں اگر آپ ہر ایک کا الگ تجزیہ کریں گے اور دیکھیں گے تو یہ سب مقاصد شریعت ہی کے گرد گھومتی ہیں، چاہے وہ مقاصد عامہ ہوں، حفظ دین، حفظ نفس وغیرہ، یا مقاصد خاصہ ہوں یعنی کسی حکم خاص سے متعلق شریعت کا جو مقصد ہے اس مقصد کو سامنے رکھ کر اس پر نئی رائے قائم کی گئی ہو تو بہر حال ان تبدیلیوں کا تعلق مقاصد شریعت ہی سے ہے۔

چوتھی چیز جو تغیر احکام کا عام طور پر سبب بنتی ہے، وہ نئے وسائل کی پیدائش ہے، جو جدید وسائل پیدا ہوتے ہیں ان کی وجہ سے بھی شکلیں بدل جاتی ہیں، اس کی بہت سی مثالیں ہو سکتی ہیں، جیسے ابھی ہم نے آپ کے سامنے سانپ کے چمڑے کی مثال دی، قدیم زمانہ میں ایسی مشینیں نہیں تھیں کہ باریک چمڑے کی دباغت ہو سکے، آج ایسے چمڑے کی دباغت ہوتی ہے، اب تو جو موٹے چمڑے ہوتے ہیں گائے بھینس وغیرہ کے، ان کی کئی تہیں کردی جاتی ہیں، اور ایسی ترقی یافتہ مشینیں آگئی ہیں کہ باریک سے باریک چمڑوں کی بھی دباغت ہو جاتی ہے۔

ایسا ہی ایک مشہور مسئلہ ہمارے یہاں قضا کے باب میں "کتاب القاضی إلی القاضی" کا ہے، قاضی اگر اپنی کوئی تحریر دوسرے قاضی کے پاس بھیجے، تو کن شرطوں کے ساتھ وہ تحریر معتبر سمجھی جائے گی؟ ہم سب لوگ فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل پڑھ چکے ہیں، اور بعض فقہاء نے بہت سی شرطیں لگائی ہیں، فریقین بھی ہوں، دو گواہ بھی موجود ہوں اور بیچ میں کوئی ایک دوسرے سے الگ نہ ہوا ہو، اس طرح کی بہت سی شرطیں ہیں، امام ابو یوسفؒ کے یہاں اس مسئلہ میں کچھ

نرمی ہے، بعد کو متاخرین نے اس میں تھوڑی اور نرمی برتی کہ دوسرے قاضی کو اگر ظن غالب ہوجائے، یا اس پر مہر موجود ہو، وہ مہر بند ہو، اور وہ اس کی تحریر کو شناخت کرسکتا ہو، ایسی صورت میں وہ اس کو قبول کرے گا، لیکن دیکھئے کہ ہر جگہ جو اصل مقصد ہے شریعت کا اور فقہاء کا۔ اور فقہاء کا اجتہاد بھی فی الجملہ شریعت کا ایک حصہ ہے، کیونکہ وہ کتاب وسنت کی نصوص ہی سے براہ راست یا بالواسطہ ماخوذ ہے۔ وہ حصول انصاف کو یقینی بنانا، تزویر کے احتمال کو کم سے کم کرنا اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے، تو اس زمانہ میں یہ چیزیں ضروری تھیں، اب آج یہ بات قابل غور ہے، آج ڈاک کا ایسا نظام قائم ہوگیا ہے کہ محفوظ طریقہ پر ڈاک بھیجی جاسکتی ہے، آج ایسے ذرائع ابلاغ پیدا ہوگئے ہیں کہ آدمی انٹرنیٹ کے ذریعہ، خاص کر ٹیلی فون کے ذریعہ جو ایک دوسرے کی آواز کو پہچانتا ہو، معلوم بھی کرسکتا ہے کہ فلاں فائل ہمارے یہاں پہنچی ہے، اس طرح کے مضامین ہیں، کیا یہ آپ نے بھیجی ہے، آج فیکس کے ذریعہ اس کی تصدیق ہوسکتی ہے، اور بھی بہت سے ذرائع ہیں، لہذا اب آج کے حالات میں یہ بات قابل غور ہوگئی ہے کہ ''کتاب القاضی الی القاضی'' کے اصول کیا ہوں گے؟

اسی طرح مثلاً جنون کا مسئلہ ہے، ہمارے فقہاء نے جنون کی تعریف کی، آپ جانتے ہیں کہ اس کے الفاظ میں فرق بھی ہے، بعض کہتے ہیں جو زمین وآسمان میں فرق نہ کرسکتا ہو، بعض کہتے ہیں کہ جو ہذیان گوئی کرتا ہو، اور بھی اس طرح کی تفصیلات آئی ہیں، لیکن آج میڈیکل طریقہ پر جنون کو جانچنا ممکن ہوگیا ہے، اور ایسے آلات ووسائل ایجاد پذیر ہوگئے ہیں کہ جنون کی تشخیص کی جاسکتی ہے اور ایک حد تک اس کا علاج بھی کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح عنین کا مسئلہ بھی ہے، عنین کا نکاح فسخ کیا جائے گا، اس کی علامتیں بھی فقہاء نے لکھی ہیں، اس میں ایک بڑی مشکل بات یہ ہے کہ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ''یمکن أن یکون الرجل عنیناً فی حق امرأۃ ولا یکون عنینا فی حق امرأۃ أخری أو یکون عننیا فی البکر لا فی الثیب'' کہ ایک ہی مرد ایک عورت کے حق میں نامرد ہو،

دوسرے کے حق میں نہ ہو، یا کنواری کے حق میں ہو، شوہر دیدہ عورت کے حق میں نہ ہو، ایسا بھی ہوسکتا ہے، تو اس کی جانچ بہت مشکل تھی، لیکن آج کے دور میں ایسے میڈیکل ٹسٹ ہوتے ہیں کہ اس سے ایک حد تک یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے یہ شخص مریض ہے یا نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ شخص قابل علاج ہے یا نہیں؟

اسی طرح موجودہ عہد میں ڈی این اے ٹسٹ کا مسئلہ ہے، ابھی میں ساؤتھ افریقہ گیا تھا، وہاں لوگوں نے یہ سوال اٹھایا، ڈاکٹروں کے ساتھ ایک بیٹھک تھی کہ ڈی این اے ٹسٹ کا ہم کس حد تک اعتبار کریں، یہ مسئلہ بہت نازک ہے اور اس سلسلہ میں بعض تجاویز رابطہ عالم اسلامی کی مکہ فقہ اکیڈمی کی آچکی ہے، میں نے یہی کہا کہ مسئلہ بہت نازک ہے اور جب تک ہم دوسرے اہل علم سے تبادلہ خیال نہیں کرلیں اس وقت تک میں کوئی رائے دینا مناسب نہیں سمجھتا، لیکن یہ مسئلہ قابل غور ہے، کیونکہ احناف نے قضاء کی جو بنیادیں مقرر کی ہیں ان میں ایک "قرائن قاطعہ" بھی ہے، ایسا قرینہ جو بہت ہی طاقت ور ہو، غالباً "معین الحکام" میں اس کی مثال نقل کی ہے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک کمرہ میں کوئی اور شخص نہیں تھا، ایک شخص نکلا ہے جس کے ہاتھ میں چھرا ہے اور وہ چھرا خون میں ڈوبا ہوا ہے، اس کے ہاتھ پر خون لگا ہوا ہے، اس کے جسم پر خون کے چھینٹے پڑے ہیں، اس کے چہرے کے نقوش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاتل ہے اور آپ اندر گئے تو آپ نے کسی اور کو نہیں دیکھا، بلکہ صرف ایک لاش پڑی ہوئی ہے، کسی اور کے آنے کے آثار نہیں ہیں، تو کیا گواہ ایسی صورت میں اس شخص کے قاتل ہونے کی شہادت دے سکتا ہے یا نہیں؟ تو بہر حال ایک بنیاد قرینہ قاطعہ کی بھی ہمارے یہاں موجود ہے کہ اگر کوئی دعوی کو ثابت کرنے والے مشروع وسائل موجود نہ ہوں تو قرینہ کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے، اور اس سلسلہ میں لوگوں نے نصوص سے بھی استدلال کیا ہے، بچہ کے سلسلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ اور حضرت علیؓ اور قاضی شریح کے بعض فیصلے اسی پر مبنی ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ ڈی ان اے ٹسٹ کیا موجودہ دور میں قرینہ قاطعہ کا درجہ حاصل کرسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ شریعت کے عام احکام اور حدود کے

مقدمات تو دلائل اور بینہ پر مرتب ہوں گے، لیکن مثلاً ایک ایسا شخص جو گمشدہ ہے اور کوئی اس کا طالب نہیں ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ میں اس کا باپ ہوں، تو کیا ڈی این اے ٹسٹ سے تصدیق کر کے اس بچہ کو اس کے حوالہ کیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح موجودہ دور کے مسائل میں اعضاء کی پیوندکاری کا مسئلہ بھی ہے، جس پر ہم لوگ باضابطہ سمینار کر چکے ہیں، فقہاء کی عبارتوں سے ظاہر ہے کہ جزو انسانی کا استعمال درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ انسانی شرافت کے مغائر ہے، اور فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس انسان کے جزو سے انتفاع کیا جائے گا اس کے لئے مضر اور مہلک بھی ہے، علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں یہی وجہ بیان کی ہے کہ غالب امکان ہے کہ اس کی ہلاکت کا سبب بن جائے گا، اب آج کے دور میں آپ جانتے ہیں کہ ایسی صورتیں ایجاد ہوگئی ہیں کہ عضو انسانی کو کسی ضرر شدید کے بغیر منتقل کیا جاسکتا ہے، جس سے عضو لیا جائے اس کی جان بچاتے ہوئے بھی ایسا کرنا ممکن ہے، آج کے حالات میں اگر کسی آدمی نے کسی کو اپنا عضو دے دیا تو یہ نہیں سمجھا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے اس کی بے احترامی کی، میں اس مسئلہ پر کوئی رائے نہیں دیتا، لیکن عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نئے مسائل کی پیدائش کی وجہ سے ایک نئی سوچ کا موقع پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح پوسٹ مارٹم کا مسئلہ ہے، بہت سے جرائم ہیں جن کی تحقیق پوسٹ مارٹم سے ہوتی ہے، مثال کے طور پر ایک شخص کے پاس ایک خاص قسم کا ہتھیار پایا گیا، تو جب پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے تو میڈیکل رپورٹ کے ذریعہ پولس اس بات کا اندازہ کرتی ہے کہ یہ اسی ہتھیار کا وار ہوسکتا ہے یا نہیں؟، پھر دوسرے قرائن پر فیصلے کئے جاتے ہیں، اسی طرح علاج بالحرام کا مسئلہ ہے، آج کے دور میں آپ جانتے ہیں کہ بہت سی حرام اشیاء سے بھی علاج ہوتا ہے، امام صاحب کا اصل نقطہ نظر تو یہی ہے کہ علاج بالحرام درست نہیں، لیکن یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ فقہاء متاخرین نے علاج بالنجس اور علاج بالحرام کی اجازت دی ہے، جب اس کا کوئی حلال متبادل موجود نہ ہو، آج الکوحل کے ذریعہ علاج ہوتا ہے۔

اسی طرح زندگی کے مختلف شعبوں میں نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں، مثال کے طور پر

آپ زمین کی بیع کریں تو یہ ٹھیک ہے کہ اموال غیر منقولہ کی بیع قبل القبض کی جاسکتی ہے، لیکن مبیع کا متشخص ہونا تو ضروری ہے کہ بعد میں باعث نزاع نہ ہو، اس کے لئے فقہاء نے تفصیلات لکھی ہیں، بعض نے کہا کہ جا کر اس کو دیکھنا بھی ضروری ہے، لیکن آج کے دور میں آپ جانتے ہیں کہ سروے نمبر ہوتا ہے، پلاٹ نمبر ہوتا ہے، اس سے وہ جگہ پوری طرح متعین و متشخص ہو جاتی ہے، اب یہ بات قابل غور ہے کہ کیا یہ تعین کافی ہوگا یا نہیں؟، کیونکہ اصل مقصد حفظ مال ہے، لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہے، کیا یہ طریقہ اس مقصد کو پورا کر دے گا، میں ان مسائل کے بارے میں اپنی کوئی رائے نہیں دیتا، لیکن صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں، مقاصد شریعت کے پس منظر میں ان مسائل پر ہمیں غور کرنا ہوگا اور اس کو سمجھنا ہوگا کہ بہت سے مسائل وہ ہیں جو مسلمان اقلیتوں سے متعلق ہیں، جہاں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہیں، وہ بہت سے مواقع پر ایسی صورت حال سے دوچار ہوتے ہیں جس صورت حال سے عالم اسلام کے مسلمانوں کو دوچار نہیں ہونا پڑتا ہے، وہاں بھی مقاصد شریعت کا تحفظ ضروری ہے، ایجاباً وسلباً دونوں پہلوؤں سے، جیسے احناف نے اس صورت میں استقراض بالربح کی اجازت دی، جہاں اس سے چارہ نہ ہو، اب ہندوستان اور ایسے ملکوں کے تناظر میں آپ کو دیکھنا ہوگا کہ کس حد تک اس کی اجازت ہوگی؟ ایسا بھی نہ ہو کہ سود کی شناعت ہی آدمی کے ذہن سے ختم ہو جائے، اور ایسا بھی نہ ہو کہ کسی کے لئے زندگی گذارنا دوبھر ہو جائے۔

ہم کو اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے، رات ہی میں ایک کتاب دیکھ رہا تھا جمیل محمد بن مبارک کی، پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اس وقت خاص طور سے دیکھا: "رعاية الضرورة الشرعية حدودها وضوابطها" انہوں نے خاص طور پر مسلم اقلیتوں کے مسئلہ کو چھیڑا ہے، کتاب دیکھ کر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا، میں نے اپنے استاذ سے سنا تھا، اس کی صداقت سے واقف نہیں ہوں، جب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مصر تشریف لے گئے اور واپس آنے لگے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کے تاثرات مصر کے بارے میں کیا ہیں، تو انہوں نے کئی اچھی

باتیں کہیں، ان میں ایک بات یہ بھی کہی کہ میرا تاثر مصر آنے کے بعد یہ ہوا کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کوئی چیز شریعت میں حرام بھی ہے؟ جتنی چیزیں انہوں نے اس میں لکھی ہیں: ذبیحہ کا مسئلہ، ربا کا مسئلہ وغیرہ ایسا لگتا ہے کہ سب کی اباحت کی طرف مصنف کا رجحان ہے، ظاہر ہے کہ یہ اباحت نہیں، بلکہ اباحیت ہے، اور شریعت کے اساسی مقصد حفظ دین سے ہم کو ہٹا دیتا ہے، مسلمان اقلیتوں کے مسائل میں خاص کر مقاصد شریعت کو سامنے رکھنا ہمارے لئے بہت ہی ضروری ہے، عام طور سے فقہاء نے مقاصد شریعت کا الگ سے ذکر نہیں فرمایا، اس سے دھوکہ نہ کھا جاہئے اس کی وجہ یہ تھی کہ استحسان اور مصالح مرسلہ اصول فقہ کا مستقل ایک حصہ تھا اور مصالح ومقاصد سے مربوط۔

مولانا خورشید انور اعظمی صاحب نے ایک سوال بھی اٹھایا تھا کہ الگ سے اس کی کیا ضرورت پڑی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ بعد کے لوگوں کا احساس تھا کہ ہے تو یہ اصول فقہ کا ایک حصہ، لیکن اس کو جو اہمیت دی جانی چاہئے وہ اہمیت نہیں دی گئی، اسی لئے انہوں نے خاص طور پر اس کو موضوع بنایا، اسی لئے پہلے کے فقہاء کے یہاں تو نہیں ملتا، لیکن شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور علامہ شاطبی کے یہاں یہ بات ملتی ہے کہ شرائط اجتہاد میں جن علوم کو انہوں نے ضروری قرار دیا، اس میں ایک ''علم بمقاصد الشرائع'' بھی ہے، ایسا لگتا ہے کہ ان کا احساس تھا کہ جو متقدمین تھے وہ خود اس کو ملحوظ رکھتے تھے، لیکن اب جزئیات پر جزئیات کو قیاس کرنے کا جو سلسلہ ہے اور یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ کیا مقیس کو کسی دوسرے مسئلہ کے لئے مقیس علیہ بنایا جا سکتا ہے؟ مالکیہ کے یہاں مقیس کو مقیس علیہ بنانے کی بات ملتی ہے، اور غالباً شیخ ابوزہرہ نے اس کو لکھا ہے، لیکن دوسرے فقہاء کے یہاں مقیس خود دوسرے مسئلہ کے لئے مقیس علیہ نہیں بن سکتا۔ اس کی وجہ سے جزئیات پر انحصار کا مزاج پیدا ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے بعض دفعہ جو شریعت کے بنیادی مقاصد ہیں ان کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے، اور چونکہ جزئیات وقتی حالات پر مبنی ہیں، اگر ان پر انحصار ہو تو کبھی افراط پیدا ہو جائے گا تو کبھی تفریط پیدا ہو جائے گی، بعض جگہ افراط بھی پیدا

ہوگا، حمامات کے احکام جو فقہاء نے اس زمانہ کے کثرت تعامل کی وجہ سے لکھے ہیں، اور بعض چیزوں کو جائز قرار دیا ہے، آج میں سمجھتا ہوں کہ اس کو جائز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ مسلم معاشرہ میں اس طرح کی چیزوں کا رواج نہیں ہے، اسی طرح چاند کے مسئلہ میں آپ علامہ شامی کی بحث دیکھ لیں کہ خبر مستفیض کا اطلاق کس پر ہوگا؟ اخیر میں انہوں نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کی دین کی طرف سے غفلت بہت زیادہ ہوگئی ہے، لوگ چاہتے ہیں کہ رمضان دیر سے ہو، اس لئے دو آدمی کی گواہی بھی کافی ہو جائے گی، میں سمجھتا ہوں کہ الحمد للہ علماء و مشائخ کی کاوشوں سے آج ایسے حالات نہیں ہیں کہ مسلمان رمضان المبارک سے اتنا گریز کرتا ہو، کم از کم ہندوستان میں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں میں رمضان المبارک کا ایک اشتیاق ہوتا ہے، تو جزئیات پر انحصار سے کہیں اباحیت پیدا ہو جائے گی، اور کہیں اس سے دین میں حرج اور تنگی پیدا ہو جائے گی، اسی لئے ہمارے بعض بزرگوں نے مقاصد کو بہت اہمیت سے ذکر فرمایا، ان کا منشاء یہ تھا کہ یہ بات نگاہ سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ اصل میں جزئیات کا جو سرچشمہ ہے، اور منبع ہے، اور جو اس کی منزل مقصود ہے، وہ مقاصد شریعت کی بہتر طریقہ پر تکمیل ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ استحسان کی ایک مستقل قسم استحسان بالمصلحۃ ہے اور شیخ زرقاؒ کی رائے ہے کہ اصل استحسان، ''استحسان بالمصلحۃ المرسلۃ اور استحسان بالضرورۃ'' ہے، قیاس کے مقابلہ میں نص ہے، یا اجماع ہے، یا صحابہ کے آثار ہیں، یا قیاس جلی کے مقابلہ میں قیاس خفی قوی ہے، اصل استحسان، استحسان کے بمقصد پر آپ جتنا بھی غور کریں یہی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ احکام شریعت کی بنیاد علت اور حکمت پر رکھی بہت دشوار ہے، کیونکہ حکمت ایک امر مخفی غیر منضبط ہوتی ہے، جیسے سفر میں قصر کی اجازت دی گئی، ظاہر ہے کہ اس کی حکمت مشقت ہے، لیکن مشقت اشخاص کے اعتبار سے، سواری کے اعتبار سے، سفر کی نوعیت کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے، اس لئے فقہاء نے اس پر حکم کی بنیاد نہیں رکھی، علت چونکہ وصف ظاہر منضبط ہوتی ہے، اس لئے اس پر حکم کی بنیاد رکھی جاتی ہے، تاکہ لوگوں کو آسانی ہو، لیکن بعض دفعہ علت اور مصلحت میں فاصلہ پیدا

ہو جاتا ہے، اور علت اور مصلحت ایک دوسرے سے دور ہو جاتی ہے، وہاں اس حکم کو مصلحت سے قریب کرنے اور حکمت سے ہم آہنگ کرنے کے لئے قیاسی علت سے عدول کیا جاتا ہے اور استحسان کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے، اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کتابوں میں ہے کہ امام صاحب جب مسائل پر بحث کرتے تھے تو آپ کے اصحاب بھی بحث اور اختلاف کرتے تھے، لیکن جب آپ کہتے: "أنا استحسن" اس مسئلہ میں میں استحسان کرتا ہوں، تو لوگ خاموش ہو جاتے، کیونکہ امام صاحبؒ کی شریعت کے مقاصد پر بہت گہری نگاہ تھی اور وہ مقاصد شریعت اور معانی شریعت کے غواص تھے، اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ بہت سی نصوص میں امام صاحب نے ظاہر الفاظ کے بجائے معانی کو پیش نظر رکھا ہے، اور ان کے مقاصد کو سامنے رکھ کر رائے قائم کی ہے، پس حنفیہ کے یہاں استحسان اور مالکیہ کے یہاں مصالح مرسلہ اصل مقصد یہی ہے کہ مصالح اور مقاصد سے احکام شریعت کو ہم آہنگ کیا جائے۔

مقاصد کی یہ پانچ قسمیں علی سبیل الحصر نہیں ہیں بلکہ بطور استقراء کے یہ قسمیں کی گئی ہیں۔ حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ مال اور حفظ عقل، یہی اس کی ترتیب بھی ہے، دوسرے حضرات چاہیں تو اس کی نئی تقسیم کر سکتے ہیں یا اسی کے مفہوم کے دائرہ کو وسیع کر سکتے ہیں، اور پھر ان مقاصد کے جو مدارج ہیں، امام غزالی نے تین درجے کئے ہیں: ضرورت، حاجت اور تحسین، بعض لوگوں نے پانچ درجے بھی کئے ہیں، قطعی طور پر یاد نہیں ہے، لیکن غالباً عز الدین بن عبد السلام کے یہاں بھی پانچ درجے ملتے ہیں، علامہ شاطبی نے ہر درجہ کے ساتھ ایک مکمل رکھا ہے، ضرورت، مکمل ضرورت، حاجت، مکمل حاجت، تحسین، مکمل تحسین، اس طرح درجات بڑھ جاتے ہیں، لیکن اصل بنیاد انہیں تینوں پر ہے: ضرورت، حاجت اور تحسین، اور ترتیب بھی یہی ہے کہ بحیثیت مقاصد کے سب سے زیادہ ترجیح ہوگی حفظ دین کو، چاہے اس سے ضیاع نفس ہو جائے، اسی لئے جہاد کی اجازت دی گئی، پھر حفظ نفس کو، چاہے اس کے لئے ضیاع مال ہو جائے، پھر حفظ نسل کو، چونکہ اس سے انسانی عزت و آبرو کا تحفظ متعلق ہے، پھر حفظ مال کو، پھر

حفظ عقل کو، اور احکام کے مدارج میں ترجیح دی جائے گی ضرورت کو، پھر حاجت کو، پھر تحسین کو، اگر ایک مقصد کی ضرورت کا ٹکراؤ دوسرے مقصد کی حاجت سے ہو جائے تو ضرورت کو ترجیح دی جائے گی، مثلاً ایک شخص سے کہا جاتا ہے کہ کلمہ کفر نہیں کہو گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا، لیکن اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہے تو اب کلمہ کفر نہ کہنا اس کے لئے حاجت کے درجہ میں ہے، کیونکہ اطمینان قلب کی وجہ سے وہ اس سے کافر نہیں ہوگا، اور حفظ نفس کے لئے ضرورت ہے کہ کلمہ کفر کہہ کر اپنی جان بچالے، تو حفظِ دین مقدم ہے، لیکن حفظ نفس میں کوئی حکم ضرورت کے درجہ کا آجائے تو پھر وہ اپنے اعلیٰ درجہ یعنی حفظ دین کے اس حکم سے مقدم ہوگا جو حاجت کے درجہ میں ہے، اس کے لئے کلمہ کفر کہنا جائز ہوگا۔

اس سلسلہ میں بہت سی کتابوں کا ذکر آیا ہے، تطبیقی اعتبار سے شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء کی ''المدخل الفقہی العام'' بھی بہت اچھی کتاب ہے، شیخ زرقاء بڑے پائے کے حنفی فقیہ ہیں اور دوسرے مکاتب فکر پر بھی ان کی گہری نگاہ ہے اور بہت متورع بھی ہیں، یعنی وہ مقاصد وقواعد کی تطبیق بڑی عمدگی سے کرتے ہیں، اس بحث کے لئے ان سے بھی استفادہ کرنا چاہئے، بہر حال جو کچھ صحیح بات زبان پر آئی ہو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور جو شر کی بات آگئی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے شر سے ہماری اور آپ کی حفاظت فرمائے۔

''اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه''۔

سوالات وجوابات

مولانا اسعد قاسم سنبھلی صاحب:

پہلی بات تو مولانا نے یہ فرمائی کہ اقوام متحدہ کے قیام کے بعد حالات میں بے حد تبدیلی آئی ہے، اور اس میں شک بھی نہیں ہے کہ جب سے اقوام متحدہ قائم ہوئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک ہم اختلاف دارین وغیرہ کی بھی تمام بحثوں کو چھوڑ چکے ہیں، اور اب حالات میں بہت تبدیلی ہو چکی ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وہ ادارہ جس کو یہودیوں نے قائم کیا ہو، جس کا مقصد صہیونی مقاصد کی تکمیل ہو، جس کا مقصد خلافت سے مسلمانوں کو محروم کرنا ہو اور جس کا مقصد اسرائیل بلکہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہو، اس کی ضمانتوں، اس کی صراحتوں اور اس کے منشور پر ہم کہاں تک یقین رکھیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ پہلی چیز۔

دوسری چیز ووٹ کا مسئلہ آیا تو اس سلسلہ میں عموماً غلط فہمی پائی جاتی ہے، مثلاً جب ووٹ کا مسئلہ آتا ہے تو لوگ فوراً مفتی شفیع صاحب کا حوالہ دیتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ ووٹ کی حیثیت ایک سفارش کی ہے، اس کی حیثیت ایک شہادت کی سی ہے، حالانکہ جس صفحہ پر مفتی صاحب نے یہ بات لکھی ہے وہیں پر انہوں نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ اگر امیدوار اسلامی نظام کا مخالف ہے اور اس کا مقصد اسلامی نظام کا قیام نہیں ہے تو اس کو ووٹ دینا جائز ہی نہیں ہے، میں ایک مثال سے اس کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ووٹ اگر شہادت ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے، جمہوری نظام کو تو چھوڑ دیجئے، مثلاً ایک خطہ کے اندر یہ بات کہی جائے کہ ہم گیتا کی حکومت قائم کریں گے، اور وہاں پر کچھ امیدوار کھڑے ہوں اور مسلمانوں کو اس بات کا مکلف کیا جائے کہ وہ ووٹ دیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک غیر اسلامی نظام کے قیام کے سلسلہ میں کیا اسلامی نظام

کے اصول کا اجراء کیا جاسکتا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے، جس کی شرعی طور پر ہمیں حیثیت متعین کرنی چاہئے، دوسرے یہ کہ اگر ہم دفع مضرت کے لئے یہ کام کرتے ہیں تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوجائے گا کہ "**تعاون علی الإثم والعدوان**" کے ہم مرتکب ہوجائیں گے، کیونکہ دوسرا نظام قائم ہوگیا۔

تیسری چیز اعضاء کی پیوندکاری کی بابت ہے، حضرت مولانا نے وضاحت فرمائی کہ قدیم زمانہ میں یہ ہوتا تھا کہ اعضاء کو الگ کرنا بہت مشکل ہوا کرتا تھا، اور اس میں بہت زیادہ تکلیف ہوا کرتی تھی، دوسرا پہلو یہ بھی تھا کہ جسم کی ملکیت کا مسئلہ ہے، اس کی صورت حال کیا ہے، کیا انسان اپنے جسم کا مالک ہے، کیا اپنے جسم کے کسی حصہ کو ہدیۃً یا بیعاً کسی کو دے سکتا ہے، اگر ایسا ہے تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر ایسے ہی ہونے لگے تو دفن کرنے کے لئے کیا بچے گا، تو ان چیزوں کی بھی وضاحت ہونی چاہئے۔

مولانا احمد نادر القاسمی صاحب:

دو تین باتیں جو وضاحت طلب ہیں، وہ حضرت الاستاذ جنرل سکریٹری کے مقالہ سے متعلق ہیں اور ایک بات مولانا بدر الحسن صاحب کے مقالہ سے متعلق ہے، میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مقاصد شریعت کی رعایت کرتے ہوئے احکام کا استنباط اور اس کے لحاظ کا جہاں تک تعلق ہے، اس تناظر میں اس کو دیکھنا چاہئے کہ ایک احکام تو وہ ہیں جو منصوصہ ہیں، جو کتاب وسنت میں منصوص ہیں، اور دوسرے احکام وہ ہیں جو مستنبطہ ہیں، اس میں نصوص کی علتوں اور دیگر چیزوں کو سامنے رکھ کر مسائل کا استخراج کیا گیا، تو کیا وہ مسائل جو منصوصہ ہیں اور کتاب وسنت میں خاص طور سے قطعیت کے ساتھ نص موجود ہے، کیا مقاصد شریعت اور بدلتے ہوئے حالات اور فساد زمان کی وجہ سے وہ نصوص بھی اس سے متاثر ہوں گے، اور جس پس منظر میں وہ نص وارد ہوئی ہے اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور مصلحت کی رعایت کی جائے گی، اس کی

وضاحت بہر حال ہونی چاہئے کہ مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر استنباط مسائل کا تعلق آیا احکام منصوصہ سے ہے یا صرف احکام مستنبطہ سے، اور اگر صرف مصالح اور مقاصد کی رعایت کرتے ہوئے اسی طرح سے احکام میں تبدیلی ہوتی رہی، جیسا کہ ہمارے یہاں اصول موجود ہے: "تتغیر الفتوی بتغیر الزمان" تو تغیر احوال، تغیر زمان اور اس طرح سے جتنے بھی فساد پیدا ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے دن بدن ہم نرمی کرتے رہے تو کیا ایسا نہیں ہوگا کہ شریعت کے نزول کا جو منشاء ہے وہ فوت ہو جائے گا؟ شریعت ان مفاسد کی اصلاح اور جو عوام میں اور لوگوں میں مفسدہ پیدا ہو جائے اس کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی ہے، نہ یہ کہ اس میں گنجائش پیدا کر کے نصوص سے کسی حد تک اہمال برتنا لازم آئے۔

دوسرا سوال امارت قاہرہ کی تسلیم سے متعلق ہے، حضرت نے فرمایا تھا کہ اگر امارت قاہرہ وجود میں آ جائے تو بھی جبراً اس کی اطاعت لازم ہوگی، ایسا لگتا ہے شاید یہ مسئلہ غور طلب ہے۔

تیسرا سوال جو مولانا بدر الحسن صاحب کے مقالہ سے متعلق ہے کہ زنا کی جو سنگینی ہے وہ ایک شادی شدہ عورت سے کوئی شخص زنا کرتا ہے اور کوئی غیر شادی شدہ سے کرتا ہے تو شادی شدہ عورت سے زنا کرنا زیادہ سنگین ہوگا غیر شادی شدہ سے زنا کے مقابلہ میں، قرآن کریم میں اور سنت رسول اللہ میں جو زنا کی حرمت ہے اور اس کی قباحت ہے وہ تقریباً یکساں ہیں، چاہے وہ شادی شدہ عورت ہو یا غیر شادی شدہ ہو، زنا تو بہر حال زنا ہے۔

اور ایک چیز کی وضاحت انہوں نے راہبوں کے قتل کے سلسلہ میں کی ہے کہ جو بوڑھے ہیں، بچے ہیں تو بوڑھے اور بچوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس میں کیا راہب کبھی کبھی ایسے بھی ہوتے ہیں جو جوان ہوتے ہیں اور ساری سازشیں کرتے رہتے ہیں بیٹھ کے، تو کیا جہاد کے وقت اس کی رعایت کی جائے گی کہ ان راہبوں کو قتل نہ کیا جائے۔

مولانا محی الدین غازی فلاحی صاحب:

مقاصد شریعت کا جو ڈھانچہ بنایا گیا، اس سے متعلق ایک نکتہ غور وفکر ہے کہ مقاصد شریعت کو کچھ اصول حفظان عام تک محدود کردیا گیا ہے، ایک تو ضروریات دین متعین کرتے وقت (مولانا بدر الحسن صاحب کے محاضرہ میں اس پر گفتگو ہے، پورا اسٹرکچر بیان کیا ہے انہوں نے، اور اس میں اٹھنے والا ایک سوال جو بہت بنیادی نوعیت کا ہے اس کا جواب بھی دینے کی کوشش کی ہے، یہ اس تناظر میں گفتگو ہے) حفظان دین کا پہلو غالب رہا، پھر مقاصد شریعت پر گفتگو کی تو انہی ضروریات خمسہ اور ان کے ملحقات وغیرہ تک محدود رہی، پھر یہ ہوا کہ مقاصد شریعت کی ساری گفتگو حدود وتعزیر کا بیان، محرمات ومکروہات اور احکام طواری، نیز دفع حرج اور صور تعارض وغیرہ پر ہی مرکوز رہی، مقاصد شریعت کی کتابیں پڑھتے ہیں تو بے شمار بنیادی قسم کے احکام شریعت کا ذکر بھی نہیں آتا، پھر یہ ہوا کہ مقاصد شریعت جس کا علم ہمارے لئے نئے نئے آفاق کھولتا محض نئی راہیں نکالتا ہے، گو مؤخر الذکر بھی ضروری ہے، نئی نئی راہیں نکالنا، لیکن علمی نقطہ نظر سے اول الذکر زیادہ اہم ہے، آفاق کھلنے اور راہیں نکلنے میں بنیادی فرق ہے، توسیع کرنے کی بھی کوششیں ہوئی ہیں اس سلسلہ میں، جس کا ذکر مولانا خالد صاحب نے بھی کیا تھا اور مولانا عتیق احمد صاحب نے بھی، لیکن وہ بھی اسی ڈھانچہ میں رہتے ہوئے ہوئی، یعنی حفظ نفس میں آپ نے کرامت نفس کو داخل کردیا، اس طرح کی توسیع ہوئی، لیکن بات حفظ سے آگے نہ بڑھ سکی، مولانا بدر الحسن صاحب نے بھی اس کا جواب دینے کی کوشش کی، لیکن وہ جو جواب ہے اس کا اس پوری گفتگو سے کوئی تعلق نہیں ہے، تعجب اس پر ہوتا ہے کہ مقاصد کے علم کی جو تحریک چلی ہے، بطور خاص اس دور میں اس تحریک کا مقصد تو یہ تھا کہ علاج النصوص المتناہیہ فی مواجہۃ المستجدات غیر المتناہیۃ، لیکن ہوا یہ کہ جس چیز سے ہم بھاگے تھے ہم اسی میں داخل ہوگئے اور وہ گفتگو جو بہت وسیع پیمانے اور وسیع آفاق پر ہونی تھی وہ گفتگو بہت ہی محدود مسائل تک محدود رہی، اور اس ہیکل اور ڈھانچہ کے ساتھ ہمیں امید نہیں لگتی ہے کہ ہم آفاق جدیدہ جو شریعت کو مطلوب ہے اور جو

مقاصد شریعت کا عنوان جس عظیم اور وسیع تصور کو دیتا ہے وہ تصور ساتھ میں چلے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت اور اسرار شریعت کے درمیان فرق وضاحت کے ساتھ آنا چاہئے، دونوں کے درمیان حد فاصل بھی طے کرنا چاہئے، دونوں کو مثالوں کے ذریعہ واضح کرنا چاہئے، میں سمجھتا ہوں کہ دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، مقاصد کی بحث اسرار میں داخل ہے، لیکن غیر مقاصد اسرار شریعت کے حدود کی الگ تشخیص بھی کی جاسکتی ہے، نماز کا مقصود کیا ہے، وجوب صلاۃ کا مقصود کیا ہے، اور نماز کے پانچ اوقات میں تحدید کی حکمت کیا ہے، اگر ان دونوں پر الگ الگ گفتگو ہوگی تو اسرار اور مقاصد دونوں کے سلسلہ میں گفتگو واضح اور اس کی تشخیص ہوسکتی ہے۔ مولانا خالد صاحب کی گفتگو میں اس تشنگی کا احساس رہا، اور یہ غیر معمولی تشنگی تھی کہ تغیر احوال کی وجہ سے تغیر احکام کی پوری تاریخ میں مقاصد شریعت کے رول کی تشخیص کی جائے جو نہیں ہوسکی، ایک اور چیز جو بھی ضمناً گفتگو ہوئی اور ضمناً سوال بھی ہے کہ اختلاف دارین کے لئے مسئلہ اقوام متحدہ کے قیام سے نہیں پیدا ہوا ہے، بلکہ انسانی زندگی میں بڑی تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، وہ زندگی جو اقامتی تھی زراعت پر بیشتر انحصار کی وجہ سے وہ زندگی حرکی ہوگئی بیشتر انحصار صنعت پر ہونے کی وجہ سے، اب تو پوری دنیا مخلوط معاشرہ یا گلوبل سوسائٹی بن چکی ہے، اس کے بعد ایک آخری بات یہ ہے کہ "**لا توجد مصلحة خالصة ولا مفسدة خالصة**" یہ قاعدہ عام تو ہوگیا ہے، لیکن اس پر سوچتے رہنے کی ضرورت ہے، اور یہ کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ "**مصلحة خالصة ومفسدة خالصة**" نہیں پائی جاتی ہے، تو کیا اس میں امور معنویہ بھی داخل ہوتے ہیں یا صرف محسوسات داخل ہیں؟

مولانا ظہیر احمد صاحب:

میرے پاس کچھ سوالات ہیں، جن میں سے چار مقامات ایسے ہیں جو مولانا بدرالحسن صاحب کے مقالہ سے متعلق ہیں اور ایک مقام ایسا ہے جو مولانا خالد صاحب کے مقالہ سے متعلق ہے۔

۱-مسئلہ یہ ہے کہ تزکیۂ شہود سے متعلق مولانا خالد صاحب نے فرمایا تھا کہ اگر دشواری آج کل شاید ہے تو بعض لوگوں نے صرف حلف کو یعنی قسم لینے کو کافی قرار دیا، اس کا ثبوت ہو جائے گا، اس کی وضاحت مطلوب ہے کہ وہ کیسے آج کل دشوار ہے۔

۲-بدرالحسن صاحب کے مقالہ میں صفحہ نمبر ۱۱ پر انہوں نے لکھا ہے کہ مقاصد شریعت کے مدارج اس طرح سے ذکر کئے گئے ہیں پر یہ خیال نہیں ہونا چاہئے کہ وہ چیزیں جو ضروریات میں شمار کی گئی ہیں وہ سب کے سب فرض اور واجب کا درجہ رکھتی ہیں، اور وہ امور جن کا ذکر کمالیات اور تحسینیات کے ذیل میں کیا گیا ہے وہ سب کے سب نفل ومکروہ کے ذیل میں ہیں، دو مقدمے ہیں، جو پہلا مقدمہ ہے اس پر اعتراض ہے، دوسرا مقدمہ تو ٹھیک ہے، اس کی مثالیں بھی آ چکی ہیں کہ جو حاجی و تحسینی ہیں، تو ان میں سے کچھ چیزیں فرض ہو سکتی ہیں، جیسے کہ طہارت وغیرہ کے بارے میں انہوں نے مثال دی، لیکن جو پہلا مقدمہ ہے، میں اس سے اتفاق نہیں کرتا ہوں کہ وہ ساری چیزیں جو از قبیل ضروریات کے ہیں ان میں سے کوئی ایسی چیز ہو جو فرض نہ ہو، اگر اس کی کوئی مثال ہو تو عنایت فرمائیے۔

۳-انہوں نے اپنے مقالہ کے صفحہ ۲ پر جو بات کہی ہے موافقات کے حوالہ سے: یہ علم استقرائی ہونے کے باوجود اسی طرح یقینی ہے جس طرح قدر مشترک کے تواتر سے علم یقینی کا فائدہ دیتا ہے، اس کی بھی وضاحت مطلوب ہے کہ کس طرح ایک استقرائی چیز سے علم یقینی کا فائدہ ہوتا ہے، چونکہ موافقات میں کوئی حوالہ بھی ایسا نہیں ہے کہ اس کی حد ہو، اس لئے کہ موافقات خود چار جلدوں میں ہے۔

۴-صفحہ نمبر ۵ پر یہ ہے کہ شاید اس میں اختلاط ہو گیا ہے، جان کی حفاظت اور نسل کی حفاظت میں پہلا جو جملہ انہوں نے نقل کیا ہے، اس کو متعلق ہونا چاہئے نسل کی حفاظت سے، اس کرۂ ارض پر اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا اور توالد وتناسل کے سلسلے اور نسل انسانی کے وجود وبقا اور اس کے استمرار کے لئے نکاح کو مشروع قرار دیا، تو یہ جو عبارت ہے، یہ دراصل متعلق ہے نسل کی حفاظت سے، جان کی حفاظت سے اس کا کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔

اور آخری جو چیز ہے وہ یہ کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ کشتی میں بہت سارے لوگ سوار ہوں اور اس سے کسی ایک کو پھینک دیا جائے تو یہ کیسے جائز ہوگا، اس سلسلہ میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ یونس علیہ السلام کی مثال موجود ہے، اس شرط کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر یقین ہو کہ اگر ایک آدمی کو ڈال دیا جائے گا تو بقیہ لوگ محفوظ ہو جائیں گے، تو پھر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ اس سے پہلے ڈھال بنانے والی مثال آچکی ہے، اور جماعت پر فرد کو قربان کیا جاسکتا ہے، اس کی مثالیں موجود ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس کی گنجائش ہے اس شرط کے ساتھ کہ علم یقین ہو۔

جوابات:

نص کا حکم موقوف کرنا

مولانا نادر صاحب کے سوال کے جواب میں ایک بات یہ عرض ہے کہ نص کا اہمال الگ چیز ہے۔ اور وقتی طور پر نص کے کسی حکم کا موقوف کیا جانا کسی مقصد شرعی کے تحت یا کسی مصلحت شرعی کی بنیاد پر یہ امر آخر ہے۔ جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ''عام المجاعۃ'' میں جب قحط کی نوبت آئی تو حد سرقہ کو وقتی طور پر موقوف فرمادیا تھا۔ اس لئے کہ حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ تو اس نص کے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے لوگ ایسے اضطرار کی کیفیت میں تھے کہ اس کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اس حد کو ساقط فرمایا۔

اسلامی امارت

ایک سوال اس میں یہ کیا گیا ہے کہ امارت قاہرہ کا ثبوت کیسے ہوتا ہے؟ میں نے بتایا کہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ امارت اصل میں اختیار و انتخاب کی بنا پر ہے۔ لیکن نظام مملکت کو برقرار رکھنے کے لئے اور انتشار و بکھراؤ سے بچانے کے لئے اگر کوئی طبقہ قہراً حکمراں ہو جائے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کی وحدت کو باقی رکھنے کے لئے اس کی امارت قائم ہو جائے گی۔ مصر کے حالات ابھی آپ نے مہمان محترم سے سنے۔ اور دنیا کے مختلف ممالک میں اس طرح کے حالات ہیں۔ بلکہ فقہاء نے تو اس بات پر بھی بحث کی ہے کہ خروج اور بغاوت کرنے والا جو گروہ ہے وہ اگر کسی علاقہ پر تسلط حاصل کر لے، اس درمیان جو اس کے فیصلے ہوں گے، جو زکاۃ کی وصولی ہوگی وہ کس حد تک معتبر ہوگی؟ کیونکہ یہ ایک عملی بات ہے۔ جو حکومت کا نظام اس وقت عملاً موجود ہے اگر اس کو قبول نہ کیا جائے تو اس سے بہت سی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔

زنا کی مذمت

ایک سوال انہوں نے مولانا بدزالحسن صاحب کے مقالہ پر اٹھایا ہے کہ جو منکوحہ عورت ہے اس سے زنا اور جو باکرہ عورت ہے اس سے زنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک تو حدیث میں اور بعض روایتوں میں حلیلہ جو منکوحہ ہو اس سے زنا کرنے کی مذمت زیادہ آئی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ شریعت میں منکوحہ سے زنا کی سزا بمقابلہ باکرہ کے زیادہ ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ منکوحہ اگر زنا کا ارتکاب کرتی ہے تو اس سے حق العبد کے ساتھ حق اللہ بھی متعلق ہے کہ اس کا نسب مشتبہ ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی غیر منکوحہ عورت ہو تو اس سے صرف اللہ تعالی کا حق متعلق ہے، اس سے حق العبد متعلق نہیں ہے۔

راہبوں سے معاملہ

اسی طرح ایک سوال اس میں قتل رہبان کے سلسلہ میں آیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد تھا کہ راہبوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اس پر علامہ ابن قیمؒ نے ''احکام اہل الذمہ'' میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے کہ ایسا راہب جو عملاً سازشوں میں شریک ہو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور عام راہب جو عبادت پر اکتفا کرتے ہیں، ان کا کیا حکم ہوگا؟ دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے مسائل کی توضیح اس وقت مناسب حال نہیں ہے۔

ضروریات دین

اس میں ایک سوال مولانا محی الدین غازی کا ہے کہ ضروریات دین کو امور خمسہ تک ہی محدود رکھا گیا ہے۔ ایک بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ کل سے یہ بات آرہی ہے کہ امور خمسہ کی یہ تقسیم استقرائی ہے، تقسیم عقلی نہیں ہے کہ انہی میں انحصار ہے۔ حالات کے اعتبار سے، ماحول و مواقع کے اعتبار سے مقاصد میں جن چیزوں کی حفاظت شریعت میں مقصود ہے، ان میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور اگر آپ غور کریں تو یہ جو مقاصد خمسہ کی تعیین جن علماء نے کی ہے، اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہر زمانہ کے اعتبار سے، حالات کے اعتبار سے اگر اس کی تطبیق کریں تو خود اس میں بہت زیادہ وسعت پائی جاتی ہے۔ اور جو انسانی ضروریات ہیں ان میں سے کسی شعبہ میں وہ داخل ہوجاتی ہیں۔

انہوں نے ایک سوال یہ بھی اٹھایا تھا مولانا بدرالحسن صاحب کے مقالہ پر کہ مثالیں حدود وغیرہ پر مرکوز ہیں۔ تو اس میں یہ عرض کرنا ہے کہ مثال تو بطور مثال ہوتی ہے۔ ورنہ جن فقہاء

نے مثال دی ہے ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کے سلسلہ میں اس میں عبادات کے احکام بھی ہیں، معاملات کے بھی، عادات کے بھی اور حدود عقوبات کے بھی ہیں۔

شریعت کے مقاصد اور اسرار

اس میں ایک سوال یہ بھی اٹھایا ہے کہ مقاصد شریعت اور اسرار شریعت ان دونوں موضوعات کو، اور کل ہی سے یہ موضوع بار بار کسی نہ کسی طور پر زیر بحث آرہا ہے، یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ شریعت کے مقاصد سے مراد: ایک تو مقاصد عامہ ہیں۔ وہ مقاصد خمسہ جس کے لئے بحیثیت مجموعی شریعت کا نزول ہوا۔ اور دوسرے وہ مقاصد خاصہ، کسی خاص باب فقہی سے متعلق جو شریعت کا مقصد ومنشاء ہے۔ جیسے مناکحات کا مقصود، معاملات کا مقصود، تو یہ مقاصد ہیں۔ اور شریعت کے جو جزوی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ مثلاً مرد وعورت کے حصہ میں میراث میں کیوں فرق کیا گیا۔ مثلاً عورت پر ولایت رکھی گئی بالغ ہونے کے بعد بھی۔ مرد پر ولایت اجبار نہیں رکھی گئی۔ اس میں فقہاء کا اختلاف بھی ہے۔ تو یہ چیزیں اسرار وحکم سے متعلق ہیں۔ مقاصد شریعت سے واقف ہونا استنباط احکام کے لئے ضروری ہے۔ احکام شریعت کے استنباط کے لئے مقاصد شریعت سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ اور تفہیم شریعت کے لئے آج کے دور میں ایک داعی کو شریعت کو انسانی عقل سے ہم آہنگ بنا کر پیش کرنے کے لئے اسرار شریعت سے واقف ہونے کی ضرورت ہے، تفہیم شریعت کے لئے اسرار شریعت سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اور استنباط احکام کے لئے مقاصد شریعت کی زیادہ اہمیت ہے۔

اختلاف دار

اس میں ایک سوال انہوں نے یہ بھی اٹھایا تھا کہ اختلاف دار اقوام متحدہ کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ بات تو میں نے کہی نہیں، اختلاف دار کا مسئلہ تو بہت پہلے سے آ رہا ہے۔ میں نے یہ بتایا تھا کہ اس دور میں فقہ الاقلیات کا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ مسلمان جو دنیا کے مختلف خطے میں ہیں، ان کے جو مسائل پیدا ہوئے ہیں، وہ اس لئے کہ آج عالمی سطح پر ایسے معاہدات پائے جاتے ہیں جن میں ایک ملک کے تارکین دوسرے ملک میں قیام کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ سے مسلم اقلیتوں کا جو رجحان اس وقت ہے کہ تیس فیصد مسلمان پوری دنیا میں بحیثیت اقلیت کے رہ رہے ہیں۔ پہلے اس طرح مسلمان درالکفر میں عام طور پر مقیم نہیں ہوا کرتے تھے۔

گواهان کا تزکیه

اس میں ایک سوال کیا ہے ظہیر احمد صاحب نے، تزکیہ شہود کے بارے میں۔ یہ جزوی مسئلہ ہے کہ کیا تزکیہ شہود کے لئے ضروری نہیں ہے؟ کیا استحلاف کافی ہے؟ اصل میں مقصود نہ استحلاف ہے اور نہ تزکیہ شہود۔ اصل مقصود گواہ کی عدالت سے واقف ہونا ہے۔ اس زمانہ میں اس کے لئے تزکیہ کیا جاتا تھا۔ لیکن فقہاء متقدمین نے تزکیہ کے لئے جو اصول اور تفصیلات مقرر کئے ہیں اگر ان اصولوں کی بنیاد پر آج گواہی قبول کی جائے تو کسی مقدمہ کا ثابت ہونا دشوار ہوگا۔ اس لئے اس بات پر قاضی علاء الدین الطرابلسی نے یہ بات لکھی ہے، اور بعد کے فقہاء نے کہ اگر گواہ سے قسم لے لی جائے اور ظن غالب ہو کہ سچی بات کہے گا تو یہ بھی اس کی شہادت کو قبول کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ کیونکہ اصل مقصود گواہ کے صادق القول ہونے کا اطمینان کرنا ہے۔

کیا ہر ضروری امر فرض ہے؟

اس میں ایک سوال یہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ جو چیز از قبیل ضرورت ہو، جو ضروریات میں سے ہو، حاجت اور تحسین میں سے نہیں، بلکہ ضرورت میں سے ہو، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ فرض ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ضرورت ہو، لیکن حکم کا درجہ فرض کا نہ ہو، کیونکہ فرض وواجب ہونا، اس کا تعلق حکم تکلیفی سے ہے۔ یہ بات درست ہے۔ اگر آپ تلاش کریں گے تو ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی کہ بعض احکام کو فقہاء نے ضرورت میں سے شمار کیا ہے، لیکن وہ واجب نہیں ہے۔ مثال کے طور پر میرے ذہن میں ایک مثال اذان کی آتی ہے، اذان شعار دین میں سے ہے۔ اور ایک طرح سے یہ ضرورات دین میں سے بھی کہا جائے گا۔ اور ان کے خلاف لشکر کشی بھی کی جائے گی۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ اذان اپنی اصل کے اعتبار سے سنت ہے۔ فرض یا واجب نہیں ہے۔ تو ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی حکم، حکم تکلیفی کے اعتبار سے فرض وواجب سے کم درجہ کا ہو، لیکن مقاصد شریعت اور مدارج احکام کے اعتبار سے اس کا شمار ضرورت میں ہو۔

تیقن کا حصول

اسی طرح ایک سوال یہ ہے کہ کیا استقراء سے بھی یقین کا فائدہ ہوتا ہے؟ جیسے علامہ شاطبی نے شریعت میں مقاصد کے مطلوب ہونے کو، مقاصد خمسہ کے مطلوب ہونے پر استقراء سے استدلال کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ امر قطعی ہے۔ تو کیا کسی چیز کی قطعیت کا ثبوت محض استقراء سے ہوسکتا ہے؟ جب تک کہ اس پر کوئی نص صریح موجود نہ ہو۔ تو یہ ہوسکتا ہے۔ آپ بہت سی چیزوں میں دیکھتے ہیں کہ جب کسی چیز کے کئی شواہد مل جاتے ہیں تو ایک دوسرے کی تائید اور

تقویت کی وجہ سے وہ قطعیت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ خبر مستفیض ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ خبر واحد کے مقابلہ میں اس کا درجہ قوی ہے۔ کیونکہ جب کئی اخبار آحاد مل جاتی ہیں تو وہ ایک دوسرے کے لئے مؤید و مقوی بن جاتی ہیں۔ امام مالکؒ نے جو تعامل اہل مدینہ کو اپنے لئے حجت بنایا، اس میں ان کے استاذ ربیعۃ الرائی بھی تعامل اہل مدینہ کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ تو جب ان سے پوچھا گیا کہ نص صریح کے مقابلہ میں اہل مدینہ کے تعامل کو کیوں اختیار کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: "ألف عن ألف خير من واحد عن واحد"۔ ایک ہزار آدمی کا عمل ایک ہزار آدمی کو دیکھ کر ہو، وہ اس سے زیادہ قوی اور قابل قبول ہے کہ ایک آدمی کا عمل ایک آدمی کے عمل کو دیکھ کر ہو۔ میرے اصل میں کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بہت سی چیزیں اپنی ذاتی حیثیت میں تنہا حیثیت میں ظنی ہوتی ہیں، ان کا مجموعہ مل کر قطعیت کا فائدہ دیتا ہے۔ تو اس لئے بہت سے احکام میں استقراء سے بھی یقین کا فائدہ ہوتا ہے، استقراء کی وجہ سے بھی اس میں قطعیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ماقبل شریعت

اس میں ایک ذیلی سوال انہوں نے حضرت یونسؑ کے واقعہ سے کیا ہے، بہر حال یہ شرائع ماقبل کا مسئلہ ہے، اس شریعت کا مسئلہ نہیں ہے۔ پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ موجود ہے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تشریح کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔

جزئیات پر قیاس

ایک سوال یہ ہے کہ یہ بات بار بار کہی جا رہی ہے کہ جزئیات کو جزئیات پر قیاس نہیں کیا جانا چاہئے۔ اس سے آدمی مقاصد شریعت سے ہٹ جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا

تھا: ''اضربوا الأمثال''، جن مسائل میں کوئی نص صریح نہ مل پائے تو اس کے مثل کو تلاش کرو، اس کے نظائر کو تلاش کرو اور اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اس میں اصلاً دو باتیں عرض کرنی ہیں: ایک یہ کہ ''اضربوا الامثال'' سے کیا مراد ہے، وہ مثال جو منصوص ہو، نص میں اگر کوئی واقعہ موجود ہو اور کوئی نیا واقعہ پیش آئے تو اس کے مماثل واقعہ منصوصہ کا حکم اس پر لگانے کی کوشش کرو۔ تو گویا یہ مسئلہ منصوصہ پر مسئلہ غیر منصوصہ کو قیاس کرنے کا حکم ہے۔ اور اسی لئے فقہاء نے حضرت عمرؓ کے اس اثر کو قیاس کی دلیل کے طور پر بھی ذکر کیا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ مقصد نہیں ہے کہ جزئیات سے بالکل گریز ہو۔ فقہاء کی جو جزئیات ہیں، ان سے مسائل کے حل کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جزئیات پر انحصار نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم جزئیات پر اتنا انحصار کرلیں کہ جو شریعت کے اصل مقاصد ہیں وہ فوت ہو جائیں۔ تا کہ ہماری آراء میں اعتدال باقی رہ جائے۔

جان اور مال

مولانا مصطفیٰ ندوی صاحب نے ایک سوال اور اٹھایا تھا کہ کہا جاتا ہے: حفظ نفس مقدم ہے حفظ مال پر۔ حالانکہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے مال پر حملہ آور ہو، مال لوٹنا چاہے تو آدمی کے لئے یہ بات جائز ہے کہ اس کی حفاظت کی کوشش کرے، چاہے اس میں اس کی جان چلی جائے، تو گویا کہ یہاں حفظ نفس پر حفظ مال کو مقدم رکھا گیا۔ اس سلسلہ میں دو باتیں عرض کرنی ہے: ایک بات تو یہ ہے کہ خود اس میں اختلاف ہے کہ مال کے بچانے کے لئے اس طرح کا مقابلہ کرنا مستحب ہوگا یا واجب ہوگا۔ فقہاء کے یہاں اصل یہ ہے کہ جان کو بچانے کے لئے مقابلہ کرنا واجب ہوگا۔ لیکن حفظ مال کے لئے مقابلہ کرنا واجب ہوگا یا مستحب، اس میں فقہاء کے یہاں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ یہ جائز ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کا مقصد بالکل یہ نہیں ہے کہ آدمی مال کی حفاظت کرنے میں جان دے دے۔ مقصود مال کی

حفاظت ہو، لیکن سوء اتفاق کہ اس میں جان چلی گئی، تو حضور ﷺ نے فرمایا: "من قتل دون ماله فهو شهيد"۔ تو اس بنیاد پر فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ یہیں فقہاء نے ایک بات لکھی ہے کہ کوئی لٹیرا آپ کا مال چھیننے یا لوٹنے کے لئے آیا اور آپ قتل کئے بغیر بھی اپنے مال کی حفاظت کر سکتے ہیں، قتل سے بچتے ہوئے مال کی حفاظت کر سکتے ہیں تو آپ کے لئے اقدام قتل جائز نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر آپ نے اقدام قتل کیا تو قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ حفظ نفس کی اہمیت بمقابلہ حفظ مال کے زیادہ ہے۔

مقاصد خمسہ کا تعلق

ایک اصولی سوال مولانا اختر امام عادل صاحب نے اٹھایا ہے کہ امام غزالی اور علامہ شاطبی کی تحریر سے یہ بات ظاہر ہے کہ مقاصد خمسہ کا تعلق صرف ضروریات سے ہے، حاجیات اور تحسینیات سے نہیں ہے۔ ہماری ان سے بات بھی ہوئی۔ میں نے ایک مقالہ چودہ سال پہلے لکھا تھا۔ "فقہ اسلامی میں مصالح کی رعایت اور اس کے حدود"۔ تو اس وقت دو مسئلوں میں کھٹک پیدا ہوئی تھی۔ اس میں ایک مسئلہ یہ تھا کہ مقاصد خمسہ کا تعلق ضرورت سے ہے یا حاجت اور تحسین سے بھی ہے۔ اور یہ کھٹک دو وجہ سے ہوئی: ایک تو اس لئے کہ ہمارے مصنفین اور خود علامہ شاطبی نے بھی لکھا ہے کہ یہ حاجت مکمل ہے ضرورت کے لئے۔ اور تحسین مکمل ہے حاجت کے لئے۔ تو مکمل لہ جس کی تکمیل کی جائے گی اس کا تعلق جن شعبوں سے ہوگا، جو مکمل ہوں اس کا تعلق بھی ان شعبوں سے ہونا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حاجیات کی جو مثالیں فقہاء نے دی ہیں یا تحسینیات کی جو مثالیں فقہاء نے دی ہیں کہ وہ حفظ نفس سے متعلق بھی ہیں اور حفظ مال سے بھی متعلق ہیں۔ اور کہیں کہیں لکھتے بھی ہیں کہ یہ از قبیل فلاں ہے اور یہ از قبیل فلاں ہے۔ تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ بظاہر اس کا تعلق تینوں شعبوں سے ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس وقت ہمارے سامنے

کتابیں نہیں ہیں۔ لیکن شیخ مصطفیٰ زرقاء نے، ابوزہرہ نے، شیخ خلاف نے اور دوسرے حضرات نے جو اصولی بحثیں کی ہیں تو اس میں یہ موضوع منقح ہو جاتا ہے کہ مقاصد خمسہ کا تعلق ضروریات سے بھی ہے، حاجیات سے بھی ہے اور تحسینیات سے بھی۔

خود کش شہادت

اخیر میں ایک سوال مولانا عبید اقبال عاصم صاحب نے اٹھایا ہے، اور یہ مسئلہ بڑا نازک ہے۔ خودکش بمبار سے متعلق سوال ہے۔ یہ کوئی اصولی مسئلہ نہیں ہے۔ اس وقت ہم لوگ ایک اصولی مسئلہ پر اور مقاصد شریعت پر بحث کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی، ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی، شیخ یری کی ان حضرات کی بہت تفصیلی تحریریں موجود ہیں۔ اور بعض مجامع فقہیہ کے فیصلے بھی موجود ہیں۔ تو آپ کو ان سے رجوع کرنا چاہئے۔

کاغذ کا طہارت میں استعمال

ایک سوال اور بھی انہوں نے کیا تھا، وہ بھی موضوع سے بہت زیادہ متعلق نہیں ہے، یعنی طہارت کے لئے کاغذ کے استعمال کا حکم کیا ہے؟ کاغذ کا استعمال مکروہ ہے، یا یہ جائز ہے؟ یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں آیا ہے، جن حضرات نے استنجاء بالأوراق کو مکروہ قرار دیا ہے، انہوں نے اس کی علت بتائی ہے: "لثقالته ولکونه آلة للکتابة" کاغذ میں چکنائی کی وجہ سے نجاستوں کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ ذریعہ تحریر ہے، اس لئے اس کا استعمال مکروہ ہوگا۔ اب آج کل جو کاغذ اس مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک تو کھردراپن کی وجہ سے اس میں نجاستوں کے جذب کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے اور وہ اس

لائق بھی نہیں ہے کہ آپ اسے آلہ کتابت بنا سکیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر مقاصد شریعت کو سامنے رکھیں۔ جو مقصد ہے اس کو مکروہ قرار دینے کا تو اس لحاظ سے یہ کراہت کے دائرہ سے باہر نکل جاتا ہے۔

مصلحتی نصوص

بہر حال اس میں جو مناقشہ تھا اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس سلسلہ میں اور زیادہ وضاحت کے ساتھ ہم جواب دیتے۔ لیکن وقت تنگ ہو گیا۔ البتہ ایک بات کی وضاحت ضرور کر دیتا ہوں۔ چونکہ یہ مسئلہ بار بار آیا کہ مقاصد اور نصوص اگر ایک دوسرے کے مقابل محسوس کیے جائیں۔ شریعت کے مقاصد اور شارع کے نصوص میں ٹکراؤ تو نہیں ہو سکتا ہے، لیکن بظاہر تعارض محسوس ہو تو کیا صورت اختیار کی جائے گی؟ اس بحث کے لئے ہمیں اصول فقہ کی اس بحث کی طرف مراجعت کرنی چاہئے جو عرف کے سلسلہ میں ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ نص عام اگر عرف کے مقابلہ میں ہو تو کیا حکم ہوگا؟ عرف خاص اگر نص کے مقابلہ میں ہو تو کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلہ میں مجھے ڈاکٹر زرقاء کی بات بہت اچھی لگتی ہے۔ انہوں نے یہ لکھا ہے: نصوص بنیادی طور پر تین قسم کی ہیں: نصوص قطعیہ، نصوص ظنیہ اور نصوص مصلحیہ۔ نصوص قطعیہ، ایسی نصوص کہ ذریعہ ثبوت کے اعتبار سے بھی اور اپنے معنی کے اوپر دلالت کے اعتبار سے بھی وہ بالکل غیر محتمل ہوں، ظاہر ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی تصرف عرف کی وجہ سے یا مصلحت کی وجہ سے نہیں کیا جا سکتا، دوسری قسم کی نصوص وہ ہیں جو نصوص ظنیہ ہیں، یعنی جن میں نصوص میں تعارض ہے، یا ان کا ذریعہ ثبوت یقینی نہیں ہے، یا لفظ کا اپنے معنی پر جو دلالت ہے وہ ایک سے زیادہ معنوں کا محتمل ہے۔ تو اگر فقہاء کی روش کو دیکھا جائے تو ایسی نصوص میں مصلحت کی بنیاد پر بعض اوقات ایک نص کو دوسری نص پر اور ایک معنی کو دوسرے معنی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ نص کو چھوڑنا نہیں ہے۔ نص سے رائے کی طرف

عدول نہیں ہے۔ بلکہ ایک نص سے دوسری نص کی طرف اور نص کے ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف عدول ہے۔ اور تیسری قسم انہوں نے کی ہے نصوص مصلحیہ کی۔ ایسی نصوص جو کسی خاص زمانہ کی مصلحت پر مبنی ہوں۔ اور اسی مصلحت کے لحاظ سے احکام جاری ہوتے ہوں۔ جیسے حضرت عمرؓ کی اولیات کو دیکھئے، کہ حضرت عمرؓ نے جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ جب قحط پڑا تو انہوں نے ہاتھ کاٹنے کی سزا کچھ دنوں کے لئے موقوف کردی۔ جیسے مؤلفۃ القلوب کے مد کے بارے میں بات کہی جاتی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے سادات کو زکاۃ دینے کے سلسلہ میں ہے کہ نص جو کسی خاص مصلحت پر مبنی ہو اور اسی مصلحت کی بنیاد پر حکم دیا گیا ہو تو جب وہ مصلحت متغیر ہو جائے تو جو شریعت کا مقصد ہے اس پر عمل کیا جائے۔ لیکن یہ معاملہ بہت نازک ہے۔ اگر افراد اور اشخاص کو اس بات کو اختیار دے دیا جائے کہ وہ اپنے طور پر اس بات کی تعیین کرے کہ اس نص کی جو مصلحت تھی وہ مصلحت اب باقی ہے یا نہیں، تو اس سے اباحیت اور گمراہی کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس لئے یہ بہت احتیاط کی بات ہے۔ ہر زمانہ کے جو علماء، متقین اور متورعین ہیں وہ بہت ہی حزم و احتیاط کے ساتھ اور غور و فکر کے بعد ہی فیصلہ کرتے ہیں۔ میں نے بہت ہی سرسری طور پر اس وقت کے حالات کے لحاظ سے جواب دیئے ہیں۔

مسلم اقلیتوں کی مشکلات
اور مقاصد شریعت

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
ترجمہ: مولانا محمد ہشام الحق ندوی

حمد وصلاۃ کے بعد!

اس وقت جو موضوع ہمارے پیش نظر ہے وہ مسلم اقلیتوں کی فقہ اور فقہ مقاصد کے ذریعہ ان کے مختلف مسائل کے حل سے متعلق ہے۔ میں ''مسلم اقلیتوں کی فقہ'' کے مضمون کے تحت اس موضوع کے متعدد پہلوؤں کو امریکن اسلامی یونیورسٹی میں دوران درس زیر بحث لاتا ہوں۔ مغرب میں اقامت پذیر مسلم اقلیتوں کی فقہ کے کچھ منہجی ضوابط ہیں۔ اس سیاق میں ہجرت اور ترک وطن کے اسباب پر غور کرنا بھی مناسب ہوگا۔ موجودہ صورتحال میں عموماً ترک وطن کے تین اسباب ہوتے ہیں: ۱- حصول علم کے لئے ترک وطن، ۲- حصول مال کے لئے ترک وطن اور ۳- آزادی حاصل کرنے کے لئے ترک وطن۔

مغرب میں بود وباش اختیار کرنے والے مسلمانوں کی تعداد سے متعلق مختلف سروے رپورٹیں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ ان رپورٹوں میں مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔

غور کرنے سے اس اختلاف کے تین وجوہ سامنے آتے ہیں:

۱-مسلمانوں کا غیر منظم طریقہ پر مغربی ممالک کا سفر کرنا۔

۲-مغربی ممالک میں موجود مسلمانوں کی تعداد کو کم کر کے ذکر کرنا۔

۳-حکومت کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے اعتبار سے اور مذہب کی بنیاد پر سروے کو نظر انداز کرنا۔

یہی وہ تین اسباب ہیں جن کی وجہ سے مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کی تعداد سے متعلق کی جانے والی مردم شماری میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بہن شریفہ سعید نے تحقیقی مقالہ پیش کیا ہے۔ یہ اس وقت میری شاگرد تھیں جب میں سلطان بن قابوس یونیورسٹی میں پروفیسر تھا اور تین سال تک وہاں مقیم تھا۔ فی الواقع یہ خاتون تمام طالبات میں فائق تھیں۔ اب انہوں نے ''مسلم اقلیتوں کی فقہ'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر لی ہے۔ میرے نزدیک ان کا مقالہ مسلم اقلیتوں کی فقہ سے متعلق مسائل نیز مقاصد شریعت اور مصالح شریعت کی فقہ کے ذریعہ ان کے حل کے موضوع پر بہت ممتاز اور خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا مغربی ممالک میں عارضی اقامت اختیار کرنے والوں کو بھی اس سروے میں شامل مانا جائے گا جبکہ وہاں ایک خاص مدت تک ان کی اقامت کا مقصد محض تعلیم حاصل کر کے یا ملازمت کر کے واپس آنا ہوتا ہے۔ جرمنی میں منعقد حالیہ کانفرنس کے مطابق اس وقت یورپ میں مسلمانوں کی تعداد ۵۵ ملین ہے۔ یورپ و امریکہ میں موجود مسلمانوں کی بہ نسبت ساڑھے سات فیصد مسلمان شمالی امریکہ میں ہیں یعنی ایک ملین۔ مسلمان مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ میں چین کے شہر شنگھائی جا چکا ہوں جہاں مسلمان ۳۵ ملین ہیں۔

مسلم اقلیت کی اصطلاح کے مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان اقلیتوں کی فقہ سے متعلق میرا ایک مقالہ اب تک اسلام آن لائن پر موجود ہے۔ اس میں بہت سے ایسے نئے موضوعات ہیں جن پر گفتگو اس مختصر وقت میں نہیں کی جا سکتی۔ اگر آپ مسلمان اقلیتوں کی فقہ پر لکھنا چاہیں تو آپ کو اسلام آن لائن پر آواز کے ساتھ یہ لیکچر دستیاب ہو جائے گا۔ گذشتہ سال ماہ

جون میں جب میں مصر گیا تھا تو اس موقع پر میں نے یہ محاضرہ دیا تھا۔ محاضرہ کے منتظمین نے اسے ریکارڈ کر لیا اور اب وہ اسلام آن لائن پر موجود ہے۔

مسلمان اقلیتوں کی دو قسمیں ہیں: ایک عددی اقلیت یعنی تناسب کی کمی۔ اقلیتی باشندے وہ ہوں گے جو نہ نصف ہوں نہ تیس فیصد، بلکہ بیس فیصد سے کم کی تعداد کو اقلیت قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ لفظ قلیل استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اقل یعنی قلیل سے بہت کم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جن میں باشندوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہو لیکن ریاست کا نظم ونسق مغربی معیارات اور قوانین وضوابط کے مطابق چلایا جا رہا ہو اور کسی شخص کو اپنے بنیادی شعائر پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہو۔ ہمیں یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ فرانس کے صدر جاک شیراک نے سرکاری اسکولوں میں پردہ پر پابندی کے قانون پر دستخط کر دیا، لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ تیونس کئی سال قبل یہ کر چکا ہے۔ ایک مسلمان بہن اسپتال جانے کے لئے گھر سے نکلتی ہے۔ اس کے جسم سے خون بہتا رہتا ہے اور اسپتال کے دروازہ پر کھڑے اسی حال میں اس کی موت ہو جاتی ہے اور اسپتال کا ظالم عملہ اس کو اسپتال میں داخل نہیں ہونے دیتا ہے، کیونکہ وہ باپردہ ہوتی ہے۔ اس سے ظالموں کا اصرار ہے کہ وہ پردہ اتار دے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ فقہ المقاصد کی رو سے خون بہنے کی اس نازک صورت حال میں ہماری اس مسلمان بہن کو پردہ ہٹا دینا چاہئے کیونکہ علاج کی خاطر قابل ستر مقامات کو کھولنا جائز ہے۔ یہ ایک دوسرا پہلو ہے کہ کیا ایسی ریاست مسلم ریاست ہو سکتی ہے اور کیا کسی مسلم ریاست میں ایسے قوانین بھی پائے جا سکتے ہیں؟ سب سے اہم منہجی ضابطہ یہ ہے کہ وطنیت (ملک کا شہری ہونے) کے احساس کو خوب گہرا کیا جائے۔ اس مسئلہ میں ہم فی الواقع ایک بحران سے دوچار ہیں۔ میں فرانس گیا تھا جہاں یوروپی ادارہ برائے انسانی علوم سے فارغ ہونے والے ایک طالب علم کے تحقیقی مقالہ کا مناقشہ ہونا تھا۔ اس طالب علم نے جو کلیۃ الشریعۃ کے چوتھے سال میں تھا ایک خصوصی اور امتیازی تحقیق پیش کی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کا تعلق کس ملک

سے ہے؟ تو اس نے بتایا کہ وہ پاکستانی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ کی پیدائش پاکستان میں ہوئی؟ تو اس نے جواب دیا: نہیں، میں صرف تین بار پاکستان گیا ہوں، ہر بار صرف ایک ہفتہ کے لئے، زیادہ سے زیادہ تین ہفتے وہاں رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ تمہاری پیدائش پیرس میں ہوئی، تمہیں اپنے کو پاکستانی الاصل فرنچ کہنے میں شرم نہیں کرنی چاہئے۔ اس نے کہا: نہیں میں ایسا نہیں کہہ سکتا۔ میں نے سنا کہ ہمارے ہاں امریکہ میں دیگر ممالک کے مقیم لوگ محض اپنے جسموں کے ساتھ رہتے ہیں، دوسری طرف وہ اپنے حقیقی وطن کی فلاح و بہبود کے لئے بھی کچھ نہیں کرتے۔ اپنے حقیقی وطن سے ان کا تعلق بس ٹیلی فون، گرمی اور سردی گذارنے کے تفریحی اسفار اور لطف اندوزی تک محدود ہوتا ہے۔ لیکن مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جگہ کو جہاں وہ اقامت پذیر ہے، اپنا وطن سمجھے۔ کیونکہ آپ کی اقامت سے وہ جگہ بھی وطن اصلی کے حکم میں ہوگئی، جہاں آپ مقیم والی نمازیں ادا کرتے ہیں اور اس کے علاوہ مقامات میں آپ نماز قصر ادا کرتے ہیں۔

مغربی ممالک میں یہودی یہ کہہ کر ہماری شبیہ خراب کر رہے ہیں کہ مسلمان مفاد پرست لوگ ہیں۔ یہ مغرب میں یہاں کے مال، یہاں کے علم اور یہاں کی آزادی سے مستفید ہوتے ہیں مگر ملک کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے گویا وہ اپنے لئے مغربی ممالک کے باشندوں کی ہمدردی اور ہمارے لئے ان کی دشمنی حاصل کر رہے ہیں، جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسلام کا مقصد آپ ﷺ کی رسالت کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنانا ہے، اور شریعت کا ایک مقصد یہی ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو متحرک اور فعال رہے جیسا کہ سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا گیا: "أو من كان ميتا فأحييناه وجعلنا له نورا يمشي به في الناس" (سورۂ انعام: ۱۲۲) (کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کردیا اور ہم نے اس کے لئے ایک نور بنادیا کہ اس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے) تو ایک مسلمان کا فریضہ قرار پایا کہ وہ اپنے اقامتی ملک میں سرگرم عمل رہے اور اس ملک کو اپنا وطن سمجھے اور کہے کہ میں یہاں کا باشندہ ہوں۔ اگر

آپ کہتے ہیں کہ آپ اس ملک کے باشندہ نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک سے آپ کی وفاداری نہیں ہے۔ایک مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ میری وفاداری نہ امریکہ سے ہے نہ فرانس سے، البتہ اس کی فلاح و بہبود کے عمل سے ہے، وفاداری سرزمین سے ہے اور علاحدگی اور براءت وہاں کے نظام اور اس کفر سے ہے جو وہاں اس وقت غالب ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عوام اور حکومت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔آپ عوام سے ہم آہنگ ہیں اور وہ آپ سے بہت جلد ہم آہنگ ہو کر میدان میں آجاتے ہیں۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے تو وہ دباؤ میں ہے، کیونکہ حکومت کی تشکیل ان صہیونی تنظیموں کے ذریعہ ہوتی ہے جنہوں نے پارٹیوں کو برسر اقتدار لانے کے لئے پیسے خرچ کئے، اشتہارات شائع کروائے، خوب خوب پروپگنڈے کئے۔اس مقصد شرعی کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت و نبوت سارے جہاں کے لئے ہے اور حرکیت اسلامی شریعت کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔شریعت کا مقصد یہ ہے کہ کرۂ ارض کے ایک ایک چپہ تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے ہم پوری دنیا کی سیر کریں۔اگر ہم اپنے اپنے ملکوں سے نکل کر ان مغربی ممالک میں آباد نہ ہوتے تو ہم پر واجب ہوتا کہ ان ممالک کے عوام تک اللہ تبارک وتعالی کی دعوت کو پہنچانے کے لئے ایسے افراد ان ممالک تک بھیجیں جو وہاں رہ کر وہاں کے باشندوں تک اسلام کا پیغام پہنچائیں۔

ہمارے درمیان شیخ بوطی جیسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ تبلیغ دین کے لئے لوگوں کے درمیان رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ کام آپ انٹرنیٹ، ٹی وی چینل اور دیگر ذرائع ابلاغ سے بھی کر سکتے ہیں۔ میرے بھائی! ہم فضا میں نشر کی جانے والی بات کے متعلق گفتگو نہیں کر رہے، ہم تو ان کے ساتھ گھل مل کر رہنے کی بات کر رہے ہیں۔شیخ بوطی فرماتے ہیں: مغرب میں اقامت اختیار کرنا جائز نہیں۔ وہاں اقامت کرنا فسق ہے۔ جہاں تک تبلیغ و دعوت کی بات ہے تو یہ انٹرنیٹ وغیرہ تمام ذرائع سے ممکن ہے۔میرے خیال میں تبلیغ محض چند الفاظ کی نصیحت کے بجائے اسلام کا عملی نمونہ پیش کرنا ہے۔مغرب میں مقیم ایک پاکیزہ صالح اور منشیات سے

محفوظ ایک ایسا مسلم خاندان جس میں بیٹا باپ کا قاتل نہ ہو، مغربی عوام کے لئے بہتر اسلامی نمونہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ دیکھنے کا اثر سننے کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے۔

امریکہ میں ایک فلم بنی جس میں ہندستان، پاکستان اور نیویارک میں موجود مسلمانوں کی مساجد کی تصویریں دکھائی گئیں، اذان کی آواز سنائی گئی اور دکھایا گیا کہ مسلمانوں کا کام محض وضو کرنا، نمازیں پڑھنا اور اس کے بعد اپنے گھروں میں گھس جانا ہے۔ انہیں حکومتی نظم ونسق، امن وسلامتی کے نظام اور تجارت وکاروبار کے انتظام وانصرام کے لئے کی جانے والی منصوبہ بندی اور پالیسی و پروگرام سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ پورے دن میں پانچ بار صرف مساجد کے لئے منصوبہ بندی کرتے ہیں اور سوسائٹی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے اس فلم کا جائزہ لیا اور اس پر ایک مقالہ لکھا جو عربی اور انگریزی میں امریکہ میں متعدد بار شائع ہوا۔ انہوں نے یہ فلم اس لئے بنائی تاکہ یہ ثابت کرسکیں کہ معاشرہ کے بدترین عناصر مسلمان ہیں اور ان کی مساجد دہشت گردوں سے بھری پڑی ہیں۔ میرے بھائی! آپ اس فلم میں صرف وضو کرتے اور نماز پڑھتے دکھائی دینے والے مسلمان نہ بنیں۔ اگر آپ سماج سے کٹے ہوئے نہ ہوتے اور معاشرہ میں آپ کا ایک فعال کردار ہوتا تو اس تھیوری کو بنیاد ہی نہ فراہم ہوتی۔ لہذا فقہ المقاصد کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آپ سے کہیں کہ آپ اپنے آپ کو ان ممالک کا باشندہ قرار دیں اور ساتھ ہی اپنے عربی الاصل ہونے، اپنے ہندوستانی نژاد ہونے، اپنے پاکستانی نژاد ہونے پر بھی آپ کو فخر ہو۔ اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد مکہ مکرمہ کے بارے میں فرمایا: تم اللہ تعالی کی زمین پر موجود تمام مقامات میں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب ہو اور اگر تمہاری قوم نے تمہارے اندر سے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں نہ نکلتا۔ لیکن جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور اسے آباد کیا تو مدنی معاشرہ کو پوری طرح بدل دینے میں آپ کا زبردست کردار رہا۔ ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ان ممالک میں اصلاحی پروگرام پیش کرنے سے قاصر رہیں جہاں ہم رہ رہے

ہوں۔ اس لئے دوسرا نقطہ ہے: اصلاح وطن کی ذمہ داری۔ یہ اصلاح ایک بنیادی مقصد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو سورہ "ہود" اور خصوصاً اس سورہ کی آخری آیات نے قبل از وقت بوڑھا کر دیا: "فلو لا كان من القرون من قبلكم أولو بقية ينهون عن الفساد في الأرض إلا قليلا ممن أنجينا منهم واتبع الذين ظلموا ما أترفوا فيه وكانوا مجرمين، وما كان ربک ليهلک القرى بظلم وأهلها مصلحون" (سورۂ ہود: ۱۱۶-۱۱۷) (پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے سمجھ دار لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچالیا تھا اور جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور (عادی) مجرم ہو گئے، اور آپ کا پروردگار ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو ہلاک کر دے (ان کی) زیادتیوں کے باعث درآنحالیکہ ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں)۔ اس لئے اصلاح کے متعدد پہلو ہیں: ایک پہلو سماجی اصلاح ہے، اللہ کا ارشاد ہے: "حكما من أهله وحكما من أهلها" (سورۂ نساء: ۳۵) (تو تم ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو) ایک پہلو مالی اصلاح ہے: "يسألونک عن اليتامى قل إصلاح لهم خير" (سورۂ بقرہ: ۲۲۰) (اور (لوگ) آپ سے یتیموں کے باب میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اس کی مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے)۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے، امام ابوحنیفہ غیر مسلم کو صدقہ فطر دیئے جانے کو جائز قرار دیتے ہیں، دیگر ائمہ اسے مسلمانوں کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں اور اسے غیر مسلم کو دینے سے منع کرتے ہیں، لیکن اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ عمومی صدقات نہ کہ زکاۃ مسلم و غیر مسلم سب کو دیئے جا سکتے ہیں۔ یہ بالکل فطری اور درست ہے کہ آپ پہلے مسلمانوں کو دیں لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں میں بھی نادار لوگ ہیں اور یہ ہر جگہ ہیں۔

گذشتہ جمعہ کو میں ہندوستانی سفارت خانہ گیا تھا، میں انتہائی مفلوک الحال علاقوں کے

پاس سے گذرا، لوگ امریکی وہائٹ ہاؤس کے پڑوس میں خط افلاس سے نیچے کی زندگی گذار رہے ہیں۔ یہاں پر ایسے مقامات ہیں جہاں بہت بڑے بڑے ہوٹل اور اونچی اونچی عمارتیں ہیں، ان سے گرم بھاپ اٹھتی ہے جس سے بہت سے غریب عوام سخت ٹھنڈک میں گرمی حاصل کرنے کے لئے سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر رات گذارتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس رہنے کو گھر نہیں ہے۔ انہیں آپ سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھیں گے۔ اگر مسلمان اس صورت حال کی تبدیلی میں اپنا کردار ادا کریں گے تو یہ ایک اصلاحی قدم ہوگا۔ بیشتر امریکیوں کا حال یہ ہے کہ جب ان کے والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں اسپتالوں اور معذورین کے مراکز میں داخل کرا دیتے ہیں۔ پانچ پانچ سال گذر جاتے ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا۔ اس پوری مدت میں ایک بار بھی ان کی اولاد ان کی خبر گیری کے لئے نہیں آتی، ان کے بجائے ایک مسلمان ان کے پاس جاتا ہے اور ایک گلدستہ یا کوئی تحفہ پیش کرتا ہے، تو اس کے اس عمل سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کا ایک یہودی پڑوسی تھا جو آپ کو ایذا پہنچاتا تھا اور آپ ﷺ اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے، ایک دن وہ اس وجہ سے آپ کی ایذا رسانی سے باز رہا کہ وہ بیمار تھا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت فرمائی۔ اس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہو گیا۔ آپ ﷺ اس سے بہت خوش ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے اس کے گھر سے نکلے: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس آدمی کو اسلام کی نعمت سے نواز دیا۔

ہمیں امریکی حکومت کی طرف سے پھیلائے جانے والے فساد کا مقابلہ کرنا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا ایک اپنا موقف ہونا چاہئے۔ ہمیں امریکہ سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ روئے زمین پر کئے جانے والے اپنے ظلم سے باز آئے۔ ہم نے صرف ایک سال کے اندر یعنی ۲۰۰۲ء میں دو بڑے بڑے مظاہرے کئے۔ ایک مظاہرہ میں دو لاکھ اور دوسری میں ڈیڑھ لاکھ افراد نے شرکت کی۔ ایک فلسطینیوں کے حق میں اور دوسرا عراق پر امریکی جارحیت کے خلاف۔ اس سے پہلے ہم نے افغانستان پر حملہ کو روکنے کے لئے ساڑھے تین لاکھ افراد کے ساتھ مظاہرہ کیا تھا، اس

میں امریکہ کے عوام بھی ہمارے شانہ بشانہ امریکی ظلم کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ نص اور صورت حال دونوں کا ایک ساتھ مطالعہ ہو۔ محترم ڈاکٹر طہ جابر العلوانی کے الفاظ میں "الجمع بين القراء تين: قراء ة النص أو الوحي وقراء ة الكون" (بیک وقت دو قسم کے مطالعے ہوں: ایک نص یا وحی الٰہی کا مطالعہ اور دوسرا کائنات کا مطالعہ) ناممکن ہے کہ اسلامی شریعت خلا میں رہے۔ اسلام کوئی افلاطون کی تھیوری نہیں، یہ تو زمینی حقائق اور صورت حال کے مطابق نازل ہونے والا ایک پیغام ہے: "قد جاء كم من الله نور و كتاب مبين"۔ اصلاح کا پیغام موجود ہے، ایک صورت حال سامنے ہے اس میں ایک موقف ہونا چاہئے۔ اس صورت حال کا گہرا جائزہ لیا جانا چاہئے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر ہم نے امریکن اسلامی یونیورسٹی میں ایک مؤثر نظام تعلیم اور ایک ہمہ جہت نصاب تشکیل دیا ہے، اس نصاب میں اسلام، شریعت، قرآن وحدیث، سیرت وتفسیر کے ساتھ ساتھ امریکی معاشرہ، امریکہ کی تاریخ، امریکی دستور، وہاں کے باشندوں اور نظام حکومت کے ساتھ ربط وتعلق کی نوعیت وغیرہ مضامین شامل کئے ہیں۔ اس لئے ہمارے علماء کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہندوستان کے موجودہ دستور کا مطالعہ کریں اور اس سے بخوبی واقف ہوں۔ مسلمانوں میں ایسے علماء خال خال ہیں جو اپنے ملکوں کے نظام حکومت، وہاں کے دستور، وہاں کی تاریخ اور دستور میں عہد بہ عہد ہونے والے تغیرات کا گہرا علم رکھتے ہوں۔ ان امور سے واقفیت کے لئے ورکشاپ اور تربیتی کورسیز بھی کرائے جاسکتے ہیں، تیسری چیز یہ ہے کہ سروے کرایا جاتا رہے، دعوت کی اشاعت کے طریقے زیر بحث لائے جاتے رہیں، اس ضرورت کو پیش نظر رکھ کر کالج قائم کئے جائیں۔ ریاضیات، نفسیات اور سماجیات کی احسن طریق پر تدریس ہو۔ آپ اس بچہ کی نفسیات سے واقف ہوں جس کو آپ درس دے رہے ہوں۔ تدریس کے مختلف طریقوں پر آپ کی گہری نظر ہو۔ ہم دعوت اسلامی کے کام میں اس کے بہت زیادہ ضرورت مند ہیں۔ شریعت اسلامی کا ایک مقصد یہ ہے کہ اسلامی دعوت کے علمبردار بصیرت کے ساتھ اسلام کا پیغام لوگوں

تک پہنچائیں۔ سورۂ یوسف میں ہے:"قل هذه سبيلي أدعوا إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان الله وما أنا من المشركين "(سورۂ یوسف:۱۰۸)(آپ کہہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں دلیل پر قائم ہوں میں (بھی) اور میرے پیرو بھی اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) اور دعوت میں حکمت شرع کا ایک مقصد ہے۔ سورۂ نحل میں ہے:"أدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة" (سورۂ نحل:۱۲۵)(آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلایئے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے)۔ حکمت صرف یہ نہیں کہ ایک شخص کسی بات کو یاد کرلے اور پھر اسے دوسروں کے سامنے بیان کردے۔ حکمت یہ ہے کہ انسان بدلتی ہوئی صورت حال سے پوری طرح واقف ہو۔ کوئی بات اپنے مناسب مقام پر کہے، ہر وہ بات لوگوں کے سامنے نہ بیان کرے جسے وہ جانتا ہو۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ بات جو کہی جائے اس کا وقت آ ہی گیا ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس کا وقت آ جائے اس کے افراد بھی موجود ہی ہوں۔

گذشتہ رمضان میں مجھے شکاگو کی ایک افطار پارٹی میں دعوت دی گئی۔ اس پارٹی میں اعلیٰ سطحی امریکی قائدین، وہائٹ ہاؤس، امریکی صدر اور امریکن کانگریس سے قریب افسران بھی مدعو تھے۔ میں نے اس پارٹی سے خطاب کیا۔ مجلس میں موجود شرکاء میں سے ایک ڈاکٹر نے مجھ سے کہا: ڈاکٹر صلاح! میں جب آپ لوگوں سے باتیں کرتا ہوں تو آپ لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں لیکن جب میں اس شریعت کے بارے میں سنتا ہوں جس میں قتل وجہاد وغیرہ ہیں تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا قانون اور نظام ہے جس کے ماننے والے روزانہ ایک سو بیس مرتبہ رحمت (Mercy) کا لفظ بولتے ہوں۔ اچھا اب دیکھئے: ہم مسلمان دن رات میں سترہ رکعات فرض اور کم از کم ۱۳ رکعات سنت نمازیں ادا کرتے ہیں۔ ہم ہر رکعت میں پڑھتے ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کے بعد الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم۔ ہم اسے ایک رکعت میں کم از کم چار مرتبہ پڑھتے ہیں۔ اس طرح تیس کو چار میں ضرب

دیجئے تو حاصل ضرب ایک سوبیس ہوا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور التحیات للہ والصلوات والطیبات اس کے علاوہ ہیں۔ اسی رحمت (Mercy) کو معاشرہ میں بروئے کار لانے کے لئے اسلام نے عزت و آبرو پر حملہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اس کی سخت ترین سزا مقرر کی ہے۔ اسی طرح چوری کو حرام قرار دیتے ہوئے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ صرف نیویارک میں ہر ستائیس سیکنڈ میں ایک کار چوری ہو جاتی ہے۔ یعنی میرے لیکچر شروع کرنے سے لے کر اس کے اختتام تک صرف ایک صوبہ میں ہزاروں گاڑیاں چوری ہو چکی ہوں گی۔ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ نیویارک میں میری دکان تھی، کچھ گھنٹے کے لئے بجلی چلے جانے سے دسیوں ملین کا سامان چوری ہو گیا جب بجلی آئی تو صرف ایک ہزار کا سامان دکان میں رہ گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اسلام کی طرف سے چوری کی مقررہ سزا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ایسے لوگوں کے صرف ہاتھ کاٹے جانے چاہئیں یا ان کی گردنیں بھی۔ آپ چوری کے جواب میں ہاتھ کاٹے جانے کی سزا کی حقیقت ایر کنڈیشنڈ آفیسز میں بیٹھے افراد سے نہ پوچھئے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ سنگ دلی ہے، یہ پسماندگی ہے، یہ صحیح نہیں ہے، یہ جائز نہیں ہے، آپ یہ بات اس سے پوچھئے جس کی اپنی گاڑھی کمائی اور محنت سے حاصل کیا ہوا مال چوری ہوا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے سامنے شریعت کو اس اسپرٹ کے ساتھ، ان رپورٹوں کے تناظر میں اور اس زمینی صورت حال سے مکمل آگہی حاصل کر کے پیش کیا جائے۔ آپ ان اعداد و شمار کی روشنی میں لوگوں کو اسلام اور دین کی حقیقت سے روشناس کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو بوسنیا کے صدر ڈاکٹر علی عزت بیگووِچ پر جنہوں نے ایک بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی۔ کتاب کا نام ہے: الإسلام بين الشرق والغرب (Islam between the East and the West) یہ کتاب انگریزی، عربی اور بوسنیائی زبانوں میں ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں عورت، بچہ اور اخلاق پر پڑنے والے مغربی تہذیب کے اثرات کو خود ان ہی کے حوالوں سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں جو رپورٹیں اور اعداد و شمار پیش

کئے ہیں وہ برطانیہ، جرمنی، فرانس، بلجیم اور اسرائیل کے متعدد مراکز اور اداروں کے تیار کردہ ہیں۔ یہ کام مسلمان نہ کر سکے۔ ہم نے تو عورت کو آزادی دلائی۔ مغربی تہذیب نے خود مغرب کے بقول عورت، بچہ اور اخلاق پر بدترین زیادتیاں کیں۔ یہ بات خود انہیں کی تیار کردہ رپورٹوں سے ثابت ہے۔ اس کا متبادل اسلام کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ امریکہ میں ہر چوبیس گھنٹہ میں اٹھارہ سال سے کم کی تین ہزار لڑکیاں غیر قانونی جنسی تعلقات قائم کرتی ہیں۔ اور غیر قانونی طور پر حاملہ ہوتی ہیں، اور مانع حمل دوائیں استعمال کرنے والی اس عمر کی لڑکیوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔ ایسی لڑکیوں کے جنسی چھیڑ چھاڑ اور جارحیت سے دوچار ہونے کا تناسب تو بہت زیادہ ہے۔ ہر چوبیس گھنٹہ میں سکنڈری اسکول کے پندرہ ہزار لڑکے منشیات کا استعمال کرتے ہیں۔ جب آپ اس صورت حال کو سمجھیں گے اور اس کی روشنی میں ان سے گفتگو کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے پاس اس مسئلہ کا حل اور ایک پورا پروگرام ہے تو آپ مقصد شرع کو پیش نظر رکھنے والے ہوں گے۔

روزہ کے موضوع پر میرا ایک لیکچر ہے، اگر آپ چاہیں تو میں بذریعہ ای میل اسے بھیج سکتا ہوں۔ روزہ کیا ہے؟ دنیا کو نجات دلانے کی ایک اسلامی تہذیبی درسگاہ۔ میں نے اس میں کہا ہے کہ اگر دنیا میں سب سے بڑے پیمانہ پر جنس، ہتھیار اور منشیات کی تجارت ہو رہی ہے تو روزہ انسان کو ان غلط کاریوں کا مقابلہ کرنے اور اسے طبعی زندگی کی طرف لانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ ایک مخصوص وقت تک حلال سے باز رہنا دائمی طور پر حرام سے باز رہنے کا عادی بناتا ہے۔ روزہ کا فلسفہ اس کے سوا کیا ہے کہ کلمۂ اللہ اکبر صبح کے وقت حلال چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور یہی کلمۂ اللہ اکبر شام کے وقت انہیں پھر حلال کر دیتا ہے۔ اگر آپ اللہ کا حکم مانتے ہوئے روزہ رکھیں گے اور حلال سے اجتناب پر قادر ہو جائیں گے تو کیا آپ حرام کا ارتکاب کریں گے؟ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس تربیت کے نتیجہ میں آپ کے درمیان حلال اور حرام کے درمیان ایک فاصلہ پیدا ہو جائے گا۔ لہذا روزہ اسلام کی ایسی تربیت اور اس کا ایک ایسا نظریہ ہے جس کا موازنہ مغرب کے پیش کردہ کسی فلسفہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہی حقیقت ہے نص اور صورت حال دونوں کو

بیک وقت سمجھنے کی۔ امام شاطبی بھی اسی پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں: نص اور پیش آمدہ صورت حال کا ادراک اور اس پر نص کا انطباق یہ بنیادی اہمیت کے حامل امور ہیں۔ نص اور صورت حال کا ادراک تو طول ممارست سے ہوجاتا ہے مگر صورت حال پر نص کی تطبیق ایک ایسا ملکہ ہے جو اللہ تعالی اپنے خاص بندوں ہی کو عنایت فرماتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ نص اور صورت حال کو سمجھنے والا پیش آمدہ صورت حال کا حل پیش کر ہی دے یا اس کے مناسب حال فتاوے بھی دے ہی دے۔ اس پہلو سے حضرت ابن عباسؓ کی شخصیت ایک امتیازی مقام رکھتی ہے۔ ایک بار ایک شخص ان کے پاس آیا اور دریافت کیا: اے ابن عباس! کیا مومن کو قتل کرنے والے کے لئے توبہ ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لوگوں نے کہا: امام صاحب! آپ کیسے یہ فتوی دے رہے ہیں جب کہ اللہ تعالی نے فرمایا: "إن الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جب وہ شخص میرے پاس آیا تھا تو اس کی آنکھوں میں غصہ کی چنگاری تھی، وہ کسی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کردینے کے بعد یہ سوال مجھ سے کرتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ اس شخص کی توبہ قبول ہوجائے گی۔ دیکھئے حضرت ابن عباسؓ نے فتنہ کو کس طرح تاڑلیا اور بروقت اس کا تدارک کیا۔ یہ ہے صورت حال کا فہم وادراک۔

معاصر عمومی مسائل میں اجتماعی اجتہاد کا نقطہ نظر اختیار کیا جانا چاہئے۔ اس وقت اتنے عمومی مسائل ہیں کہ اگر ائمہ اربعہ دوبارہ آجائیں تو وہ ان کے سلسلے میں فوراً فتوی دینے کے بجائے ایک دو تین، چار اور نہ جانے کتنی نشستوں میں ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارے درمیان کثیر تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو فتوی کا روگ لگ گیا ہے۔ فتوی کے سلسلے میں ان کو بدہضمی ہوگئی ہے۔ حالانکہ ابن القیمؒ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین کے شروع ہی میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: "من أفتى بغير علم فليتبوأ مقعده من النار" (جو شخص بغیر علم کے فتوی دے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا

چاہئے)۔حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں:"أي سماء تظلني وأي أرض تقلني إذا قلت في القرآن بغير علم أو برأيي"(کونسا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں قرآن کے سلسلے میں کوئی بات بغیر علم کے یا اپنی رائے سے کہوں)۔میرا مقصد ان فقہی اکیڈمیوں، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)، فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ، فقہی کونسل برائے شمالی امریکہ، یوروپی کونسل برائے افتاء وتحقیق کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔عمومی مسائل میں فتوی ان اکیڈمیوں کی طرف سے دیا جانا چاہئے۔مثال کے طور پر اگر ایک عورت تنہا اسلام قبول کر لیتی ہے اور شوہر اسلام قبول نہیں کرتا ہے تو کیا وہ عورت اس مرد کے ساتھ رہ سکتی ہے۔اب اس مسئلہ میں ایک شیخ ایک کونے میں بیٹھے فتوی دیتے ہیں، دوسرا کسی یونیورسٹی میں بیٹھا فتوی جاری کرتا ہے۔اس کی حیثیت کسی متفقہ قرارداد کی نہیں ہوتی ہے۔یہ کتنے افسوس کی بات ہے۔ان مسائل میں اجتماعی فتوی ہونا چاہئے۔اگر کسی فقہی اکیڈمی کے پچاس ممبر ہوں اور وہ کسی مسئلہ پر فیصلہ کرنے بیٹھیں، مثال کے طور پر اسی ورکشاپ کو لے لیجیے، یہ کتنا وقت لے گا؟ پانچ دن، ہر دن کتنے گھنٹوں تک لیکچر ہوں گے۔اگر آٹھ گھنٹے مان لیں تو آٹھ کو پچاس سے ضرب دیجئے تو چار سو گھنٹے ہوئے۔چار سو کو پانچ سے ضرب دیجئے دو ہزار ہوئے۔گویا اس اجتماعی مناقشہ اور مباحثہ میں امت کے دو ہزار گھنٹے صرف ہوئے، صرف پانچ دن، چار سو اور پچاس گھنٹے نہیں۔اب اگر اتنا طویل وقت کسی جزئی معاملہ کے فتوی میں صرف کیا جائے تو یہ وقت کا ضیاع ہے۔لہذا اگر ہمیں جمع ہو کر دو ہزار گھنٹوں تک کسی مسئلہ پر غور وخوض کرنا اور اس کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنا ہو تو لازماً اسے کوئی بہت بڑی اہمیت کا حامل مسئلہ ہونا چاہئے جس پر اجتماعی رائے اور فیصلہ کی ضرورت ہو۔اگر اسے ملحوظ رکھا جائے گا تو یہ وقت کا صحیح استعمال ہوگا۔

اگر پانچ آدمیوں کا کوئی اجتماع ہو اور آپ پندرہ منٹ تاخیر کر دیں تو آپ سوا گھنٹہ تاخیر سے پہنچے۔کیونکہ آپ کی تاخیر صرف ایک آدمی کی تاخیر نہیں ہے بلکہ پانچ آدمیوں کی تاخیر ہے۔آپ نے اپنی تاخیر کے باعث ان حضرات کی عمر میں سے سوا گھنٹے ضائع کر دیے۔مجھ سے

کتنی بار کالج کے پرنسپل نے کہا کہ کالج کے کچھ معاملات پر غور کرنا ہے آج طلبہ کو لکچر نہ دیجئے۔ واضح رہے کہ طلبہ کی تعداد دو ہزار ہے۔ میں نے کہا: اگر میں نے ایک دن لکچر چھوڑا تو میں چار ہزار گھنٹے ضائع کردوں گا۔ انہوں نے کہا: کیسے؟ میں نے کہا کہ طلبہ دو ہزار ہیں اور ہم انہیں دو گھنٹے دیتے ہیں۔ چار ہزار تعلیمی گھنٹے ضائع ہوئے یا نہیں۔ لہذا لکچر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ کالج کے امور پر کسی اور وقت مشورہ کرلیں گے۔ اس قسم کے امور میں اجتماعی قوت اور ذہن کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت ابوموسی اشعریؓ سے فرماتے تھے کہ اگر تمہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اہل علم سے مشورہ کرو اور اگر چاہو تو مجھ سے بھی مشورہ کرلیا کرو، اور میرا خیال ہے کہ مجھ سے مشورہ کرنا تمہارے لئے خیر ہی کا باعث ہوگا۔ سیدنا عمرؓ جب اہل علم وتقوی کو جمع کرنا چاہتے تو فرماتے: لوگو! مجھے مشورہ دو۔ کیونکہ مشورہ ایمانی عمارت کی بنیاد ہے: "**وأمرهم شورى بينهم ومما رزقناهم ينفقون**" (سورۂ شوری: ۳۸) (اور ان کا (یہ اہم) کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں)۔

مختلف مسالک کے درمیان تقریب، انتخاب یا نئے سرے سے اجتہاد مسلم اقلیتوں کے مسائل کے حل میں بنیادی کردار کا حامل ہونا چاہئے۔ دنیا میں مختلف مسالک ہیں، شافعی مسلک، شیعی مسلک، اور دیگر مسالک۔ ہمیں ہمیشہ صرف ایک مسلک پر فتوی نہیں دینا چاہئے۔ ائمہ کرام ایک دوسرے کی آراء کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ چنانچہ امام شافعی نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں، امام احمد بن حنبل نے امام شافعی کے بارے میں، امام شافعی نے امام احمد بن حنبل کے بارے میں، اور ان تمام ائمہ نے امام مالک کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ بہت مشہور ومعروف ہے۔ غلطی اس وقت ہوئی ہے جب ائمہ کے مقلدین نے آپس میں بڑی مصنوعی دیواریں کھڑی کرلیں۔ عجیب وغریب قسم کے سوالات کئے جانے لگے، مثلاً یہ کہ کیا کوئی حنفی مرد کسی شافعی عورت سے شادی کرسکتا ہے؟ تو مفتیوں نے جواب دیا کہ نہیں، یہ نکاح جائز نہیں، پھر استدراک کرتے ہوئے کہا کہ ہاں ذمی عورت کے نکاح پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہے۔ یہ کیسی

فقہ ہے؟ یہ کون سی مصیبت ہے۔ بخدا اگر امام شافعی دوبارہ دنیا میں آ جائیں تو سوال کرنے والے اور جواب دینے والے دونوں سے براءت کا اظہار کریں گے۔ مختلف مسالک کے درمیان تقریب کا کام امام شاطبی نے اور ان سے پہلے امام سبکی اور امام اسنوی وغیرہ نے انجام دیا ہے۔ فکر مقاصدی کے پیش نظر کبار علماء امت مسلمانوں کے درمیان تقریب چاہتے تھے۔ ارشاد باری ہے: "إن هذه أمتكم أمة واحدة وأنا ربكم فاعبدون" (سورۂ انبیاء: ۹۲) (بے شک یہی ہے تمہارا طریقہ، طریقۂ واحد اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی پرستش کرو)۔ فقیہ کا اتنا عقلی تناظر ضرور ہونا چاہئے کہ وہ ایسے فتاوی نہ دے جن سے عوام کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ فتوی پر مشرقی، مغربی، ہندوستانی، مصری یا شامی ہونے کی چھاپ نہیں ہونی چاہئے۔ فتوی اسلامی ہونا چاہئے۔ فتوی کے ذریعہ عبادات و معاملات میں مقاصد، قواعد اور کلیات کو سامنے رکھ کر احکام و جزئیات دیئے جانے چاہئیں۔ شعائر سے دستبردار نہیں ہوا جا سکتا۔ سیدنا عمر بن الخطاب حجر اسود کو بوسہ دینے اور حج میں رمل و اضطباع جیسے شعائر سے گریز نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کا تقوی ہے۔ "ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب" (سورۂ حج: ۳۲) (اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے)۔

سیدنا حضرت عمرؓ نے فقہ مقاصدی ہی کے مد نظر مجاہدین اسلام کو زمینیں دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے فرمایا ہم تمہیں مال دیں گے، ہم تمہیں اتنا دیں گے جتنے میں تمہارا خرچ پورا ہو جائے گا اور تمہاری غیر موجودگی میں ہم مال سے تمہارے اہل و عیال کی کفالت کریں گے۔ تمہارا کام فتوحات کو آگے بڑھانا ہے۔ اگر ہم تمہیں زمینیں دیتے رہے تو تم ان کی دیکھ ریکھ ہی میں لگ جاؤ گے اور کھیت جوتنے اور ہل چلانے کے سوا کچھ نہیں کرو گے۔ لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم تمہیں زمینیں دے دیں۔ حضرت عمرؓ نے سچ فرمایا: آپ کی یہ کارروائی بڑی بالغ نظری پر مبنی تھی۔ ایسے بے شمار مسائل ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے مقاصد کلیات اور قواعد کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی

موقف اختیار کیا۔لہذا اندرونی وسائل اور بیرونی امکانات ومواقع کے مطابق ترجیحات طے ہونی چاہئے۔آپ ہندوستان میں رہ رہے ہیں۔آپ کو یہاں کی قوت وطاقت کے سرچشمہ کا علم ہونا چاہئے تا کہ اس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری ایک تاریخ ہے۔ ہماری ایک تہذیب ہے۔ ہمارے پاس مختلف علوم کے ماہرین ہیں۔ ہماری ایک بڑی تعداد ہے،بیس کروڑ ایک بڑی تعداد ہے۔ ہمارے پاس عقلی وذہنی صلاحیتوں اور توانائیوں کا خزانہ ہے۔ ہمارے پاس طاقت کا سرچشمہ ہے۔ہمیں اپنی کمزوریوں کا علم بھی ہونا چاہئے۔ ہماری صفوں میں انتشار ہے۔ ہمارے معاشرہ میں غربت اور ناخواندگی ہے۔ ہم ایک تشریعی بحران سے گذر رہے ہیں۔ایک فقہی ادارہ کی حیثیت سے ہمیں روزانہ کی ترقیات اور تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ چلنا چاہئے۔ہم عالمی بحران سے گذر رہے ہیں۔مسلمانوں کی تصویر مسخ کی جارہی ہے اور اسلام پر یلغار کی جارہی ہے۔ ہمارے پاس اپنے ٹی وی چینل نہیں ہیں، ہمارے پاس ایسے مراکز اور ادارے نہیں ہیں، جہاں ہمیں قوت کے وسائل اور موجود امکانات ومواقع سے واقف کرایا جاتا ہو۔

ایک امریکی شخص نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: ''دستیاب مواقع''۔اس کتاب میں اس نے امریکہ کو اس بات پر خوب ابھارا ہے کہ وہ سارے عالم پر حکمرانی کے موقع سے فائدہ اٹھائے۔پہلی عالمگیر جنگ کے فوراً بعد دسیوں مقالات لکھے گئے اور امریکہ کو بتایا گیا کہ گلوبلائزیشن کا نایاب موقع اسے ہاتھ آیا ہے، وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ ترغیب وتشویق کا یہ سلسلہ ۱۹۴۵، ۱۹۴۷، ۱۹۵۵اور ۱۹۶۰ تک چلتا رہا۔انہوں نے غور کیا اور تیاری کی یہاں تک کہ آج گلوبلائزیشن کا نعرہ لگا کر دنیا کو ہر لحاظ سے اپنے چنگل میں لے لیا۔ شیخ یوسف قرضاوی کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے: گلوبلائزیشن کے دور میں ہمارا اسلامی پیغام۔اس کتاب میں شیخ نے لکھا ہے کہ گلوبلائزیشن امریکہ کی طرف سے ساری دنیا پر اقتصادی، ثقافتی، سماجی اور اعتقادی ہر لحاظ سے قبضہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس نام نہاد عالمگیریت کے

بالمقابل اسلام کا پیغام ہے جو سارے جہاں کے لئے ایک رحمت ہے۔افسوس ہے کہ اللہ کے دشمن مواقع سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مسلمان ان کی سازشوں کا شکار ہو گئے ہیں۔اگر یہ موقع مسلمانوں نے گنوا دیا تو پھر دوبارہ انہیں یہ موقع نہیں ملے گا۔

شاعر نے کہا ہے:"وعاجز الرأي مضياع لفرصته – حتى إذا فاته أمر عاتب القدرا" (جو فکر کے اعتبار سے کمزور ہوتا ہے وہ موقع گنوا دیتا ہے، یہاں تک کہ جب کام کا وقت گذر جاتا ہے تو وہ تقدیر کو مورد الزام ٹھہراتا ہے)۔

آخری چیز یہ ہے کہ ہمیں تہدیدات (Threats) کا علم ہونا چاہئے۔معاشرہ کے اندر مسلمانوں کو کیا تہدیدات درپیش ہیں۔اس وقت سب سے اولین نوعیت کی تہدیدات ابلاغی، میڈیائی اور تعلیمی فتنوں کی تہدیدات ہیں۔اسی لئے میں یہ کہتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں پر لشکر اور میزائل کے حملہ سے کہیں زیادہ میڈیائی حملہ مؤثر ہے۔مجھے امید ہے کہ ہم بیدار ہوں گے، کیونکہ فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہے۔آج ایک مسلمان کو کسی عسکری مشینری سے مقابلہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، اس کے بجائے وہ ٹی وی یا انٹرنیٹ آن کرتا ہے اور فتنہ سے دوچار ہونے لگتا ہے۔خلیج اور مسلم ممالک کے اندر کی صورت حال یہ ہے کہ ستر فیصد نوجوان اباحیت کے اڈوں پر جاتے ہیں جیسا کہ ہمیں ریاض میں (wamy) کی طرف سے منعقد ایک کانفرس کے ایک تحقیقی جائزہ سے معلوم ہوا۔ستر فی صد نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اللہ تعالی کے محترم ملک کے اندر گھٹیا ترین جنسی اڈوں اور مقامات پر آنا جانا کرتے ہیں۔عفت وطہارت، پاکیزگی اور عصمت کے جواہر کہاں گئے۔تہذیب نے انسان پر یہ کیا ظلم کیا کہ اس کو اور اس کے ماحول ہی کو تباہ کر دیا۔انسان نے شراب وشباب، فسق وفجور اور اباحیت میں پڑ کر عز وشرف، جود وسخا، عفت وحیاء اور قوت کا دامن کیوں چھوڑ دیا؟ یہ تو انسان کی آخری درجہ کی تباہی ہے۔

ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ ترجیحات کا ادراک ہو۔انسان کی تمیز کو ترجیح دی جائے۔حضرت عمر بن الخطاب کی مقاصدی فکر دیکھئے۔ایک صحابی نے تمنا کی کہ کاش میرے پاس گھر بھر سونا ہوتا

تو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا۔ دوسرے نے کہا کہ کاش میرے پاس اس گھر کے برابر تلواریں اور زرہیں ہوتیں تو میں ان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتا، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا: کاش میرے پاس اس گھر کے برابر ابوعبیدہ بن جراح کی طرح افراد ہوتے۔ شیخ ابوالحسن علی ندویؒ کا ایک کتابچہ ہے جس کا عنوان ہے:" أريد أن أتحدث إلى الإخوان "(میں دوستوں سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں)۔ اس کتابچہ میں شیخ ابوالحسن نے ایک بڑی طاقتور بات کہی ہے، وہ یہ کہ عالمگیر تبدیلی اور انقلاب کی بنیاد انسان کی تعمیر ہے نہ کہ صرف انسان کے گردوپیش کی تعمیر۔ اگر ایک جھونپڑی کسی بڑی عمارت اور عالیشان محل میں تبدیل ہوگئی۔ اگر گدھے کی سواری کار میں تبدیل گئی تو یہ انسانی زندگی میں واقع ہونے والی کوئی جوہری تبدیلی نہیں ہے۔ یہ ظاہری تبدیلیاں ہیں۔ مسئلہ گردوپیش کی تبدیلی کا نہیں خود انسان کی تبدیلی کا ہے۔ ارشاد باری ہے:" إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم "(سورۂ رعد:۱۱) (بے شک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ خود اپنے میں تبدیلی نہیں کر لیتے)۔ میں نے اس سے پہلے کی گفتگو میں بھی فقہ المقاصد کے ضمن میں بعض ترجیحات کا ذکر کیا تھا یعنی فقہ وفتاوی میں آسانی اور تدریج کو ملحوظ رکھنا۔ گذشتہ سال ڈبلن میں یوروپی کونسل برائے افتاء وتحقیق کی طرف سے منعقد ہونے والے اجلاس میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے بھی مندرجہ ذیل الفاظ میں ان ترجیحات کا ذکر کیا تھا:" التيسير فى الفتوى والتبشير في الدعوة "۔ لہذا دعوت إلی اللہ میں فکر مقاصدی کا ایک جز لازماً یہ ہونا چاہئے کہ اصول میں تشدید، فتوی میں تیسیر اور اصلاح وتبدیلی کے عمل میں تدریج ملحوظ رکھی جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو منصب خلافت سنبھالنے کے بعد بہت سی شکایات موصول ہوئیں۔ آپ نے ان کے تدارک کے لئے تدریج کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک طویل منصوبہ بنایا تو ان کے بیٹے نے جو خود بہت متقی اور پرہیزگار شخص تھے ان سے سوال کیا: اگر اس حال میں آپ کا انتقال ہوگیا اور یہ شکایتیں دور نہ ہوئیں اور مظلوموں کی دادرسی نہ ہوسکی تو آپ اللہ کو کیا منہ

دکھائیں گے؟ انہوں نے جواب دیا: بیٹے! اللہ تعالی نے آسمان وزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا حالانکہ وہ انہیں ایک ہی دن میں پیدا کرنے پر قادر تھا، اور اللہ تعالی نے شراب کو تین مرحلوں میں حرام قرار دیا، اگر ایک ہی بار میں اسے حرام قرار دے دیا جاتا تو جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا وہ کہتے کہ ہم نہ زنا چھوڑیں گے نہ شراب چھوڑیں گے۔ بیٹے! کیا تمہیں اپنے باپ کا یہ طریقہ پسند نہیں کہ وہ ہر دن ایک سنت زندہ کرے اور ہر دن ایک بدعت کا خاتمہ کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں لوگوں پر حق کو نافذ کروں تو وہ پہلی ہی مرتبہ میں اس کو ترک کر دیں۔ لہذا حکمت اور مقاصدی پہلو ایک ہی مرتبہ میں ایک داعی، ایک فقیہ اور ایک مصلح کے ذہن میں موجود رہنے چاہئیں۔ اگر بغیر کسی بصیرت اور واضح نقطہ نظر کے مسائل کے جوابات دیئے جانے لگے تو یہ طرز عمل درست نہ ہوگا۔

ایک اہم نکتہ جسے فقیہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے حرام امور کے شرعی متبادل تلاش کئے جائیں، اگر آپ کسی چیز کو حرام قرار دیں تو ساتھ ہی یہ بھی بتائیں کہ اس کا متبادل کیا ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ میں رہنے والے طلبہ کے مسائل کو لیجئے۔ یونیورسٹی کا سالانہ بجٹ محدود ہے مثلاً سالانہ پندرہ ہزار ڈالر، اور صرف میڈیکل اور لا کی تعلیم کے لئے مثلاً سالانہ چالیس ہزار ڈالر چاہئے، اب اگر یونیورسٹی سود پر قرض نہیں لیتی ہے تو اس کے مصارف کیسے پورے ہوں گے، اور کوئی ایسا ادارہ نہیں جو سو فی صد غیر سودی قرض دے، البتہ بعض ادارے ایسے ہیں جو آسان شرطوں پر سودی قرض دیتے ہیں، اگر پچاس سال تک بھی قرض ادا نہ کئے جائیں تو کوئی حرج محسوس نہ ہو۔ تو ایسی صورت میں آپ یورپ و امریکہ میں رہنے والے مسلمان بچوں اور طلبہ سے کیا کہیں گے، تعلیم حاصل نہ کرو، کیونکہ اس میں سود ہے، یہ حرام ہے، یہ ناجائز ہے، نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی نا کہ وہ جاہل رہ جائیں گے۔ اب مقاصد کی روشنی میں غور کیجئے، کیا یہ بڑا سنگین خطرہ نہیں کہ مسلمان جاہل یا بے روزگار رہ جائیں حالانکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" (سورۂ نساء: ۱۴۱) (اور اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ

ہونے دے گا)۔اب ایک مسلمان نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق کفار پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے لون لیا اور ڈاکٹر بن گیا، وکیل بن گیا، انجینئر بن گیا، موجد اور تخلیق کار بن گیا تو کیا اس نے بڑے خطرہ کو دور نہیں کیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ آسان مسائل ہیں اور ان کا فیصلہ ہر ہر فرد کو اپنے طور پر کر لینا چاہئے۔ نہیں، میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری فقہی اکیڈمیوں پر واجب ہے کہ مل بیٹھ کر وہ ان سنگین مسائل پر غور کریں اور سوچیں کہ کیا ان کا متبادل ہے؟ ہم اگر مسلم بینکوں کے پاس جاتے ہیں، بعض اصحاب ثروت سے رقم حاصل کرتے ہیں تو ان پر ٹیکس عائد ہو جاتا ہے، کیا کوئی سروے رپورٹ ایسی ہے جو یہ بتاتی ہو کہ آج کے بے رحم معاشرہ میں اگر کسی مسلمان بچہ کو پڑھایا لکھایا نہ جائے، کمپیوٹر کی تعلیم نہ دلائی جائے، گریجویشن کی سطح کی تعلیم نہ دلائی جائے تو وہ سماج کا کوئی صالح عنصر رہ سکے گا؟ کیا بے کار گھر بیٹھے رہنا اس کے لئے کسی بھی حیثیت سے مفید ہوگا؟ اس لئے ہمیں فقہ مقاصد کی روشنی میں ان مسائل پر غور وخوض کر کے ان کے شرعی متبادل ڈھونڈ ھنے ہوں گے۔ دیکھئے حضرت بلالؓ اور حضرت ابن الحارث نے ایک صاع بہتر کھجوریں دو صاع گھٹیا کھجوروں کے عوض خریدیں تو آپ ﷺ نے اسے عین ربا قرار دیا اور حرام ٹھہرایا، پھر اس کا متبادل ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اگر تم ان دو صاع گھٹیا کھجوروں کو فروخت کر دیتے اور ان کی قیمت سے ایک صاع اچھی کھجور خرید لیتے تو یہ جائز ہوتا۔ آپ ﷺ نے متبادل پیش کیا، صرف حرام کہہ کر نہیں رک گئے۔

اگر کوئی موسیقار مسلمان ہو جاتا ہے اور اپنے فن سے اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اسلامی ترانوں اور نغموں کو عروج بخشتا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی حرج اور شرعی قباحت ہے۔ ایک جزائری نوجوان جس کے والد الجزائر کے رہنے والے تھے اور وہ خود جرمنی میں پیدا ہوا تھا، موسیقی کا ماہر تھا۔ اس کی آواز میں بے انتہاء مٹھاس اور گھلاوٹ تھی۔ میرے کچھ دوستوں نے اس کے فن اور پیشے کو حرام قرار دے دیا، میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ نوجوان یہودیوں کے یہاں پیدا ہوتا تو وہ ہزاروں سی ڈی تیار کر کے پوری دنیا میں انہیں پھیلا دیتے اور پوری دنیا اور پورے

جرمن سماج میں اس کے نغمے کے جادو جگاتے۔ اگر یہ شخص اپنے فن کو استعمال کر کے اسلام کی قوت وشوکت، مسلم نوجوانوں کی فتوت، مسلمانوں کی اخوت، باپ کی ابوت، ماں کی امومت، لوگوں کے ربط باہم، غریبوں اور مسکینوں کی کفالت جیسے موضوعات پر اسلامی تعلیمات کی اشاعت سمعی آلات کے ذریعہ کرتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ تم لوگ اس نوجوان کے نغموں پر مشتمل سی ڈیز تیار کرو اور پورے جرمن میں مسلم وغیر مسلم سب میں اس کو عام کرو، اس طرح اللہ کا پیغام سارے بندگان خدا تک پہنچاؤ، اس کام کو احسن طریق پر انجام دینے کے لئے ایک فنی کمیٹی تشکیل دو۔ جب میں دوبارہ وہاں گیا تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ کی تجویز سے ہم لوگ بے حد متاثر ہوئے۔ دیکھئے یہ اس بھائی کی دوسری سی ڈی ہے۔ یہ اب تک کی سب سے بہتر سی ڈی ہے۔ جرمنی کے مسلم اور غیر مسلم بھائیوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ہماری اپنی سائٹس ہونی چاہئیں۔ ٹی وی چینلز ہونے چاہئیں۔ سیریلز ہوں۔ ڈرامے ہوں۔ نغمے ہوں۔ پہاڑوں، سمندروں اور دریاؤں کے مناظر دکھائے جائیں۔ ڈسکوریز ہوں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ میڈیا کی فیلڈ میں متبادل پیدا کرلیں اور اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں پروان چڑھائیں۔ دیار غرب میں مقیم مسلمانوں کو متبادل پیش کرنے کا چیلنج درپیش ہے۔ یہ فریضہ دعوت اسلامی کا بھی تقاضا ہے۔ ''ما لا یتم الواجب إلا به فهو واجب'' (جس ذریعہ کے بغیر فرض سے عہدہ برآ نہیں ہوا جاسکتا ہے اس ذریعہ کا حصول بھی واجب ہے)۔

اگر حصول مال کے ملئے یا سیاحت کی غرض سے دیگر ممالک میں اقامت اختیار کی جائے تو جائز ہے اور دعوت کا تقاضا ہو تو ان ممالک کی طرف ہجرت واجب ہے۔ اشیاء میں اصل اباحت ہے سوائے ان چیزوں کے جن کی حرمت کی دلیل موجود ہو۔

مسجد ضرار کے سلسلے میں آپ ﷺ کا طرز عمل، سواد عراق کی زمینوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کا موقف، مکہ، مدینہ اور حبشہ میں اقامت کے درمیان فرق، حبشہ کی طرف ہجرت کر کے اور وہاں قیام کر کے ایک اصلاحی پیغام کی اشاعت، جب مدینہ واحد دار الاسلام تھا تو اس کی

طرف ہجرت کا واجب ہونا اور اسلام کی اشاعت اور دار الاسلام کی کثرت کے بعد آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ "لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية" (فتح مکہ کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں البتہ جہاد اور نیت بدستور باقی ہیں)۔ اور حضرت ابن عباس کا ایک شخص کے سوال: کیا مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہوگی؟ کے جواب میں کہنا کہ نہیں اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ ان تمام امور کا محور فکر مقاصدی ہے۔ ان تمام مسائل میں جو موقف اختیار کیا وہ فکر مقاصدی پر مبنی تھا۔

یوروپی ممالک میں رہنے اور وہاں کے لوگوں سے روابط رکھنے اور ولاء و براء کے مسئلہ کے درمیان فرق کیا جانا چاہئے۔ بیشتر لوگوں نے اس معاملہ میں غیر منصفانہ موقف اختیار کیا ہے۔ لوگوں سے تعامل اور ان سے موالات کے درمیان جو فرق ہے اس کو سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالی نے موالات کو حرام اور تعامل کو جائز قرار دیا ہے: "لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم (سورۂ ممتحنہ: ۸) (اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا)۔ وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم الخ" (سورۂ مائدہ: ۵) (اور جو لوگ اہل کتاب ہیں ان کا کھانا تمہارے لئے جائز اور تمہارا کھانا ان کے لئے جائز اور (اسی طرح تمہارے لئے جائز ہیں) مسلمان پارسائیں اور ان کی پارسائیں جن کو تم سے قبل کتاب مل چکی ہے۔ الخ)۔

امام محمد طاہر بن عاشور نے اپنی "المقاصد" میں ذکر کیا ہے کہ اہل ایمان کا کھانا اہل کتاب کے لئے اور اہل کتاب کا کھانا اہل ایمان کے لئے اس لئے جائز قرار دیا گیا ہے تاکہ باہم ربط و تعلق کو آسان بنایا جائے اور مسلمان ان کو متاثر کر سکیں۔ اگر ایک شخص کی بیوی غیر مسلم کتابیہ ہے تو کیا آپ اس کو اپنی بیوی اور شریک معاشرت سے ملنے سے روک دیں گے۔ اس کا ولاء و براء سے کیا تعلق ہے؟ آپ تو غیر مسلم ماں، پھوپھی، خالہ، نانی وغیرہ تمام اقارب کے ساتھ

اسلام کی رو سے حسن سلوک کرنے کے پابند ہیں۔حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری والدہ میرے پاس آئی ہیں جو مشرکہ ہیں اور یہ مجھ سے ہدیہ چاہتی ہیں، کیا میں انہیں ہدیہ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ آپ ﷺ نے قبطیوں کے سردار مقوقس کا ہدیہ قبول کیا۔آپ ﷺ نے حضرت ام حبیبہ کے والد ابوسفیانؓ کی تکریم کی۔ یہ موالات نہیں ہے۔ولاء یہ ہے کہ انسان اہل ایمان کے بجائے کفار سے دوستی و محبت رکھے، عملاً مسلمانوں کے خلاف ان کا ساتھ دے جیسا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں آپ ﷺ کے موقف سے ثابت ہوتا ہے۔آپ ﷺ نے ان کو اس لئے معاف فرمادیا کہ حضرت حاطب کی دلی محبت مسلمانوں کے ساتھ تھی۔نفاق یا غیر مسلم سے ولاء یہ ہے کہ غیر اسلامی قوانین کو مرجع تسلیم کیا جائے، دل سے مسلمانوں کے بجائے ان سے محبت کی جائے اور مسلمانوں کے خلاف ان کا ساتھ دیا جائے۔

سیاسی تحریک میں شمولیت بھی فقہ المقاصد کی رو سے ضروری ہے۔اس سلسلے میں قواعد شرعیہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔فقہ المقاصد کسی ظنی دلیل کو اختیار کرنے سے بالاتر ہے۔یہ قواعد شرعیہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱-''مالا یتم الواجب إلا به فهو واجب''(جس چیز کے بغیر کسی واجب کا حصول نہ ہو پائے اس چیز کا حصول بھی واجب ہے)۔

۲-''الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف''(شدید تر نقصان کو خفیف تر نقصان کے ذریعہ دور کیا جائے گا)۔

۳-''الاحتياط لجلب المصالح ودفع المفاسد''(مصالح کے حصول اور مفاسد کے ازالہ میں احتیاط ملحوظ رکھی جائے گی)۔

۴-''اعتبار الذرائع''(ذرائع کا معتبر ہونا)۔

۵-''الأمور بمقاصدها''(معاملات اپنے مقاصد سے مربوط ہیں)۔

اس کی تائید علماء امت کے اجتہادات، ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور شیخ الازہر کے فتاوی، شمالی امریکہ میں منعقد ہونے والی علماء شریعت کانفرنس کی قرارداد، یوروپی کونسل برائے افتاء وتحقیق کے فیصلے اور دیگر فقہی اکیڈمیوں کے فیصلوں سے ہوتی ہے۔ میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی طرف سے بھی اس سلسلے میں ایک فتوی چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ فتوی جلد یا بدیر مجھے مل جائے گا۔ اس سلسلے میں شیخ زیدان، شیخ صالح المنجد، مفتی مصر شیخ فرید واصل اور ڈاکٹر طہ جابر العلوانی کے فتاوی بھی موجود ہیں۔ لیکن اقتدار میں شراکت کے کچھ اصول وضوابط ہیں۔ میرا اس موضوع پر ایک مکمل مقالہ ہے۔ میں نے اس مقالہ میں سیاست میں حصہ لینے کے ضوابط بیان کئے ہیں اور ان کی دو قسمیں کی ہیں: ۱۔عمومی ضوابط، ۲۔خصوصی ضوابط، لیکن مقالہ میں جو پہلو محوری ہے وہ فکر مقاصدی سے متعلق ہے یعنی یہ وضاحت کہ اقتدار میں شراکت کی ضرورت اس لئے ہے کہ مسلمان روئے زمین پر غالب آئیں، ان کی معاشی بدحالی خوشحالی میں تبدیل ہو، وہ اس قابل ہوسکیں کہ نہ صرف اپنی تقدیر کا فیصلہ کرسکیں بلکہ دوسروں کی تقدیر کا بھی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ ہم دنیا کے جس خطہ اور ملک میں بھی ہوں ہمارا فرض ہے کہ زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کریں تاکہ پالیسی سازی اور فیصلوں پر اثر انداز ہوسکیں۔

فقہ المقاصد ہی کی روشنی میں یہ مسئلہ بھی حل کیا جانا چاہئے کہ اگر بیوی مسلمان ہوجائے اور اس کے شوہر نے اسلام قبول نہ کیا ہو تو کیا دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی۔ اگر ایک شخص امریکی معاشرہ کا جائزہ لے تو اسے معلوم ہوگا کہ ہر سال امریکہ میں تیس ہزار لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، ان میں تقریباً اٹھارہ ہزار عورتیں اور بارہ ہزار مرد۔ اکثریت عورتوں کی ہے۔ محتاط اندازہ کے مطابق مردوں کی بارہ ہزار تعداد میں سے دو ہزار کی ازدواجی صورت حال کو الگ کردیا جائے تو عورتوں کی ہر اٹھارہ ہزار کی تعداد کے بالمقابل مردوں کی صرف دس ہزار کی تعداد رہ جاتی ہے۔ گویا عورتوں کی ایک بڑی تعداد کے مقابلہ میں اسلام قبول کرنے والے مرد موجود نہیں ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ ان عورتوں کی شادیاں ان کے مہاجر مسلمان بھائیوں

سے کردی جائے تو سوال یہ ہے کہ ان کی بیویوں کا کیا ہوگا؟ امریکہ میں مقیم عربوں کی بیویاں کہاں جائیں گی؟ لہذا اس مسئلہ پر مقاصد کے پہلو سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قاعدہ شرعی یا مقصد شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مرد کے ساتھ ایک عورت تو ہونی ہی چاہئے۔ کیونکہ عورت کے بغیر مرد کو وہ سکون مل ہی نہیں سکتا جو شریعت کا مقصود ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا: "اسکن انت وزوجک الجنة" (سورۂ بقرہ: ۳۵) (تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو)۔ اس حال میں اگر ایک شخص محل میں بھی رہ رہا ہو تو وہ سکن سے بہرہ مند نہیں کہلا سکتا، بیوی کے بغیر تو اس کا محل محض اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر شدہ ایک ڈھانچہ ہے، وہ سکن تبھی ہوگا جب اس کے ساتھ اس کی بیوی ہوگی۔ جیسے کہ مائدہ کہ کھانے کے بغیر مائدہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن میں اس مائدہ کا ذکر اس طرح ہے: "هل يستطيع ربك أن ينزل علينا مائدة من السماء" (سورۂ مائدہ: ۱۱۲) (کیا آپ کا پروردگار اس کو جائز رکھتا ہے کہ ہم پر کھانا آسمان سے اتارے)۔ یعنی مائدة من الطعام (کھانے کا دسترخوان) کیونکہ مائدہ کا اطلاق ہی اس دسترخوان پر ہوتا ہے جس پر کھانا ہو۔ اسے خوان بھی کہتے ہیں۔ الغرض ازدواجی زندگی میں سکن ضروری ہے۔ یہ انسان کی اندرونی طبیعت کا تقاضا ہے۔ انسان عورت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ مرد کو عورت سے جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، چار قسم کے مقاصد مطلوب ہوتے ہیں:

۱-نفسیاتی الفت ومحبت، ۲-جسمانی حصول لذت اور لطف اندوزی، ۳-اولاد کی طلب، ۴-سماجی قرابت ورشتہ داری۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مغرب کے مردوں اور عورتوں میں بے انتہاء جنسی ہیجان ہوتا ہے۔ وہ جنسی جذبات کو بھڑکانے کے لئے مختلف قسم کی دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ سید قطب شہید نے ان کے اسی بے لگام شہوانی جذبہ کو سُعار جنسی سے تعبیر کیا ہے۔ اس صورت حال کو مدنظر رکھ کر آپ بتائیے کہ اگر مغرب میں کوئی عورت مسلمان ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے ہاں اس کو کوئی شوہر نہیں ملتا ہے، اور اسلام قبول کرنے کے بعد وہ بغیر شوہر کے رہ نہیں سکتی ہے تو اب وہ

کتنے دنوں تک انتظار کرے گی۔ ایک ہفتہ، دو ہفتہ، ایک عرب عورت اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں ایک مہینہ یا دو مہینہ تک صبر کرسکتی ہے اور اس کے بعد اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے بس کہانی ختم۔ سیدنا عمر بن الخطابؓ جب مدینہ میں رات کے وقت گشت کر رہے تھے تو آپ نے ایک عورت کو یہ شعر پڑھتے سنا: "فو الله لو لا الله لا شيء غيره . لاهتز من هذا السرير جوانبه" (بخدا اگر اللہ نہ ہوتا جس کے علاوہ کوئی چیز یہاں موجود نہیں ہے تو اس چارپائی سے اس کے تمام کنارہ ہل جاتے)۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ وہ مصروف جہاد ہے۔ اس کے بعد آپ اپنی بیٹی حضرت حفصہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ عورت اپنے شوہر کے غائبانہ میں کتنی مدت تک صبر کرسکتی ہے؟ تو ان کی صاحبزادی نے کہا: وہ ایک مہینہ تک کرتی ہے اور دو مہینوں کے بعد اس کا صبر کم ہو جاتا ہے اور تین مہینوں کے بعد اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی سے اللہ کا واسطہ دے کر دریافت کیا تھا تو انہوں نے جو خود عفت وطہارت کا پیکر تھیں فرمایا تھا کہ تین ماہ کے بعد عورت صبر نہیں کرسکتی۔ اب آپ بتائیے کہ امریکی، یا یوروپی یا ہندوستانی کوئی بھی عورت جو اسلام لائی ہو کتنے دنوں تک برداشت کرسکتی ہے؟ بخدا وہ ایک ماہ تک بھی صبر نہیں کرسکتی۔ چند دنوں کے بعد اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو جائے گا۔ ایسی عورت اگر یوں ہی چھوڑ دی گئی تو قبول اسلام کے بعد کئی مردوں سے زنا کرے گی۔ اور جب زنا کا ارتکاب کرے گی تو نہ جانے کتنے لوگوں کے لئے فساد کا موجب بنے گی۔

ہمیں اس مسئلہ میں علماء کی آراء ملیں۔ ہم نے بچپن میں پڑھا تھا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ میں نے اجماع کے اس دعوی کی تحقیق میں تقریباً دو سال صرف کر دیئے۔ پڑھتا رہا، مطالعہ کرتا رہا، تحقیق ونقد سے کام لیتا رہا یہاں تک کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ اس مسئلہ میں اجماع نہیں ہے، محض اس کا دعوی ہے حقیقی اجماع نہیں۔ میں نے اپنے مقالہ میں ۲۵ صفحات صرف اس اجماع کی حقیقت پر سیاہ کر ڈالے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں علماء کی مختلف آراء ہیں:

۱- امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو عقد فسخ ہو جائے گا۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔

۲- امام مالکؒ کے نزدیک مدخول بہا کی عدت ختم ہونے کے وقت نکاح فسخ ہو گا۔

۳- ابن شبرمہ فرماتے ہیں کہ اگر بیوی شوہر سے پہلے مسلمان ہوئی تو فوراً تفریق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے شوہر کے بعد اسلام قبول کیا تو عدت پوری ہونے پر تفریق واقع ہو گی۔

۴- امام اوزاعی، امام زہری، امام لیث، امام احمد اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ عورت اور مرد ہر ایک کے لئے عدت کا اعتبار کیا جائے گا۔

۵- حضرت عمر بن الخطاب کی رائے جس کو ابن القیم اور ابن تیمیہ نے اور ہم لوگوں نے یوروپی کونسل برائے افتاء و تحقیق میں اور مجلس فقہی برائے شمالی امریکہ نے اختیار کیا، یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہے گی اور اس کے اسلام قبول کرنے کا انتظار کرے گی اگر چہ اس انتظار میں کئی سال گذر جائیں۔ جب ہم لوگوں نے اس رائے پر فتوی دیا تو خلیج کے علاقوں میں ہمارے خلاف بہت کچھ لکھا گیا اور کہا گیا کہ ہم لوگ دین سے منحرف لوگ ہیں اور یہ کہ ہم لوگ اقتدار اور حکام کے علماء ہیں۔ اقتدار اعلیٰ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہے۔

۶- سیدنا علی بن ابی طالب اور امام شعبی نے فرمایا کہ اس عورت کا شوہر اس کا زیادہ مستحق ہے بشرطیکہ وہ شوہر کے ملک سے باہر نہ گئی ہو۔

۷- امام زہری فرماتے ہیں کہ وہ دونوں اس وقت تک اپنے سابقہ نکاح پر برقرار رہیں گے جب تک سلطان ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کرادے۔

۸- داؤد بن علی اور احمد بن سفیان کہتے ہیں کہ وہ عورت اپنی موت تک اپنے شوہر کے پاس رہے گی۔

ڈاکٹر عبداللہ الجدیع نے جو برطانیہ میں مقیم عراق کے ممتاز محققین میں سے ہیں اس

موضوع پر ہر پہلو سے تحقیق کی ہے، اور اسے یوروپی کونسل برائے افتاء وتحقیق نے تین جلدوں میں شائع کیا۔

اس مسئلہ میں ہمارا اعتماد نصوص پر ہے تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم مقاصد کو اختیار کرتے ہیں اور نصوص کو چھوڑتے ہیں۔ یہ درست نہیں جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا۔ جب عاص بن الربیع جو مشرک تھے اپنی بیوی زینب بنت رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے چھ سال بعد مدینہ آئے اور حضرت زینب نے دریافت کیا کہ کیا وہ ان کے پاس قیام کریں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمہارے شوہر ہیں۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ تم تک نہ پہنچیں۔آپ ﷺ کا یہ فرمان دراصل ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے تھا۔بہر حال آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمہارے شوہر ہیں۔آپ ﷺ نے دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی۔

رہ گئی بات قرآن مجید کی اس آیت کی: "یا أیھا الذین آمنوا إذ جاء کم المؤمنات مھاجرات فامتحنوھن الخ" (سورۂ ممتحنہ: ۱۰) (اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کر لیا کرو ...الخ)۔تو اس کا محمل یہ نہیں ہے۔اس وقت صورت حال یہ ہوتی تھی کہ عورت مکہ میں اپنے شوہر کے ساتھ ہوتی پھر اسلام قبول کر لیتی تو اسے اپنے دین کو ترک کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ایسی صورت میں وہ اپنے شوہر کا ملک چھوڑ کر مسلمانوں کے ملک کی طرف ہجرت کر جاتی تھی۔ان عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا: "لا ترجعوھن إلی الکفار لاھن حل لھم ولاھم یحلون لھن" (سورۂ ممتحنہ: ۱۰) (ایسی عورتوں کو کفار کی طرف واپس نہ بھیجو، نہ وہ عورتیں ان کفار مردوں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ مرد ان عورتوں کے لئے حلال ہیں)۔اس آیت کا انطباق اس صورت مسئلہ پر کیا جائے گا جب عورت اپنے شوہر کے ملک سے نکل چکی ہو اور شوہر نے دین سے پھرنے کے لئے اس پر دباؤ ڈالا ہو۔ اس مسئلہ پر بہت تفصیلی مناقشہ مع دلائل وآثار کیا جا چکا ہے۔ڈاکٹر عبداللہ الجدیع اور دیگر محققین نے جیسا کہ کہا گیا اس سلسلے کے تمام دلائل اور ان پر کیے گئے مناقشوں کو جمع کر دیا ہے۔

اس موقع پر ایک بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ نصوص میں تعارض ہے لہذا ان کے درمیان تطبیق و ترجیح کیونکر ممکن ہے؟ میں یہ کہوں گا کہ فکر مقاصدی کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والی عورت کو بچایا جائے اور ایسی عورتیں امریکی معاشرہ میں لاتعداد ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ اگر تم اسلام قبول کرو گی تو تمہیں شوہر کو چھوڑنا پڑے گا، اولاد کو چھوڑنا پڑے گا تو اس کا کوئی شوہر نہ ہوگا، کوئی اس کے اخراجات پورے کرنے والا نہ ہوگا، اب وہ اپنے سلسلے میں اور اپنے بال بچوں کے سلسلے میں کیا راستہ اختیار کرے گی؟ بیشتر عورتیں یا تو اسلام قبول کر کے مرتد ہو جائیں گی یا اسلام قبول ہی نہیں کریں گی۔ اسی طرح ہم اس فتوی کے ذریعہ بندگان خدا کو اللہ کے دین سے روکنے والے ہوں گے۔ میرے بھائی! آپ آخری بات جو کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ وہ اپنے سابق شوہر کے ساتھ رہے گی تو زانیہ قرار پائے گی، مان لیجئے کہ وہ زانیہ ہے لیکن مسلمہ زانیہ، بہرحال وہ مشرکہ زانیہ سے بہتر ہے۔ لہذا یہاں سنگین تر ضرر سے بچنے کے لئے ہلکے درجہ کے ضرر کا ارتکاب کیا جائے گا۔ لیکن حقیقی صورت حال یہ نہیں ہے، تجربہ شاہد ہے کہ اگر بیوی نیک اور خوش خلق ہو تو بہت آسانی کے ساتھ امریکی معاشرہ میں اپنے شوہر کا دین بدلنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اگر شوہر کے سامنے بہتر طریقہ پر اسلام پیش کیا جائے تو وہ اسے قبول ہی کر لے گا۔ اس میں دعوت إلی اللہ کے بڑے امکانات ہیں۔ ابوسفیان بن الحارث اور عبد اللہ بن امیہ نے اپنی بیویوں سے پہلے اسلام قبول کیا اور عباس بن عبد المطلب کی بیوی ام الفضل نے اپنے شوہر سے پہلے قبول اسلام کیا لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے دونوں صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی زوجین کے درمیان تفریق نہیں کرائی۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر عورت اسلام قبول کر لے اور شوہر مشرک ہو تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ ایک روایت میں ہے: جب تک کہ وہ (شوہر) دار الہجرت میں ہو۔ ہانی بن قبیس الشیبانی کی چار بیویاں تھیں اور وہ سب کی سب مسلمان ہو گئیں اور ہانی نصرانی تھے تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ تمام بیویاں ان کے پاس رہیں گی، اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو سابقہ حالت پر برقرار رہنے اور سابق شوہر کو چھوڑنے کے

درمیان اختیار دیا جائے گا۔ میرے خیال میں زوجین کے درمیان تفریق کے قول کو اختیار کرنا اسلام سے تنفر کا باعث ہوگا، اور یہ قواعد شرعیہ کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ الجدیع تحقیق وتنقید کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ کہ اول تو یہ مسئلہ ظنی ہے قطعی نہیں۔ دوم یہ کہ اختلافی ہے اجماعی نہیں۔ سوم یہ کہ سنت میں عملی طور پر اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی عورت کے اسلام قبول کرنے کے بعد محض اسلام کی وجہ سے زوجین میں تفریق کرائی گئی ہو، اس کے برعکس عملی سنت یہ ملتی ہے کہ زوجین میں سے ایک کے اسلام قبول کر لینے کی صورت میں بھی دونوں کو ان کے نکاح پر برقرار رکھا گیا ہے، کبار صحابہ جیسے حضرت عمر اور حضرت علیؓ نے اس کا فتوی دیا ہے۔ رہ گئی سورہ ممتحنہ کی مذکور الصدر آیت: ' ولا تمسكوا بعصم الكوافر " (سورہ ممتحنہ: ۱۰) (اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو مت باقی رکھو) تو اس کو عملی سنت کے دائرہ میں سمجھنا ہوگا۔ یہاں کافر عورتوں سے مراد حربی کافر عورتیں ہیں۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہیں جس طرح کہ مسلمان عورت کافر حربی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ چہارم یہ کہ اسلام سے قبل عقد کا پایا جانا ایک یقینی امر ہے جو شک کی بنیاد پر زائل نہیں ہو سکتا۔ ان وجوہ کی بناء پر یہ تعلق صحیح ہے فاسد نہیں، اور اس عورت کا شوہر کے ساتھ رہنا جس میں وطی بھی شامل ہے، جائز و درست ہے۔

مسلمان شخص کا غیر مسلم عورت سے شادی کرنا بھی فقہ مقاصدی کے دائرہ میں غور و فکر کا متقاضی ہے۔ اس سلسلے میں جو بات متفق علیہ ہے وہ یہ کہ بت پرست عورت سے شادی جائز نہیں، ارشاد باری ہے: "ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن " (سورہ بقرہ: ۲۲۱) (اور نکاح مشرک عورتوں کے ساتھ نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں) اور ملحد سے بدرجہ اولی جائز نہیں۔ یہی حکم مرتدہ کا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فاولئك حبطت أعمالهم في الدنيا والآخرة" (سورہ بقرہ: ۲۱۷) (اور جو کوئی بھی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور اس حال میں کہ وہ کافر ہے مر جائے تو یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے)۔ یہی حکم بہائی عورت کا بھی ہے، کیونکہ وہ

مشرکہ ہے۔اس کے برعکس جمہور کی رائے کے مطابق کتابیہ سے نکاح درست ہے بشرطیکہ وہ عفیفہ ہو۔ارشاد باری ہے: "**والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين أوتو الكتاب من قبلكم الخ**"(سورۂ مائدہ:۵)(اور(اسی طرح تمہارے لئے جائز ہیں) (مسلمان پارسائیں اور ان کی پارسائیں جن کو تم سے قبل کتاب مل چکی ہے .....الخ)،بعض مجتہدین آیت: "**ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن**" سے استدلال کرتے ہوئے اس کو ناجائز ٹھہراتے ہیں۔ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ جو عورت حضرت عیسیٰ کو اپنا رب مانتی ہو اس کے مشرکہ اور کافرہ ہونے میں کیا شک ہے؟ لیکن میں کہتا ہوں کہ کیا انہوں نے اللہ تعالی کا یہ ارشاد نہیں پڑھا: "**لقد كفر الذين قالوا إن الله هو المسيح بن مريم**"(سورۂ مائدہ:۱۷) (وہ لوگ یقیناً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو عین مسیح ابن مریم ہے)،اس کے باوجود اللہ تعالی نے اہل کتاب کے ساتھ خصوصی معاملہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: "**والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين أوتوا الكعاب من قبلكم**"(سورۂ مائدہ:۵)،اس کے ساتھ ساتھ آپ اس پر بھی غور کریں کہ موجودہ صورت حال میں فقہ مقاصدی کا تقاضا کیا ہے؟ حالات حاضرہ میں اس کے جواز کا فتوی دیا جانا چاہئے یا عدم جواز کا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ نوجوانوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جس نے امریکہ کا سفر کیا اور وہاں انہیں قیام کی اجازت نہیں ملی تو انہوں نے اس کا خیال کئے بغیر کہ عورت کتابیہ ہے یا غیر کتابیہ شادی کر لی، ایسی عورتوں سے اولادیں بھی ہوئیں۔ بعد میں زوجین کے درمیان علاحدگی ہوگئی۔اب امریکی قانون کی رو سے اولاد بیوی کی ہوئی۔ماں کے اثر سے ان بچوں نے بھی شرک کیا اور غیر مسلم ہو رہے جبکہ ان کے باپ مسلمان تھے۔ یہاں ایسا بہت ہوتا ہے کہ ازدواجی رشتوں کی برقراری کی صورت میں بھی عورتیں اپنے خاوندوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ شوہر اپنی بیویوں کے زیر اثر مسجد سے رابطہ نہیں رکھتے لیکن بیوی کے ساتھ چرچ ضرور جاتے ہیں کجا کہ وہ اپنی بیوی کو مسجد لے جائیں۔ یہودی یا نصرانی عورتوں سے شادی کرنے والے

مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد امریکہ میں اس صورت حال سے لڑ رہی ہے۔ان حالات میں محترم ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے عورت کے کتابیہ ہونے کا پوری طرح اطمینان کر لینا شرط قرار دیا ہے۔

اس وقت کتابیہ ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ پچیس فیصد امریکی نوجوان لڑکیاں چرچ نہیں جاتیں، نہ ان کا کوئی مذہب ہے، مسیحیت محض ظاہری طور پر صلیب لگانے سے جانی جاتی ہے۔ بیشتر عورتوں کا حال یہ ہے کہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ تم چرچ جاتی ہو؟ تو وہ کہے گی: نہیں، آپ پوچھیں گے: تم عیسائیت کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟ وہ جواب دے گی: نہیں۔ آپ اس سے پوچھئے: تمہارا کوئی مذہب ہے؟ وہ کہے گی: نہیں۔ لہذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا کہ اس کا رجسٹریشن یہودیہ یا نصرانیہ یا کتابیہ کی حیثیت سے ہے یا یہ کہ اس کا باپ اس دین پر ایمان رکھتا تھا، نہیں ایسی عورت ملحدہ ہے۔ اس سے نکاح جائز نہیں۔ محض صلیب سے یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کہ وہ نصرانیہ ہے۔ اس بات کا قطعی طور پر اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ وہ دین مسیحیت پر ایمان رکھتی ہو۔ یہ ایسا ہی ہوا جیسے ہمارے ہاں مصر میں کہا جاتا ہے کہ یہ اشتراکی مسلم ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں لبرل یعنی سیکولر مسلم ہوں، یہ کیسا اسلام ہے، قرآن کی نظر میں تو مومن صرف وہ ہے جس کا کردار یہ ہو: ''ومن أحسن قولاً ممن دعا إلى الله وعمل صالحاً وقال إنني من المسلمين'' (سورۂ فصلت: ۳۳) (اور اس سے بہتر بات کس کی ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں)۔

لہذا ہم پر واجب ہے کہ ہم پورے طور پر دیکھ لیں کہ وہ حقیقت میں کتابیہ ہے بھی یا نہیں۔ اسی طرح اس کے عفیفہ اور محصنہ ہونے کا یقین حاصل کر لیں۔ اللہ تعالی نے مومن اور اہل کتاب دونوں عورتوں کے ساتھ اِحصان (پاکدامنی) کے وصف کا ذکر فرمایا ہے۔ اِحصان کیا ہے؟ اِحصان کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا ایمان اس بات پر ہو کہ عفت وعصمت ایک ایسا جوہر اور کردار ہے جس کی پوری طرح پابندی ضروری ہے، اس معاملہ میں کوئی نرمی اور ڈھیل درست نہیں ہے۔ لیکن آج کی امریکی اور یورپی سوسائٹی کا حال یہ ہے کہ اگر بیس سال کی کوئی لڑکی غیر قانونی

جنسی تعلقات میں ملوث نہ ہو اور اس کا کوئی بوائے فرینڈ نہ ہو تو اسے ایک بیمار عنصر سمجھا جاتا ہے۔ اسے آزادی اور تہذیب حاضر کا ایک المیہ مانا جاتا ہے۔ لہٰذا جس کتابیہ سے شادی کی جارہی ہو اس کا عفت و پاکدامنی پر ایمان رکھنے والا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ وہ اسلام دشمن صہیونی یا صلیبی نہ ہو تا کہ بعد میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہو اور بڑا ضرر لاحق نہ ہو۔ امریکی اور یوروپی سوسائٹی میں کتابیہ سے شادی کی صورت میں یہ امر ملحوظ رہے کہ مرد کی حیثیت قوام کی ہے۔ اگر مرد اپنی قوامیت نہیں منوائے گا تو وہی ہو گا جس کا ایک بار جب میں بوسٹن کی مسجد میں معتکف تھا، میں نے مشاہدہ کیا، ایک شخص کی بیوی نے اس کی پٹائی کر کے اور اسے دھکا دے کر گھر سے باہر نکال دیا، اب وہ میرے پاس دو بجے رات میں مسجد میں سونے کے لئے آیا اور اس نے سارا ماجرا سنایا۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہیں کس نے مجبور کیا تھا کہ ایک پٹائی کرنے والی امریکی عورت سے شادی کرو اور بعد میں آ کر یہ کہو کہ میری پٹائی ہوئی اور میری مردانگی پر حرف آیا وغیرہ۔ کیوں نہ اپنے ملک، اپنے خاندان، اپنے قبیلہ میں شادی کی تا کہ مال اور دین کا کوئی فتنہ نہ برپا ہو۔ جب خود ہمارے پاس کثیر تعداد میں مسلمان لڑکیاں ہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کریں۔

اس سلسلے میں حضرت عمر کا وہ خط قابل تقلید ہے جو انہوں نے حضرت حذیفہ کے نام لکھا تھا۔ یہ خط مسائل کے حل میں فقہ المقاصد کا عمدہ ترین نمونہ ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان نے ایک کتابی عورت نے شادی کر لی تھی اور یہ خبر حضرت عمر کو پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ تم لوگ دوسروں کے لئے نمونہ بنو گے، تم مسلمان مجاہدین کے گھروں میں کسی کو لا کر بسا رہے ہو ذرا خیال کرو، جزیرۃ العرب کی ایک مسلمان عورت ایک خاوند کی غیر موجودگی میں اپنی عفت و عصمت کا پورا پورا تحفظ کرے اور بے تابی سے شوہر کی منتظر رہے اور تم اہل کتاب سے شادی کر کے مجاہدین فی سبیل اللہ کے گھروں کو تباہ کرو، میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، میرا یہ خط تمہیں جیسے ہی ملے اسی وقت تم اس کتابیہ عورت کو طلاق دے دو۔ حضرت حذیفہ نے موقع کی

نزاکت کا ادراک کرتے ہوئے اس عورت کو طلاق دے دی تا کہ یہ مسئلہ آگے چل کر کہیں امت مسلمہ کے لئے فتنہ اور ضرر کا باعث نہ بن جائے۔ اسی لئے موجودہ صورت حال میں یہ دیکھا جانا بھی ضروری ہے کہ کہیں اہل کتاب کی عورتیں امت مسلمہ کے خلاف جاسوسی کے لئے تو نہیں مسلمانوں کے نکاح میں آ رہی ہیں۔ تاریخی تجزیئے اور مطالعے بتاتے ہیں کہ یورپ اور بطور خاص یہودی اپنی عورتوں کو خلافت عثمانیہ کے امراء اور قائدین کی بیویوں کی حیثیت سے ان کے گھروں میں گھسانے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح ان سے ان امراء اور حکام کے خلاف جاسوسی کرائی اور ان کی زندگی ہی میں اپنی ریشہ دوانیوں سے ہر ہر میدان میں فساد پھیلا۔

آخری مسئلہ جس پر میں سرسری گفتگو کر کے اپنی بات ختم کروں گا وہ میراث ہے۔ مسلم اقلیتوں کو جو نازک ترین مسائل درپیش ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اس سلسلے میں لاتعداد واقعات بطور ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان شخص کا غیر مسلم مورث انتقال کرتا ہے اور اس کے پاس لاکھوں کی دولت اور جائداد ہوتی ہے اور اس پوری دولت کا واحد وارث اس کا مسلمان عزیز ہوتا ہے۔ اگر وہ میراث میں اپنا حق نہ لے تو یہ پورا مال چرچ کو چلا جائے گا، اس سے جنگوں کو بھڑکانے میں لوگوں کو ابھارا جائے گا اور صہیونیوں کو اس سے معاشی اور فوجی طور پر مستحکم کیا جائے گا۔ اب ایسی صورت میں کیا ہم اپنا ہاتھ باندھے یہ تماشہ دیکھتے رہیں کہ ہمارے مال سے اسلام دشمن خوب خوب فائدہ اٹھائیں اور ہم یہ اعلان کرتے پھریں کہ تین چیزیں وارث ہونے سے روکتی ہیں: غلامی، قتل اور اختلاف دین۔ موانع ارث کے قانون میں ہمیں حضرت عمر بن الخطاب، حضرت سیدنا معاذ بن جبل، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، محمد بن الحنفیہ، علی بن الحسین، شیخ التابعین سعید بن المسیب، مسروق، عبداللہ بن معقل، شعبی، یحیی بن یعمر، اسحاق، ابن القیم اور ابن تیمیہ جیسے مجتہد علماء کی یہ رائے بھی ملتی ہے کہ مسلمان غیر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان حربی تعلق نہ ہو یعنی وہ ایک دوسرے کے لئے حربی نہ ہوں، موانع ارث میں جہاں اختلاف دین کا تذکرہ ہے اس سے مراد ان حضرات کے

نزدیک مسلمان اور حربی کافر کے درمیان پایا جانے والا اختلاف دین ہے، نہ کہ مطلق اختلاف دین۔ یوروپی کونسل برائے افتاء وتحقیق اور فقہی کونسل برائے شمالی امریکہ نے بھی اسی قول پر فتوی دیا ہے۔ فقہ المقاصد کے نقطہ نظر سے غور کیجئے تو یہی موقف درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام انسان کے سرمایہ میں اضافہ کرتا ہے نہ کہ کمی، کتنی عجیب بات ہے کہ اگر مرنے والے کا کوئی غیر مسلم بھائی ہو تو وہ تو اس دولت سے خوب عیش کرے اور اسی کا دوسرا مسلمان مفلوک الحال بھائی اس سے محروم رہے صرف اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ متوفی کی دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ ہونے سے روکنا نہیں تو اور کیا ہے۔

ہمارے سامنے امام ابوحنیفہ اور ان جیسے جلیل القدر علماء کی یہ رائے موجود ہے کہ '' مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا'' سے مراد حربی کافر ہے، اس کو اختیار کر لینے سے اس دور کا ایک پیچیدہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

یحیی بن عمرو کے پاس یہ مقدمہ آیا کہ مسلمان اپنے یہودی بھائی کا وارث ہوگا یا نہیں تو انہوں نے حضرت معاذ کی حدیث: "الإسلام يزيد ولا ينقص "(اسلام اضافہ کرتا ہے، کمی نہیں کرتا ہے) اور آپ ﷺ کی حدیث: "الإسلام يعلو ولا يعلى عليه"(اسلام غالب رہتا ہے، وہ مغلوب نہیں ہوتا) سے استدلال کرتے ہوئے مسلمان کو اپنے یہودی بھائی کا وارث قرار دیا۔ لہذا حدیث: "لا يرث المسلم الكافر" کافر حربی پر محمول کی جائے گی جیسا کہ حدیث "لا يقتل المسلم بكافر"(مسلمان کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا) میں کافر سے کافر حربی مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ اور تمام حنفیہ نے یہاں کافر سے کافر حربی مراد ہونے کی صراحت کی ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ یہاں وارث ہونا قلبی موالات نہیں ہے بلکہ یہ تو نصرت ہے۔ اگر مسلمان اور غیر حربی کافر کے درمیان توارث باطنی موالات کی دلیل ہے تو مسلمان اور منافق کے درمیان پائے جانے والے توارث کو کیا کہیں گے؟

اسی کے ساتھ وصیت کے مسئلہ پر بھی غور کر لیجئے۔ مسلمان غیر حربی کافر کے لئے اور غیر

حربی کافر مسلمان کے لئے وصیت کرسکتا ہے۔ میرا اس موضوع پر ایک تنقیدی فقہی مقالہ ہے جس کا عنوان ہے: ''الوصية الواجبة في القوانين العربية دراسة فقهية نقدية''۔ میں نے صحیح معنی میں اس مقالہ میں اپنا سر کھپا دیا ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہر مسلمان پر وصیت واجب ہے اور یہ کہ انسان غیر مسلم کے لئے وصیت کرسکتا ہے اگر وہ اس کے ذریعہ اس کو اسلام کی طرف راغب کرنا چاہتا ہو۔

یہ وہ چند اہم مسائل و مشکلات ہیں جو مسلم اقلیتوں کو درپیش ہیں اور ان کے حل میں مقاصد کا بڑا اہم رول ہے۔

پانچواں باب:

مقاصد شریعت

تاثرات اورنتائج

تاثرات:

علم میں جمود نہیں ہے
بدلتے حالات میں علماء امت کا کردار
فقہی بصیرت کی ضرورت
فقہی تحریک – حرفے چند
مقاصد شریعت – غور کا ایک نیا سلسلہ
انسانی تہذیب وتمدن اور مقاصد شریعت
چندشرکاء کے تاثرات

نتائج:

اجتہاد اور فقہ المقاصد
تحقیق اور علمی جستجو کا ذوق
اسرار شریعت اور اصول فقہ کا مطالعہ
اسلاف کی تحقیقات سے استفادہ

علم میں جمود نہیں

مولانا سید واضح رشید ندوی صاحب

ہمارے لئے بڑے شرف وعنایت کی بات ہے کہ ہمیں اس محفل میں شرکت کا موقع ملا۔ اور یہاں علماء اور فقہاء کی مفید تحقیقات اور مفید معلومات جو ہمیں ہو رہی ہیں، اس پر ہم کو بڑی مسرت اور خوشی ہے۔ یہ گویا غیر متوقع بات ہے۔ ہمارے سفر کا ابھی پروگرام نہیں تھا، بروقت یہ پروگرام بنا۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں ندوۃ العلماء میں اس وقت کافی مشغولیت چل رہی ہے اور داخلہ کے امتحانات بھی ہو رہے ہیں، اور ابھی ایک دو دن ہی اسباق ہوئے ہیں۔ لیکن یہ اشتیاق کہ اس میں بعض عرب فضلاء شرکت کر رہے ہیں اور ہندوستان سے بھی بعض بڑی شخصیت کی شرکت کی توقع ہے۔ اس اشتیاق نے فوری طور پر اس سفر کا انتظام کر دیا۔ ہمیں بڑی خوشی ہے اگرچہ مختصر سا شرکت کا موقع ملا، لیکن اس موقع سے ہم کو یہ فائدہ حاصل ہوا۔

دو تین روز قبل ہم کو امارت شرعیہ کے ایک پروگرام میں شرکت کا موقع ملا تھا، تو اس میں جو "المعہد العالی" ہے فقہ اور قضاء کا، وہاں جا کر وہاں کے اساتذہ وطلبہ سے ملاقات کا موقع ملا تھا اور ان سے گفتگو بھی ہوئی تھی۔ تو ہمیں بڑی خوشی ہوئی تھی، جس کا ہم نے وہاں بھی اظہار کیا تھا، کہ ایک نیا رجحان ہندوستان میں پیدا ہوا ہے، اور اس سے بڑی توقعات کی جا سکتی ہیں۔ ہم نے وہاں ایک بات کا اظہار کیا تھا، آج ہم اسی کا یہاں اعادہ کرتے ہیں کہ اب تک ہم علم منقول پر بحث کر رہے تھے، اور یہ معاہد جو قائم ہو رہے ہیں اور اس میں ہمارے مرحوم حضرت قاضی

صاحب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ہمیں اعتراف کرنا چاہئے ان کی ان کوششوں کا کہ انہوں نے فقہ کو ایک زندہ موضوع بنادیا ہے۔ اور اس کو بحث کا موضوع بنادیا ہے۔ فقہ کو بحث کا موضوع نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ فقہ کا جیسا کہ لغوی معنی ہے سمجھنا، تو اس میں یہ ہے کہ جو نصوص ہیں، جو شروح ہیں، جو حواشی ہیں اور جو کام گذشتہ زمانے میں کیا گیا ہے، اسی کو سمجھا جائے۔ اور اس کو سمجھنے کے بعد اسی کو پیش کیا جائے۔ یا اسی کی روشنی میں نتائج اخذ کئے جائیں۔ لیکن اس میں غور کیا جائے، اس میں تدبر کا موقف اختیار کیا جائے، اس میں بحث و تحقیق کا موضوع اختیار کیا جائے اور اس میں جیسا کہ اس سیمینار کے عنوان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مقاصد شریعت کو سمجھا جائے۔ خود احادیث کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع مختلف احکام میں اس کو صادر فرمایا۔ تو مقصد شریعت کو سمجھنا اصل ہے۔ لہذا نصوص پر غور کیا جائے، تحقیق کی جائے اور نئے زوایہ سے غور کیا جائے اور نئے زوایے کو تلاش کیا جائے تو اس سے علم میں تطور پیدا ہوگا۔ علم میں رکود نہیں ہونا چاہئے، علم ایک متطور چیز ہے، ترقی پذیر چیز ہے۔ اور اگر رکود پیدا ہو جائے تو اس رکود کی وجہ سے قوم میں رکود پیدا ہو جاتا ہے۔ اور قومیں علم کے تطور سے بڑھتی ہیں۔ ان کا جو موقف ہوتا ہے علم کے بارے میں وہ موقف اگر متطور ہے تو ان میں تطور ہوگا، اور اگر وہ موقف جمود کا ہے تو ان میں جمود پیدا ہوگا۔ اس لئے جمود سے بچنے کی بڑی ضرورت ہے۔

ہمارے یہ معاہد قائم ہوئے ہیں اور حضرت قاضی صاحبؒ کے انتقال کے بعد مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ اور نوجوانوں میں ایک نئی روح، نئی اسپرٹ اور نیا جذبہ پیدا ہو رہا ہے بحث و تحقیق کا۔ یہ بہت اچھی علامت ہے۔ اور اس میں مزید اضافہ کی ضرورت ہے۔ اور اس کی ضرورت ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں، خاص طور سے ہمارے تعلیمی اداروں میں ایسے تحقیقی شعبے قائم کئے جائیں تا کہ طلبہ میں تحقیقی ذہن پیدا ہو۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے مدارس کے طلبہ میں فکر و تدبر کا رجحان نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ان کے علم کی کوششوں میں وہ زندگی نہیں ہے، وہ حرکت نہیں جو حرکت و حیویت یورپ کے تعلیمی

اداروں اور وہاں سے استفادہ کرنے والوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ ہمارے یہاں کے مدارس کے طلبہ میں اتنی نہیں ہے جتنی اس کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ تحقیقی ادارے اس روح کو بڑھانے میں بھی ضرور حصہ لیں گے۔ پٹنہ میں معہد کو دیکھ کر خوشی ہوئی تھی، اور وہاں معلوم ہوا تھا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اس طرح کے اور کئی ادارے قائم کئے ہیں۔ آج یہاں حاضری کا موقع ملا تو ہم بڑی سعادت اور شرف محسوس کرتے ہیں۔ اس اظہار پر ہم اپنی گفتگو ختم کرتے ہیں۔ اور شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں اپنے خیالات کے اظہار کا یہ موقع دیا۔
جزاکم اللہ خیرا۔

بدلتے حالات میں علماء امت کا کردار

پروفیسر مولانا سید محمد اجتباء ندوی صاحبؒ

میرے لئے بڑی سعادت اور شرف کی بات ہے کہ اس فقہی ورکشاپ میں حاضری کا موقع ملا، چند الفاظ سے کچھ شرکت بھی کی اور علماء وفقہاء کی گفتگو بھی سنی، جس سے مجھے ذاتی طور پر فائدہ پہنچا، اصلاً میں کبھی فقہ کا طالب علم رہا ہوں اور شریعت کی ڈگری بھی ہے، شریعت اسلامی کا طالب علم بھی رہا ہوں، لیکن اتفاقی بات یہ ہے کہ میں اس سے دور ہوکر ادب اور زبان کا طالب علم ہوگیا، اس لئے میرا میدان عربی زبان وادب ہوگیا، لیکن پس منظر اور خلفیات رہی ہیں اور فقہ اسلامی میں بہت دلچسپی رہی ہے اور ذرا تواضع وانکساری سے اوپر اٹھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ دمشق کی کلیۃ الشریعۃ میں فقہ میں سب سے زیادہ نمبر میرے ہوا کرتے تھے، اگرچہ وہاں نمبر کم ملتے ہیں، لیکن مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر ذکی عبد البر جیسا آدمی جنہوں نے تحفۃ الفقہاء امام سمرقندی کی تحقیق کر کے پہلی مرتبہ شائع کی، وہ بہت سخت تھے، وہ بھی مجھے سو میں پچاسی (۸۵) دیتے تھے، بہر حال اس کی وجہ سے کبھی کبھی کچھ کتابیں دیکھ لیا کرتا ہوں، لیکن اس تحریک میں جس کی حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ جو اسم با مسمی تھے بنیاد ڈالی، اور انہوں نے جو فضا پیدا کی اس سے مجھے ذاتی طور پر بہت زیادہ دلچسپی ہوئی، اگرچہ میں اس میں شریک نہیں ہوسکا، نہ تو مضامین کے ذریعہ اور نہ بہت سے سمیناروں میں شرکت کر کے، لیکن دلچسپی بہت تھی، اور حضرت قاضی صاحبؒ بے حد شفقت کرتے تھے، میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ وہ مردم گر بھی تھے اور مردم شناس بھی، اس کی کیفیت یہ تھی کہ ایک دم بیٹھے بیٹھے فون کرتے تھے اور پوچھتے تھے کہ دیکھو یہ فلاں چیز گذری ہے، یہ کہاں ہے، نئی کتابوں میں سے کس کتاب میں ہے، یعنی مجھ جیسے آدمی سے پوچھتے تھے کہ فقہ واسلامیات پر جو نئی کتاب آئی ہے، اس میں دیکھو، اچھا فلاں لفظ ہے، ذرا تلاش کر کے

بتاؤ، اس سے قاضی صاحب کی ایک خاص حکمت تھی قریب کرنے کی، تا کہ دلچسپی ہو، اور اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ میں قاضی صاحب کے یہاں حاضر ہوا کرتا تھا، اور اگر بہت عرصہ گذر جاتا تھا تو میرے دل میں بے چینی سی ہوتی تھی کہ حضرت قاضی صاحب کے پاس جانا چاہئے، میری مصروفیات بہت متنوع ہیں کہ یونیورسٹیوں سے بھی تعلق ہے اور مدرسوں سے بھی اور بزرگوں سے بھی ہے اور اس کے برعکس لوگوں سے بھی ہے، اس کی وجہ سے مجھے وقت کم ملتا ہے، لیکن حضرت قاضی صاحب کا یہ کمال تھا کہ انہوں نے ذوق پیدا کرا دیا، اور مجھے یاد ہے کہ فقہ اکیڈمی کا جو سمینار جامعہ سید احمد شہید کٹولی میں ہوا تھا، اس میں میرے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ میں اسٹیج پر بیٹھوں گا اور اس کے علاوہ سکریٹری کا کام کروں گا، لیکن قاضی صاحب نے مجھے مجبور کیا، بلکہ یہ کہئے کہ انہوں نے میری ہمت افزائی کی، ظاہر ہے میں اس کا انکار نہیں کرسکتا تھا، چنانچہ اس سے مزید دلچسپی ہوئی، یہ تو ایک تمہیدی گفتگو ہے، یہ واقعہ ہے کہ آپ حضرات کے سامنے اور خاص طور پر میں جب نوجوانوں کو دیکھتا ہوں تو میرا دل کہتا ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر وقت گذارتا رہوں اور گفتگو کرتا رہوں خاص طور سے اپنے مسائل کے بارے میں، مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں، ہم جن حالات سے گھرے ہوئے ہیں، چاہے اپنے ملک میں ہوں یا بیرون ملک، عالم اسلام میں، اس کے لئے آپ جیسے حضرات کی ضرورت ہے، اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ فقیہ کی ضرورت ہے، جو اسلام کے مصادر کا گہرا علم رکھتا ہو، اسی کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں مہارت رکھتا ہو وہ زیادہ کارآمد ہوسکتا ہے اس وقت کی مشکلات و مسائل جو پیش آ رہی ہیں، اس کی بنسبت جو صرف داعی ہے اور اس کے اندر تفقہ نہیں ہے، یا وہ صرف تحریکی ہے لیکن اس کو دین کا گہرا علم نہیں ہے، جو مجھے تھوڑا بہت عالم اسلام کا تجربہ ہے، میرے سامنے شخصیات ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ بہت اہم اور بڑی بڑی شخصیتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے اندر بہت بڑی کمی ہے جو مصادر پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہے، مصادر شریعت جس روشنی میں آج کل ہم مقاصد شریعت سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، ان مقاصد شریعت کو سمجھنے کے لئے مصادر شریعت پر گہری نظر ہونی بہت ضروری ہے، یہ ہماری بہت بڑی

خامی ہے، چاہے اسلامیات ہوں یا عربی زبان وادب، عربی زبان وادب کا تجربہ مجھے بہت ہے اور میں مختلف یونیورسٹیوں میں جاتا رہتا ہوں، عموماً جب میں گفتگو کرتا ہوں تو ان لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ ٹھیک ہے آپ عربی بول لیتے ہیں، لکھ لیتے ہیں، لیکن عربی نہیں جانتے ہیں، عربی جاننے کا مطلب یہ ہے کہ عربی مصادر ومراجع پر گہری اور اچھی نظر ہو، اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ الفاظ کا استعمال کس طرح ہوتا ہے، اور عربوں نے اس کو کس انداز سے کیا ہے، وہ جو بڑے ادباء تھے، جاحظ یا اس سے پہلے ابوعبید ہیں، ان لوگوں نے خاک چھانی ہے عربی الفاظ کی تلاش میں اور اس کے مدلولات میں، بالکل اسی طرح جیسے محدثین نے کیا ہے، پیدل چل کے، اور سخت سے سخت دشواریاں جھیل کر، بصرہ اور بصرہ کے گاؤں، دیہاتوں میں جاکر معلوم کیا ہے کہ یہ لفظ کس طرح بولا گیا ہے، عربوں نے کیسے استعمال کیا ہے، آج اس کا استعمال کیسے ہے، جب تک اس کا ادراک نہ ہوگا تب تک عربی زبان کا مزاج، اس کی روح نہیں سمجھ سکیں گے، اور جب تک عربی زبان کا مزاج اور اس کی روح سمجھ میں نہیں آئے گی شریعت کو سمجھنا آسان نہیں ہے، معاف کیجئے گا، معذرت خواہ ہوں، کہ شریعت کو سمجھنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے، اسی لئے آپ نے پڑھا ہوگا کہ سیدنا عمرؓ بار بار اصرار کرتے تھے کہ جاہلی شاعری کو پڑھیے، وہ دیوان عرب ہے، اسی کے ذریعہ آپ قرآن مجید کو سمجھ سکتے ہیں، اس لئے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور اس کے مدلولات اور اس کے مفاہیم اور اس کے مطالب عربی زبان جو اصل سرچشمہ ہے اس سے جڑے ہوئے ہیں، تو اس کے مزاج کو، معلقات کو ہم پڑھتے ہیں، اسی طرح جاہلی شاعری کے نمونے بھی ہم پڑھتے ہیں، لیکن جب تک اچھی طرح سے اس کا ادراک نہ ہو، شعوری طور پر جب تک ہم نہیں سمجھیں گے، اس کے مدلولات کو نہیں سمجھیں گے، قرآن مجید کا حل کرنا آسان نہیں ہوگا، بالکل اسی طرح کہ جیسے بنت الشاطی عائشہ عبدالرحمٰن یہاں آئیں، یہاں قرآن کانفرنس تھی سن ۱۹۸۱ یا ۱۹۸۲ میں، میں موجود نہیں تھا، تو ایک صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ پیش کیا ان کو اور یہ کہا کہ میں قرآن مجید کا ترجمہ کر رہا ہوں، انہوں نے کہا کہ عربی جانتے ہو، تو انہوں نے کہا کہ نہیں، میں تو عربی نہیں جانتا ہوں، تو انہوں نے کہا کہ جب تم عربی نہیں جانتے ہو تو اس کا ترجمہ کیسے کر لیتے

ہو، حیرت زدہ ہو کر وہ غصہ میں ان سے بولیں، اتفاق یہ ہے کہ وہ ہاشم امیر علی حیدر آباد کے تھے، جو جامعہ ملیہ میں ریورل انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ہو کر آئے تھے، وہ انگریزی اور اردو سے پڑھ کر اس کا ترجمہ کر رہے تھے، تو یہ ایسی چیز ہے جو انتہائی نقصان دہ ثابت ہوئی ہے ہماری امت کے لئے، اسی طرح ہم لوگ اپنی یونیورسٹیوں میں بار بار اس پر اصرار کرتے ہیں اور اس پر بحث بھی ہوتی ہے کہ اوریجنل سورسیز (مصادر اولی) کی شرط آپ تمام چیزوں میں لگاتے ہیں اور خاص طور سے انگریزی اور سائنس اور دوسرے مضامین میں، لیکن عربی اور اسلامک اسٹڈیز میں یہ شرط آپ کی ختم ہو جاتی ہے، ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آپ بتا دیجئے کہ شیکسپیر کے کسی بھی ڈرامے یا کسی بھی نثر یا کسی بھی شعر کو بغیر انگریزی پڑھے ہوئے آپ سمجھا پائیں گے اور سمجھ پائیں گے؟ جب آپ اس کو نہیں سمجھ سکتے ہیں تو قرآن مجید کو سمجھنا بغیر عربی زبان جانے ہوئے اس میں بغیر مہارت، قدرت اور ملکہ پیدا کئے ہوئے کیسے کریں گے؟ ہمارا المیہ ہے، یونیورسٹیوں کا خاص طور سے اور مدارس کا عام طور سے کہ گہرا علم نہ ہونے کی وجہ سے، مصادر پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی گمراہیاں اور انحرافات پیدا ہوئے ہیں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، حیدر آباد، وہاں اسلامک اسٹڈیز کے جو پروفیسر ہیں، ان سے ہمارا بڑا واسطہ پڑا ہے، ہماری ان سے بحثیں ہوئی ہیں، اسی جامعہ ہمدرد میں پروفیسر انور معظم اور اصغر علی انجینئر سے اس پر سخت بحث ہو چکی ہے، کہ آپ انگریزی پڑھ کر اور اردو پڑھ کر اسلام کی شرح کرتے ہیں، قرآن مجید اور احادیث کی شرح کرتے ہیں، بے حد ضروری چیز ہے کہ اوریجنل سورسیز (مصادر اولی) کا گہرا مطالعہ ہو، آپ عالم اسلام کے ان تمام اشخاص پر نظر ڈال لیجئے جنہوں نے اسلامی اقدار کو نقصان پہنچایا ہے اور جن میں انحرافات پیدا ہوئے ہیں، ان میں بیشتر یا سب ایسے ہیں کہ جن کے پاس قرآن مجید کا گہرا علم نہیں، اور احادیث و سیرت نبوی پر قدرت و ملکہ نہیں رہا ہے، اس کو پڑھا نہیں ہے اور انہوں نے اپنے طور پر اس کی ترجمانی کی، یا شرح یا تفسیر کی ہے، اپنی عقل سے، اور عقل تنہا کافی نہیں ہے، ذہانت یقیناً بہت بڑی چیز ہے، حافظہ بہت اہم چیز ہے، لیکن صرف ذہانت، صرف حافظہ اور صرف عقل صحیح رہنمائی نہیں کر سکتی، یہ ہمارے بزرگوں اور اسلاف نے تشریح کی ہے،

ضروری ہے کہ مصادر اور قرآن وحدیث کا، سیرت نبوی کا گہرا اور اچھا مطالعہ ہو اور اس پر پورے طور پر اعتماد ہو، اس کے بعد کیجئے، آپ کے لئے میرا مشورہ یا گذارش ہے، آپ لوگ ابھی نوعمر ہیں، آپ کے لئے میدان پڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے، آپ بہت کام کر سکتے ہیں، لیکن اس کو پیش نظر رکھئے کہ بہت سی سہل اور آسان چیز اختیار کر کے، تھوڑے سے مطالعہ سے آپ یہ چاہیں کہ اچھا کام کرسکیں تو یہ ممکن نہیں ہے، آپ اس کو نظر انداز کر کے گہرا علم اور گہری فکر اور وسیع مطالعہ کی طرف اپنے کو متوجہ کریں، یہ حضرات جن کے حوالے دیئے گئے ہیں اس پورے ورکشاپ میں ان کی کتابیں آپ کے پیش نظر رہنی چاہئیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ امت مسلمہ کو آپ کی ضرورت ہے، مدارس کے لوگوں کی ضرورت ہے، ہمارے مدارس چاہے ہندوستان میں ہوں، چاہے ہندوستان کے باہر، شام وعرب وغیرہ میں ایسے پرائیوٹ مدارس بہت کثرت سے ہیں، نوعیت میں فرق ہے اور روح ومزاج میں فرق ہے، ہمارے یہاں بحمد اللہ نسبتاً شام کو استثناء کر کے میں کہتا ہوں کہ ہمارے یہاں اخلاص وللّٰہیت، خشیت اور شریعت پر مکمل عمل زیادہ ہے، زیادہ بہتر طریقہ سے ہے، میں تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں، مصر میں بھی ہیں لیکن یہ چیزیں نہیں ہیں، شام میں آپ کو ملیں گے، یہ مدرسے دوسرے چیزوں کی بنسبت زیادہ کارآمد ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ ہمارا جو نصاب تعلیم ہے، یہ خود بہت کارآمد ہے، میں ان لوگوں میں رہتا ہوں، یونیورسٹی میں رہا ہوں، وہ تبدیلی و ترمیم چاہتے ہیں، میں بھی چاہتا ہوں، لیکن اسی فریم ورک میں تبدیلی ہونی چاہئے، ہم سوال کرتے ہیں ان سے کہ کیا یہ ممکن ہے، آپ بتایئے کہ فزکس آپ پڑھا رہے ہیں، اس کو کیمسٹری سے بدل دیں گے تو آپ کو فائدہ پہنچے گا؟ میتھ (حساب) آپ کو پڑھانا ہے، اس کے بجائے آپ سائیکلوجی (نفسیات) لے لیجئے تو کیا اس سے فائدہ پہنچے گا؟ اسی طرح آپ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم حدیث کی جگہ پر کوئی سوشل سائنس (سماجیات) یا کوئی اور چیز رکھ لیں اور اس سے ہم فائدہ کی توقع رکھیں، ممکن نہیں ہے، ہمارا نصاب جس انداز سے ہے، یہ نصاب مفید ہے، اور ہم جس مقصد کے لئے تیار کر رہے ہیں وہ مقصد بھی ہمارے پیش نظر ہے کہ جس سے ہم فائدہ

اٹھا سکیں، اسی نصاب سے وہ بزرگ اور اسلاف تیار ہوئے ہیں، وہ جن کی کتابیں ہم پڑھ کر آج عش عش کرتے ہیں، ہم بھی اسی طرح تیار ہو جائیں اس کی روشنی میں، ہاں! حالات و زمانہ کے مطابق بعض چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اپنے نصاب میں اس کو شامل کریں، ضروری ہے، یہ ہونا چاہئے، تاکہ ہم دنیا سے واقف ہوں، اس سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ فقیہ دنیا سے پورے طور پر واقف ہوتا ہے، حالات کے تغیرات سے واقف ہوتا ہے، انقلابات سے واقف ہوتا ہے، انسانی نفسیات سے واقف ہوتا ہے، اور انسانی مزاج سے واقف ہوتا ہے، تب جا کے وہ صحیح طریقہ پر فتوی دے سکتا ہے اور مسئلہ کو حل کر سکتا ہے، اس لئے آپ اسی کے ساتھ ساتھ ان علوم کو پڑھیں، آپ کے فقہاء جو گزرے ہیں ۱۸۵۷ء سے پہلے جو نصاب تعلیم تھا اسی نصاب تعلیم پر سول سروس بھی حاصل کی جاتی تھی، بڑے بڑے مناصب بھی حاصل کئے جاتے تھے، اور امام وخطیب بھی ہوا کرتے تھے اور یہ مجمع البحار جو پایا جاتا تھا وہ آج بھی حاصل ہو سکتا ہے، ان سارے اصول، قواعد وضوابط اور ان مبادی و تیم کے ساتھ کہ جو ہمارے مدارس میں پائے جاتے ہیں، اس لئے اس کو آپ پیش نظر رکھ کر اپنی زندگی کو اس زمانہ کے مطابق مفید سے مفید تر بنائیے، آپ زیادہ کارآمد ہوں گے، آپ زیادہ مفید ہوں گے، اور آپ زیادہ اس انسانیت کو اور اس دنیا کو دے سکیں گے، آپ ہی اس انسانیت کو سکون وچین دے سکتے ہیں، ان حالات میں دہشت گردی و بنیاد پرستی کے جو الزامات ہیں، ان الزامات کو آپ دور کر سکتے ہیں اپنے علم سے، یاد رکھئے کہ اگر علم گہرا ہے اور علم کا وقار ہے اور اس کی عظمت کسی کے سامنے بٹھا دیں گے تو کوئی مائی کا لعل آپ کو اٹھا نہیں سکتا ہے، اس لئے کہ علم کا ایک وزن ہوتا ہے، چاہے آپ جس حال میں رہئے، شاعر نے کہا ہے:

"إذا المرأ لم يدنس من اللوم عرضه　　　فكل رداء يرتديه جميل"

بالکل کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ آپ داڑھی رکھے ہوئے ہیں، شیروانی پہنے ہوئے ہیں، پاجامہ پہنے ہوئے ہیں، اور اس طرح رہ رہے ہیں، اگر آپ کے اندر وہ جوہر ہے، علم کا وزن ووقار ہے، آپ کی مصادر پر اچھی نظر ہے، تو آپ اپنی بات منوالیں گے، کوئی بھی آپ کو روک

نہیں سکتا، اور زندہ مثالیں ہیں، مدارس نے جتنی اہم شخصیتیں پیدا کی ہیں، ہندوستان ہی میں نہیں ہندوستان سے باہر بھی اتنی اہم شخصیتیں عصری تعلیم گاہوں نے کم پیدا کیں۔ ہمیشہ پورے عالم اسلام میں قیادت کی ہے تو وہ علماء نے کی ہے، چاہے وہ سیاسی ہو، معاشی ہو اور انسانی بنیادوں پر ہو، جتنی تحریک آزادی ہے، اس میں آپ دیکھ لیجئے کہ پیش پیش جو لوگ ہیں وہ سب علماء ہیں، اسی مدرسے کی چٹائی پر بیٹھنے والے لوگ ہیں، اس لئے آپ ان چیزوں کو پیش نظر رکھ کر اس ورکشاپ سے نکل کر آپ اپنی زندگی کو بھی اسی سانچے میں ڈھالئے، امت مسلمہ اس وقت جن تکلیف دہ حالات سے گذر رہی ہے، اس میں آپ کے ذریعہ سے رہنمائی حاصل ہوگی اور انشاء اللہ یہ کشتی ساحل پر امن وامان اور سلامتی کے ساتھ پہنچ جائے گی، اللہ تعالی سب کوششوں کو قبول فرمائے، اور میں شکرگذار ہوں ان حضرات کا، جنرل سکریٹری کا، مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب، مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب اور دوسرے منتظمین وغیرہ کا کہ انہوں نے مجھے یہ موقع دیا، میری ٹوٹی پھوٹی چیزیں جو علم کے اس مرتبہ کی نہیں ہیں، جس سے میں نے یہاں فائدہ اٹھایا، خاص طور سے ہمارے ڈاکٹر صلاح الدین سلطان صاحب کی باتیں کم سنی میں نے، لیکن جتنی بھی سنی بے حد مفید ہیں، یہ ایک روشن مستقبل کی طرف اشارہ کرتی ہیں، اور مجھے امید ہے کہ فقہ اکیڈمی کے ذریعہ سے ہم انشاء اللہ بہت ہی مفید اور کارآمد کام کریں گے، اور امت کے لئے ایک نئی راہ پیش کریں گے۔

فقہی بصیرت کی ضرورت:

ہمارے لئے سعادت ومسرت کی بات ہے کہ ہم نے ڈاکٹر صلاح الدین صاحب اور ان دونوں اساتذہ اور مفتی عتیق صاحب کی عربی زبان اور اردو میں توجیہات اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی، اس سے ہم سب نے استفادہ کیا۔ امید ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے اپنے اندر زیادہ شوق وذوق اور زیادہ ہمت، ولولہ اور حوصلہ پائیں گے کہ ہم ان سخت ترین حالات میں فقہ اسلامی کے ذریعہ سے مسائل کو اس طرح حل کریں گے، جس طرح ہمارے اسلاف نے کیا

تھا۔اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اور جن الجھنوں اور مشاکل بلکہ جس حصار اور گھراؤ میں ہیں، اس کو اگر کوئی دور کرسکتا ہے تو وہ فقیہ عصر کرسکتا ہے۔فقیہ سچی اور صحیح رہنمائی قرآن مجید و حدیث نبوی اور شریعت کی روشنی میں عوام کے سامنے پیش کرسکتا ہے جو بے چین ہے، بے قرار ہے اور انتہائی درجہ کی ایک الجھن اور کوفت میں مبتلا ہے، وہ نظر اٹھا کر دیکھ رہا ہے ان اداروں کی طرف جن سے ہم اور آپ وابستہ ہیں۔اور ان اشخاص وشخصیات کی طرف کہ جو ان مسائل کو حل کرسکتے ہیں۔اور اس کے دل میں اطمینان وچین پیدا کرسکتے ہیں۔یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔اور اس ذمہ داری کو اگر آپ نے اس دور میں اپنے تفقہ اور فقہی بصیرت کے ذریعہ سے حل نہیں کیا تو اللہ تعالی کے سامنے جوابدہی کی ذمہ داری ہوگی اور وہاں باز پرس ہوسکتی ہے۔اللہ تعالی ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔

یہ ورکشاپ بہترین موقع ہے آپ کے لئے اور ہمارے لئے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھا کر، تبادلہ خیال کر کے اور ان الفاظ کو نوٹ کر کے اور اس کو اپنی فقہی زندگی کے لئے بہترین رہنما بنا کر مسائل کو حل کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔اور ہمارے سامنے وہ ذخیرے موجود ہیں جن کی طرف ان حضرات، بزرگوں نے اشارے کئے ہیں کہ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جس کو ہمارے فقہاء، علماء، اسلاف نے چھوڑا ہے۔وہ ہمارے لئے بہترین رہنما ہے۔ایسی مشعل راہ ہے جس کے ذریعہ سے ہم اس جدید تہذیب وتمدن، وہ تہذیب وتمدن جو ہمارے دین کے لئے ہماری شریعت کے لئے بلکہ تشخص کے لئے خطرہ بنتا جارہا ہے، اس کو ہم دور کر کے ایسا مثالی نمونہ پیش کردیں کہ جس سے ہماری زندگی کے لئے خوشگواری اور اس کے مسائل کے لئے حل بہت ہی اچھے اور نمایاں انداز سے سامنے آجائے، جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے کیا تھا۔ انہی الفاظ کے ساتھ میں آپ تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور صدق دل سے یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالی اس ورکشاپ کو کامیابیوں سے ہمکنار کرے (آمین) **وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔**

فقہی تحریک - حرفے چند

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

ہندوستان کے لئے یہ بات باعث افتخار اور سرمایہ عز و ناز ہے کہ اس میں حجۃ اللہ البالغۃ جیسی کتاب تصنیف کی گئی جو مقاصد شریعت اور اسرار شریعت کے موضوع پر ہے۔ دین اسلام کی صحیح اور متوازن تفہیم وتشریح کے لئے یہ موضوع بے حد اہم ہے۔ مقاصد کا اگر صحیح ادراک نہ ہو تو جزئیات اور تفصیلات کا جادۂ اعتدال پر باقی رکھنا مشکل ہو جائے گا اور انحراف اور افراط وتفریط کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوگا۔ یہ بات باعث مسرت ہے کہ ہمارے علماء فکر امروز اور اندیشہ فردا سے بیگانہ نہیں اور اس سے بڑھ کر یہ بات باعث اطمینان ہے کہ ہمارے علماء مختلف مکاتب فکر کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مقاصد شریعت کے موضوع پر یہ ورکشاپ اور اس میں مختلف مسلک اور مکاتب فکر کے علماء کی موجودگی اس کا روشن ثبوت ہے اور یہ ملت اسلامیہ کے روشن مستقبل کی علا ت بھی ہے۔ حالات خواہ کتنے ہی تیرو تار ہوں چراغ فکر ونظر میں اگر یہ روغن موجود ہو تو ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی
ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے اس اہم ورکشاپ میں جو مقاصد شریعت کے موضوع پر

منعقد ہو رہا ہے اور اس کے اس جلسہ میں حاضری کا موقع ملا۔ آپ حضرات حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے بارے میں، ان کی خصوصیات کے بارے میں سن چکے ہیں اور ان کے کمالات کے بارے میں اور خاص طور سے ان کی قائم کردہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے بارے میں سن چکے ہیں۔ مجھے کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح امام ابوحنیفہؒ نے اپنے زمانہ میں فقہی کام کو ایک اجتماعی کام بنا دیا تھا، اور جس طرح تاریخ میں بعض علماء نے فقہی کام تنہا اپنے طور پر انجام دینے کے بجائے اسے ایک تحریک کی شکل دے دی تھی، بالکل اسی طرح سے حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اس کام کو ہندوستان میں تحریک بنا دیا۔ علماء تو پہلے بھی موجود تھے اور انہوں نے فقہ پر بڑے اہم کام اس ملک میں انجام دیئے۔ لیکن یہ خوش قسمتی اور یہ عظمت ان حضرات کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو چکی تھی کہ وہ اس ملک میں عالمی سطح پر مسلمانوں کے معاشی مسائل کو، سماجی مسائل کو اور دوسرے تمام مسائل کو فقہ کا موضوع بنائیں اور اس کے لئے علماء کو تیار کریں اور اجتماعی طور پر اجتہاد کا کام انجام دیں۔ چنانچہ ہر سال یہ سیمینار منعقد ہوتے رہے، جس میں نہایت ہی اہم مسائل پر ہندوستان کے علماء اور فقہ کے اساتذہ تیاری کر کے اور مصادر شریعت اور مراجع کو سامنے رکھ کر تفصیلی مطالعہ کے ساتھ اس کے اندر شریک ہوتے رہے۔ یہ ایک ایسی اہم بات ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب کے سوا شاید مشکل سے اس کی نظیر ملے گی۔ پھر قاضی صاحب کی یہ بات بھی بڑی اہم ہے، اور خاص طور سے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے اور مختلف مکاتب فکر کے مسلمانوں کے لئے غور و فکر کی ہے کہ اتحاد قرآن وسنت کا منصوص حکم ہے، اور ہر زمانہ کے لئے وہ ضروری ہے۔ لیکن خاص سے اس زمانہ کے لئے اس کی اہمیت زیادہ ہے؟ اور یہ کام کتنا ضروری ہے؟ اس کا احساس ہندوستان کے ہر باشعور اور دردمند انسان کو ہوگا۔ انہوں نے فقہ کے جو سیمینار کئے اس میں انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ صرف حنفی علماء کو دعوت دی۔ انہوں نے حنفی علماء کو بھی دعوت دی۔ شافعی اور دوسرے مسلک کے علماء جو ہندوستان میں موجود تھے، اہل حدیث علماء اور دوسری جماعتوں،

تنظیموں کے رہنماؤں کو بھی انہوں نے اپنے تمام سیمناروں میں مدعو کیا۔ اوران کے تمام نقطہائے نظر کو غور وفکر اور سنجیدگی کے ساتھ سنا۔ اور مختلف آراء کو جدید مسائل کے حل کے اندر شامل کرنے کی کوشش کی۔ یہ ان کا مزاج اتحاد تھا۔ یہ مزاج نہ ہوتو قومیں آپس میں اختلاف اور کشاکش کا شکار ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کا نقصان پوری ملت اسلامیہ کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ اقبالؒ نے کہا ہے:

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے

کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

حضرت قاضی صاحب میں وہ خوئے دل نوازی مکمل طور پر موجود تھی، اور انہوں نے ملت اسلامیہ اور ہندوستان کے تمام رہنماؤں کو خواہ وہ کوئی بھی مکتب فکر رکھتے ہوں، ان کو انہوں نے شریک کیا۔ اور اس اتحاذ کو اور ملت اسلامیہ کے مختلف زاویہ نظر کو فقہی اجتہاد کا جز بنادیا۔ زندہ قوموں کی پہچان یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے چھوٹے ہوئے کاموں کو مکمل کرتے ہیں۔ ان کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں۔ اور یہ بڑی ذمہ داری ہے ہماری اور ہمارے علماء کی اور خاص طور سے ہمارے ان علماء کی جو اسلامک فقہ اکیڈمی میں شامل ہیں، کہ وہ حضرت قاضی صاحبؒ کے چھوڑے ہوئے کام کو مکمل کریں۔ اور اس کارواں کے سفر کو جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ یہ کارواں اپنی منزل کو پہنچ جائے۔ و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

مقاصد شریعت

غور کا ایک نیا سلسلہ

مولانا اسرار الحق قاسمی

آج کے اس اجتماع میں سب کچھ ہے لیکن ایک روشنی نہیں ہے، اور وہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی ہے۔ بہت بڑا خلا محسوس ہو رہا ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت قاضی صاحبؒ کو ہمہ جہت صفات سے نوازا تھا۔ ہر میدان میں کام کرنے کی صلاحیت اللہ نے انہیں ودیعت کی تھی۔ لیکن فقہ، فتاوی اور قضاء ان کا خاص موضوع تھا۔ اور انہوں نے اپنی عملی زندگی میں سب سے زیادہ اس موضوع پر محنت کی۔ ان کا ایک خاص نقطہ نظر تھا، جس کا تذکرہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں کیا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ ہر فیلڈ میں ہم افراد تیار کریں، مجھے بھی ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ میں نے ایک چیز یہ دیکھی کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ہمیشہ کام کے دوران صف تیار ہو۔ پہلی صف، دوسری صف، تیسری صف موجود ہونی چاہئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر صف اول کا کوئی نہیں رہا تو صف ثانی میں ایسے لوگ ہوں جن کو آگے بڑھا کر صف اول کو پورا کیا جائے۔ تو فقہ کے میدان میں قضاء اور فتاوی اور شریعت کے میدان میں انہوں نے خاص توجہ کی تھی۔ اور اسی مقصد کے لئے انہوں نے اسلامک فقہ اکیڈمی قائم کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تیرہ سال کے مختصر عرصہ میں، اللہ کا فضل خاص ہے اور ان کے خلوص کا نتیجہ ہے کہ وہ موضوع جس پر جمود تھا، جس موضوع میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، آج

نوجوان علماء کی ایک بڑی تعداد فقہ اکیڈمی کی کوششوں سے تیار ہوئی ہے۔ اور ہر موضوع پر بحث کرنے کی اللہ نے ان کے اندر صلاحیت ودیعت کی دی ہے۔

آج ایک نیا سلسلہ مقاصد شریعت کا شروع ہو رہا ہے۔ اور اس وقت اس سلسلہ میں جو چیزیں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اور مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب نے خاص طور سے آپ کے سامنے پیش کی، مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ چونکہ میں بھی اس وقت محسوس کرتا تھا کہ حضرت قاضی صاحب نے اپنے دور میں کچھ ذمہ دار حضرات کو تیار کیا تھا۔ میرے سامنے مولانا خالد صاحب، مولانا عتیق قاسمی صاحب اور مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب یہ تین نام خاص طور سے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سارے لوگوں کو انہوں نے تیار کیا۔ آج مجھے یہ احساس ہوا کہ ٹھیک ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ ہمارے درمیان نہیں رہے، مگر ان کا جو علمی نقطہ نظر تھا، ان کی جو فکری بلندی تھی، فقہ، قضاء اور اسلامی شریعت کے بارے میں ان کی جو رائے کی پختگی تھی، اور جس انداز میں ان چیزوں کو آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ الحمد للہ ان چیزوں کو لے کر چلنے والے افراد موجود ہیں۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ فقہ اکیڈمی اپنے مقاصد کے لحاظ سے کامیابی حاصل کرتی رہے گی۔ اور پورے ہندوستان کے اندر فقہ اور شریعت کے تعلق سے جن چیزوں کو، جن نظریات کو، اور جن باتوں کو قائم کرنے اور پھیلانے کا عزم حضرت قاضی صاحبؒ نے کیا تھا، انشاء اللہ فقہ اکیڈمی اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے یہ کام پورا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی کوششوں کو کامیاب کرے۔

انسانی تہذیب و تمدن
اور مقاصد شریعت

ایڈووکیٹ عبدالرحیم قریشی

اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام اس دوراندیشی کا مظاہرہ اور ثبوت ہے جو حضرت قاضی صاحبؒ نے دیکھی تھی۔ حضرت قاضی صاحبؒ کی بہت سی خصوصیات ہیں، لیکن ان میں ایک خصوصیت سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ وہ مستقلاً مدبر تھے۔ بہت سے لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو قریب کی چیز کو دیکھ لیتے ہیں، حال کی چیز کو دیکھتے ہیں، موجودہ جو کیفیت ہے اس کو دیکھتے ہیں۔ لیکن موجودہ کیفیت آگے چل کر کس صورت حال پر منتج ہوگی؟ اور کیا چیزیں پیدا ہوسکتی ہیں؟ یہ نظر بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالی نے اس نظر سے بڑی خوبی کے ساتھ حضرت قاضی صاحب کو نوازا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہی نظر تھی جو دور تک دیکھنے والی تھی۔ اسی نظر کا ثمرہ یہ اسلامک فقہ اکیڈمی ہے۔ جس نے تیرہ چودہ سال کے عرصہ کے اندر جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔ اور اس کی ایک دوسری خوبی یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اس بات کی کوشش کی کہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ اس طرح جاری رہے جس طرح دریا کا پانی مسلسل بہتا ہے، اسی طرح یہ کام بھی جاری رہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اور ان کے رفقاء اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ یہ کوشش بہت مستحسن ہے۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو اس وقت ساری دنیا میں انسان کی منزل کا کوئی پہلو واضح طور سے نہیں ہے۔

اس وقت پوری دنیا کے اندر جو تہذیب اور کلچر ہے، دنیا کے اندر جو تہذیب اپنا سکہ جمارہی ہے، اور جس کے ساتھ ہر طرح کی مروت بھی ہے۔ یہ تہذیب اور یہ کلچر انسان کو اسی دنیا کا انسان بناتا ہے۔ اور اس دنیا کے انسان کے سامنے ایک ہی مقصد رکھتا ہے کہ اس دنیا میں جتنی مرتبت اور جتنی خوشی نچوڑ سکتے ہیں نچوڑ لیں۔ جتنا مزہ اٹھا سکتے ہیں مزہ اٹھالیں۔ بس اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ آج یہی کلچر ہر جگہ بڑھ رہا ہے۔ ہندوستان میں یہی کلچر ہے، عرب ممالک کے اندر بھی آہستہ آہستہ یہی چیزیں بڑھتی جارہی ہیں۔ اس وقت جرمن کے ماہر تعلیم حیدرآباد میں ہیں۔ ان کے دو پروگرام ہیں۔ اس میں ان کا مرکزی نقطہ نظر یہ تھا کہ بچوں کے اندر مرتبت حاصل کرنے کی اور ان تمام ذرائع کو حاصل کرنے کی ایسی راہ نکالی جائے جس سے انسان کو خوشی میسر ہو۔ ان ذرائع کے اندر کوئی قید نہیں۔ چنانچہ آج کی سوسائٹی اور تہذیب ہر وہ چیز انسان کو دینا چاہتی ہے جو انسان کی خوشی کا باعث بنے اور مطلب کا باعث بنے۔ سوال یہ ہے کہ کس نقطہ نظر سے انسان کو جانوروں کی سطح پر لایا جارہا ہے، جانور بھی مزہ چاہتا ہے۔ یہ کلچر اسی سطح پر انسان کو لانا چاہتا ہے۔ جبکہ اسلام انسان کو اونچی سطح پر اٹھانا چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان احسن التخلیق پیدا کیا گیا ہے۔ تو احسن التخلیق تک انسان کو پہنچانا ہی اصل ہماری کوششوں کا مقصد، دین کا مقصد اور شریعت کا مقصد ہے۔ ظاہر ہے کہ مقاصد میں ان چیزوں کو شامل کرنا چاہئے۔ اس سے معاشرہ بنے گا۔ وہ معاشرہ اس طرح بنے گا کہ اس سے معاشرہ پر دباؤ بڑھے گا۔ کوئی معاشرہ ایسا نہیں کہ اس پر کوئی دباؤ نہ ہو۔ ہر معاشرہ انسان کو خاص رخ پر لے جاتا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرہ اور ایک ایسے سماج کی تشکیل چاہتا ہے جس کے اندر فتنہ نہ ہو۔ جس کے اندر انسان کے اپنے ضمیر کی آزادی تو ہو، لیکن انسان کے ضمیر، انسان کے احساسات، انسان کے جذبات اسلام کے دائرہ میں ہوں۔ اسلام کسی جائز جذبہ اور جائز احساس کو نہیں روکتا ہے، اس لئے کہ اس میں رہبانیت نہیں ہے۔ لیکن ہر احساس اور ہر جذبہ درست نہیں ہوسکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ چیزیں آج کے لئے ہمارے لئے ایک چیلنج قرار پارہی ہیں۔ ہمارا مسلم معاشرہ اسی سمت میں جارہا ہے۔ یہ

موضوع اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ انسان کے سامنے بحیثیت انسان اور معاشرہ کے سامنے بحیثیت معاشرہ موجودہ زمانہ کے حالات میں ہم کیا منزل مقرر کریں؟ اور ان کو کون سی راہ دکھائیں؟ ان تمام چیزوں کو واضح کیا جائے۔ اور اس تعلق سے ذہن بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی جو بھی کوشش کر رہی ہے وہ بہت مبارک کوشش ہے۔ اللہ تعالی ہم سب سے اس سمت میں کام لے۔ اس لئے کہ یہ زمانہ الحاد وزندقہ کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ کے اندر ہم دین کو شریعت کو مخاطب کے سامنے اس طرح پیش کرسکیں کہ انسان احسن التخلیق تک پہنچے۔ اور نیکی کو جاری وساری رکھے۔ اور برائی سے رکے۔ معاشرہ کے اندر ایسا پریشر ہو جو بغیر کسی جبر اور بغیر کسی زور وزبردستی کے ہو۔ بہر حال یہ ساری کوششیں بہت مستحسن ہیں۔ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اور ان کے رفقاء کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اس اہم سمت میں کوشش کی۔

چند شرکاء کے تاثرات:

علمی تیاری

مولانا محمد علی ندوی

پہلی بات یہ کہ اس کا جو فائدہ ہے وہ تو بہت ہے ہی، اس سے ہم سب کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا ہے، خصوصاً مقاصد شریعت کے موضوع سے متعلق، انسان مطالعہ کرتا ہے اور مطالعہ کر کے مناقشہ اور جو کچھ بحثیں ہوتی ہیں اس کے پہلو سامنے آتے ہیں، اس سلسلہ میں ایک بات یہ عرض کرنا ہے کہ ہم میں سے بعض حضرات نے کوئی خاص تیاری نہیں کی اور موضوع کا یہاں آنے سے پہلے جس انداز سے ہمیں مطالعہ کرنا چاہئے تھا وہ ہم نہیں کر سکے، بہت ضروری تھا کہ ہم اس اہم موضوع کا مکمل احاطہ کر کے آتے، اور پھر ایک مرتب اور جامع بات پیش کرنے کے لئے کھڑے ہوتے، ہوا یوں کہ تعریف میں یہ خلل ہے اور فلاں میں یہ خلل ہے اور یہ یوں ہے، لفظی اور جزوی باتوں میں پڑ گئے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم لوگوں کو اس سے بہت فائدہ ہوا، اور اس پروگرام میں سہولتیں پہنچانے کے لئے جو کچھ بھی کیا گیا وہ بہت ہی زیادہ تھا۔

موضوع کی تحدید

مولانا عتیق الرحمٰن ندوی

قابل احترام علماء کرام!

جس پانچ روزہ فقہی ورکشاپ میں تاثرات کے اظہار خیال کا موقع ہمیں دیا گیا، اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے میں اپنا کچھ احساس اور کچھ تأثر بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں، جہاں تک تاثر واحساس کی بات ہے، تو پہلی بات جو ہم کو لگی اور بڑا اس کا احساس ہوا، خاص طور سے ان حضرات کو دیکھ کر جو یہاں پر مہمان آئے تھے کہ ہمارا علم، اس کے اندر پختگی اور ترکیز بہت کم ہے، ہم کسی چیز کو گہرائی سے سمجھنے کے، اس کو پڑھنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ استاذ گرامی حضرت مولانا عتیق احمد صاحب کے بقول میں خود اپنے لئے کہتا ہوں، کوئی صاحب اپنے اوپر محمول نہ کریں، جیسا کہ میرا خود کا احساس ہے کہ ہمارے علم میں یا تو سطحیت ہے یا صحافیت ہے، ہم اس سے اوپر اٹھ کر سوچنے کے عادی ہی نہیں، خاص طور سے اس فقہی ورکشاپ کے اندر ہم نے دیکھا کہ جتنے فقہی مباحث ہوئے وہ ہماری لفظی بحثیں تھیں، لیکن واقعات کی تطبیق کے ساتھ اور اس کو اپنے زمانہ کے اندر تطبیق کر کے سوچنا، اس کی بڑی کمی محسوس ہوئی۔

اب میں اپنی بات کو مختصر کرتے ہوئے موضوع کی جانب آتا ہوں کہ آئندہ کس موضوع پر ہونا چاہئے، جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ نہایت ہی اہم ترین موضوع تھا، لیکن اگر اس کی تھوڑی سی تحدید ہو جائے، مثلاً یہ کر لیا جائے کہ **فقه المقاصد فی عهد الصحابة** یا **فی الاحادیث**، **فقه المقاصد فی فقه عمرؓ**، کسی صحابی کے نام سے کسی طرح کی بھی تحدید ہو سکتی ہے، **فقه المقاصد فی نظام الأسرة کذا و کذا**، تو شاید ایک ایک موضوع کی ترکیز زیادہ اچھی ہوگی اور بہت اہم ہوگی۔

توحید، تزکیہ اور عمران
امت کے وجود کا مقصود

مولانا صباح الدین ملک قاسمی

یہ تاثرات کی نشست ہے اور گفتگو کرنے کے لئے عنوانات طے کر دیئے گئے ہیں، حدود کھینچ دیئے گئے ہیں، لیکن تاثرات سے زیادہ مجھے اور باتوں کی طرف توجہ دلانی ہے، یہ جو فقہی ورکشاپ ہوا ہے اور جس کا عنوان ہے: ''مقاصد الشریعۃ''، اس سلسلہ میں ایک بنیادی سوال یہ پیدا ہو رہا تھا کہ یہ جو الفکر المقاصدی یا نظریۃ المقاصد ہے، ہمارے یہاں دین اسلام میں جو علمی نظام ہے، علم کا ایک نظام ہے، اور ہر علم دینی علوم میں یا علوم شرعیہ میں کس طرح سے ایڈجسٹ ہوتے ہیں، کیسے مقام پاتے ہیں، ایک علمی جو اسٹرکچر ہے ہمارے یہاں اس میں وہ کیسے داخل ہو، تو یہ جو نظریۃ المقاصد ہے، اس کو کس طرح علوم میں داخل کیا جا رہا ہے، یہ بات پوری صراحت کے ساتھ واضح نہیں ہوئی، ڈاکٹر طہ جابر العلوانی صاحب کی پوری گفتگو سے ایک بات تو نکلتی ہے، لیکن پھر بھی صراحت کے ساتھ معلوم نہیں ہو پاتی ہے کہ وہ کس طرح داخل ہو رہا ہے، عام طور سے اس کو اصول فقہ کی ایک بحث سمجھی جا رہی ہے، اور ابتداء سے جن لوگوں نے کام کیا ہے چاہے وہ ضمنی پہلو ہو ایسا لگتا ہے کہ اب اس کو ابھارا جا رہا ہے، میرے ذہن میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا رہا ہے، طہ جابر العلوانی صاحب نے اس کے موضوع کو کافی بلند کیا ہے، جیسا کہ اس گفتگو سے آپ نے محسوس کیا ہوگا، جس میں انہوں نے توحید، تزکیہ اور عمران کو دنیا کی جو زندگی ہے اس کے مقاصد میں سے شمار کیا ہے، امت کو اس پر ابھارا ہے، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ دراصل فکر اسلامی جو

ابھی علوم اسلامی ہے اس کی تشکیل جدید کا مسئلہ ہے، اور یہ جو بات آتی ہے کہ فقہ پر ایک جمود طاری ہے، رکود طاری ہے، اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ فقہ گورنینس سے الگ ہو گیا، جس وقت اسلامی نظام قائم تھا، خلافت اسلامیہ قائم تھی اس وقت اس فقہ کو زندگی عطا کرنے والی اس کی جہاں بانی تھی، کیونکہ وہ اقتدار میں تھی، کیونکہ وہ سماج کو گورنینس کر رہی تھی، اس لئے سماج کے جو مسائل تھے اس کو حل کرنے کے لئے مستقل فقہ کو زندہ رہنا پڑتا تھا، اور فقیہ ہمیشہ زندہ فقہ میں رہتا تھا، لیکن جب وہ بے دخل ہوا گورنینس سے اور مملکت کے قانون سے جب فقہ نکل گیا تو ظاہر ہے کہ اس میں جمود آنا تھا، یہ ایک بہت اچھی بات ہے کہ ایک متبادل نظام فقہ کو زندہ رکھنے کے لئے انہوں نے فراہم کیا ہے، جس حیثیت میں یہاں گفتگو ہو رہی ہے وہ اصل میں اسلام کا جو لیگل فریم ہے اس میں ایک کنسپٹ اور ایک نظریہ کے طور پر داخل کیا جا رہا ہے مقاصد کو، اور یہ بڑی بات ہے، آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں جتنے لاء ہیں اس میں بہت سے نظریات کا دخل ہے، انصاف کا ان کے یہاں کیا تصور ہے، ساری چیزوں کا ایک تصور آتا ہے، جس کو کنسپٹ یا تھیوری کہتے ہیں، تو یہ فکر مقاصدی اور نظریہ ہے، یہ فقہ کو زندہ رکھنے کا بہت بڑا متبادل ہے، گورنینس میں اسلام نہ بھی ہو، اگر فقہ مقاصدی سامنے ہے تو پھر وہ ایک متبادل ہے اس کو زندہ رکھنے کا، کیونکہ اس کے ذریعہ پھر امت کو احیاء کے لئے ایک مقصد ملتا ہے، یعنی یہ کہ توحید یا تزکیہ یا عمران یہ تو امت کے اس دنیا میں وجود کا ایک مقصد متعین کرتے ہیں، تو اگر یہ اسپرٹ اور یہ روح فقہ میں آ جائے تو فقیہ مستقل فقہ کی طرف متوجہ رہے گا کہ کس طرح ان اہداف کو اور ان غایات شریعت کو حاصل کریں، توحید کو، تزکیہ کو، عمران کو، تو ایک مستقل جدوجہد اور حیویت اور ایک زندگی طاری ہو جائے گی، اس سے پہلے آپ جانتے ہیں کہ بہت ہی مضبوط ایک تحریک چلی جو تقلید جامد کی تھی، جس میں کہ اصل دلائل سے صرف نظر کر کے محض جزئیات وغیرہ پر قیاس کر لیا جاتا تھا، پھر ہمارے یہاں اس جدوجہد کے نتیجہ میں ہم لوگوں کا ذہن بھی صاف ہوا ہے کہ ہم اوریجنل دلائل کا حوالہ دیتے ہیں، فتوی میں بجائے اس کے کہ اس کو اسٹینڈرڈائزیشن (معیاری بنانا) کے تحت شامی کا حوالہ دیں وہ ایک عملی

ضرورت ہے، کسی حدیث کا یہ مفہوم لے رہے ہیں تو آپ سے پہلے کسی فقیہ نے وہ مفہوم لیا ہے اس کا حوالہ قانون میں بہت ضروری ہے، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ فقہ کی جو اسپرٹ ہے، اسلامی اسپرٹ اور وہ اللہ کی حاکمیت ہے، اس سے جوڑ کر اصل دلیل سے جوڑ کر کے کوئی حکم دیا جاتا ہے تو اس میں جو بات ہوتی ہے اطاعت میں اور اس پر عمل کرنے میں وہ بات ہی دوسری ہے، یہ اسلام کا امتیاز ہے، تو یہ کوشش بہت بارآور ہوئی کہ الحمد للہ دلائل میں ہم لوگ ایک قدم آگے بڑھے ہیں، اور یجنل دلائل کی طرف ہم لوگ گئے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ہم لوگ فقہاء کا حوالہ دیتے ہیں، یہ ہماری علمی ضرورت ہے، اب دوسرا اسٹیپ طہٰ جابر العلوانی صاحب وغیرہ لے رہے ہیں، صراحت مجھے نہیں معلوم لیکن جیسا میں نے محسوس کیا وہ یہ ہے کہ پورے اس غور وفکر میں فقہ کا جو پورا عمل ہے، دلائل کے ساتھ ساتھ جہاں تک پہنچے گا، جو بھی زندگی میں مسائل آئیں، تمدنی مسائل، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ افراد کے مسائل سے اوپر اٹھ کر تمدنی مسائل پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں، اور تمدن کو کس طرف اسلام لے جانا چاہتا ہے فکر مقاصدی یہ ہم کو دیتا ہے، تو یہ ایک بڑی بات ہے کہ ہم ایک قدم اوپر اٹھے ہیں، یہ بات بار بار آئی کہ تغیر زمانہ سے احوال بدلتے ہیں، اس کے دو محل ہیں: ایک تو یہ کہ تغیر زمانہ تو وہ ہے کہ نارمل حالات میں تمدن کے اندر جو معمول کی تبدیلی ہوتی ہے، اس کے تحت کوئی چیز آئے، جس میں ہم بے بس ہوں، امت محمدیہ بے بس ہو اس کو تبدیل کرنے میں، اور ایک چیز یہ ہے کہ ہم جس منصب پر مامور تھے، یعنی پورے زمانہ کو شریعت کے تابع کرنے پر مامور تھے، اظہار دین اور غلبہ دین پر اس عمل میں ہم سے یا تو کوتاہی ہوئی ہے یا ہم وہاں تک نہیں پہنچے، جس کے نتیجہ میں تمدنی مسائل ایسے ہیں جن کو حل کرنے کے لئے ہمارے پاس جواب تک سرمایہ ہے فقہی وہ ناکافی ہو رہا ہے تو ہم از سر نو ان تغیر زمانہ کے تحت جو مقتضیات ہیں ان کو حل کرنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں، تو یہ تو ایک معمول کی چیز ہے، لیکن میں یہ آپ سے کہہ رہا ہوں کہ تمدن کا فساد اس امت محمدیہ کے اپنے منصب سے غافل ہونے کے نتیجہ میں ہوتا ہے، اس میں اگر ہم تغیر زمانہ کو بنیاد بنا کر کوئی حکم فقہی نکالتے ہیں تو وہ رخصت کے دائرے میں آتا

ہے، وہ عزیمت کا دائرہ نہیں ہے، جو عزیمت کے احکام ہیں وہ تو ایک معیاری احکام ہوتے ہیں، یعنی اللہ تعالی کا منشاء کیا ہے شریعت سے، کسی بھی شعبہ زندگی میں اللہ کا ایک منشاء ہے، جہاں تک حاکم شارع کی بات ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ انسانی زندگی اس اسٹنڈرڈ پر رہے، لیکن ظاہر ہے کہ اگر اس اسٹنڈرڈ تک اس تمدن کو آپ نے نہیں پہنچایا کہ اللہ تعالی کی شریعت کو وہ قبول کر سکے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ایک طرف یہ کوشش جاری تھی صحابہ کرام کی، حضور ﷺ کی کہ تمدن کو شریعت کے قبول کرنے کی صلاحیت تک پہنچادے، تاکہ اللہ کا جو منشاء ہے، جو اصل شریعت ہے، جو معیاری ہے وہ آئے اور پھر وہ نافذ ہو، اور دوسری طرف سماج کی جو صلاحیت قبول ہے اس کو بڑھایا جانا چاہئے، تو تغیر زمانہ سے جو احکام لائے جائیں گے وہ رخصت کے دائرہ میں آئیں گے، فقہ جب تغیر زمانہ کی بنیاد پر رخصت کے احکام لاتا ہے تو وہ فتوی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک دو فتوے متوازی طور پر ایک ساتھ جاری نہ کئے جائیں، ایک طرف یہ کہا جائے کہ اللہ کو، شریعت کو یہ مطلوب ہے، لیکن حالات چونکہ یہ ہیں، جس میں ہمارا ہی قصور ہے جس کو ہمیں بدلنا ہے تو یہ رخصت کے احکام ہیں، یہ عبوری احکام ہیں، اور یہ اصل غایات نہیں ہیں، تو یہ ایک بڑی بات ہے جو کوشش المعہد العالمی للفکر الاسلامی کر رہا ہے، اس سے رکود و جمود بھی دور ہوگا اور ہمارے جو اہداف ہیں وہ اس امت کو برپا کرنے میں، اور دنیا میں استخلاف فی الأرض یہ ساری چیزیں فقہاء کے سامنے زندہ ہو جائیں گی اور جو اصول فقہ کے نام پر قیمتی سرمایہ ہے جس سے ہمارے مسائل حل ہوتے رہے ہیں اور قیامت تک حل ہوتے رہیں گے، ظاہر ہے کہ اس میں زندگی اسی وقت برپا ہوگی جب اس کے کچھ اہداف متعین ہوں۔

ایک سوال اخیر میں یہ ہے کہ یہ جو نظریۃ المقاصد ہے اگر نمبروار یہ بھی بتادیں کہ اس کے وظائف کیا ہیں؟ فنکشنز کیا ہیں، جیسا کہ علوانی صاحب نے توحید، تزکیہ وغیرہ بتایا، اور اس کے علاوہ اصول فقہ میں جو اس کے فنکشنز ہیں، بتایا گیا کہ فقہ الاقلیات میں بھی اس کا دخل ہے، بلاشبہ اس کا ایک فنکشن، ایک وظیفہ ظاہر ہوتا ہے، اور بھی دوسرے فنکشنز ہیں اگر وہ نمبروار

آجائیں تو ایک عام آدمی کو پہلے ہی مرحلہ میں اس کو سمجھنے کے لئے، اس کے فنکشنز کا تعارف اور شریعت کے علمی نظام میں وہ کیسے داخل ہو رہا ہے، ان سوالوں کا جواب مل جائے تو تعارف میں بڑی آسانی ہو سکتی ہے۔"و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين"۔

اصولی مباحث پر تحقیق

مولانا مفتی جنید عالم ندوی

حضرات گرامی! اس فقہی ورکشاپ میں شرکت کا اتفاق ہوا، اور اس کی ہر مجلس اور ہر پروگرام میں شریک رہا، الحمد للہ اس سے کافی فائدہ محسوس کیا اور اپنے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا کہ اس طرح کے اصولی مباحث پر تحقیق ہونی چاہئے، اس پر لکھنا اور پڑھنا چاہئے اور دوسروں میں بھی اس طرح کا شوق پیدا کرنا چاہئے، میری خواہش ہے اور درخواست ہے کہ اس طرح کا پروگرام مختلف صوبوں میں ہوتا کہ ہر جگہ علماء میں اس طرح کی بیداری آئے۔

نتائج:

اجتہاد اورفقہ المقاصد

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
ترجمہ: مولانا محمد ہشام الحق ندوی

الحمد لله والصلاة والسلام على سيدنا رسول الله

میرے دینی بھائیو اور دوستو!

ہماری گفتگو کا موضوع ہے مسئلہ مقاصد- مقاصد کا مفہوم ہے: ربانی مقاصد کے ادراک کے لئے صورت حال کے فہم میں عقل کا استعمال کرنا۔ کیونکہ قرآن غور وفکر کی دعوت دینے والی کتاب ہے:"أفلا يتدبرون القرآن أم على قلوب أقفالها" (سورۂ محمد: ۲۴) (تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں)۔ اگر کسی شخص کو کسی حکم شرعی کی علت کا ادراک نہ ہوسکا ہو تو اس کا یہ عدم ادراک علت اس بات کے لئے حجت نہیں بن سکتا کہ وہ دوسرے کسی ایسے شخص کو رد کرے جس کو اللہ تعالی نے اس علت کے ادراک سے نوازا ہو۔ جس نے علم حاصل کیا۔ وہ اس شخص کے خلاف حجت ہے جس نے علم حاصل نہیں کیا کسی انسان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس بات کو دلیل بنائے کہ یہ چیز ہمارے اسلاف کی زبان سے منقول نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا، متعدد جہتوں اور وجوہ کا حامل ہے۔ امام

سیوطی نے طبقات مفسرین سے متعلق ایک انسائیکلو پیڈیا تحریر فرمایا لیکن کیا اتنا بڑا انسائیکلو پیڈیا جس میں صرف مفسرین کے ناموں کو جمع کیا گیا ہے اس عظیم سرمائے کو قرآن میں شامل کرنے سے مانع بن سکتا ہے جو بہت سے علماء نے بعد میں تیار کیا اور آج تک تیار کرتے آرہے ہیں۔

ایک عالم نے فرمایا: آپ عہد ماضی اور دور حاضر کی تمام تفسیریں پڑھیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ سب کی سب قرآن کی تفسیر کرتی ہیں، لیکن ایک نئی تفسیر ایسی ہے جو قرآن کریم کے ذریعہ زندگی کی تفسیر کرتی ہے، وہ تفسیر ہے ''فی ظلال القرآن''۔ یہ زندگی کی تفسیر کرتی ہے، کیونکہ اس میں خلافت اور حکومت کا ذکر بھی ہے۔ آج زندگی کے ساتھ ساتھ چلنے کی جتنی ضرورت ہے اتنی پہلے کبھی نہیں تھی، لہذا اس وقت زندگی کی تفسیر ہی مطلوب ہے۔ جب خلافت ختم ہوگئی اور اقتدار نادانوں اور کمینوں کے ہاتھ میں آگیا تو ہمیں ضرورت محسوس ہوئی کہ زندگی کی تشکیل اسلام کے ذریعہ ہو۔ ان حالات میں سید قطب شہید نے ''فی ظلال القرآن'' لکھی اور اسے اپنے خون جگر سے سینچا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے الفاظ ایک ایسی روح میں تبدیل ہوگئی جو مشرق ومغرب اور شمال وجنوب ہر جگہ امت مسلمہ میں جاری وساری ہے۔ کیا اس سے پہلے ظلال جیسی تفسیر لکھی گئی؟ نہیں، نہیں لکھی گئی، میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ سابقین کے ذہن ودماغ ایسی تفسیر لکھنے سے قاصر تھے۔ انہوں نے اپنی طاقت ووسعت سے بہت زیادہ کارنامے سرانجام دیئے۔ میرے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہمیں اپنے زمانہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا چاہئے نہ کہ گذشتہ صدیوں کا۔ میں قاہرہ یونیورسٹی کے فارمیسی کالج میں ایک طالب علم سے ملا، اس نے مجھ سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا: اللہ کا شکر ہے میں نے فرقہ جہمیہ کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہیں دوا سازوں کی تعداد معلوم ہے؟ مصر میں اسی فیصد دوا ساز عیسائی ہیں، وہ دواؤں میں ایسے اجزاء شامل کر دیتے ہیں جن کا نتیجہ اسقاط حمل اور مسلمانوں کی نسل کشی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ کیا جانوں کی حفاظت کے تقاضے کے پیش نظر یہ ضروری نہیں کہ تم ایک ماہر دوا ساز بنو اور اس ذمہ داری کے لئے اپنے کو یکسو کرلو جو فرض کفایہ ہے، اور اگر تم اس مشن

میں عملاً لگ جاؤ تو یہ فرض عین ہو جائے گا۔ یہ بہتر ہے یا یہ کہ تم کسی ایسی قوم کا احتساب و محاکمہ کرنے بیٹھ جاؤ جن کا حساب اللہ پہلے ہی لے چکا ہے اور وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکے ہیں، جنت میں ہوں یا جہنم میں۔ ہمیں جبار اور داروغہ نہیں بنایا گیا ہے۔ یہ کیا حماقت کی بات ہے کہ یہ دوا ساز اپنا اختصاصی میدان چھوڑ کر گذشتہ صدیوں کے جہمیہ کا محاکمہ کرنے بیٹھ گیا، کیوں ہم حال کے مقابلہ سے قاصر ہو کر ماضی کی جگالی کرنے لگتے ہیں؟ ہم اس بات کا اعتراف کیوں نہیں کرتے کہ ہم کوتاہ اور قاصر ہو گئے ہیں اور ہم نے دوسری برق رفتار قوموں کے لئے میدان چھوڑ دیا ہے۔ خواب خرگوش میں پڑا شخص دوسروں سے یہ کیوں چاہتا ہے کہ وہ بھی اسی کی طرح سو رہیں۔ امت کو بیدار ہونا ہوگا۔ قرآن کا یہی پیغام ہے: "يأيها المزمل قم الليل إلا قليلا (سورۂ مزمل:۱) (اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کیجئے)، يا أيها المدثر قم فانذر (سورۂ مدثر:۱،۲) (اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھئے پھر (کافروں کو) ڈرایئے)، قل إنما أعظكم بواحدة أن تقوموا الله" (سورۂ سبا:۴۶) (آپ یہ کہئے میں تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ) اس میں قیام اور حرکت ہے۔ جب ایک انسان اٹھے تو لازماً ایسے ہی کام کے لئے اٹھے جو فی الفور ضروری ہو۔ نہ یہ کہ وہ ماضی کے افکار و تصورات میں گم رہے۔ غم ماضی ہی کی جگالی کرتا رہے اور پیہم رواں زندگی کے سلسلے میں کچھ نہ کرے۔ کچھ دماغوں نے جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا مسئلہ مقاصد کی نظریہ سازی کی، اور کچھ دوسرے دماغوں نے اس کا ذکر کئے بغیر اس کی تطبیق کا کام انجام دیا، بالکل اس طرح جیسے ایک شخص فطری طور پر اشعار کہتا ہے اور دوسرا شعری بحروں اور اوزان سے واقفیت پیدا کر کے اور ان کو بنیاد بنا کر اشعار کہتا ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کا درجہ بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ علماء کی ایک دوسرے پر افضلیت کے مسئلہ کو آسمان و زمین کے رب پر چھوڑ دیجئے۔ نبی ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ انبیاء کرام میں سے ایک کو دوسرے سے افضل قرار دیں۔ ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں خشیت قلبی کے ساتھ ساتھ حجت شرعی کا بھی حامل ہونا چاہئے تاکہ اپنے

دور کے چیلنجز کا مقابلہ کرسکیں اور صحیح سمت میں امت کی رہنمائی کرسکیں۔

لہٰذا فقہ المقاصد کو غور وفکر کا اپنا مقام ملنا چاہیے۔ آپ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی بدعت ہے جس پر غور وفکر کرنا ناجائز ہے یا یہ کوئی اچھوت شئی ہے جس کے قریب بھی نہیں جانا ہے۔ عقل کو غذا تفکیر ہی سے ملتی ہے۔ "أفلا يتدبرون القرآن أم على قلوب اقفالها" (سورۂ محمد: ۲۴) (تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟)۔ "ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر" (سورۂ قمر: ۱۷) (اور ہم نے آسان کردیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا) یہاں ذکر کا مشتق بصیغہ تشدید ہے جس سے قرآن کریم کی آیات اور سنت نبوی میں گہرائی سے غور وفکر کرنے کی ضرورت پر روشنی پڑتی ہے، نیز اس اسلوب میں قوت اور زور بھی ہے۔ نبی ﷺ نے واقعہ بنی قریظہ کے موقع پر جو ہدایت فرمائی تھی وہ دلالت اور ثبوت ہر دو اعتبار سے قطعی تھی لیکن چونکہ مسلم سماج میں فکر کی تحریک موجود تھی اس لئے بیک وقت نص اور اس کے مقاصد نیز اس کے سیاق کے دائرہ میں غور وفکر سے کام لیا گیا۔ نص کے ہوتے ہوئے مسئلہ مقاصد پر گفتگو کے ضمن میں میری طرف سے آپ کو یہ نصیحت ہے کہ آپ مسئلہ مقاصد کے بالمقابل کسی جزئی مسئلہ میں بھی کسی جزئی نص کو نظر انداز نہ کریں۔ امام غزالی اور امام شاطبی نے بھی جو کہ مقاصد کے اساتذہ ہیں، لکھا ہے کہ بعض مصالح ایسے ہیں جن کے باطل ہونے پر خود شریعت شاہد ہے۔ اس کی مثال ایک عالم کا وہ فتوی ہے جو ایک ایسے بادشاہ کو جس نے رمضان کے مہینے میں دن میں جماع کرلیا تھا۔ فتوی یہ تھا کہ بادشاہ پر مسلسل دو مہینوں کے روزے رکھنے لازم ہیں۔ جب ان مفتی صاب پر لوگوں نے نکیر کی کہ آپ نے اس کو غلام آزاد کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا جب کہ اس کی مالی وسعت اتنی ہے کہ وہ غلام آزاد کرسکتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں اس کو غلام آزاد کرنے کا حکم دیتا تو یہ اس کے لئے آسان تھا۔ مفتی صاحب نے مزید فرمایا کہ اس فتوی کے بعد وہ جری ہوجاتا اور اپنی شہوت پوری کرنے کے مقابلہ ایک غلام آزاد کرنے کو معمولی جانتا۔ لہٰذا اس صورت میں مصلحت کا تقاضا یہی

ہے کہ اس پر روزے لازم کیے جائیں تاکہ وہ اپنی حرکت سے باز آ جائے۔

امام غزالی کہتے ہیں: یہ قول باطل اور کتاب کے نص کے خلاف ہے۔ اگر اس کا دروازہ کھول دیا گیا تو اس کے نتیجہ میں تمام شرعی حدود اور نصوص تبدیلی احوال کو بنیاد بنا کر تبدیل کر دیئے جائیں گے اور جب عوام الناس کو علماء کے اس طرز فتوی کا علم ہوگا تو انہیں ان کے تقوی اور ان کی دیانت پر اعتماد نہیں رہ جائے گا اور وہ یہ سمجھیں گے کہ ان کا ہر فتوی دراصل رائے کو بنیاد بنا کر دین میں تحریف کی کوشش ہے۔ امام شاطبی نے کتاب ''الاعتصام'' میں اس واقعہ پر مفصل گفتگو کی ہے اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ فتوی باطل ہے اگر چہ اس میں مقاصد شرعی کو اولیت دینے کی بات کہی گئی ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں علماء کی رائے یا تو تخییر کی ہے یا ترتیب کی، لیکن مال دار شخص کو پیش نظر رکھ کر غلام آزاد کرنے کے بجائے روزہ کو مقدم کیا جائے یہ رائے کسی کی نہیں۔ امام شاطبی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر دیئے جانے والے اس فتوی کو اجماع کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ زید فرماتے ہیں کہ موجودہ صورت حال میں فتوی یہی ہونا چاہئے۔ اگر اجتہاد کی بنیاد مصلحت اور مقصد پر ہوتی ہے تو غور کیا جانا چاہئے کہ یہاں مصلحت کا تحقق کس صورت میں ہو سکتا ہے؟ یہاں تو مصلحت روزہ رکھوانے میں ہے۔ غلام آزاد کرنا اس کے لئے کوئی مشکل چیز نہیں، وہ ہر دن جماع کرے گا اور اس کے بدلہ ایک غلام آزاد کر دے گا۔

رمضان میں دن کے وقت جماع کرنے کا کفارہ کا تذکرہ اس حدیث میں ملتا ہے جو حدیث محترق (جلنے والے کی حدیث) سے مشہور ہے۔ ہوا یہ تھا کہ ایک صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں جل گیا، بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں: میں ہلاک ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رمضان میں دن کے وقت جماع کر لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک غلام آزاد کر دو، انہوں نے کہا: میرے پاس کوئی غلام ہے کہاں کہ میں اسے آزاد کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلسل دو

ماہ کے روزے رکھو۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں کبھی ایک دن کے لئے بھی صبر نہیں کر سکا۔ میں دو ماہ کے روزے کیسے رکھوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو، انہوں نے کہا: میرے پاس کھلانے کو کچھ نہیں، آپ ﷺ نے انہیں کچھ دیتے ہوئے فرمایا: یہ لو اور اسے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم سے زیادہ بھی کوئی حاجت مند ہے؟ اس پر آپ ﷺ ہنس پڑے اور آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لو اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ اور دوبارہ ایسی حرکت مت کرنا''۔

میرے بھائیو! بتایئے کیا اس سے یہ روشنی نہیں ملتی کہ فتوی میں عوام الناس کی تیسیر کا پہلو ملحوظ رکھنا اسلام کا نمایاں وصف ہے۔ امام غزالی نے اسے اپنی کتاب ''المستصفی'' میں ذکر کیا ہے کہ اس مفتی نے کتاب اللہ کے خلاف فتوی دیا۔ میں نے فکر مقاصدی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کفارہ سے متعلق تمام احادیث کی چھان پھٹک شروع کی، میں پڑھتا رہا، نقد کرتا رہا، تلاش جاری رکھی، میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ میں نص کے خلاف فتوی دے دوں۔ اسی بحث و تحقیق کے دوران ایک روز آدھی رات کے بعد مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک دلیل عطا فرمائی۔ دلیل اس بات کی مل گئی کہ کفارہ میں تخییر ہے نہ کہ ترتیب۔ میں نے کہا بس میرا کام ہو گیا۔ میں نے مسلم شریف میں ایک روایت دیکھی جس کے الفاظ یہ ہیں: ''صم كذا أو أعتق رقبة'' (روزہ رکھو یا ایک غلام آزاد کرو)۔ اسی طرح یہ الفاظ ہیں: ''أعتق رقبة أو صم شهرين متتابعين أو أطعم ستين مسكينا'' (ایک غلام آزاد کر دو یا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ) میں نے کہا اگر تخییر کا ثبوت مل جائے تو حاکم، قاضی اور مفتی کے لئے بھی اس سلسلے میں فکر مقاصد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بیشتر مسلم کی اس حدیث کے خلاف فتوی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ رمضان میں دن کے وقت جماع کر لینے کے کفارہ میں ترتیب ہے نہ کہ تخییر۔ میں جس فکر مقاصدی کی بات کر رہا ہوں وہ یہ کہ اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر سزا یا کفارہ سے مقصود کیا ہے؟ مقصد زجر و تنبیہ اور باز رکھنا ہے۔ اس زجر و تنبیہ کے مقصد کو

سامنے رکھتے ہوئے اس مفتی نے یہ فتوی دیا کہ وہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے، کیونکہ وہ اس کے بغیر اپنی حرکت سے باز ہی نہیں آسکتا۔ میرے خیال میں اس مسئلہ میں امام غزالی اور امام شاطبی کی نظر مقاصد پر نہیں پڑسکی اور اس کی وجہ سے ان سے یہ غلطی ہوگئی کہ انہوں نے اس فتوی کو کتاب اللہ کے خلاف قرار دے دیا۔ شیخ مصطفیٰ زید جنہوں نے شیخ نجم الدین طوفی کی کتاب ''المصلحۃ'' پر مضامین لکھے ہیں انہوں نے اس فتوی کی تائید کی ہے، مگر وہ فرماتے ہیں کہ میں نص کے خلاف جانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اللہ کا فضل ہے کہ مجھے وہ دلیل مل گئی جس کی وجہ سے مجھے بہت سکون مل گیا اور شیخ مصطفیٰ زید کی تائید کو سند فراہم ہوگئی۔ میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ اسلامی شریعت بہت ہی زرخیز ہے۔ آپ کبھی بھی شروعات کسی نص کے انکار یا اس کے معارضہ سے نہ کریں بلکہ آپ تحقیق کریں، تنقید کریں، تمام اقوال کو جمع کریں تو اس سے آپ کو مدد ملے گی۔ ایسی صورت میں اگر آپ امام غزالی اور امام شاطبی کی رائے کے خلاف بھی جائیں گے تو آپ کے پاس دلائل ہوں گے۔ اسی مسئلہ کو لے لیجئے جس میں اجماع کا دعوی کیا گیا ہے۔ یہ کیا چیز ہوئی؟ یحیی بن کثیر نے اسی مسئلہ میں جب کہ تمام علماء نے بالاتفاق غلام آزاد کرنے کا فتوی دیا تھا، تین دن روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اسحاق بن ابراہیم نے اس کو اختیار کیا اور ابن بشکوال نے اسی پر فیصلہ کیا۔ اب اجماع کہاں رہا؟ یہ مسئلہ تو اختلافی ہوگیا۔ اگر پہلی حدیث میں ترتیب ہے جیسا کہ تمام علماء کہتے ہیں تو دوسری حدیث میں غلام آزاد کرنے، یا روزہ رکھنے یا کھانا کھلانے کے درمیان اختیار ہے، اور تیسری حدیث میں نہ عتق رقبہ کا ذکر ہے نہ مسلسل دو ماہ روزہ رکھنے کا بلکہ صرف صدقہ کا ذکر ہے۔ اس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ کفارہ میں تخییر ہے نہ کہ ترتیب جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ یہ تو تحقیق مناط سے پہلے حکم لگانے کی رو سے ہے۔ رہ گئی بات تحقیق مناط ہوجانے کی صورت میں تو اس وقت حکم لگانے کے پس پردہ جو مقصد ہے اسے ملحوظ رکھنا لازم ہوگا۔ یہاں کفارہ کا مقصود ماہ مقدس کی پامالی پر تنبیہ ہے، خواہ یہ پامالی نکاح صحیح کے ذریعہ ہو یا زنا کے ذریعہ۔ اگر مقاصد شرع کے پیش نظر مفتی حضرات نے بعض بادشاہوں کے لئے تحقیق مناط

کرنے کے بعد مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے کا فتوی دیا تو یہ اجتہاد پسندیدہ اور قابل قبول ہونا چاہئے بلکہ میرے خیال میں یہ غلام آزاد کرنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے فتوی کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے۔ یحیی بن کثیر نے اسی ترجیح کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں تو ایسے لوگوں کے لئے بڑی آسانی ہو جائے گی اور وہ ہر دن روزہ کی پامالی کر کے مسکینوں کو کھانا کھلا دیا کریں گے یا غلام آزاد کر دیا کریں گے۔ سب سے بڑی مشکل اجماع کے دعوی میں ہے۔ ہمیں ہر بات میں اجماع کا دعوی نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہمیں کہنا چاہئے کہ ہمیں اس رائے سے اختلاف کرنے والا کوئی نہیں ملا۔ اگر کوئی بات نص قرآنی کی بنیاد پر کہیں تو ہمیں کہنا چاہئے کہ تواتر سے یہ ثابت ہے۔ اگر ہم حدیث کی بنیاد پر کوئی بات کہیں تو اس کی سند کو جاننے کی کوشش کریں گے۔ جہاں تک اجماع کی بات ہے تو اس کے بارے میں ابن القیم فرماتے ہیں: جب منصب افتاء کم علموں اور ناپختہ علم والوں کو مل گیا تو وہ دوسروں کا منہ بند کرنے کے لئے اجماع کا دعوی کرنے لگے۔ میں نے بیس ایسے بڑے مسائل کی تحقیق کی ہے جن میں اجماع کا دعوی کیا گیا ہے، میں تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان میں سے ایک میں بھی اجماع نہیں ہے۔ اجماعی مسائل تو وہ ہیں جو کتاب وسنت میں قطعی الدلالہ اور قطعی الثبوت ہیں۔ اور ان پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ یہاں امام شاطبی نے کہہ دیا کہ یہ فتوی اجماع کے خلاف ہے جبکہ اجماع سرے سے ثابت ہی نہیں ہے۔ امام غزالی نے اس فتوی کو کتاب اللہ کے خلاف قرار دے دیا جب کہ یہ مسئلہ کتاب اللہ میں مروی ہی نہیں ہے۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس کا یہ مطلب ہوا جیسا کہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا جس نے آج ایک کتاب لکھی ہو اور کل اس پر غور کر کے یہ نہ کہا ہو کہ اگر اس میں یہ اضافہ کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوتا اور اگر اس بات کو حذف کر دیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ یہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ انسانی کاوشیں نقص وکمزوری سے پاک نہیں رہ سکتیں۔ آسمان کے نیچے کوئی ایسی کتاب موجود نہیں جو ہر طرح کی غلطی سے مبرا ہو سوائے قرآن کریم کے۔ ہم ہر چیز پر غور وفکر کریں گے، اسے قرآن پر پیش کریں

گے اور پھر اس کے فیصلہ کو آخری فیصلہ تسلیم کریں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ کی پیش کردہ حدیث: "إن المیت لیعذب ببکاء أهله" (مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے) کو اللہ کی کتاب پر پیش کر کے رد کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔ انہوں نے صاف طریقہ پر فرمادیا کہ یہ بات صریح قرآن سے ٹکراتی ہے، قرآن میں ہے: "ولا تزر وازرة وزر أخرى" (سورۂ انعام: ۱۶۴) (اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا)، "وأن لیس للإنسان إلا ما سعى وأن سعیه سوف یرى" (سورۂ نجم: ۳۹-۴۰) (اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھ لی جائے گی)۔

ہماری موجودہ زندگی کے چند عملی نقاط:

ہمیں فقہ المقاصد کے دائرہ میں قرآن کریم کے بلند مقاصد اور اہداف کا ادراک کرنا چاہئے اور ہمیں مقاصد کو امت کی زندگی کا ایک محوری مسئلہ کی صورت میں پیش کرنا چاہئے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہمیں قولی و عملی ہر قسم کا جہاد آزادی کے حصول کے لئے کرنا چاہئے۔ اس وقت کرنے کا ایک بنیادی کام یہ ہے۔ اسی کے ذریعہ اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔ آزادی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔ ہم بہت سے بڑے بڑے فیصلے کریں گے، تجاویز پاس کریں گے لیکن آزادی نہیں ہوگی تو کچھ نہیں ہوگا۔ ہمارے درمیان اور کرۂ ارض پر موجود ہمارے دیگر بھائیوں کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی۔ "وحیل بینهم و بین ما یشتهون کما فعل باشیا عهم من قبل إنهم کانوا فی شک مریب" (سورۂ سبا: ۵۴) (اور ان میں اور ان کی آرزوؤں کے درمیان ایک آڑ حائل کر دی جائے گی جیسا کہ ان سے قبل والے ان کے ہم مشربوں سے بھی کیا جائے گا یہ (سب) بڑے شک میں تھے تذبذب میں پڑے ہوئے)۔

اس لئے آپ ﷺ فرماتے تھے: "خلو بیني و بین الناس" (میرے اور لوگوں

کے درمیان راستہ چھوڑ دو)،لوگوں کے پاس عقل وادراک کی قوت ہے۔اگر ہمیں روئے زمین کی کسی بھی قوم تک اسلام کے عظیم پیغام کو پہنچانے کا موقع مل گیا تو اللہ کے حکم سے اور قرآن وسنت کی قوت سے انشاء اللہ ایک عظیم انقلاب برپا ہو جائے گا۔لیکن مسئلہ یہ ہے کہ آج ہمارے اور عوام الناس کے درمیان دباؤ ڈال کر اور لوگوں کی آزادی کو کچل کر رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں۔مقاصد کا احترام کرتے ہوئے اگر حکم کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو یہ کوئی بدعت نہیں ہے۔استاذ یا دوست یا رائے عامہ سے اختلاف کرنا کوئی معیوب بات نہیں۔ عقلوں کا اختلاف ایک قیمتی سرمایہ ہے جبکہ دلوں کا اختلاف ایک مہلک وبا ہے۔اگر ایک شخص کے نزدیک تمام احکام غیر معلل ہیں اور وہ انہیں اسی طرح لیتا ہے جس طرح وہ اس کی رائے کے مطابق ہیں تو ہمیں اس کو خوش آمدید کہنا چاہئے۔جب آپ ﷺ نے صحابہ کے درمیان اختلاف رائے پر کوئی سرزنش نہیں فرمائی تو ہمیں کیا حق ہے کہ اختلاف رائے کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے کی سرزنش کرتے پھریں۔اس قسم کے مسائل میں ہمارے دل وسیع ہونے چاہئیں۔

عورتوں کے مسائل پر اس وقت بطور خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ان کی تعلیم و تربیت کو بنیادی اہمیت دی جانی چاہئے۔اس ضمن میں ہمیں حضرت ام سلمہؓ کی عظمت اور ان کا کردار فراموش نہیں کرنا چاہئے۔جب صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ نے اپنی تاریخ میں پہلی بار آپ ﷺ کے حکم دینے کے باوجود خاموشی اختیار کی اور تعمیل حکم پر ازخود آمادہ نہیں ہوئے تو مسلمانوں کے لئے کون شخص رحمت کا فرشتہ بن کر سامنے آیا۔وہ یہی حضرت ام سلمہؓ تھیں، انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ نکلئے اور اپنا حلق کرائیے اور اونٹ لائیے اور قربانی کیجئے،اور آپ کسی سے کچھ مت کہئے۔وہ خود بخود آپ کی پیروی کریں گے۔ایسا ہی ہوا۔ایک درست،راست فکر اور سلیم الطبع مسلمان خاتون کی بصیرت اور فرزانگی سے اس وقت کا ایک بہت بڑا بحران ختم ہو گیا۔ہمیں حضرت عائشہ حمیراء حافظہ اور فقیہہ کی ذہانت ودانائی کی اشد ضرورت ہے جو روایات ونصوص میں غور وفکر اور تدبر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ہمیں حضرت ام سلمہ کا

عقلی وفکری دماغ درکار ہے۔ ہمیں ام سلیم جیسی طاقتور شخصیت مطلوب ہے۔ ہمیں ان گودوں کو محفوظ رکھنا ہے جن میں بڑے بڑے انسان اور عبقری قسم کے بچے پروان چڑھتے ہیں۔ ہمیں ایک بلند اور عظیم مقصد کی خاطر عورتوں کو اپنی توجہ کا خاص مرکز بنانا چاہئے۔ ہر بھائی اس کی تعلیم وتربیت کے لئے اور اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لئے سوچے اور کوشش کرے۔

ہمیں فتاوی میں مقاصد شریعت کو سامنے رکھنا ہوگا خصوصاً عورتوں سے متعلق فتاوی میں۔

اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت کا مسئلہ بھی مقصدی نقطۂ نظر سے غور کئے جانے کے قابل ہے۔ ہمارا ایک مقصد یہ بھی ہونا چاہئے کہ ہر اس مسلمان کو رزق حلال کمانے پر آمادہ کریں جس میں ذرہ برابر کی طاقت وقوت ہو۔ ہم اس بات کی کوشش کریں کہ ہر مسلمان اپنی مالیات کا دائرہ وسیع کرے اور اپنا مال خرچ کرے۔ ہم مسلمانوں کو اس پر ابھاریں کہ وہ انگریزی زبان، کمپیوٹر اور دیگر ذرائع روزگار سے واقفیت حاصل کریں، ان کی تربیت لیں اور ان سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ اللہ تعالی ہنر مند بندہ کو پسند کرتا ہے۔ ہمیں موجودہ دور میں مصر میں، ہندوستان میں اور دیگر مسلم وغیر مسلم ممالک میں لاکھوں کا پروجیکٹ چلایا جانا چاہئے۔ ہم کو ایسی فقہ کی ضرورت ہے جو ہمارے آج کے معاشی مسائل کو حل کرے۔ ہمیں فقہ کو اس کے تنگ دائرہ سے نکالنا چاہئے۔ امام ابن قدامہ مقدسی نے ''المغنی'' میں مالیات اور منافع کی بے شمار اقسام اور طریقوں کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے اس کتاب میں ان تمام مختلف النوع کمپنیوں کا احاطہ کرلیا ہے جو آج دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ کوتاہی ہمارے اندر ہے۔ ہم متفرق ہیں۔ ایک یہاں اور ایک وہاں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ بڑے ہیں اگر یہ دونوں بڑے ایک ساتھ مل جائیں اور باہم متحد ہوکر کام کریں تو وہ کتنے نتیجہ خیز ثابت ہوں گے یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہم میں اگر دو آدمی ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک ہزار روپئے ہیں تو وہ دونوں الگ الگ اس رقم سے سرمایہ کاری کرتے ہیں، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے منافع بہت محدود ہوتے ہیں۔ اگر یہ دونوں اپنی اپنی رقوم ملا کر کوئی پروجیکٹ

چلائیں اور مشترک سرمایہ کاری کریں تو منافع بہت زیادہ ہوں گے اور سرمایہ کی افزائش بھی ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر دو یہودی ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک ہزار ڈالر ہوں تو وہ دونوں اپنی رقوم ملا کر دو ہزار ڈالر سے کاروبار شروع کرتے ہیں، دس سالوں کے بعد ان کے پاس اربوں ڈالر آ جاتے ہیں۔ اور ہم ایک ایک کی صورت میں دس ہزار ڈالر سے کاروبار شروع کرنے کے باوجود کچھ سالوں کے بعد سرمایہ بھی ضائع کر دیتے ہیں اور آپسی تعلقات بھی خراب کر لیتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اسی لئے نا کہ ہمارے درمیان اعتماد کی کوئی شکل نہیں ہوتی ہے، ہم میں راست بازی کا فقدان ہے اور ہم دیانت داری کے ساتھ مالی ذمہ داریاں انجام دینے کے جوہر سے عاری ہیں۔ جب کہ امام بخاری کی تالیف کردہ صحیح بخاری کی کتاب الکفالۃ کی پہلی ہی حدیث قرض کو لکھ لینے اور اس پر گواہ اور کفیل بنا کر اسے مؤکد کر لینے کی ہدایت دیتی ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ ایک شخص قرض لیتا ہے۔ قارض اس سے گواہ لانے کو کہتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میرے پاس کوئی گواہ نہیں، اللہ ہی گواہ کے طور پر کافی ہے۔ پھر قارض کہتا ہے: کوئی کفیل لاؤ، وہ کہتا ہے: میرے پاس کوئی کفیل نہیں، اللہ ہی وکیل کے طور پر کافی ہے۔ وہ مقروض قرض لے کر چلا جاتا ہے۔ اب قرض کی ادائیگی کی تاریخ آ پہنچتی ہے۔ قارض اور مقروض کے درمیان دریا حائل ہے۔ مقروض کشتی کا انتظار کرتا ہے، کشتی نہیں آتی۔ وہ اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اے رب کریم! میں نے تجھ کو گواہ اور وکیل بنایا ہے، میری مدد فرما۔ اللہ تعالی اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کو ایک لکڑی نظر آتی ہے، وہ پیسہ تھیلے میں رکھ کر اسے لکڑی میں ڈال دیتا ہے اور لکڑی کو گوند سے چپکا کر اسے دریا میں ڈال دیتا ہے۔ قارض اپنے وطن میں اس کا انتظار کر رہا ہوتا ہے کہ وہ آئے اور اس کو اس کا مال دے۔ تھوڑی دیر بعد دریا میں اسے ایک لکڑی تیرتی نظر آتی ہے، وہ اسے لے کر اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اسے تنور میں جلا دو۔ بیوی اسے تنور میں ڈالنے ہی والی ہوتی ہے کہ اسے اس لکڑی کے اندر ایک کاغذ دیکھائی دیتا ہے، وہ اسے نکال کر اپنے شوہر کے حوالہ کر دیتی ہے، اور پھر وہ شخص بھی پہلی کشتی سے آ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ

میرا پیغام آپ تک پہنچ گیا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ ہاں میری امانت مجھے مل گئی۔ اس پر مقروض اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور کہتا ہے: اللہ کی ذات پاک ہے، اللہ ہی کافی ہے گواہ کے طور پر اور اللہ ہی کافی ہے وکیل کے طور پر۔

یہاں امر مقاصدی کا تقاضا یہ ہے کہ عقود اور مالی معاہدات میں گواہ بنایا جائے اور قرض کو لکھ کر مؤکد کر لیا جائے۔ اس کے لئے ہمارے فقہاء آگے آئیں اور اس سلسلے میں امت کی رہنمائی کا فرض انجام دیں۔ آج کے ایک کاہل وسست اور خوابیدہ مسلمان کو جو صدقہ وزکاۃ کا منتظر ہے بیدار ہونا ہوگا۔ میں نے بھی ایک زمانہ ایسا گزارا ہے کہ مجھے یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے بعد ٹیکسی چلانی پڑی۔ کچھ لوگوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے یونیورسٹی میں میرا تقرر نہیں ہوسکا تو میں نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے ڈرائیونگ کرتا رہا بالآخر کورٹ نے میرے تقرر کا فیصلہ کر دیا۔ جب پولیس نے میرے پاس ڈرائیونگ لائسنس دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور اس نے پوچھا کہ تم پروفیسر ہو کر ٹیکسی چلا رہے ہو؟ کیا یہ تمہاری شان کے مطابق ہے؟ میں نے کہا: ہاں، میں حلال روزگار کے ذریعہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے روزمرہ کے اخراجات پورے کرتا ہوں۔ ہم نے کہا کہ ہم پیش آمدہ حالات کے مقابلہ سے قاصر رہنے والے نہیں ہیں۔ اس وقت مجھے آپ ﷺ کی حدیث یاد آرہی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک تندرست وتوانا شخص نے آپ ﷺ کے پاس آکر آپ ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے فرمایا: صدقہ کسی مال دار کے لئے جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے اس کے پاس موجود تھوڑے بہت سامان کو دو درہم میں فروخت کر کے فرمایا کہ اس سے کلہاڑی خریدو اور اس سے لکڑیاں کاٹ کر کمائی کرو اور میں تمہیں پندرہ دنوں تک نہ دیکھوں۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد جب وہ آیا تو اس کی مالی حالت میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ لہٰذا ہمیں فقر سے مغلوب نہیں ہونا چاہیے۔ فقہ اسلامی کے اہم مقاصد میں فقر اور ناخواندگی کا خاتمہ ہونا چاہیے تاکہ فقر اور جہالت مسلمانوں کو اپنے نرغے میں نہ

لے سکیں۔ ہمیں غربت اور ناخواندگی پر قابو پا کر دنیا کے سامنے ایک ممتاز اسلامی نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ ہمارے پاس ایک منفرد قسم کا میڈیا ہونا چاہئے۔ ہماری اپنی خاص منصوبہ بندی ہونی چاہئے۔ ہمارے پاس ایسے افراد ہونے چاہئیں جو تقریر، گفتگو، مذاکرات اور مناقشے کر سکتے ہوں۔ نمائندگی کر سکتے ہوں۔ اعلی درجہ کے تخلیقی ناول، افسانے اور ڈرامے پیش کر سکنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إن من البيان لسحراً" (بعض گفتگوؤں میں جادو ہوتا ہے)۔ آپ ﷺ حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرماتے تھے: "اهج ومعك روح القدس" (ہجو کرو، حضرت جبریل تمہارے ساتھ ہیں)۔ حضرت کعب بن مالک کا شعر ہے:

"إن الرسول لنور يستضاء به مهند من سيوف الله مسلول"

(بے شک رسول ایک ایسا نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ ﷺ اللہ کی سونتی ہوئی بہترین ہندوستانی تلوار ہیں)۔

دنیا میں سب سے بہتر تلوار ہندوستان کی بنی ہوتی تھی۔ لیکن جب یہ صاحب کلمہ لا الہ الا اللہ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اب وہ اللہ کی تلوار ہوگئی، ہندوستان کی تلوار نہیں رہی۔ بدقسمتی ہے کہ ہمارے درمیان اعلی درجہ کے شاعر، افسانہ نویس، قصہ نگار، ناول نگار اور ادیب بہت ہی خال خال پائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ضرورت اس لئے تھی تاکہ وہ سماج میں آزادی اور حقوق کے موضوع پر کھل کر اظہار خیال کریں۔ اگر ہم نے آزادی، مالیات اور عورت کے مسائل نیز میڈیا پر خاطر خواہ توجہ دے دی تو روئے زمین پر بہت تیز رفتاری سے غلبہ حق کی منزل کی طرف بڑھنے لگیں گے۔ ہمیں حلم، علم، حرکیت، دعوت اور فکر کا اعلیٰ نمونہ بننا چاہئے۔ ہمیں اپنے زمانہ سے باخبر اور اس سے ہم آہنگ رہنا ہوگا۔ ہمارے پاس ترجمان القرآن حضرت ابن عباس کی سوال کرنے والی زبان اور غور وفکر کرنے والی عقل ہونی چاہئے۔ حضرت ابن عباس سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ علم کے اس بلند مقام پر کیسے فائز ہوئے تو انہوں نے فرمایا: سوال کرنے والی زبان سے اور سمجھ رکھنے والی عقل سے۔ جب مجھ سے کوئی بات کی جاتی ہے تو میں اسے خوب

غور سے سنتا ہوں اور جب میں گفتگو کرتا ہوں تو سب سے بہتر بات کہتا ہوں، اور جب مجھے دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے تو میں سب سے آسان چیز کو اختیار کرتا ہوں۔ میرے بھائیو! اس طرز عمل سے حضرت ابن عباس اس امت کے اتنے بڑے عالم ہوئے اور ہمارے عوام وخواص کا مرجع قرار پائے نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ ہر عہد میں۔ ہمارے پاس شاندار روایات واقدار ہیں جن کا مقابلہ پوری دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔ آخری اتھارٹی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو ہے۔ میں نے اپنے فقہی اختصاص کے ذریعہ صرف ہندوستان یا دلی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے اصلاح اور تعمیر کا ایک نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "تبارک الذي نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیراً" (سورۂ فرقان:۱) (بڑی عالی ذات ہے وہ جس نے یہ فیصلہ (کی کتاب) اپنے بندۂ (خاص) پر اتاری تا کہ وہ (بندہ) سارے دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو)۔

میں آپ حضرات کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اتنے لمبے وقت تک میرے محاضرات، گفتگوئیں اور مباحثے سننے کی زحمت فرمائی۔ میں اس دعوت پر اپنے تمام دوستوں اور بزرگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر میری کسی بات سے کسی کے جذبات مجروح ہوئے ہوں تو اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں، آپ میرے بھائی اور میرے وجود کا ایک جزء ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سب کو اپنی پسندیدہ روش پر جمع کیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور آپ کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تحقیق اور علمی جستجو کا ذوق

مولانا عتیق احمد بستوی

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی خاتم النبیین محمد وعلی آله وصحبه أجمعین، اما بعد!

ہمارے نوجوان علماء کرام اور بحث وتحقیق کے میدان میں علمی سفر کرنے والے وہ حضرات جو اس ورکشاپ میں تشریف لائے ہیں! پانچ دن کا ورکشاپ جس طرح سے گذرا ہے، میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے خود کافی فائدہ ہوا ہے اس ورکشاپ سے، یہاں کے کلمات سے، یہاں کی گفتگوؤں سے، علمی فائدہ بھی ہوا ہے اور ایمانی فائدہ بھی ہوا، ہم سب کا جمع ہونا دین کی خاطر اور موجودہ حالات میں امت کو جو مسائل درپیش ہیں ان کو حل کرنے کے لئے فکر مندی یہ خود بہت ہی قابل قدر چیز ہے اور عند اللہ مقبول ہے، اس پورے ورشہ فقہیہ سے، اس میں جو کچھ محاضرات پیش کئے گئے ہیں، جو گفتگوئیں ہوئی ہیں، جو مناقشے ہوئے ہیں، ان سب سے ایک تاثر جو میں نے خود لیا ہے جس کا میں نے ذکر بھی کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم سب کو مزید مطالعہ ومحنت درکار ہے ان موضوعات پر گہرائی کے ساتھ اور غور وفکر کے ساتھ، اس موقع پر مجھے علامہ اقبال کا ایک شعر فارسی میں ہے یاد آ رہا ہے، انہوں نے کہا تھا:

ہمائے علم تا افتد بد امت - یقیں کم کن گرفتار ے شکے باش
عمل خواہی یقیں را پختہ ترکن - یکے بین و یکے دان و یکے باش

یہ عارفانہ کلام ہے کہ علم کی جو ہما ہے وہ تمہارے جال میں آجائے اگر تم یہ چاہتے ہو، علم کے میدان میں ترقی چاہتے ہو، علم و تحقیق کے میدان میں تو یقین کم کرو، ایک شک میں گرفتار رہو، تحقیق کرتے رہو، کرید کرتے رہو، یہ مزاج کہ بس فلاں نے لکھ دیا، فلاں کتاب میں آگیا وہ کافی ہے، جب یہ مزاج ہوگا تو علم میں ترقی نہیں ہوگی، ہمارا مزاج یہ ہو کہ یہ کہاں سے لکھا ہے، اس کا ماخذ کیا ہے، اور اس سے ہم اصل تک پہنچتے جائیں۔ اصل کیا ہے؟ نصوص کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، ہمارے فقہاء مجتہدین نے جو خدمات انجام دی ہیں سب اسی سے ماخوذ ہیں، تو جب تک یہ کرید ہمارے اندر نہیں ہوگی، بحث و تحقیق کا جذبہ نہیں ہوگا، کوئی بات کہیں لکھی ہوئی مل گئی، جیسے عوام کی بات ہوتی ہے کہ فلاں مسئلہ وہاں چھپا ہوا ہے، چھپی ہوئی کتاب میں ہے، بس حجت ہوگئی، تو یہ مزاج ہمارا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ علم کے میدان میں اگر ہم کو آگے بڑھنا ہے، کوئی بھی علم ہو تو اس میں گرفتار شکے باش تو ہونا پڑے گا، تب ہی ہمارے علم میں اضافہ ہوگا، ہم نئی تحقیق پیش کریں گے، نیا کام کریں گے علم کے میدان میں، اس لئے نوجوانوں کو خاص طور سے میری طرف سے تلقین ہے، ہدایت ہے، بہر حال میں سینئر ہوں علم حاصل کرنے میں، اور تھوڑا سا عمر کے لحاظ سے بھی، تو خود میں ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ بہت سی باتیں بسا اوقات کسی نے لکھ دی، ذہن میں بیٹھ گئی اور ہم نے اس کی تحقیق نہیں کی، امام شاطبی جیسا شخص، کتنا ان کا احترام ہے، امام رازی کی طرف ایک بات کو منسوب کرتے ہیں، آپ کئی روز سے بحث کر رہے ہیں، لیکن وہ بات غلط ہے، اگر تحقیق نہ کی جاتی کہ امام رازی کی کتابیں پڑھی جائیں، انہوں نے اس مسئلہ میں کیا لکھا ہے، وہ دیکھا جائے تو جو غلط فہمی اس کتاب سے پھیل رہی ہے، وہ پھیلتی رہے، آپ نے شرح عقود رسم المفتی پڑھی ہے، رد المحتار پڑھی ہے، علامہ شامی نے کتنے ایسے مسائل لکھے ہیں کہ جہاں کسی سے غلطی ہوگئی وہ غلطی نقل ہوتے ہوتے چلی جا رہی ہے بیسیوں کتاب میں، جب علامہ شامی نے تحقیق کی اور اصل تک پہنچے تو وہاں بات کچھ اور تھی، تو ہمارے نوجوانوں میں تحقیق کا مزاج پیدا ہونا چاہئے، اور تحقیق کے مزاج کے لئے کچھ شک والا مزاج کا ہونا بھی ضروری ہے، تب ہی آپ

آگے بڑھیں گے، تب ہی آپ نئی دریافت کریں گے، نئے کام کریں گے۔

اور یہ بات پہلے بھی کہی تھی اور آج بھی عرض کرتا ہوں کہ علمی ریاضت جو ہوتی ہے، علم کے لئے پگھلنا اور گھلنا وہ ہم نے چھوڑ دیا ہے، بہت کم ہو گیا ہے، اس دور کے حالات کے اعتبار سے مسائل جس وسیع دائرے کے ہیں، جتنے سنگین ہیں ان کے اعتبار سے ہماری محنت میں جتنا اضافہ ہونا چاہئے، جس قدر ہمیں مزید اپنے اوقات کو علمی کاموں میں، تحقیق میں، بحث میں صرف کرنا چاہئے تھا، اس میں کمی آتی جا رہی ہے، جو ہمارے بزرگوں کا سرمایہ تھا علم کے ساتھ اشتغال، تحقیق کے ساتھ اشتغال اس میں بہت کمی آئی ہے، اس کمی کو دور کرنا ہے، اس مزاج کو بدلنا ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ مرض الموت میں مبتلا ہیں، سخت بیماری ان کی چل رہی ہے، یہ مسئلہ ہے کہ اب جاتے ہیں تب جاتے ہیں، لوگوں کا دل لگا ہوا ہے، رات کو کہیں یہ بات گشت کر گئی کہ ان کا انتقال ہو گیا، حضرت علامہ شبیر عثمانیؒ جو انہیں کے معاصر ہیں، بہت بڑے عالم ہیں اور غیر معمولی ان کا کام ہے، ان تک یہ اطلاع پہنچتی ہے، تو وہ ان کے گھر تک پہنچ جاتے ہیں، خبر غلط تھی، رات دیر کا وقت تھا، دیکھتے ہیں کہ علامہ کشمیریؒ ایک کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہیں، تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت کون سا مسئلہ ایسا ہے جسے آپ نے نہیں پڑھا ہے یا آپ کے ذہن میں نہیں ہے، اگر کوئی ایسا مسئلہ تھا بھی تو آپ کو زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی، حکم دیتے، بہت سے آپ کے شاگرد یہاں موجود ہیں، انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ بھی تو مرض ہے، تو کتاب ہمارا مرض نہیں بنا ہے، یہ ہونا چاہئے، اس کے بغیر ہمیں چین نہ ہو، حضرت قاضی صاحبؒ کو دیکھا ہم نے، ہم سب نے دیکھا ہے، ان کا جو مزاج تھا علم و تحقیق کے بارے میں، کہیں بھی سفر میں جا رہے ہوں، وہ قریب میں ہوں یا دور میں ہوں، کہیں بھی جا رہے ہوں کتابوں کا پشتارہ ساتھ میں ہے، جہاں بیٹھے بحث و تحقیق شروع کر دی، اِن سے گفتگو، اُن سے گفتگو، کتاب بھی پڑھ رہے ہیں، نوٹ بھی لکھ رہے ہیں، تو اپنے اسی مزاج کی بنیاد پر وہ بہت سارا کام کر سکے، حالانکہ ان کی زندگی جس قدر ہمہ جہت تھی، ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، سیاسی مصروفیات، ملی و اجتماعی کام،

ان سارے کاموں کے ساتھ تو لوگ ایسے کھو جاتے ہیں کہ ان کو علم سے کوئی مس نہیں رہتا، لیکن انہیں جو کتاب کی لت لگی تھی، جو مرض لگ گیا تھا، وہ مرض آخر تک قائم رہا، اسی بنیاد پر اللہ تعالی نے ان سے اتنا بڑا کام لیا۔

میرے عزیزو! یہ مرض پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جو بہت کم ہو گیا ہے اور کم ہو رہا ہے دھیرے دھیرے، اس ورشہ کا ایک بڑا منشاء یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں، ہم سب میں مطالعہ کا مزاج قوی ہو اور زندہ ہو، اگر انشاء اللہ اس انداز سے ہم سوچیں گے اور کام کریں گے تو بہت بڑے کام ہو سکتے ہیں۔

تیسری بات جو مجھے عرض کرنی ہے اس ورشہ کے تعلق سے، مقاصد شریعت کا موضوع آپ کے سامنے آیا، بہت سی چیزیں سنیں آپ نے، بہت سی باتیں کہیں، ظاہر بات ہے کہ ایک فن ہے جس کی کچھ کڑیاں پہلے سے موجود ہیں، اور اب کوشش ہو رہی ہے اس دور کے حالات کے اعتبار سے اس کو مستقل فن بنانے کی، تو فن میں مختلف قسمیں ہو جائیں، یہ تخصص کا دور ہے، کوئی ایسی بات نہیں جس پر ہم نقد کریں، اگر اس فقہ میں دس علوم بن جائیں، سب مستقل بن جائیں، علم میراث مستقل ہے ہی، علوم اسرہ الگ ہو جائے، علم المعاملات الگ ہو جائے، اور مقاصد شریعت کی بحث جو استصلاح، مصالح مرسلہ اور استحسان وغیرہ کے ضمن میں آتی ہے، وہ بھی ایک مستقل فن بن جائے، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، لیکن یہ مرحلہ تدوین کا ہے، کسی فن کا جب تدوینی مرحلہ آخری ہوتا ہے، جب فن مکمل ہونے کے قریب ہوتا ہے، تو وہ بہت دقت نگاہ چاہتا ہے، بہت ہی غور و فکر سے، بڑی خورد بینی سے تمام چیزوں کا جائزہ لینا ضروری ہے، اور میں آپ سے عرض کروں گا کہ ہرگز مرعوبیت ذہنوں سے نکال دیجئے، کسی بڑے سے بڑے فاضل نے کوئی بات لکھی ہے، اچھی بات ہے، ہمارے پاس بھی مصادر ہیں، ہم بھی غور و فکر کرتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں، تو یہ بات تو ذہن میں بالکل نہیں ہونی چاہئے، جب کوئی نئی چیز ہو رہی ہے، نیا فن مرتب ہو رہا ہے، اس کی تشکیل آخری مرحلہ میں کسی حد تک ہے تو اس مرحلہ میں پوری

کوششوں کا جائزہ لینا اور جہاں جہاں کوئی انحراف نظر آئے، اس کا اظہار، اختلاف رائے، یہ آپ کا حق ہے، ہم سب کا حق ہے، اور اس میں ہمارا جتنا حصہ ہوسکتا ہے ہمیں حصہ لینا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگوں نے اس کام کو انجام دیا، ایک چیز مرتب ہوگئی، مدون ہوگئی، چل پڑی اور اس کا رواج ہوگیا، اس کے بعد آپ کوئی تنقید کر رہے ہیں، کوئی تعلیق کر رہے ہیں، اس سے کام نہیں چلنے والا ہے، اس مرحلہ میں اگر آپ حصہ لیتے ہیں، ان مباحث کو روشن کرتے ہیں اور اس پر لکھتے ہیں، آپ کا حصہ ہوتا ہے اس فن کی تدوین میں تو یہ بہت بڑا کام ہے۔

بہر حال وقت کی قلت کی بنیاد پر میں انہی باتوں پر اکتفا کرتا ہوں، اور چونکہ اس پروگرام کے چلانے میں کچھ نہ کچھ میرا بھی حصہ رہا ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کو موقع نہ دے سکا ہوں اور بعض کا وقت اپنے حق کا استعمال کرتے ہوئے روک دیا ہو، تو میں معذرت کرتا ہوں۔ اگر اس طرح کی کوئی بھی کوتاہی ہوئی جس سے کسی کو اذیت پہنچی ہے تو میں ان سارے نوجوانوں سے معذرت خواہ ہوں، ہم سب کا مشترک مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے، اور یہ بات بار بار آچکی ہے کہ دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک تو حالات میں اگر بگاڑ پیدا ہوا، فساد پیدا ہوا، فساد بہت عام ہوگیا، جو ہمارا اصلی حکم ہے، عزیمت والے حکم کی امر آوری میں انتہائی دقت ہے، تو فقہاء وعلماء کی دو ذمہ داریاں ہوتی ہیں، ایک تو یہ دیکھیں کہ اس کا حجم کتنا بڑا ہے، کہاں تک بات پہنچی ہے، اس مشکل کے حجم کے اعتبار سے شریعت میں کوئی گنجائش ہے، اس کی بھی ہم رہنمائی کریں۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ہماری ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہم یہ کوشش کریں، ایسا ماحول بنائیں کہ جو عزیمت والا حکم ہے، جو شریعت کا اصل حکم ہے، اس کو ہم بحال کریں، ایسے حالات پیدا کریں کہ وہ حالات جو خراب ہیں تبدیل ہوجائیں اور پھر جو حکم عزیمت ہے وہ لوٹ کر آجائے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں امریکہ سمینار میں جارہا تھا، جس کا ذکر بار بار ڈاکٹر صلاح صاحب نے کیا ہے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے ملاقات کرنے گیا تو انہوں نے جو بات فرمائی کہ میری طرف سے یہ دعا وہاں سنا دینا کہ میں امریکہ والوں کے لئے دعا کرتا ہوں، خاص طور سے

وہاں کے مسلمانوں کے لئے کہ اللہ ان کو رخصت کے مرحلہ سے نکال کر عزیمت کے مرحلہ میں لے آئے، کتنا فقیہانہ جملہ ہے حضرت مولاناؒ کا، جب میں نے یہ بات وہاں سنائی تو لوگ پھڑک اٹھے، غیر معمولی دعا ہے، کہ نشانہ ہمارا عزیمت ہونی چاہئے، اور اس کے لئے کوششیں ہونی چاہئیں، بدائل شرعیہ فراہم ہونے چاہئیں، اگر ہمارے نوجوان اس لائن سے سوچیں گے، تو انشاء اللہ خود اللہ تعالی راستہ ہموار کرے گا، وہ قادر مطلق ہے، خراب سے خراب حالات اور مشکلات پیدا ہورہی ہیں، مایوسی کی کوئی ضرورت نہیں، آپ نے سن لیا ڈاکٹر صلاح الدین صاحب سے کہ انہوں نے امریکہ کے حالات جو انتہائی تکلیف دہ ہیں، جن سے پورے مسلمان پریشان ہیں، اور کیا کیا اس کے اثرات کہاں پڑے، لیکن انہوں نے کہا کہ یہ اسلام کی فتح ہے، مسلمانوں کی ابتلاء اور اسلام کی فتح ہے، اور جوق در جوق رجوع اسلام کی طرف ہو رہا ہے پورے امریکہ ہی میں نہیں، بلکہ بلاد یورپ میں بھی اور پوری دنیا میں، وہ اسلام کا اپنا معجزہ ہے، اس لئے مایوس کسی حال میں نہیں ہونا چاہئے، مایوسی تو کفر ہے، اس لئے ہمیں پوری ہمت و عزیمت کے ساتھ، اور پوری سمجھداری کے ساتھ مقاصد شریعت کو سمجھتے ہوئے، کتاب وسنت سے براہ راست استفادہ کرتے ہوئے، حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے امت کے لئے لائحہ عمل پیش کرنا ہے، اور مسائل کا حل پیش کرنا ہے، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

اسرار شریعت اور اصول فقہ کا مطالعہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

محترم بھائیو!

قبل اس کے کہ جناب صدر کا خطاب ہو، میں دو تین باتیں آپ حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں، مطالعہ کی، علم کی جو اہمیت ہے وہ تو آپ نے دونوں بزرگوں سے سنا، علامہ کشمیری کے واقعہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے علامہ شبیر عثمانیؒ سے یہ کہا کہ یہ بھی ایک بیماری ہے اور اللہ کرے کہ یہ بیماری تم لوگوں کو بھی لگ جائے، تو اللہ تعالیٰ واقعی یہ بیماری ہم لوگوں کو بھی لگا دے۔

اس ورکشاپ سے جو چیزیں ہمیں حاصل ہوئی ہیں، وہ دو تین باتیں میں عرض کرنا چاہ رہا تھا، تا کہ منضبط طور پر آپ اس کو ذہن میں رکھیں اور ہم سب لوگ عملی طور پر اس کو انجام دینے کی کوشش کریں۔

پہلی بات جو ہمیں اس سے حاصل ہوئی وہ یہ کہ احکام شریعت کا مطالعہ تو بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں ہم لوگ کرتے ہیں، لیکن اسرار شریعت کا مطالعہ ہم لوگوں کے یہاں بہت کم کیا جاتا ہے، احکام شریعت کا تعلق زیادہ تر اس امت اجابت سے ہے، اور جو بھی ایمان نہ لائے ہوں وہ مخاطب بالفروع نہیں ہوتے، لیکن اسرار شریعت کا تعلق امت اجابت سے بھی ہے اور امت دعوت سے بھی، اور یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''قیامت کے دن علماء کے قلم کی روشنائی اور شہداء کا خون یہ دونوں ہم وزن ہوں گے''، یہ کیوں ہے؟ شہید، مجاہد مملکت اسلامی کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے اور عالم مملکت اسلامی کی فکری سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے، اسی

لئے دونوں کو ہم درجہ قرار دیا گیا، اور یہ فکری سرحد کی حفاظت اس وقت ہو سکتی ہے جب اسرار شریعت پر، احکام شریعت کے مصالح پر، عقل وفطرت سے اس کی ہم آہنگی پر ہماری نگاہ ہو، اللہ تعالی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو نور سے بھر دے، جوں جوں وقت گذرتا ہے ان کی بصیرت پر اور یقین بڑھتا جاتا ہے، کہ اس عقلی دور کی آمد سے پہلے پہلے کیسا توشہ سفر انہوں نے ہمارے اور آپ کے لئے تیار کیا، تو اس پہلو کو بھی علماء کو سامنے رکھنا چاہئے، یہ بھی ایک بات اس ورکشاپ سے آپ کو معلوم ہوئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اصول فقہ پر ہم لوگوں کا مطالعہ بہت ہی سطحی قسم کا ہے، جو درسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس کا مقصد اصل میں فن سے مانوس کرنا ہے، اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ فن کی انتہاء ہے، لیکن ہمارے یہاں ایک تو عملاً اصول کی کتابیں ہر فن میں خواہ اصول تفسیر ہوں، یا اصول حدیث ہوں، نسبتاً اس کے مقابلہ میں اصول فقہ کی کتابیں زیادہ ہیں، اور پھر عملی زندگی میں آنے کے بعد مثلاً فقہی کتابوں کا تو کچھ مطالعہ ہم کرتے ہیں لیکن اصول احکام کی کتابوں کا مطالعہ ہمارا بہت ناقص ہوتا ہے، تو اس پہلو پر ہمیں غور کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں خاص طور سے تین باتیں ملحوظ رکھی جائیں: ایک تو جو مصادر اصلیہ ہیں، متفق علیہ مصادر، کتاب وسنت، اجماع اور قیاس، حقیقت یہ ہے کہ قیاس کی بحث بھی ہم لوگ قاعدہ سے نہیں پڑھ پاتے ہیں، تو ان کے علاوہ وہ مصادر جو موجودہ زمانہ کے مسائل کے حل سے متعلق ہیں، مثلاً استحسان، مصالح مرسلہ، ذریعہ چاہے فتح ذریعہ ہو یا سد ذریعہ، کم سے کم ہم لوگ یہاں سے یہ طے کر کے جائیں کہ ہم میں سے ہر شخص ان تین موضوعات کا مطالعہ کرے گا، اب تو ہر موضوع پر الگ الگ مستقل کتابیں بھی آ گئی ہیں، ہر طرح کی کتابیں موجود ہیں، مشکل کتابیں بھی موجود ہیں، بہت سہل و آسان زبان میں لکھی ہوئی کتابیں بھی موجود ہیں، ایسی کتاب بھی موجود ہیں جو القدوری اور نور الایضاح جیسی سہل اور سلیس زبان میں لکھی گئی ہے، تو یہ ہم لوگوں کا ایک نشانہ اور ہدف ہو کہ ان تینوں مصادر کا پوری گہرائی کے ساتھ انشاء اللہ ہم لوگ مطالعہ کریں گے۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جیسے ہم الہدایہ پڑھتے ہیں، ہدایہ فقہ کی ایسی کتاب ہے کہ شاید ایجاز اور عقلیت کے اعتبار سے اس کی کوئی مثال مل سکے، تو ہدایہ ہمیں صرف فقہ حنفی سے روشناس نہیں کراتی بلکہ مذاہب اربعہ کی فقہ سے بھی روشناس کراتی ہے، لیکن اصول فقہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اصول فقہ پر جو کتابیں ہم پڑھتے ہیں، وہ بنیادی طور پر جو نصاب میں ہیں ہمارے یہاں وہ مذہب حنفی کے اصول پر مبنی ہیں، حالانکہ جو مختلف مذاہب کے اصول ہیں اہل السنۃ والجماعۃ کے مذاہب کی بات میں کر رہا ہوں ان کے مطالعہ کا اہتمام بھی ہمارے یہاں ہونا چاہئے، بہت سی کتابیں ہیں، متقدمین کی بھی ہیں، اور اس دور میں کچھ نہیں تو آپ علامہ شوکانی کی ''ارشاد الفحول'' ہی پڑھ لیں، ان کی ظاہریت الگ بات ہے، لیکن جو احاطہ ہے، استیعاب ہے، زبان میں سلاست ہے، حسن ترتیب ہے، تبھی تمام مذاہب پر ہماری ایک نگاہ ہو سکتی ہے، اور بہت سی کتابیں ہیں، یہ ایک مستقل بحث ہے، اصول فقہ کے جو دونوں مناہج ہیں متکلمین کے اور فقہاء کے، اور پھر ان دونوں کے جمع کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اصل میں وہ اختلاف اصول کا نہیں ہے بلکہ منہج تعبیر کا ہے لیکن میں نفس اصول کی بات کر رہا ہوں کہ ہم کو مذاہب اربعہ کے اصول کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

چوتھی بات اصول فقہ کے مطالعہ کے سلسلہ میں اور کسی بھی کتاب کے مطالعہ کے سلسلہ میں میرے ذہن میں آتی ہے وہ میں آپ سے عرض کرتا ہوں، عام طور پر مصنفین تین قسم کے ہوتے ہیں: متقدمین، متأخرین اور معاصرین، اس میں بھی اختلاف ہے کہ متقدمین کا زمانہ کب تک کا ہے، متأخرین کا کب سے ہے، یہ ایک امر اضافی ہے، عام طور پر متقدمین کی جو تحریریں ہیں اس میں استناد ہے، یعنی زیادہ مستند طور پر آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ چیز فلاں کی طرف منسوب ہے، اور متقدمین کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جو مصادر اصلیہ ہیں، کتاب وسنت ان سے، اور جیسے امام محمدؒ کی کتابیں آپ دیکھیں، ان سے زیادہ اس میں روشنی حاصل کی جاتی ہے، متأخرین جو ہیں درمیان کے دور کے ان کے یہاں توضیح وتنقیح بہت زیادہ ہے، مثال کی توضیح وتنقیح، اگر

اختلاف ہوتو اس کے درمیان توفیق کی کوشش، کہیں ترجیح وتصحیح، جیسا کہ آپ نے سنا کہ ایک مسئلہ غلط نقل ہوتا چلا آیا کسی وجہ سے، ایک ناقل نے غلط نقل کیا، دوسرے نے پھر غلط نقل کیا، یا کہیں کسی مسئلہ کے سمجھنے میں انسان سے غلطی ہوسکتی ہے، متأخرین جیسے فقہ میں شامی ہے، ہم لوگ شامی پڑھتے ہیں تو ایک اطمینان سا ہوجاتا ہے، تو یہ خوبی آپ کو متأخرین کے یہاں ملے گی، اور معاصرین کی کتابوں کو بھی پڑھنا چاہئے، کیونکہ اپنے زمانہ کے احوال پر تطبیق اور فکری تغیرات، سماجی زندگی کے عملی تغیرات، ان سے ہم اسی وقت استفادہ کرسکیں گے جب ہم انہیں پڑھیں گے، جیسا کہ ابھی آپ نے ڈاکٹر صلاح صاحب کا محاضرہ سنا، بعض مسائل کے بارے میں، جیسے رات ہی انہوں نے مثال بیان کی ہے، میں اپنے ناقص علم کی بنا پر کہہ رہا ہوں کہ مجھے لگتا تھا کہ یہ مسئلہ بالکل اجماعی ہے، لیکن جب انہوں نے سامنے رکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، ہم اتفاق کریں یا نہ کریں، لیکن جو معاصرین ہیں، جو کسی مسئلہ کے مبتلی بہ ہوتے ہیں، وہ اس مسئلہ کی زیادہ کھوج کرتے ہیں، تو اس سے جو دوسرے پہلو ہیں وہ بھی ہمارے سامنے آتے ہیں، کسی موضوع پر مطالعہ میں ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ متقدمین، متأخرین اور معاصرین تینوں طرح کی کتابوں کو پڑھنے اور اس کو اپنے مطالعہ میں لانے کی کوشش کریں۔ تو میں نے خاص طور پر یہ بات اس لئے کہی کہ عملی پیغام ہم یہاں سے لے کر جائیں۔

پانچویں بات جو یہاں مجھے سمجھ میں آئی جو آپ سے عرض کرنا چاہ رہا تھا وہ یہ کہ ایک بڑا اہم مسئلہ طریقۂ تدریس کا بھی ہے، ہمارے ہندوستان میں کتابوں کا جو نصاب ہے، اس نصاب کو کوئی ناقص نصاب نہیں کہا جاسکتا، یہ فن کے متون متینہ ہیں، بہت ہی متین قسم کے متون ہیں اس میں، اور ایک بات جس کی طرف مولانا اجتباء ندوی صاحب نے اشارہ کیا، بڑی اہم بات ہے کہ یوں تو پوری دنیا میں مدارس موجود ہیں لیکن ہندوستان کے مدارس میں اپنے فضلاء نے جو ایک کردار ادا کیا ہے احیاء دین کا، دفاع عن الدین کا، غیرت اسلامی کا اور حمیت ایمانی کا، واقعہ یہ ہے کہ ادھر کم سے کم دوسو، ڈھائی سوسال کی تاریخ میں دنیا کے کسی اور خطے کے مدارس اور

ان کے جو جامعات ہیں ان کے یہاں آپ کو اس کی مثال نہیں ملے گی، لیکن ایک بہت اہم ضرورت ہمارے یہاں جو ہے وہ طریقہ تعلیم کو درست کرنے کی ہے، ایک تو ہم لوگ اپنی تعلیم میں جدید وسائل کو بالکل استعمال نہیں کرتے ہیں، اب رات دیکھئے کہ کم وقت میں انہوں نے کتنے مضامین بیان کیے، انہوں نے اس کے عنوانات لکھ دیئے، ہم میں سے ہر آدمی کا ذہن اس کی طرف مرکوز تھا، کیا ہم اپنے یہاں ایسے جو جدید وسائل ہیں سمجھانے کے، طلبہ کے لئے ہم ان کا استعمال نہیں کر سکتے، کیا حضور ﷺ نے زمین پر لکیر کھینچ کر نہیں بتایا تھا کہ صراط مستقیم کیا ہے، اس سے منحرف راستے کیا ہیں، کیا ایسی چیزوں کی دین میں اصل نہیں ہے۔

چھٹی بات جو میں عرض کرنا چاہ رہا تھا وہ یہ کہ مطالعہ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک تو کتابی مطالعہ ہے، ہمارے یہاں ہندوستان میں اس کا رواج زیادہ ہے، اور اس کا اپنا ایک بڑا فائدہ ہے، کتاب کا تحریری مطالعہ، حرفاً حرفاً، سطراً سطراً پوری کتاب پڑھتے ہیں، ایک ایک لفظ پر غور کرتے ہیں، یہ بہت مفید ہے، اور اس سے سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ علم میں وسعت پیدا ہوتی ہے، لیکن موضوعاتی مطالعہ کی بھی بڑی اہمیت ہے، مثلاً ایک موضوع ہے استحسان، وہ ہمیں پڑھانا ہے، تو ایسا نہیں ہے کہ حسامی اور حسامی کی شرح نظامی اور اس کے ساتھ حسامی کا حاشیہ نامی یہ ہم نے دیکھ لیا، حل عبارت ہو گیا، طلبہ کے سامنے ہم نے بیان کر دیا، نہیں، بلکہ ایک موضوعاتی مطالعہ ہمارے یہاں ہونا چاہئے کہ اس موضوع پر جو اہم تحریریں پہلے کے لوگوں نے لکھی ہے، آج کی جو اہم تحریریں ہیں ان کا ہم مطالعہ کریں، کم از کم ہم ہر سال اگر درس میں کچھ ایسے موضوعات کا انتخاب کر لیں کہ ان موضوعات پر ہم کو موضوعاتی مطالعہ کر کے اس کا نچوڑ طلبہ کے سامنے پیش کرنا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے ہم کو خود بہت فائدہ ہوگا، طلبہ کو تو جو فائدہ ہوگا وہ ہوگا ہی، انشاء اللہ ہمیں خود بہت فائدہ ہوگا، اس کو ہمیں رواج دینا چاہئے۔

اور ساتویں بات جو عرض کرنا چاہ رہا تھا، وہ یہ کہ ہمارے یہاں جو ایک کمی ہوتی جا رہی ہے وہ ہے تطبیقی تعلیم کی، ہمارے سلف کو دیکھئے۔ احناف کا تو امتیاز ہے، احناف کے اصول فقہ کا

امتیاز یہ ہے کہ تاصیل اور تفریق دونوں دوش بدوش ہیں، اصل بیان کیا، اس کی فروعات، اس کی امثلہ اور اس کے نظائر، یہ کیا ہے؟ یہ ایک طریقۂ تعلیم ہے، ایک منہج تفہیم ہے یہ تطبیق کا، ہر زمانہ میں یہ مفید رہا ہے، لیکن ہمارے یہاں درس میں ایسا ہوتا ہے کہ جو مثال شروع ہوتی ہے ایک کتاب میں آخری کتاب تک ہم لوگ اسی مثال کو بیان کرتے جاتے ہیں، طالب علم ایسا سمجھتا ہے گویا یہ نظری اصول ہیں، یہ کوئی عملی اصول نہیں ہیں، تو اس میں خود جو ہماری کوتاہی ہے اس کو میں بیان کرتا ہوں، ہم لوگوں کو اس پر توجہ دینی چاہئے، تطبیق تعلیم کے طریقہ کو ہم تدریس میں اختیار کریں۔

اخیر میں ایک بات اس سلسلہ میں عرض کرنی تھی، آپ حضرات نے بار بار سنا، دیکھئے ایک مطالعہ تو وہ ہوتا ہے جو کسی وقتی جذبہ کے لئے کیا جاتا ہے، مثلاً مقاصد کا موضوع تھا، آپ نے چند کتابیں پڑھ لیں، اس پر آپ نے اچھا محاضرہ دیا، مناقشہ کیا، بحثیں کیں، مقالہ لکھ لیا، یہ بھی بہت بڑی بات ہے، لیکن یہ اصل کمال نہیں ہے، کمال یہ ہے کہ آدمی کی بحیثیت مجموعی فن کی تمام جہات پر ایسی نگاہ ہو کہ اگر کسی موضوع پر وہ بروقت تیاری کر کے نہ آیا ہو، تب بھی اس کے بارے میں اس کا ذہن مانوس ہو، اور اس کے بارے میں کچھ کہہ سکتا ہو، ایسے ہی ہم نے اپنے اساتذہ کو دیکھا ہے، جو بعض اہم کتابیں ہیں، جیسے احیاء العلوم ہے، قواعد الاحکام ہے، الموافقات کے بارے میں آپ نے سنا، طاہر بن عاشور کی کتاب ہم نے نہیں پڑھی ہے، لیکن آپ نے اس کی تعریف سنی، اور جو اصول کی ہماری کتابیں ہیں، کچھ کتابوں کا اس طرح مطالعہ کرنا چاہئے اس سے قطع نظر کہ اس کا نفع عاجل کیا ہے اس کو چھوڑتے ہوئے، تاکہ اس فن کے جو متعلقات ہیں اس پر نگاہ ہو جائے، سمینار میں ایک موضوع دیا گیا، آپ نے خاص اس موضوع پر بہت اچھا مقالہ لکھ لیا، یہ کوئی بہت بڑے کمال کی بات نہیں ہے، آدمی مواد جمع کرتا ہے، یکجا جمع ہو گیا تو مقالہ لکھ لیا، تو اس بات کو ہم لوگوں کو ملحوظ رکھنی چاہئے۔

ایک اور بات یہ عرض کرنا ہے کہ یہ اکیڈمی ہے جس کی دعوت پر آپ حضرات یہاں

تشریف لائے ہیں، اکیڈمی کا بنیادی مقصد تین ہے: ایک تو اجتماعی غور وفکر کی راہ ہموار کرنا، چاہے سمینار ہو یا اس طرح کے تربیتی پروگرام ہوں۔ دوسرے تربیت اور تدریب، اسی جذبہ کے تحت یہ پروگرام رکھا گیا۔ اور تیسرے علمی ارتباط کے لئے میدان فراہم کرنا۔ اب دیکھئے کتنے ادارے یہاں ماشاء اللہ اساتذہ فقہ واصول کے ایک جگہ جمع ہو گئے، ایک بہت اچھے عرب فاضل سے ہمارا ربط ہو گیا، یہ جو علمی روابط کو استوار کرنا اور اس کے لئے میدان فراہم کرنا ہے یہ اکیڈمی کا کام ہے، یہ اس وقت ہوگا جب ہم سب لوگ اکیڈمی کا تعاون کریں، ہمیں اس بات کی توقع ہے کہ انشاء اللہ آپ حضرات کا پورا تعاون اکیڈمی کے ساتھ جاری رہے گا، جیسا کہ مولانا عتیق صاحب نے بھی ایک بات فرمائی اور ہم سب لوگ ایک جسم کے اعضاء ہیں، اس لئے ہر شخص ایک دوسرے کی زبان ہے، میں یہ بھی آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں کے نظم کو بہتر رکھنے کے لئے کوشش کی گئی، لیکن اگر اس میں کوئی کمی ہو، کوئی خلل ہو اور کوئی بات آپ کے موافق نہ ہو پائی ہو، کوئی کمی آپ نے محسوس کی ہو تو جو کمی محسوس ہوئی ہو تو ہم لوگ اس کے ذمہ دار ہیں، انشاء اللہ آئندہ اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی، اور جو خوبی ہے وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے، اس ورشہ میں جو کچھ خیر ہو اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے اور اگر کوئی شر ہو تو اللہ تعالی اس سے ہماری اور آپ کی حفاظت فرمائے، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

اسلاف کی تحقیقات سے استفادہ

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی رسوله الأمین محمد وآله وصحبه أجمعین، أما بعد!

فقد قال الله تعالی: "وذکر فإن الذکری تنفع المؤمنین"۔

حضرات علماء کرام واساتذہ مدارس وطلبہ مدارس!

اس وقت تک جتنی باتیں آپ حضرات کے سامنے آئیں، ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جس کی اہمیت کم کی جاسکے، ہر بات اس لائق ہے کہ اسے حرز جان بنایا جائے، اور اس کو عمل کے لئے منتخب کیا جائے اور اس پر پوری طرح عمل کے لئے جدوجہد کی جائے، سب باتوں پر نہ تبصرہ مقصود ہے اور نہ ان کی تذکیر اس طور پر کہ ہر بات کو دہرایا جائے مقصود ہے، بس مجھے اصولاً دو باتیں عرض کرنا ہے اور وہ باتیں تو اجمالاً ان حضرات کی گفتگو میں آچکی ہیں، میں ذرا وضاحت کے ساتھ اس کو عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ ہم لوگوں میں میں اپنے آپ کو بھی اس میں شامل کرتا ہوں کہ محنت کی کمی ہے، اور جس کو اردو میں کہتے ہیں "پتہ مارنا" اس کی بہت کمی ہے، ہمارے اسلاف جن کو ہم برابر یاد بھی کرتے ہیں، ان کے حوالے دیتے ہیں، ان کو نمونہ عمل کم از کم زبانی طور پر بتاتے ہیں، ان کے حالات پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہمیں شرم آنی چاہئے اپنے کو ان کی طرف منسوب کرنے سے، میں اس سلسلہ کے صرف دو واقعے سناتا ہوں۔

آپ یوں تو سارے علماء شیخ ابوزہرہ سے واقف ہیں، کتنے متوسع، کتنے دقیق النظر اور

کتنے وسیع النظر عالم تھے کہ اس دور میں شاید وباید ہی ان کے ٹکر کا کوئی آدمی ہوا ہو، انہوں نے ائمہ پر اور دوسرے کبار علماء پر کتابیں لکھی ہیں، مستقل طور پر مجرد نام رکھ کر، ابوحنیفہ، الشافعی، احمد بن حنبل، تو انہوں نے امام شافعیؒ پر جو کتاب لکھی ''الشافعی''، اس میں بہت سے واقعات بھی لکھتے ہیں، اگر آپ نے ان کی کتاب پڑھی ہے تو جانتے ہوں گے کہ ان کا کیا انداز ہے تحلیل و تجزیہ کا، اس میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ: امام شافعیؒ کو اجماع کی حجیت پر کسی دلیل کی تلاش تھی، سننے کا واقعہ ہے، سبق آموز واقعہ ہے، آج صبح بھی اس پر بحث تھی کہ اجماع حجت ہے یا نہیں، انہوں نے لکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ بہت ہی ذمہ دار مصنف ہیں، حوالہ دینے میں بہت ہی محتاط اور بہت ہی متقن ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے تین سو بار قرآن مجید پڑھا، کسی ایسی آیت کی تلاش میں جو اجماع کی حجیت پر دلیل بن سکے، ہم میں سے کسی نے شاید تین سو بار پوری عمر میں قرآن نہیں پڑھا ہوگا، اور انہوں نے صرف ایک مسئلہ کی تلاش میں تین سو بار قرآن پڑھا، پھر اس کے بعد وہ اس آیت پر پہنچے جو اجماع کی حجیت کے لئے مشہور ہے: ''ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولّی ونصله جهنم وساء ت مصیرا''۔

اجماع کی حجیت پر یہ سب سے زیادہ واضح دلیل ہے۔

دوسرا واقعہ امام محمدؒ کا ہے جو ان کے استاذ بھی تھے اور امام شافعیؒ ربیب تھے ان کے، اور گویا اس معنی میں ایک طرح سے مربی تھے، اردو میں جو سوتیلا باپ کہتے ہیں وہ بھی تھے، امام شافعیؒ جیسے لوگ تو ہر ایک سے خوبیاں سیکھتے ہیں، یہ خوبی بھی امام محمد سے سیکھی ہو تو کوئی بعید نہیں کہ امام محمدؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسائل جو اُس وقت پیش آرہے تھے، ان کے حل میں دن ورات کوشاں رہتے تھے، اس لئے کہ وہ تو ایک تمدن کے جانے اور دوسرے تمدن کے آنے کا وقت تھا، تمدن جاہلیت جا رہا تھا، یہ تمدن عرب جو تھا گویا خطرہ میں تھا اور تمدن عجم آرہا تھا، تو یہ ملتقی کا وقت جو ہوتا ہے، جیسے دو زمانے جب بدلتے ہیں، ایک فصل آتی ہے اور ایک فصل جاتی ہے،

ایک موسم آتا ہے اور دوسرا موسم جاتا ہے، خاص طرح کے حالات ہوتے ہیں، امام محمدؒ کا زمانہ وہ ہے، نئے نئے اجتہادی مسائل کی ضرورت تھی، اور امام محمدؒ اجتہاد فرما رہے تھے، تا کہ لوگوں کو آسانی ہو، اور رات کو جاگتے تھے، اس کی وجہ سے اپنی صحت خراب کر لی تھی، کسی نے کہا: حضرت آپ اتنی کیوں محنت کرتے ہیں، رات اتنی جانفشانی میں کیوں گزار رہے ہیں، تو انہوں نے جو جملہ کہا ہے واقعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، انہوں نے فرمایا کہ محمد اس لئے جاگ رہا ہے تا کہ امت سوئے آسانی سے، امت کو اس کا اطمینان ہے کہ جو مسئلہ پیش آئے گا امام محمد اسے بتادیں گے، دیکھئے یہ جذبہ کہ امت آرام سے سوئے کہ جو مسئلہ شرعی پیش آئے گا، کسی بھی قسم کا ہو، تمدنی ہو، معاشرتی ہو، عبادات کے مسائل تو لوگوں کو معلوم ہی ہوتے ہیں، لیکن ایسے بدلتے تمدن کے مسائل کا جاننا بہت مشکل تھا، تو امت سوئی رہے آرام سے اس لئے میں جاگتا ہوں، یہ ہم میں سے ہر ایک کا جذبہ ہونا چاہئے، تو محنت جتنی کر سکیں، یہ نہیں کہتے ہیں کہ امام محمد بن جائیں، پوری رات گذار دیں اس غم میں، اس فکر میں، اور امام شافعی بن جائیں، لیکن اپنا ہدف اونچا رکھنا چاہئے، ہدف اونچا ہوتا ہے تو آدمی اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، اگر اس تک نہیں پہنچ پاتا ہے تو کم از کم قریب ضرور پہنچ جاتا ہے، اگر ہدف ہی ہم نیچا رکھیں تو اور نیچے رہ جائیں گے، تو یہ دو باتیں خاص طور سے عرض کرنی تھی، ان میں سے ایک محنت ہے، اور جتنی محنت کر سکیں، لیکن محنت کا لفظ بھی بڑا ہی تحقیق طلب ہے، صحیح لائن پر محنت ہو، اگر غلط رخ پر دوڑ پڑیں تو کتنی ہی محنت کریں منزل سے دور ہو جائیں گے، صحیح لائن پر محنت ہو، صحیح رخ پر محنت ہو، اور صحیح رخ پر محنت ہونے کی ایک محفوظ شکل اور مامون شکل یہ ہے کہ اسلاف کو ہم اپنا نمونہ بنائیں اور ان کی روشنی میں علمی سفر طے کریں، خود تحرر نہ پیدا ہو، مولانا عتیق صاحب نے بہت مفید بات فرمائی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہماری سمجھ میں جو کچھ آئے اس کو حرف آخر سمجھ لیں، اور اس کے مطابق فیصلہ دینے شروع کر دیں، فتوی دینا شروع کر دیں، نہیں، اسلاف کی روشنی میں سفر شروع کریں اور جہاں نصوص سے اور مصادر سے ہمیں کوئی بات سمجھ میں آئے تو ہم اس کو حرف آخر نہ

سمجھ لیں، بلکہ اسلاف کی ہی روشنی میں اس کے حسن وقبح کے جانچنے کی کوشش کریں، اگر اسلاف مرحومین کے قول سے مطابقت ہو جائے تو کیا کہنے ہیں، لیکن اگر اسلاف مرحومین میں اس کا ذکر نہیں ملتا، اول تو مل جاتا ہے، یہ کہنا کہ متقدمین کے یہاں یہ مسئلہ نہیں ملتا، کلی دور پر یہ کہنا بہت ہی مشکل ہے، کچھ نہ کچھ قریب چیز مل جاتی ہے، اول تو پوری تلاش کرنی چاہئے، اور اگر نہ ملے تو موجود علماء میں جو اس سطح کے ہیں اور جن کے علم پر اور جن کے تقوی پر، جن کے فہم وفراست پر، احتیاط پر اور تورع پر اطمینان ہے ان سے رجوع کریں، اپنی بات کو حجت سمجھ کر عمل کرنے کے لئے اور دوسروں کو دعوت دینے کے لئے میدان میں نہ آئیں، ورنہ آج کل جو سارے انحرافات پیدا ہو رہے ہیں اور تشتت افکار کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اس میں ایک بڑا دخل اس کا ہے، علم کی کمی کا شاید کم ہے، مطالعہ کے وفور کا، اور مطالعہ کے وفور کا مطلب یہ ہے کہ نئی نئی چیزیں چھپ کر آ رہی ہیں اور آدمی اس سے کچھ بھی مطلب لے لیتا ہے، اور اپنے مطلب کی بات سمجھ کر اس کو اپنا لیتا ہے، اور اس کے مطابق فتوی دینا شروع کر دیتا ہے اور اس کے مطابق دوسروں کو دعوت بھی دیتا ہے، اور پھر دعوت مبارزت شروع ہو جاتی ہے، تو ان دو باتوں کا آپ حضرات خاص طور سے لحاظ رکھیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اصل میں ہمارا نشانہ رضاء خداوندی ہو، مسئولیت عند اللہ کا احساس ہو، ہم جو کہہ رہے ہیں اس سے اللہ راضی ہو، اور ہم نے فرض کیجئے اپنی زبان زوری سے یا قلم کی طاقت سے کوئی غلط بات منوا بھی لی یا اس سے چاہے بہت بڑا حلقہ بھی پیدا کر لیا، لیکن وہ اللہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے، تو ہمارے لئے وہ بات اور ہماری وہ تحقیق وبال بن جائے گی۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

چھٹا باب:

مقاصد شریعت - چند نئی کتابیں

ایک جامع تعارف

انسانی مصالح — اسلامی شریعت کا مقصود

امام شاطبی کے قواعد مقاصد

مقاصد شریعت : نظریہ سے عمل کی جانب

امام شاطبی کا نظریہ مقاصد

امام محمد طاہر بن عاشور کا نظریہ مقاصد

انسانی مصالح

اسلامی شریعت کا مقصود

مولانا محمد فہیم اختر ندوی

کتاب	:	المقاصد العامة للشريعة الاسلامية
مصنف	:	ڈاکٹر یوسف حامد العالم
ناشر	:	المعہد العالمی للفکر الاسلامی
صفحات	:	۶۱۴
زبان	:	عربی

مقاصد شریعت کی بنیاد:

اسلامی شریعت کے تمام احکام دراصل انسانی مصالح اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ہیں۔ وہ زندگی کے ہر گوشہ میں اور تمام مراحل پر اس بات کی ضمانت فراہم کرتے ہیں کہ انسانی سماج پوری طرح عدل وانصاف، امن وآشتی، صداقت وراستی اور خیر و بھلائی سے آراستہ بنے، اور ہر نوع کے ظلم وجبر، تشدد وحق تلفی، نابرابری اور نقصان وبگاڑ کا خاتمہ ہو۔ تاکہ انسانیت کا ہر فرد زمین پر اپنے رب کا اطاعت شعار اور لوگوں کے لئے نفع رساں بن کر آخرت کی دائمی وابدی کامرانیوں سے شادکام ہو جائے۔

اسلام کے شرعی احکام انسانی زندگی پر محیط ہیں۔ اور تمام احکام کے اندر انسانی فلاح و مصالح کی روح کارفرما ہے۔ اسی دائرہ کے گرد تمام موجودہ احکام گھومتے ہیں اور نئے مسائل کے لئے اسی روح شریعت کے مطابق احکام مستنبط کئے جاتے ہیں۔ قدیم احکام کے وسیع ذخیرہ پر عمیق اور طویل نظر ڈال کر اہل علم نے ان میں کارفرما مقاصد اور مصالح کو منضبط فرمایا ہے۔ جس سے ایک طرف شرعی احکام کی یہ روشن تصویر سامنے آتی ہے اور دوسری طرف نئے حالات و مسائل کے احکام کی تعیین کے وقت روح اور مقاصد شریعت کی رعایت ملحوظ رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

شریعت کے مقاصد کی رعایت عہد اول سے ملحوظ رکھی جاتی رہی ہے۔ عہد صحابہ میں جب بے شمار نئے مسائل و واقعات کے لئے احکام شرع متعین کئے گئے تو ان کے پیش نظر یہ مقاصد شریعت رہے۔ اسی طرح ان کے بعد کے ادوار میں ائمہ و مجتہدین اور علماء و فقہاء نے اس چوکھٹے کے اندر رہ کر عظیم الشان استنباطی خدمات انجام دیں۔ یہ رعایت جزئی اور فروعی احکام میں جس طرح کی جاتی رہی اسی طرح استنباط کے اصول اور ضوابط و مناہج میں بھی ان کی رعایت رکھی گئی۔ چنانچہ جہاں بعض اصولوں کے ذریعہ مقاصد کی تکمیل بشکل مطلوب نہیں ہو رہی تھی یا مقاصد کی تکمیل کے لئے جن ابواب میں اصول موجود نہ تھے، مقاصد کی رعایت کی وجہ سے ہی نئے نئے اصول اور ضوابط و مناہج طے کئے گئے۔ استحسان، استصلاح اور سد ذرائع وغیرہ اصولوں کو اسی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مقاصد شریعت کے موضوع پر تصنیفی کام ابتدائی ادوار میں صرف سرسری ذکر اور اشاراتی انداز تک محدود رہا، رفتہ رفتہ اس پر تحریری کام شروع ہوا اور یہ موضوع نکھرتا گیا۔ امام الحرمین جوینی اور امام غزالی وغیرہ سے گذرتا ہوا امام فن مقاصد امام شاطبی کے یہاں آ کر اس موضوع پر بڑا مفصل و وقیع کام ہوا۔ پھر یہ موضوع آگے بڑھتا گیا اور تفصیل، تنقید، تجزیہ اور تطبیق کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا اب مستقل فن کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ جو اصول فقہ سے مربوط بھی ہے اور ایک مستقل علم بھی۔ بیسویں صدی عیسوی میں متعدد اہل علم نے مقاصد شریعت کو

خصوصیت کے ساتھ موضوع بحث بنایا اور اس کے مختلف پہلوؤں پر کئی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ جن میں امام محمد طاہر بن عاشور (۱۹۷۳ء) اور استاذ علال فاسی (۱۹۷۴ء) کی کتابیں قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر یوسف حامد عالم:

استاذ ڈاکٹر یوسف حامد عالم اس لحاظ سے خوش بخت ہیں کہ انہوں نے مقاصد شریعت پر مفصل مطالعہ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور زیر نظر کتاب منظر عام پر آئی۔ واقعہ یہ ہے کہ مقاصد شریعت پر یہ ایک تفصیلی ہمہ گیر اور جامع کتاب ہے، ساتھ ہی مدلل اور فاضلانہ ہے۔ ڈاکٹر یوسف حامد عالم سوڈان سے تعلق رکھتے ہیں، ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن اور ابتدائی تعلیم کے بعد قاہرہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، اور جامعہ ازہر سے ۱۹۷۱ء میں اصول فقہ کے موضوع پر معروف عالم ڈاکٹر عبدالغنی عبدالخالق کے زیر اشراف پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یہی تحقیق اب زیر نظر کتاب کی صورت میں آئی ہے۔ مختلف علمی، تحقیقی، تدریسی اور تصنیفی خدمات سے وابستہ اور اہم عہدوں پر فائز رہ کر ۱۹۸۸ء میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کی تصنیفات میں زیر نظر کتاب کے علاوہ تفسیر سورۂ نور اور ''النظام السیاسی والاقتصادی فی الاسلام'' ہیں۔

کتاب ''اسلامی شریعت کے عمومی مقاصد'':

''المقاصد العامہ للشریعہ الاسلامیہ'' زیر نظر کتاب کا عربی نام ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ اسلامی شریعت کے عمومی مقاصد کو زیر بحث لا رہی ہے۔ کتاب کی اشاعت معروف تحقیقی ادارہ المعہد العالمی للفکر الاسلامی کے ذریعہ تحریر کے بیس سال بعد اور مصنف کی وفات کے چار سال بعد ۱۹۹۱ء میں پہلی بار کرائی گئی ہے۔ جس میں اس وقت کے صدر ادارہ معروف محقق جناب ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض علوانی نے کتاب پر ایک مختصر مقدمہ لکھ کر اس فن کی تاریخ پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے کتاب کی اہمیت اور طباعت کی ضرورت بیان کی ہے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر دو ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب تعارفی نوعیت کا ہے۔ سوا سو صفحات کے اس باب میں مصنف نے صرف دو الفاظ کے معانی اور اس سے متعلقہ لغوی اور شرعی مفاہیم پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہ باب اہداف جمع ہدف اور مصالح جمع مصلحت کی تشریح کرتا ہے۔ ہر دو لفظ کی بحث علاحدہ علاحدہ فصل میں کی گئی ہے۔

دوسرا باب اصل موضوع یعنی مقاصد شریعت کے تفصیلی مطالعہ اور تجزیہ پر ہے۔ مصنف نے مصالح کا لفظ استعمال کرتے ہوئے انسان کے پانچ مصالح کو جو تمام احکام شریعت کا مقصود ہیں، تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دین کی مصلحت، جان کی مصلحت، عقل کی مصلحت، نسل کی مصلحت اور مال کی مصلحت، یہی پانچ مصالح مقصود شریعت ہیں۔ چنانچہ مصنف نے ان پانچ مصالح میں سے ہر مصلحت کو ایک فصل کا عنوان بنایا ہے۔ اور اس مصلحت کے تحفظ کے لئے ہر دو مثبت اور منفی پہلو پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دین، جان، عقل، نسل اور مال کی مصلحتوں کو بروئے کار لانے کے لئے شریعت نے کیا احکام بنائے اور ان مصلحتوں کو نقصان پہنچانے والے عناصر کو ختم کرنے کے لئے کیا تدابیر اور قوانین دیئے۔ اس ضمن میں مصنف نے پانچوں مصالح میں سے ہر ایک کی تعریف، اس کی مراد اور اس کے مفہوم پر بھی بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ دوسرے باب کی یہ پوری مرکزی بحث کتاب کے آخر تک تین سو ساٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

کتاب کے ان دونوں ابواب سے پہلے مصنف نے ایک تمہید لکھی ہے۔ جو بذات خود ایک مفصل اور وقیع بحث ہے، تقریباً ساٹھ صفحات پر پھیلی اس تمہید میں مصنف نے شریعت کے معانی و مفاہیم، اس کے خصائص اور شریعت کے دلائل کا عالمانہ تعارف کرایا ہے۔ مصنف نے آغاز کتاب میں اپنے مختصر مقدمہ کے اندر اس موضوع کی اہمیت اور اس پر اپنے کام کے منہج سے متعارف کرایا ہے۔

اس مختصر سرسری تذکرہ کے بعد آیئے ہم دیکھیں کہ مصنف علام نے کیسے کیسے لعل و گہر اس کتاب کے صفحات پر بکھیرے ہیں۔ اور زندگی کے وسیع تر گوشوں پر پھیلے احکام شرع کے اندر

کس طرح پانچ بنیادی مقاصد کام کر رہے ہیں، اور ان مقاصد کے اندر کیسا اعتدال، توازن اور انسانی فطرت کی بھرپور رعایت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی انسانی سماج کے لئے ان مقاصد کا تحفظ اور ان کی رعایت ہر خیر و فلاح کی ضمانت اور ہر خوشحالی، امن اور انصاف کا مظہر ہے۔

وقیع علمی تمہید:

جیسا کہ لکھا گیا، مصنف کی تمہید ایک وقیع علمی بحث ہے۔ یہ تین مباحث پر مشتمل ہے، پہلی بحث میں یہ بتاتے ہوئے کہ شریعت لغت میں پانی پینے کی جگہ اور اصطلاح میں عملی احکام کا نام ہے، مصنف نے یہ واضح کیا ہے کہ دین ہمیشہ ایک رہا ہے لیکن بعض احکام کے تعلق سے شریعتیں جدا جدا رہی ہیں۔ احکام شریعت ہمیشہ انسانی وسعت و طاقت کے مطابق رہے ہیں، اور جن احکام شریعت میں جو تھوڑی بہت مشقت پائی جاتی ہے ان میں بھی مشقت اصل مطلوب نہیں ہے۔ دوسری بحث شریعت کے عمومی خصائص پر روشنی ڈالتی ہے، مصنف نے واضح کیا ہے کہ اسلامی شریعت کے سامنے ہر انسان برابر ہے، یہ شریعت انسانوں کو طبقات میں نہیں بانٹتی ہے، یہ ہمہ گیر اور دنیا و آخرت دونوں کے مصالح کی رعایت رکھتی ہے، اسلامی شریعت کے احکام میں ثبات بھی ہے اور لچک اور نرمی بھی، اس شریعت کے تمام احکام اخروی جوابدہی کے احساس کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، اسی طرح یہ شریعت ہر باطل و نقص کی آمیزش سے محفوظ ہے۔ تمہید کی تیسری بحث میں شریعت کے بنیادی مصادر کا جامع تعارف کرایا گیا ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ کا تعارف، اس کی مکی اور مدنی آیات کی تقسیم اور احکام قرآنی کے اسلوب پر روشنی ڈالنے کے بعد سنت کی تعریف، اس کی حجیت، قرآن کے ساتھ اس کے تعلق کو بتایا گیا ہے۔ تیسرے مصدر شریعت اجماع کے تعارف، اس کے پائے جانے کے امکانات پر اختلاف اور اس کی حجیت کے دلائل ذکر کر کے آخری بنیادی مصدر قیاس، اس کے مفہوم، قیاس کے عناصر اور اس کے استناد پر گفتگو کی ہے۔ مصنف نے صرف بنیادی چار مصادر شریعت کا تعارف کرایا ہے، اس کے بعد ضمنی مصادر شریعت کا تذکرہ ضروری نہیں سمجھا ہے۔

مقاصد کا مفہوم:

باب اول کی دو فصلوں میں سے پہلی فصل کا عنوان اہداف یعنی مقاصد کی تشریح ہے۔ مصنف کے بقول ہدف کسی غرض کو کہتے ہیں، اور شریعت کے اہداف سے مراد وہ مقاصد ہیں جن کی تکمیل کے لئے احکام دیئے گئے۔ شارع کے مقاصد دراصل وہ مصالح ہیں جو لوگوں کی دنیوی اور اخروی بھلائی سے متعلق ہیں، یہ مصالح کبھی اچھائیوں کو حاصل کر کے اور کبھی برائیوں کو دور کر کے مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔

مقاصد کے اس تعارف میں مصنف نے واضح کیا ہے کہ مقاصد دو طرح کے ہیں، اول خالق و مالک اللہ کے مقاصد مخلوق سے متعلق ہیں۔ اللہ بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ بندے اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ قرآن کی بے شمار آیات اس مقصد کو واشگاف کرتی ہیں۔ دوسرے مقاصد اس بات سے متعلق ہیں کہ اللہ نے بندوں کے لئے شریعت اور احکام کیوں دیئے ہیں؟ یہی زیر بحث موضوع ہے۔ یعنی احکام شریعت کے پیچھے کیا اغراض، اسرار اور حکمتیں مخفی ہیں؟ قرآن کی متعدد آیات ؁ سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام شریعت خواہ مخواہ نہیں دیئے گئے ہیں، بلکہ ان احکام پر عمل کا کچھ مقصود ہے۔ مصنف نے قرآن کی آیات، متعدد احادیث اور احکام شرع کے تفصیلی مطالعہ کی روشنی میں ثابت اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ احکام شریعت کے کچھ مقاصد ہیں اور ان کی رعایت ضروری ہے۔

اور جب احکام شریعت کے کچھ متعین مقاصد ہیں جن پر تفصیلی کلام آگے آرہا ہے تو ان مقاصد کے خلاف ہر قصد وارادہ باطل ٹھہرے گا، لہذا اگر شرعی احکام کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا جائے، نماز و زکاۃ کو اپنی ناموری کا سبب بنایا جائے اور اسی طرح کسی حکم شرعی سے شارع و مالک کا جو مقصود ہے اس کے برعکس چاہا جائے تو مقصود شارع کے خلاف یہ قصد باطل مانا جائے گا، نہ تو وہ عمل بارگاہ الٰہی میں قبولیت پائے گا اور بسا اوقات اس عمل سے دنیا میں بھی مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔

اور اسی طرح جب یہ دونوں چیزیں ثابت ہوئیں کہ شریعت کے کچھ مقاصد ہیں اور ان کی رعایت واجب ہے تو اب مصنف کے بقول یہ بھی لازمی ہوگا کہ اجتہاد کا عمل انجام دیتے وقت یہ مقاصد پیش نظر رہیں۔ مقاصد شرع کو معلوم کرنے کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف نے بتایا کہ کبھی تو خود شریعت کے حکم میں اس کی علت اور مقصود مذکور ہوتا ہے اور کبھی احکام شرع کے استقراء اور تفصیلی مطالعہ و جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مخصوص نوع کے احکام مخصوص مقصد کے حصول کے لئے ہیں۔

مصالح کا مفہوم:

باب اول کی دوسری فصل مصنف نے ''مصلحت'' کے معانی و مفاہیم کے لئے مخصوص کی ہے۔ اس میں پہلے مصنف نے یہ بتایا ہے کہ جمہور کے نزدیک احکام شریعت کی علتیں ہیں۔ اور جن احکام کی علتیں جہاں جہاں نئے مسائل میں پائی جائیں گی، وہی احکام ان جگہوں پر نافذ ہوں گے۔ جزئی سطح پر یہ عمل قیاس کی شکل اپناتا ہے اور کلی سطح پر اسے مصالح مرسلہ اور استحسان کے عناوین سے برتا جاتا ہے۔

لفظ مصلحت مصنف کے بقول دو لغوی معنی رکھتا ہے، ایسا عمل جس میں صلاح اور نفع ہو، یہ مجازی معنی میں مصلحت ہے۔ اور خود منفعت اور صلاح حقیقی معنی میں مصلحت ہے۔ امام غزالی کی رائے میں ''مصلحت اصلا منفعت کے حصول اور مضرت و نقصان کے ازالہ کا نام ہے۔ لیکن یہاں مصلحت سے مراد شرع کے مقصود کا تحفظ ہے، اور شرع کا بندوں سے مقصود پانچ چیزیں ہیں، ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کو محفوظ بنانا۔ ہر وہ امر جس سے ان پانچ چیزوں کی حفاظت ہوتی ہو، مصلحت ہے۔ اور ہر وہ شی جس سے ان پانچ کو نقصان پہنچتا ہو مفسدہ و بگاڑ ہے، جس کو دور کرنا مصلحت ہے''۔ مصنف علام نے مصالح کے معانی و اقسام اور مراد پر خوارزمی، شیخ عز بن عبد السلام، شیخ صفی الدین ہندی اور طوفی کی آراء اور ان سب کے باہم فرق و امتیاز پر روشنی

ڈالتے ہوئے شرعی مصلحت کی خصوصیات بتائی ہیں کہ وہ ایسی مصلحت ہے جس کا سرچشمہ ہدایت ربانی ہے۔ اس مصلحت کا دائرہ صرف دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ آخرت تک دراز ہے کہ ہر انسانی عمل کا اجر و بدلہ آخرت میں ملنا ہے۔ یہ مصلحت صرف دنیاوی لذت پر منحصر نہیں رہتی ہے، بلکہ انسان کی روحانی تربیت، تزکیہ اور طہارت سے بھی یہ متعلق ہے، اور اسی طرح شرعی مصلحت دوسرے بہت سے مصالح کی بنیاد بھی بنتی ہے، اسی لئے شرعی مصلحت کی راہ میں بہت سی قربانیاں دی جاتی ہیں۔

مصنف نے بتایا ہے مصلحت کی تین بنیادی تقسیم ہوتی ہے، پہلی تقسیم یہ ہے کہ کون سی مصلحت شریعت کی نظر میں معتبر ہے اور کون نہیں ہے؟ امام غزلی اور امام شاطبی کے حوالوں سے مصنف نے بتایا ہے کہ جن مصالح کے اعتبار کی دلیل موجود ہے، وہ معتبر مصلحت ہے۔ جن مصالح کو شریعت نے غیر معتبر قرار دے دیا ہے وہ لغو مصلحت ہے۔ ان دونوں قسموں کے علاوہ وہ مصالح جن کے بارے میں شریعت کے احکام میں کہیں کوئی صراحت نہیں ہے، مصالح مرسلہ کہلاتے ہیں۔ مصلحت کی دوسری تقسیم اس طور پر ہے کہ کچھ مصالح ہمیشہ ثابت اور غیر متبدل رہتے ہیں، اور کچھ مصالح بدلتے رہتے ہیں، نہ بدلنے والے مصالح میں ظلم، قتل، زنا اور چوری وغیرہ کی حرمت کے مصالح ہیں کہ ان کا حرام رہنا ہمیشہ مصلحت ہے، جبکہ دوسرے مصالح جو عرف و رواج اور رہن سہن کے انداز وغیرہ سے متعلق ہیں، زمانہ اور حالات کے فرق سے بدل جاتے ہیں۔

مصلحت کی تیسری تقسیم یہ ہے کہ ایک مصلحت کس درجہ طاقتور یا کس درجہ کمزور ہے؟ قوت وضعف کے اعتبار سے مصالح کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس درجہ بندی کا احکام پر بہت گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ مصنف نے اس ضمن میں ذکر ہونے والے مختلف درجات کے تذکرہ کے بعد آخر میں طے پانے والے تین درجے یعنی ضروریات، حاجیات اور تحسینیات بتائے اور واضح کیا کہ ان میں سے ہر پہلے درجہ کو بعد والے درجات پر ترجیح حاصل ہوگی۔ مصلحت کی آخری تقسیم اس کے جزئی یا کلی ہونے کے اعتبار سے ہے، کس مصلحت کا دائرہ کتنے

افراد تک وسیع ہے، کیونکہ فرد یا چند افراد کی مصلحت پر جماعت کی مصلحت مقدم ہوتی ہے۔

ان تقسیموں سے کچھ نتائج برآمد ہوتے ہیں، مثلاً مصالح کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی ہوتی ہے، عبادات کے احکام تو نہیں بدلتے، لیکن عادات سے متعلق احکام میں تبدیلی آتی ہے، اس لئے کہ عبادات کے احکام میں اصل صرف حکم ہے، اس کا معنی و مطلب نہیں، لیکن عادات کے احکام میں ان کے معانی پر نظر ہوتی ہے۔ مصنف نے اس کے لئے دلائل بھی نقل کئے ہیں۔ ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مصالح جب متعارض ہوں تو ان کے درجات کے پیش نظر ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی ہے، اس ترجیح میں تین چیزیں دیکھی جاتی ہیں، اول یہ کہ وہ مصلحت اپنی ذات میں کیا درجہ رکھتی ہے اور اس کی کیا قیمت ہے؟ دوسرے یہ کہ اس مصلحت کا دائرہ عام ہے یا خاص؟ تیسرے یہ کہ اس مصلحت کا حصول کس حد تک یقینی ہے، اور کہاں تک وہ صرف وہم وگمان ہے؟

مرکزی بحث:

کتاب کا دوسرا باب جیسا کہ ذکر کیا گیا موضوع کی مرکزی بحث سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے یہ باب بہت مفصل ہے اور مدلل ومفید بھی۔ احکام شریعت کے پانچ مقصود دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت ہیں۔ ہر مقصد کو مصنف نے ایک مستقل فصل کے تحت موضوع گفتگو بنایا ہے، اس طرح یہ باب بنیادی طور پر پانچ فصلوں پر پھیل گیا ہے۔

دین کی حفاظت:

پہلی فصل دین کی مصلحت کے تحفظ سے متعلق ہے۔ مذکورہ پانچوں مقاصد میں دین کی حفاظت کا مقصد سب سے مقدم ہے، اس لئے اسے سب سے پہلے ذکر میں بھی لایا گیا ہے۔ اس فصل میں سب سے پہلے مصنف نے دین کا لغوی اور شرعی معنی بتایا ہے۔ مصنف کے بقول دین

لغت میں ملک، قہر، سلطان، عزت وذلت، عبادت، خضوع اور طاعت وغیرہ کئی معانی کے لئے آتا ہے، یہ سارے الفاظ قدر مشترک طور پر دو امور کے درمیان رابطہ کو بتاتے ہیں۔علماء شریعت کے نزدیک دین اہل فطرت سلیم کے لئے اللہ کا بنایا ہوا وہ نظام ہے جسے لوگ خود سے اختیار کرتے ہیں اور جو دنیاوی صلاح اور اخروی فلاح کے لئے ہے۔اس تعریف کی رو سے دین وہ الٰہی قواعد ہیں جو اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ بھیج کر لوگوں کو سچے عقیدہ اور اچھے سلوک و معاملہ کی رہنمائی فرمائی۔ان قواعد کے دائرہ میں داخل ہوکر احکام ونواہی کو تسلیم کرنے سے دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

دین کی لغوی واصطلاحی تعریف کے بعد مصنف نے بتایا کہ مکمل دین ایمان واسلام اور عقیدہ وعمل کے مجموعہ کا نام ہے، مصنف بتاتے ہیں کہ کچھ اہل علم نے ایمان اور اسلام کو مترادف قرار دیا ہے، کہ قرآن کی سورۂ ذاریات آیت ۳۵ میں اور حدیث جبرئیل میں یہ دونوں مرادف آئے ہیں۔بعض اہل علم نے دونوں کو علاحدہ بتایا ہے کیونکہ سورۂ حجرات آیت ۱۴ میں اعرابیوں کو کہا گیا کہ تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ اسلام لائے ہو۔اور کچھ علماء نے دونوں الفاظ کو اس وجہ سے متداخل قرار دیا ہے کہ حدیث میں سب سے افضل عمل اسلام کو اور سب سے افضل اسلام ایمان کو کہا گیا ہے۔مصنف کے نزدیک کامل دین جو اللہ کے نزدیک قابل قبول ہے، وہ ہے جو ایمان اور عمل دونوں کا جامع ہو، ٹھیک جس طرح درخت جڑ اور تنے کا جامع ہوتا ہے۔زمین میں پوشیدہ جڑ ایمان ہے اور ظاہر میں شاداب تنے اعمال ہیں، اگر تنے شاداب ہوں تبھی سمجھا جائے گا کہ جڑ پیوست اور مضبوط ہے، اور جب جڑ پیوست ہوگی تبھی تنے میں شادابی آئے گی۔پس ایمان وہ اصل ہے جس پر تمام اعمال کی بنیاد ہے، ایمان کے بغیر اسلام قابل قبول نہیں ہے۔اور ظاہری حکم صرف ظاہری عمل پر نافذ ہوتا ہے، وہ حکم باطنی حقیقت پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔مصنف نے بڑے منطقی اور عقلی اسلوب میں نیز غیر مسلم مؤرخین کی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ دین انسان کی ضرورت ہے، اسی کے ذریعہ وہ دنیاوی مصائب اور مشکلات کا قوت کے ساتھ سامنا کرتا ہے،

ورنہ وہ طرح طرح کے نفسیاتی امراض، شکست خوردگی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ صحیح دین انسان کو نفسیاتی شکست وریخت اور ناکامی سے محفوظ رکھتا ہے، اسے جسمانی اور روحانی بلندیوں پر لے جاتا ہے، وہ انسانی فطرت کو انسیت بخشتا ہے اور انسان کو اس کے خالق و مالک سے جوڑتا ہے۔ اس لئے علامہ ابن قیم کے بقول انسان کو دین کی ضرورت اس کی ہر دوسری ضرورت سے بڑھ کر ہے (مفتاح السعادۃ ۲/۲)۔

مصنف نے دین کی اس اہمیت پر روشنی ڈال کر بتایا ہے کہ اس دین کی حفاظت سب سے اہم ہے، اس کے تحفظ کے لئے مثبت طور پر اللہ اور آخرت پر ایمان کا حکم دیا گیا، چنانچہ قرآن وحدیث میں بڑے اچھوتے اور مدلل طور پر ایمان کی ضرورت سمجھائی گئی۔ اور ایمان کے بعد چار بنیادی عبادات یعنی نماز، زکاۃ، روزہ اور حج کے احکام دیئے گئے۔ جو گرچہ بندوں پر اللہ کا حق ہیں، لیکن ان عبادات کے مصالح اور منافع خود بندوں کو پہنچتے ہیں، اور ان کی زندگیوں کو صداقت وامانت، عدل ووفا اور عمدہ خصائل سے آراستہ کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف اس دین کو نقصان پہنچانے والے عناصر کو ختم کرنے کے لئے چار باتوں کا حکم دیا گیا: اول اللہ کے راستہ میں جان ومال کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا۔ مصنف نے واضح کیا کہ یہ امت خیر امت ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس کی ذمہ داری ہے، جہاد اس کی آخری شکل ہے، جو کسی دنیاوی غرض اور شخصی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ مصنف نے صراحت کی کہ صرف کفر کی وجہ سے حکم جہاد نہیں ہے، بلکہ دراصل حرابہ یعنی فتنہ وفساد اور ظلم کو ختم کرنا اس حکم کی علت ہے۔ اسی لئے جنگ کے اندر بھی ایک طرف بوڑھوں، بچوں، عورتوں، راہبوں اور معذورین کو نشانہ بنانے سے روکا گیا، دوسری طرف پھل دار درخت کو کاٹنے، باغات کو جلانے اور آبادی کو منہدم کرنے سے منع کیا گیا اور تیسری طرف بکریوں اور اونٹوں کو سوائے کھانے کے مارنے سے منع کیا گیا (ابوداؤد، نیل الأوطار ۷/۲۶۰، شرح زرقانی علی المؤطا ۳/۱۰، مدونہ کبری ۳/۶۹)۔

دوسرے مرتدین اور زندیقوں کے قتل کا حکم دیا گیا، تاکہ اپنی پوری رضامندی اور

انشراح قلبی کے ساتھ اسلام کے سچے دائرہ میں داخل ہونے کے بعد پھر اس سے مرتد ہونا دوسرے سادہ لوح انسانوں کے لئے اللہ کے اس پسندیدہ دین اسلام کے بارے کا تشکیک کا سبب نہ بنے۔ تیسرے دین کے نام پر بے دینی اور بدعات پھیلانے پر بندش لگائی گئی۔ اور چوتھے گناہوں اور معاصی کو حرام قرار دے کر ان کا ارتکاب کرنے والوں کو مستحق سزا بنایا گیا۔ تاکہ ان منفی طریقوں سے بھی دین کا تحفظ کیا جائے۔

جان کی حفاظت:

دوسرے باب کی دوسری فصل تحفظ مصلحت جان کے موضوع پر ہے، دین کے بعد جان کو اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے دین کی حفاظت کی خاطر جان تو قربان کر دی جاتی ہے، لیکن دین کے بعد دوسری تمام چیزوں سے زیادہ اہمیت جان کی حفاظت کو حاصل رہتی ہے۔ مصنف نے جان کی حفاظت کے لئے مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے بنائے گئے شریعت کے احکام کو بیان کیا۔ مثبت طور پر جان کے تحفظ کے لئے اللہ رب العالمین نے پوری کائنات اور اس کی تمام سج دھج کو انسان کے لئے بنایا اور چلایا، ملائکہ جو مقربین بارگاہ الٰہی ہیں، وہ بھی انسانوں کی خدمت میں لگے ہیں، افلاک کا پورا نظام، عالم ارضی کی تمام چیزیں اسی انسان کی حفاظت کے لئے سرگرم عمل ہیں، اور خود انسان کو حواس و عقل کی دولت سے نواز کر اپنی حفاظت کے راستے منتخب کرنے کی صلاحیت دی گئی۔ جان کے تحفظ کے لئے رحم مادر میں موجود نطفہ کے مرحلہ سے تحفظ کی ضمانت فراہم کی گئی، چنانچہ صاحب نطفہ پر اس کے اخراجات کی ذمہ داری ڈالی گئی، حاملہ بیوی کا خرچ بھی باپ پر ڈالا گیا، پھر پیدائش کے بعد اس کی رضاعت اور حضانت کی قانونی ذمہ داریاں متعین کی گئیں۔ اور اپنی دوش پر ذمہ داری اٹھانے سے پہلے تک بچہ کی جان کی حفاظت کے لئے قانون بنایا گیا اور دوسرے افراد پر اور ذمہ داری ڈالی گئی۔ اور فطری محبت و تعلق کا ماحول بھی بنایا گیا۔ پھر اس کی پوری زندگی کی حفاظت کے لئے وہ تمام اشیاء حلال کی گئیں جو انسان کے لئے

مفید اور ضروری ہیں، اور اس کے لئے نقصان دہ چیزوں کو حرام قرار دیا اور اس حلت و حرمت کا اختیار بھی خود اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔

زندگی اور جان کے تحفظ کے لئے انسان کے سامنے تین مرحلے ہیں، پہلا مرحلہ عام حالات اور آسانی و سہولت کی صورت کا ہے، اس حالت میں جو چیزیں حلال وطیب ہیں انسان ان کا استعمال کرے گا۔ دوسرا مرحلہ تنگی اور پریشانی کی حالت کا ہے۔ اسے حاجت کا مرحلہ کہتے ہیں، تحفظ جان کی خاطر ہی اس مرحلہ میں داخل انسان کے لئے متعدد رخصتیں دی گئیں اور جہاں جہاں سخت مشقت و پریشانی لاحق ہو رہی تھی وہاں احکام میں آسانی کی گئی۔ تیسرا مرحلہ آخری درجہ کی تنگی کا ہے جہاں خود جان کا خطرہ پیش آ گیا ہو، اسے ضرورت کا مرحلہ کہتے ہیں، اس مرحلہ میں جان کی حفاظت یا کسی عضو کی حفاظت کے لئے وقتی طور پر حرام کو بھی اس خاص شخص کے لئے خاص مقدار میں حلال کر دیا گیا۔ یہ سارے احکام اور ان کی تفصیلات مثبت طور پر جان کی حفاظت کی ضمانت دیتے ہیں۔ دوسری طرف ان راستوں کو بند کیا گیا جن راستوں سے جان کو خطرہ ہوتا ہے، چنانچہ انسانی جان کے تحفظ ہی کے لئے انسان کے قتل بلکہ اس کے کسی بھی عضو کو نقصان پہنچانا قابل سزا جرم بنایا گیا۔ ناحق قتل کی سزا جانی قصاص رکھی گئی۔ اور ہر عضو کے بدلہ اسی عضو سے قصاص لینے کا حکم رکھا گیا۔ قرآن نے نہایت بلیغ اسلوب میں بتایا کہ قصاص ہی میں انسانوں کے لئے زندگی ہے۔ مصنف نے اسی بحث میں یہ بھی ذکر کیا کہ اگر کوئی مریض مرض کے آخری درجہ میں پہنچ جائے تب بھی اس کی جان کو ختم نہیں کیا جا سکتا، انسانی جان اتنی قیمتی ہے کہ مریض کا قتل کسی بھی حالت میں درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مرض کو انسان کے لئے کفارہ اور بلندی درجات کا ذریعہ نیز تیمارداروں کے لئے باعث اجر و ثواب بنایا گیا۔

عقل کی حفاظت:

تیسری فصل عقل کی مصلحت کے تحفظ پر ہے، اس فصل میں مصنف نے انسان کے اس

امتیازی وصف کا ذکر کیا کہ تمام مخلوقات میں اسی عقل کے ذریعہ اللہ نے اسے برتری عطا فرمائی ہے۔ دنیا اور آخرت کے مصالح کا حصول شریعت کا محتاج ہے اور شریعت عقل پر قائم ہوتی ہے کیونکہ عقل کی وجہ سے ہی انسان کو احکام کا مخاطب بنایا گیا۔

مصنف نے بڑے معقول طریقہ پر واضح کیا ہے کہ علم و معرفت کے تین درجات یا تین دائرے ہیں: پہلا دائرہ حواس کا ہے، یہ سب سے تنگ دائرہ ہے، کہ انسان اپنے حواس خمسہ کے ذریعہ چیزوں کو معلوم کرتا ہے۔ دوسرا دائرہ عقل کا ہے۔ یہ حواس کے دائرہ سے بڑا دائرہ ہے، کیونکہ یہ بغیر حواس کے بھی ادراک کرتا ہے۔ تیسرا دائرہ وحی کا ہے، یہ سب سے بڑا اور وسیع دائرہ ہے۔ مصنف، بتاتے ہیں کہ یہ تینوں دائرے آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، ہر پہلا دائرہ بعد والے دائرہ کا مقدمہ اور اس کے لئے بنیاد ہے، اور ہر بعد والا دائرہ پہلے والے دائرہ پر نگراں اور حاکم ہے۔ کیونکہ حواس کے بغیر عقل کا وجود قابل تصور نہیں، اور عقل کا دائرہ موجود نہ ہو تو وحی اور حکم الٰہی کا مخاطب انسان باقی نہیں رہتا ہے:

مصنف نے حواس خمسہ کا تعارف اور ہر حاسّہ کے مخصوص کردار پر روشنی ڈالنے کے بعد بتایا ہے کہ انسان معلومات کا ادراک حواس اور عقل دونوں کے ذریعہ کرتا ہے، دونوں میں باہم کوئی تضاد یا دوری نہیں ہے۔ البتہ عقل حواس پر حاکم ہے، آنکھ کبھی دور کی چیز کو پانی سمجھ بیٹھتی ہے، پھر عقل بتاتی ہے کہ یہ سراب ہے۔ یہاں حواس ہی عقل تک معلومات پہنچاتی ہے، لیکن جہاں حواس کی قدرت ختم ہوتی ہے وہاں عقل اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔

مصنف نے عقل اور حواس کے باہمی ربط و تعاون پر چشم کشا گفتگو کرنے کے بعد تاریخ کے اس المناک رویہ پر نقد کیا ہے کہ مغرب نے اندلس کی اسلامی فکر سے رابطہ منقطع کر کے اپنا سفر آگے بڑھایا تو راستہ میں کلیسا کی مزاحمتوں سے پریشان ہو کر اس نے کلیسا کی مذہبی تعلیمات سے نکل بھاگنا چاہا اور الحاد کا شکار بن بیٹھا۔ پھر انہوں نے صرف حواس کے ذریعہ آنے والے مشاہدہ اور تجربہ کے سوا ہر چیز کا انکار کر دیا۔ اس فکر نے انسانیت کے لئے بھیانک نقصانات کا

دروازہ چوپٹ کھول دیا۔ دوسری طرف جہاں صرف عقل پر تنہا انحصار کیا گیا اس نے بھی مصائب کی فہرست کو طویل بنایا۔ حالانکہ ضرورت تھی کہ عقل اور حواس دونوں کا باہمی ربط سمجھا جاتا اور دونوں کو اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر کام کرنے دیا جاتا۔

تیسرا دائرہ وحی کا ہے، جس طرح عقل محسوسات سے آگے کا دائرہ ہے، اسی طرح وحی کا دائرہ عقل سے آگے کا ہے۔ وحی کے دائرہ کی انتہا صرف اللہ کو معلوم ہے، غیب کے امور میں عقل صرف وحی کی ہدایت کی اتباع کر سکتی ہے۔ عقل اور وحی کے درمیان ایک ربط تو دونوں کے اپنے اپنے دائرہ کا ہے، دوسرا ربط یہ ہے کہ عقل ہی وحی کے لئے بھی اساس و بنیاد ہے، کیونکہ وحی کے فہم میں یہی بنیاد بنتی ہے، اور تیسرا ربط یہ ہے کہ عقل محکوم ہے اور وحی حاکم۔ انسان کے لئے عقل اور وحی دونوں ضرورت ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے لئے معاون ہیں، البتہ غیبی مسائل اور اخلاق و قانون سازی میں فیصل وحی ہے۔

مصنف نے عقل، اس کے مقام اور حواس و وحی کے ساتھ اس کے ربط و تعاون پر گفتگو کرنے کے بعد بتایا ہے کہ شریعت نے عقل کی حفاظت کے لئے مثبت اور منفی دونوں راستوں سے قوانین و احکام دیئے۔ مثبت امور میں عقل کی حفاظت کے لئے تعلیم کو ضروری قرار دیا کہ وہی عقل کو صقیل کرتی ہے، اور اسے اوہام و خرافات سے بچاتی ہے، ہر مرد و عورت کے لئے تعلیم کا کچھ حصہ تو لازمی ہے، اور کچھ حصے دونوں کی اپنی ضروریات و کردار کے لحاظ سے ہیں۔ اسی طرح اخروی فلاح کے ساتھ دنیاوی زندگی کی ضروریات کے لئے بھی تعلیم کے علاحدہ علاحدہ میدان ہیں۔ دوسری جانب عقل کی حفاظت کے لئے ان تمام چیزوں سے منع کیا گیا جو عقل کو نقصان پہنچاتی ہیں، چنانچہ شراب اور تمام نشہ آور اشیاء پر پابندی لگادی گئی اور اس کے مرتکب کے لئے سزا مقرر کی گئی۔ شراب اور نشہ عقل کو بھی ختم کرتا ہے اور مال کو بھی ضائع کرتا ہے۔ اس کی تباہ کاریوں کا دائرہ بہت وسیع ہے، یہاں تک کہ مصنف کے بقول ایک جرمن ڈاکٹر نے کہا کہ: ''اگر آدھے شراب خانے بند کر دیئے جائیں تو میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اسپتالوں، پناہ گزیں کیمپوں اور قید خانوں میں سے آدھے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی''۔

نسل کی حفاظت :

چوتھی فصل نسل کی مصلحت کی حفاظت کے موضوع پر ہے۔ اس کے تحفظ کے لئے بھی شریعت نے مثبت اور منفی دونوں راہوں سے کوشش کی ہے۔ مثبت راستہ یہ رہا کہ تحفظ نسل کے لئے نکاح کا حکم دیا گیا۔ یہ انسان کی فطری ضرورت بھی ہے، اور نسل انسانی کے تسلسل کا باوقار محفوظ ذریعہ بھی۔ نکاح اور شادی کا طریقہ آغاز نسل انسانی سے جاری ہے۔ انسانی تاریخ میں جہاں اس نظام سے انحراف پایا گیا اور آج بھی جہاں انحراف کی گھناؤنی شکلیں سامنے آرہی ہیں، ان کی تباہ کاریوں سے پورا سماج لرز رہا ہے۔ اسلامی شریعت نے نکاح پر بہت زور دیا ہے، اسے نہ صرف سنت بنایا بلکہ تجرد کی زندگی کو شیطانی زندگی قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی نکاح کو آسان بنانے کا حکم دیا۔ پھر اس رشتہ نکاح کو پائیدار بنانے کے لئے مرد وعورت دونوں کے حقوق اور فرائض متعین کئے۔ نکاح کی بنیادی غرض نسل انسانی کی بقاء کو بنایا گیا، تاکہ نسل کی حفاظت ہوسکے، پھر اس نسل کی بہتری کے لئے تعلیم وتربیت کا نظام قائم کیا گیا۔ اس بنیادی مقصد کے ساتھ نکاح کے ضمنی مقاصد میں نگاہ وشرمگاہ کی حفاظت، سکون وانسیت، محبت ومودت اور اپنی تربیت وغیرہ چیزیں رہیں۔ دوسری طرف نسل کی حفاظت کے لئے ان مفاسد کو ختم کیا جن سے نسل کو نقصان پہنچتا ہے، چنانچہ سب سے پہلے زنا کو حرام قرار دیا اور زنا کرنے والوں کے لئے سخت سزا رکھی۔ غیر فطری جنسی عمل کو بھی حرام قرار دیا۔ اور کسی پاکدامن پر تہمت زنا لگانے والے کے لئے ثابت نہ ہونے پر سزا رکھی۔ زنا اور بے راہ روی سے بچانے کے لئے ایسے احکام واسباب فراہم کئے گئے جو زنا کے راستوں کو بند کریں، چنانچہ اجنبی عورت کے ساتھ تنہا یکجائی سے منع کیا گیا۔ مرد اور عورت دونوں کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ غیروں کے سامنے زیب وزینت کی نمائش اور جنسی ہیجان پیدا کرنے والی چیزوں کو حرام قرار دیا گیا۔ اور اس بات کو یقینی بنانا چاہا گیا کہ سماج میں کوئی بھی بے نکاح نہ رہے، مناسب جوڑا ملتے ہی جلد شادی کردی جائے، اور متجرد مرد یا عورت زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں ہو، اس کی شادی کردی جائے۔ اور جو لوگ نکاح

کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے انہیں صبر واستقامت اپنانے اور روزہ رکھنے کا حکم دے کر جنسی بے راہ روی سے محفوظ بنایا گیا۔

مال کی حفاظت:

اس باب کی آخری فصل مال کی مصلحت کے تحفظ سے متعلق ہے، اس فصل میں مصنف نے پہلے مال کی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ شریعت نے جس چیز کی ذاتی قیمت کو تسلیم کیا ہے وہ شریعت کی نظر میں قیمت والا مال ہے۔ تمام جائز طریقوں کے ذریعہ اس سے انتفاع درست ہے، وہ مال قابل احترام اور محفوظ ہے، اور اس پر دست درازی ناجائز ہے۔ مصنف بتاتے ہیں کہ مال وسیلہ اور ذریعہ ہے، مقصود نہیں ہے۔ اس لئے مال کو انسان یا تو اپنی دنیاوی جائز ضروریات میں خرچ کرے یا اخروی فلاح کے لئے خرچ کرے۔ لیکن اگر مال کو معصیت کا سبب بنائے، یا تنعم کا عادی بن کر ہر جائز و ناجائز راستہ سے مال حاصل کرنے لگ جائے یا مال انسانوں کو اللہ سے غافل کر دے تو یہ انسان کے لئے باعث تباہی ہے۔ اسلام مال کی انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ احساس دلاتا ہے کہ مال اصلاً اللہ کا مال ہے، اللہ نے اسے انسان کے منافع کے لئے عطا فرمایا ہے، اور انسان کو اس مال پر اپنا نائب بنایا ہے۔ اس احساس کے بعد مال کے تئیں انسان کا رویہ ذمہ دارانہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے ساتھ سماج کے دیگر افراد کے لئے اپنے مال میں ذمہ داری محسوس کرتا ہے۔

مال کے حصول کے طریقوں میں اسلام محنت اور عمل کو بڑی اہمیت دیتا ہے، اور محنت کی مزدوری پوری ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مال کے سلسلہ میں شریعت کے چار مقاصد ہیں: اول یہ کہ مال جائز طریقہ پر گردش میں رہے اس کے لئے اسلام کرنسی کو منجمد کرنے سے روکتا ہے کہ یہ ذریعہ تبادلہ ہے، ربا اور سود کو اسلام حرام قرار دیتا ہے، کہ یہ صریح ظلم ہے۔ سود انسان کے اندر سے شفقت و ہمدردی کے جذبات کو فنا کر دیتا ہے۔ اور مال دار و غریب کے درمیان خلیج کو وسیع کر کے

دونوں کے درمیان نفرت کو جنم دیتا ہے۔ سود کے نقصانات اخلاقی بھی ہیں، سماجی بھی اور اقتصادی بھی۔ اسی طرح اسلام مال کے ارتکاز کو روکتا ہے، کہ اس سے اقتصادی سرگرمی متاثر ہوتی ہے۔ مال کے گردش کے لئے اسلام جوئے کو حرام قرار دیتا ہے، اور اس بات سے بھی روکتا ہے کہ مال گردش کر کے صرف چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے۔ مال کی گردش کے لئے اسلام جائز طریقہ سے تجارت کی ترغیب دیتا ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ مالی معاملات میں نزاعات سے بچنے کے لئے معاملہ کو واضح کرنے کا حکم دیتا ہے، چنانچہ معاملہ کو قید تحریر میں لانے، اس پر گواہ بنانے اور رہن رکھنے وغیرہ کے احکام دیتا ہے تاکہ معاملات صاف و واضح رہیں۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ مال کے سلسلہ میں عدل پیدا ہو، چنانچہ ایک طرف وہ نیک کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور دوسری طرف بخل و کنجوسی سے منع کرتا ہے اور اسراف و تبذیر کو بھی حرام بتاتا ہے۔ اپنی ذات پر خرچ، اپنے اعزہ و اقارب پر خرچ، زکاۃ کی ادائیگی اور محتاج و ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے احکام دے کر اسلام خرچ کے جذبہ کو فروغ دیتا ہے۔

مال کے تحفظ کے لئے شریعت نے کچھ منفی احکام بھی دیئے، چنانچہ اس نے مال پر دست درازی کو حرام بنا کر ایسا کرنے والے کے لئے سزا رکھی۔ اسلام نے ناجائز طریقہ سے دوسرے کا مال کھانے کو حرام قرار دیا۔ چوری کرنے والے کی سزا مقرر کی۔ ڈاکہ زنی کے لئے بہت سخت سزا مقرر کی۔ اور دوسرے کے مال کو ہتھیانے یا اسے نقصان پہنچانے کے دوسرے طریقوں کو بھی ممنوع بنایا۔ مال کے منافع کو برقرار رکھنے اور عدل کے تحفظ کے لئے رشوت کو بھی اسلام نے حرام قرار دیا۔

خلاصۂ بحث:

دوسرے باب کی پانچوں فصلوں میں مصنف نے دین، جان، عقل، نسل اور مال کے تحفظ کے لئے شریعت کے دیئے گئے احکام کے تفصیلی تذکرہ کے ذریعہ شریعت کے مقاصد کو بہت

واشگاف کیا ہے۔ اس طویل بحث کے خاتمہ پر مصنف نے پوری بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے اپنے اس احساس کو رقم کرنا ضروری سمجھا کہ مسلمانوں کی فلاح ونجات صرف اس صورت میں ہے کہ وہ اسلام اور اس کی شریعت کو مکمل طور پر قول وعمل میں اختیار کریں۔ اسلام کے اصول اور قواعد کے سایہ میں ہی پوری زندگی کے لئے صحیح معنوں میں راحت ہے۔ شریعت کے کچھ حصوں کو اپنانا اور کچھ کو چھوڑنا اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، اور دنیا میں بھی اس کا نتیجہ سوائے ذلت ورسوائی، افتراق وانتشار اور بے وزنی کے کچھ نہیں ہے۔ اس شریعت کا دامن تھام کر ہی مسلمان اس منصبی فریضہ کو پورا کر سکتے ہیں جو ان سے وابستہ ہے۔

امام شاطبی کے قواعد مقاصد

مولانا محمد ہشام الحق ندوی

نام کتاب	:	قواعد المقاصد عند الإمام الشاطبی عرضاً ودراسة وتحلیلاً
تعداد صفحات	:	۴۸۸
مصنف	:	ڈاکٹر عبدالرحمٰن ابراہیم کیلانی
شائع کردہ	:	المعہد العالمی للفکر الاسلامی
زبان	:	عربی

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر عبدالرحمٰن ابراہیم زید کیلانی کا تعلق مملکت اردن سے ہے۔ موصوف مؤتہ یونیورسٹی کے تحت قائم شریعہ کالج کے شعبہ فقہ واصول فقہ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ انہوں نے فقہ اور اصول فقہ کے موضوع پر تحقیقی مقالات اور کتابیں تحریر کی ہیں۔ اس سے پہلے ان کی مندرجہ ذیل کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں:

۱-العام وتخصیصه بین الشاطبی والأصولیین

۲-حجیة القاعدة الفقهیة

۳-مبدأ الاستحسان وتطبیقاته الطبیة المعاصرة

۴-معالم المقاصد في فقه الشیخ محمد رشید رضا

پیش نظر کتاب دراصل ان کی طرف سے امام شاطبی کے ذکر کردہ ان قواعد کا مطالعہ اور تجزیہ ہے جو احکام اور مقاصد شریعت کے باہمی ربط وتعلق کو منضبط کرتے ہیں۔ یہ کتاب بنیادی طور پر دوابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں دو فصلیں اور دوسرے باب میں تین فصلیں ہیں اور ہرفصل کے تحت متعدد مباحث ہیں۔ ان ابواب وفصول کے عناوین اس طرح ہیں:

باب اول: قاعدہ مقصدیہ کے مفہوم اوراس کے درجہ کا بیان:

فصل اول: قاعدہ مقصدیہ کی حقیقت۔

فصل دوم: قاعدہ مقصدیہ کی اقسام اور تشریع احکام میں ان کا مقام۔

باب دوم: قواعد مقاصدی کے موضوعات کی روشنی میں ان قواعد کا مطالعہ وجائزہ:

فصل اول: مصلحت اور مفسدہ سے متعلق قواعد مقاصدی۔

فصل دوم: رفع حرج سے متعلق قواعد مقاصدی۔

فصل سوم: افعال کے نتائج اور بندوں کے مقاصد سے متعلق قواعد مقاصدی۔

کتاب کے فنی مباحث کے اختتام پر مصنف نے اٹھارہ نکاتی خلاصہ بحث پیش کیا ہے اور ساتھ ہی اس موضوع پر متقدمین کی کتابوں کے حوالہ سے مزید بحث وتحقیق کی دعوت دی ہے۔ کتاب پر مقدمہ علم مقاصد کے معروف عالم ڈاکٹر احمد ریسونی مراکشی کا ہے جو خود اس سے پہلے امام شاطبی کے نظریہ مقاصد پر ایک مفصل کتاب لکھ چکے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے مقدمہ میں نظریہ مقاصد کی مختصر تاریخ اور عہد بہ عہد اس کے ارتقاء پر روشنی ڈالی ہے اور ایک صدی کے اندر اندر عالم عرب اور عالم اسلام سمیت دنیا کے مختلف ملکوں میں علم مقاصد شریعت سے دلچسپی اور اس موضوع پر تسلسل کے ساتھ کتابیں لکھنے، رسائل جاری کرنے اور یونیورسٹیز میں تحقیقی مقالات کے موضوعات کے طور پر اس فن کے انتخاب کو فکر مقاصدی کی سمت میں ایک عظیم پیش رفت، بیداری اور انقلاب کا پیش خیمہ قرار دیا ہے۔

مقاصد شریعت کے موضوع پر وقیع اور مفصل کتابوں کی موجودگی میں ایک نئی کتاب کی ضرورت کیوں پڑی اس سوال کا جواب مقدمہ میں مصنف نے دے دیا ہے اور بڑا مفصل دیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے بقول اگر چہ اس موضوع پر امام طاہر بن عاشور، ڈاکٹر یوسف العالم، ڈاکٹر وہبہ زحیلی، ڈاکٹر احمد ریسونی، اسماعیل حسنی، ڈاکٹر خلیفہ بابکر الحسن، ڈاکٹر حمادی العبیدی وغیرہ نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں اور متعدد پہلوؤں سے موضوع کا جائزہ لیا ہے لیکن خاص اس پہلو یعنی امام شاطبی کے پیش کردہ مقاصد شریعت سے متعلق قواعد پر اب تک کوئی ایسی علمی کاوش نہیں ہوئی ہے جس میں قواعد کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کا مطالعہ اور تجزیہ بھی کیا گیا ہو اور یہ بھی واضح کیا گیا ہو کہ موجودہ دور کے اجتہاد میں ان قواعد سے کس حد تک استفادہ ممکن ہے۔

سلسلہ بحث کا آغاز کرتے ہوئے مصنف نے سب سے پہلے لفظ ''قاعدہ'' اور لفظ ''مقاصد'' کے لغوی معانی ذکر کیے ہیں۔

قاعدہ کا لغوی معنی:

ان کے بقول تمام کتب لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ قاعدہ کے معنی اصل اور اساس کے ہیں (بحوالہ زبیدی: تاج العروس: ۹/۶۰، ابن منظور: لسان العرب مجلد ۳/ ۱۲۸، جوہری: الصحاح ۲/ ۵۲۵)۔اس سلسلے میں انہوں نے قرآن مجید میں دو مقامات پر مذکور لفظ ''القواعد'' سے استدلال کیا ہے (دیکھئے: سورۂ بقرہ: ۱۲۷، سورۂ نحل: ۲۶)۔انہوں نے کلام عرب سے یہ مثال بھی ذکر کی ہے: ''قواعد الھودج'' (کجاوہ کے نیچے چوڑائی میں لگائی جانے والی چار موٹی لکڑیاں جن پر کجاوہ کی لکڑیاں جوڑی جاتی ہیں) (دیکھئے: ابن منظور: لسان العرب مجلد ۳/ ۱۲۸، راغب اصفہانی: مفردات الفاظ القرآن)۔اس کے لغوی معنی کے سلسلے میں اہل لغت کے اقوال نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ قاعدہ بمعنی اساس کبھی مادی ہوتا ہے جیسے ''قواعد البیت'' (گھر کی بنیادیں) اور ''قواعد

الهودج'' (کجاوہ کی بنیادیں) اور کبھی معنوی جیسے ''قواعد الفقہ'' (فقہ کی بنیادیں) ''قواعد المنطق'' (منطق کی بنیادیں) اور ''قواعد المقاصد'' (مقاصد کی بنیادیں)۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ نکتہ بھی ذکر کیا ہے کہ قاعدہ بمعنی اصل واساس میں رسوخ اور ثبات کا معنی پنہاں ہے۔

قاعدہ کا اصطلاحی معنی:

اس کے بعد مصنف نے قاعدہ کے اصطلاحی معنی کے تعین کے لئے جرجانی، کفوی، طوفی، تفتازانی، مقری، سبکی اور حموی کی طرف سے کی گئی اس کی مختلف تعریفات ان حضرات کی کتابوں کے حوالہ سے ذکر کی ہیں اور ان کا تجزیہ کیا ہے اور ان کے مابین اتفاق وافتراق کی وجوہ پر مفصل بحث کی ہے۔

اس کے بعد مصنف نے اپنی طرف سے قاعدہ کی مندرجہ ذیل تعریف کی ہے:

''ما يعبر به عن حكم كلي تندرج تحته جزئيات كثيرة، تفهم أحكامها منها'' (قاعدہ وہ ہے جس کے ذریعہ ایسے حکم کلی کو ظاہر کیا جائے جس کے تحت بہت سی ایسی جزئیات شامل ہوں جن کا حکم اس قاعدہ سے سمجھا جائے)۔

مصنف کا خیال ہے کہ یہ تعریف مندرجہ ذیل پہلوؤں سے قابل ترجیح ہے:

اول: یہ تعریف لفظ ''ما'' سے شروع ہونے کی وجہ سے دیگر تمام مفاہیم مثلاً ''قضیہ''، ''امر'' اور ''کل'' کو محیط ہے، نیز یہ امام سبکی کی تعریف سے قریب ہے۔

دوم: اس تعریف میں قاعدہ کو حکم کلی کا ظاہر کرنے والا قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک قاعدہ بجائے خود حکم نہیں بلکہ حکم کے اظہار کا ایک وسیلہ ہے۔

سوم: اس تعریف میں حکم کی صفت کلی ذکر کی گئی ہے۔ کیونکہ قاعدہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ کلی ہوتا ہے۔ بعض فقہی قواعد میں استثناءات کے پیش آجانے سے اس خصوصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، کیونکہ فقہی قواعد میں کلیہ اضافی ہوتا ہے نہ کہ شمولی۔ اس لئے کہ بعض جزئیات میں شذوذ واقع ہو جاتا ہے (الندوی: القواعد الفقہیہ: ۴۵)۔

چہارم: اس تعریف میں جزئیات کے ساتھ بیشتر کا اضافہ اس لئے ہے تا کہ یہ واضح رہے کہ کبھی کبھی حکم کلی میں استثناء بھی ہو جاتا ہے جو اس کے کلی ہونے میں قادح نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب اس خاص جزئیہ میں قاعدہ کا مفہوم پوری طرح نہیں پایا جاتا یا کوئی ایسا قاعدہ سامنے آ جاتا ہے جو اس جزئیہ سے زیادہ متعلق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے تخصیص واستثناء کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔

پنجم: اس تعریف کا آخری جزء دراصل قاعدہ کے اس عمل کی وضاحت ہے کہ وہ ان جزئیات کے احکام کو بیان کرتا ہے جن میں قاعدہ کا عمومی مفہوم پایا جاتا ہے۔

قاعدہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کے بعد مصنف نے مقاصد کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات ذکر کی ہیں اور ان کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ آخر میں اپنی تعریف بھی ذکر کی ہے۔

مقاصد کی لغوی تعریف:

مصنف کے بقول لفظ مقاصد مقصد کی جمع ہے جو فعل قصد، یقصد قصداً سے مشتق ہے۔ لغت میں اس کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ کبھی لفظ قصد راستہ کے سیدھے اور واضح ہونے کے معنی میں آتا ہے جیسے قرآن میں ہے: "وعلى الله قصد السبيل" (سورۂ نحل ۹) (اور اللہ ہی پر ہے راستہ کا دکھانا) یعنی سیدھے راستہ کی وضاحت و رہنمائی اور اس کی طرف دلائل اور واضح براہین سے بلانا اللہ ہی کا کام ہے۔

قصد کے معنی عدل (انصاف) کے بھی ہیں۔ اسی سے شاعر کا یہ قول ہے:

على الحكم المأتي يوماً إذا قضى   قضيته، ألا يجور ويقصد

(منصف کے پاس جب کسی روز فیصلہ کرانے کے لئے جایا جائے تو اس کا فرض ہے کہ فیصلہ دینے میں ظلم نہ کرے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے)۔

یہاں "ویقصد" سے مراد انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے۔

قصد کا ایک معنی کسی رخ پر چلنا اور کسی سمت کا ارادہ کرنا بھی ہے۔ گفتگو میں اور فقہاء اور اصولیین کے نزدیک یہی معنی مروج ہے۔ مثلاً ماہرین اصول فقہ کا یہ قول: "**المقاصد تغير أحكام التصرفات**" (مقاصد تصرفات کے احکام بدل دیتے ہیں) (ابن نجیم: الاشباہ، ابن القیم: إعلام الموقعین ۹۸/۳)، اسی طرح ان کا قول: "**المقاصد معتبرة في التصرفات**" (مقاصد تصرفات میں معتبر ہیں) (شاطبی: الموافقات ۳۲۳/۲)۔ ان اقوال میں مقاصد سے مراد مکلّف کے دل میں پایا جانے والا وہ ارادہ ہے جس کو عملی شکل دیتے ہوئے وہ کسی چیز کا قصد کرتا ہے۔

مقاصد کی اصطلاحی تعریف:

مصنف کا خیال ہے کہ متقدمین فقہاء اور اصولیین کے استعمالات میں اس لفظ کے کسی متعین معنی کی نشان دہی نہیں ہوتی ہے۔ ان کے یہاں اس کے غالب استعمال سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس سے مراد اس کا لغوی معنی ہی ہے۔ مثال کے طور پر اس قاعدہ کو لے لیجئے: "**الأمور بمقاصدها**" (تمام معاملات و مسائل اپنے مقاصد سے مربوط ہیں) (سیوطی: الاشباہ ۸، ابن نجیم: الاشباہ ۸)۔ یہاں مقاصد سے مراد مکلّف کے دل کی مخفی نیت ہے جس کے مطابق وہ اپنے عمل میں چلتا ہے۔ اسی طرح امام غزالی نے فرمایا: "**مقصود الشارع من الخلق خمسة: هو أن يحفظ عليهم دينهم ونفسهم وعقلهم ونسلهم ومالهم**" (خلق سے شارع کا مقصود یہ ہے کہ وہ ان کے دین، ان کی جان، ان کی عقل، ان کی نسل اور ان کے مال کو محفوظ رکھے) (المستصفی ۲۸۷/۱)۔ امام آمدی نے فرمایا: "**إن المقصود من شرع الحكم: إما جلب مصلحة أو دفع مضرة أو مجموع الأمرين**" (حکم کو مشروع قرار دینے سے مقصود یا تو مصلحت کا حصول ہے یا مضرت کا ازالہ یا ایک ساتھ دونوں ہی چیزیں) (الاحکام ۲۷۱/۳)۔

امام شاطبی فرماتے ہیں: "**إن الشارع قصد بالتشريع إقامة المصالح**

الأخروية والدنيوية" (تشریع سے شارع کا مقصود اخروی اور دنیوی مصالح کا قیام ہے) (الموافقات ۲/۷/۳)۔

ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد مصنف نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ان استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقاصد کے اصطلاحی معنی کی تعیین کے بجائے ان مصالح کی مختلف شکلوں کا بیان ہے جو احکام پر عمل کرنے کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس طرح یہ تمام عبارتیں قصد کے لغوی معنی کے دائرہ سے نہیں نکل پاتی ہیں۔ مصنف کا خیال ہے کہ اس کے اصطلاحی مفہوم کی نشاندہی معاصر محققین اور علماء نے بہتر طور پر کی ہے (دیکھئے: مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ ۵۱، مقاصد الشریعۃ ومکارمہا ص ۳، المقاصد العامۃ للشریعۃ الإسلامیۃ ص ۷۹)۔

اس ضمن میں مصنف نے علامہ محمد طاہر بن عاشور، شیخ علال فاسی اور ڈاکٹر یوسف العالم کی طرف سے کی گئی مقاصد کی اصطلاحی تعریفات پر تنقیدی نظر ڈالی ہے اور اس کے بعد اپنی یہ تعریف ذکر کی ہے: "المعاني الغائية التي اتجهت إرادة الشارع إلى تحقيقها عن طريق أحكامه" (وہ مقاصدی معانی جن کو شارع اپنے احکام کے ذریعہ بروئے کار لانا چاہتا ہے)۔

مصنف نے اپنی پیش کردہ اس تعریف کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل تین نکات میں اسے سمیٹنے کی کوشش کی ہے:

اول: اس تعریف میں مقاصد کو معانی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ وہ تمام کلی معانی جو احکام شریعت کا محور ہیں مثلاً مصلحت کا قیام اور ان کی رعایت، اسی طرح اس مقصد کلی سے متفرع ہونے والے خصوصی اہمیت کے حامل مقاصد مثلاً جان، مال اور نسل کا تحفظ، اس میں شامل ہو جائیں۔ اس تعریف میں وہ جزئی معانی بھی داخل ہیں جنہیں شارع نے قائم کرنا چاہا ہے، مثال کے طور پر عقد نکاح کی بقاء، اس کا تسلسل اور اس مقدس رشتہ کا استحکام، اسی طرح ہبہ کو مشروع قرار دے کر نفس کو بخل سے پاک کرنے اور مسلمانوں کے دلوں میں اخوت کا احساس پیدا

کرنے کا شارع کا مقصود۔الف لام استغراقی کا استعمال کر کے تعریف میں یہ جامعیت پیدا کی گئی ہے۔

دوم:تعریف کے جزء "التي اتجهت إرادة الشارع إلى تحقيقها"(جن مقاصد کو شارع بروئے کار لانا چاہتا ہے) میں قصد کے لغوی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے شرعی معنی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

سوم:تعریف کے آخری جزء "عن طريق أحكامه" (اپنے احکام کے ذریعہ) میں اس بات کی وضاحت مقصود ہے کہ احکام ان مقاصد کو روبعمل لانے کے ذرائع اور وسائل ہیں۔ ان وسائل کے ذریعہ شریعت کے متعین کردہ اہداف وغایات کا حصول ہوتا ہے۔امام شاطبی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:"لأن الأعمال الشرعية ليست مقصودة لأنفسها وإنما قصد بها أمور أخرى هي معانيها، وهي المصالح التي شرعت لأجلها" (الموافقات ۲/۳۸۵)(اس لئے کہ شرعی اعمال بجائے خود مقصود نہیں ہیں بلکہ ان سے کچھ دوسرے امور یعنی ان کے معانی مقصود ہیں اور معانی سے مراد وہ مصالح ہیں جن کے لئے شریعت وضع کی گئی ہے)۔

قواعد اور مقاصد کی الگ الگ لغوی اور اصطلاحی تشریح کے بعد مصنف نے لفظ "قاعدہ" اور لفظ "مقصد" سے ترکیب شدہ ایک منفرد اصطلاح "القاعدة المقصدية" پر بحث کی ہے۔ان کے نزدیک "قاعدہ مقصدیہ" کی تعریف یہ ہے:"هي ما يعبر به عن معنى عام، مستفاد من أدلة الشريعة المختلفة اتجهت إرادة الشارع إلى إقامته من خلال ما بني عليه من أحكام" (وہ قاعدہ جس کے ذریعہ شریعت کے مختلف دلائل سے ماخوذ کسی ایسے عمومی معنی کو بیان کیا جائے جس کو اس پر مبنی احکام کے ذریعہ شارع قائم کرنا چاہتا ہو)۔

اس کے بعد مصنف نے قاعدہ مقصدیہ اور قاعدہ فقہیہ کے درمیان حقیقت، حجیت ومقام، اہمیت واعتبار اور ان کے مضامین کے لحاظ سے اتفاق واختلاف پر بحث کی ہے۔اسی

طرح انہوں نے قاعدہ اصولیہ اور قاعدہ مقصدیہ کے درمیان حقیقت، موضوع، مضمون اور ماخذ کے زاویہ سے اتفاق واختلاف پر مفصل گفتگو کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قاعدہ مقصدیہ اپنی حقیقت ونوعیت، اپنے ماخذ اور اپنے درجہ کے اعتبار سے اصولی اور فقہی دونوں قسم کے قواعد سے مختلف ہے۔ لیکن ان کے بقول اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک علم کی حیثیت سے بھی وہ علم اصول فقہ کے دائرہ سے خارج ہو جائے، کیونکہ ان کے بقول علم اصول صرف اصول فقہ کے قواعد کو جان لینے کا نام نہیں بلکہ اس میں ان قواعد کے استعمال وتطبیق کا طریقہ بھی شامل ہے۔ جو شخص مقاصدی قواعد پر عبور نہ رکھتا ہو وہ مطلوبہ معیار پر اصولی قواعد کی تطبیق نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجتہد کے شرعاً مطلوب حکم تک پہنچنے میں قاعدہ مقصدیہ بھی اتنا ہی معاون ہے جتنا قاعدہ اصولیہ۔

اس بحث کے اختتام پر مصنف کتاب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ امام شاطبی نے قاعدہ اصولیہ کو مقاصدی جہت عطا کی ہے تاکہ وہ صرف لغوی پہلوؤں اور کلامی مباحث کے تنگ دائرہ تک محدود نہ رہے بلکہ اس کا دائرہ تشریع اور اس کے کلی مراتب تک وسیع ہو۔

مصنف کتاب نے "قاعدہ"، "مقاصد" اور "قاعدہ مقصدیہ" کی تعریفات نیز "قاعدہ مقصدیہ" کی حقیقت ونوعیت پر گفتگو کے بعد قواعد مقاصدی کے درجہ اور ان کی استنادی حیثیت کی بحث چھیڑی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ امام شاطبی کی کتاب "الموافقات" میں اس موضوع پر دو محاور کے ذیل میں گفتگو کی گئی ہے:

محور اول: مقاصد سے متعلق قواعد کلیہ کا شریعت کی جزئیات اور اس کے فروع سے ربط وتعلق۔

محور دوم: ان قواعد کلیہ میں نسخ کا امکان۔

محور اول کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انہوں نے امام شاطبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جزئیات پر غور وفکر کرتے وقت کلیات کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے اور ان ہی اساسی کلیات میں قواعد مقاصدی بھی شامل ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر فقیہ جزئیات پر غور کرتے وقت کلیات

سے صرف نظر کرے گا تو لازماً وہ ایسے احکام صادر کردے گا جو حکمت شریعت اور روح شریعت دونوں کے منافی ہوں گے۔ انہوں نے اس دعوے کے ثبوت میں امام ابوحنیفہؒ کی یہ رائے پیش کی ہے کہ کسی بھاری چیز مثلاً پتھر یا بڑی لکڑی سے مارنے کی صورت میں اگر کسی کی جان چلی جائے تو اس کی وجہ سے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور اسے قتل عمد تصور نہیں کیا جائے گا اگرچہ یہ قتل بطور زیادتی ہی ہو۔ کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قتل عمد اسی صورت میں ہوگا جب کسی ہتھیار مثلاً تلوار اور نیزہ سے مارا جائے یا کسی ایسی چیز سے جو ہتھیار کے قائم مقام ہو جیسے لکڑی یا آگ سے بنی کوئی نوکیلی چیز۔ اس لئے کہ عمد کے معنی قصد کے ہیں اور اس قصد کا پتہ کسی دلیل سے ہی چل سکتا ہے اور وہ ایسے آلہ کا استعمال ہے جو انسان کو ہلاک کردے (قاضی زادہ: تکملۃ فتح القدیر ۹/ ۱۳۸، خوارزمی: الکفایۃ علی الھدایۃ ۹/ ۱۳۹)۔

مصنف کے بقول امام صاحب نے بعض احادیث کی بنا پر یہ رائے قائم کی ہے (دیکھئے: نصب الرایہ ۴/ ۳۳۳، مسند احمد ۴/ ۲۷۵) اور سرخسی نے اس کی توجیہ بھی ذکر کی ہے (دیکھئے: المبسوط ۲۶/ ۱۲۲)، صاحبین، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس شخص پر قصاص لازم ہوگا۔

مصنف کا خیال ہے کہ امام صاحب کی یہ رائے بعض کلی قواعد مقاصد سے ٹکرا جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ نتائج پر نظر رکھنا شریعت کا ایک مقررہ قاعدہ ہے، اسی طرح انسانی جان سے مفاسد کو دور کر کے اس کو تحفظ فراہم کرنا ایک مسلمہ شرعی قاعدہ ہے، اگر بھاری چیز سے واقع ہونے والے قتل کو قتل عمد نہ مانا جائے اور اس کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم نہ کیا جائے جبکہ جارحیت کا عنصر بھی اس صورت میں پایا جارہا ہو تو یہ قتل کا دروازہ کھولنا ہے۔ قاتل یہ سمجھ کر بھاری چیز سے جس سے عموماً قتل ہو جاتا ہو، قتل کرے گا کہ اس پر قصاص تو لازم ہونا نہیں ہے۔ کیا یہ انسانی جان کی تباہی کا دروازہ کھولنا نہیں ہے جس کی حفاظت شریعت کا سب سے بڑا مقصد ہے بلکہ یہ ان ضروریات میں سے ہے جن کے بغیر زندگی کا تصور ہی ممکن نہیں۔

اس کے بعد مصنف نے جزئیات اور فروعی مسائل میں ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کا

تتبع کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ مسائل کے استنباط میں یہ حضرات ہمیشہ شریعت کے عمومی اور کلی مقاصد کو پیش نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں مندرجہ ذیل مثالیں پیش کی ہیں:

۱-ایک عمومی قاعدہ ہے کہ امین (وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی جائے) اپنے پاس دوسروں کے رکھے گئے مال کے ہلاک یا تلف ہو جانے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا اگر اس کی طرف سے کوئی زیادتی یا اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ پائی جائے اور جو شخص امین کی کوتاہی یا اس کی زیادتی کا دعوی کرے گا اسے اس کا ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ اس عمومی قاعدہ کے باوجود بہت سے علماء صحابہ نے ان کاریگروں کے ضامن ہونے کا فتوی دیا جو یہ دعوی کریں کہ ان کے پاس بغرض اصلاح موجود دوسروں کے سامان تلف ہو گئے ہیں اگر وہ اس کا ثبوت نہ فراہم کریں کہ جو کچھ ان کے پاس سے ضائع ہوا ہے اس میں ان کی طرف سے زیادتی یا کوتاہی نہیں ہوئی ہے (ابن قدامہ: المغنی ۶/ ۱۰۶، ابن حزم: المحلی ۸/ ۲۰۲، بیہقی: السنن ۶/ ۱۳۲)۔

مصنف کا خیال ہے کہ علماء صحابہ کا یہ فتوی مندرجہ ذیل تین قواعد مقاصدی کی بنیاد پر تھا:

اول: عام مصلحت اور خاص مصلحت کے درمیان موازنہ اور تقابل ضروری ہے اور ان دونوں میں تعارض کی صورت میں عام مصلحت کو خاص مصلحت پر مقدم کیا جائے گا (المستصفی ۱/ ۳۱۳، بن نجیم: الأشباہ ۸۷، الزرقاء: شرح القواعد ۱۴۳)۔

دوم: نتائج پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس فتوی میں سامان کے مالکان کو لاحق ہونے والے نقصان پر نظر رکھی گئی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو کاریگر بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے یہ دعوی کر دیا کریں گے کہ سامان ہلاک ہو گیا۔ اس سے اموال کا ضیاع ہوگا جو ایک طے شدہ شرعی قاعدہ کی خلاف ورزی ہے۔

سوم: حرج کو دور کرنا ضروری ہے۔ اگر کاریگروں کو ضامن نہ قرار دیا جائے تو مالکان اپنے سامان کاریگروں کے حوالہ اس ڈر سے نہیں کریں گے کہ کہیں وہ بغیر کسی ثبوت کے ان کے

ہلاک ہونے کا دعوی نہ کردیں۔ اس سے ان کے کاروبار کا نقصان ہوگا۔ (باجی نے ''المنتقی'' ۶/۱۷ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے)۔

۲- امام جوینی، امام غزالی اور امام شاطبی نے اس کی صراحت کی ہے کہ اگر بیت المال سے اخراجات پورے نہ ہو پا رہے ہوں، ضروریات بڑھ جائیں اور حکومت کو سرحدوں اور وسیع وعریض رقبہ پر پھیلی ہوئی سلطنت کے تحفظ کی خاطر افواج کی تعداد بڑھانے کی ضرورت پیش آجائے تو ایسی صورت میں امام کو بشرطیکہ وہ عادل ہو، یہ اختیار ہے کہ صورت حال کی سنگینی کو پیش نظر رکھتے ہوئے مالداروں پر اتنے ٹیکس عائد کرے جن سے حکومت کی ضروریات پوری ہو جائیں (الغیاثی ۲۷۷، شفاء الغلیل ۲۳۷، المستصفی ۱/۳۰۴، الاعتصام ۲/۱۲۱-۱۲۲)۔

مصنف کا خیال ہے کہ امام جوینی، امام غزالی اور امام شاطبی کا یہ فتوی مقاصد شریعت یعنی تحفظ دین، تحفظ جان اور تحفظ مال تینوں کے پیش نظر ہے۔ کیونکہ یہاں ان تینوں مقاصد کا تحفظ سلطنت کے تحفظ پر منحصر ہے۔

۳- امام غزالی نے قتل یا چوری وغیرہ کے معاملہ میں پکڑے جانے والے شخص سے اقبال جرم کرانے کے لئے اس کی پٹائی کے مسئلہ میں قاعدہ مقصد یہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ امام غزالی اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگرچہ اس رائے کے قائلین نے خاص مصلحت کے مقابلہ میں عام مصلحت کی ترجیح کے قاعدہ کو اختیار کیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس قاعدہ کا تصادم ایک ایسے قاعدہ سے ہو رہا ہے جو اس سے زیادہ اہم ہے یعنی انسانی جان کا تحفظ اور اس کو ہلاکت سے بچانا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مصلحت اس بات کی متقاضی ہے کہ ایسے ملزم کی پٹائی کی جائے۔ کیونکہ وہ اس کے بغیر اعتراف نہیں کرے گا اور رات کی تاریکی میں یا دھوکہ دے کر کیے جانے والے جرائم مثلاً قتل وغیرہ کا ثبوت فراہم کرنا مشکل ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو لوگوں کے حقوق ضائع ہوں گے تو میں کہوں گا کہ اس میں ایک دوسرے فساد کا دروازہ کھولنا ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ملزم بے گناہ ہو، ایسی صورت میں اس کی پٹائی کرنا

ایک فرضی معاملہ کو بنیاد بنا کر اس کی جان کے تحفظ کے حق پر دست درازی کرنا ہے۔ اور اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو ہر وہ شخص جس کا کسی سے کوئی اختلاف ہوگا، اپنے مخالف کے خلاف اس حربہ کا استعمال کرے گا اور لوگ انتقامی جذبہ سے ایک دوسرے کے خلاف دعوی کیا کریں گے۔ لہذا اگر صاحب حق کی مصلحت کا تقاضا ہے کہ اس ملزم کی پٹائی کی جائے تو اس ملزم کی مصلحت کا تقاضا ہے کہ اس کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔ ان دونوں مصالح میں سے کوئی بھی مصلحت دوسرے سے بڑھی ہوئی نہیں ہے (شفاء الغلیل ۲۳۰)۔

مصنف نے قاعدہ مقصد یہ ہی کی بنا پر زندہ انسان میں مردہ کے اعضاء کی منتقلی کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ انسانی جان کے تحفظ کو اولیت حاصل ہے۔ انہوں نے فقہاء کے اس جزئیہ کو اس کی نظیر بنایا ہے کہ اگر مردہ عورت کے پیٹ میں حمل حرکت کر رہا ہو تو جنین کو بچانے کے لئے اس کا پیٹ چاک کرنا جائز ہے (ابن نجیم: الأشباہ والنظائر ۸۸، الفتاوی الہندیہ ۳۶۰/۵، النووی: المجموع ۳۰۱/۵)۔ مصنف کا خیال ہے کہ یہ ہلکے درجہ کے ضرر کو اختیار کر کے بڑے ضرر سے بچنا ہے جیسا کہ قواعد میں مشہور ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو لوگ اس کے رد میں حدیث "**کسر عظم المیت ککسرہ عظام الحی**" (ابن حبان ۳۱۶۷، ابوداؤد ۳۲۰۸، ابن ماجہ ۱۶۱۶) (مردہ کی ہڈیاں توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈیاں توڑنا) سے استدلال کرتے ہیں ان کی نظر مقاصد شریعت پر نہیں ہے۔ مصنف کے خیال میں اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح زندہ شخص کی ہڈی توڑنا اس کی حرمت کو پامال کرنا ہے اسی طرح مردہ شخص کی ہڈی توڑنا بھی اس کی حرمت پامال کرنا ہے (الطحاوی: شرح مشکل الآثار ۳۱۰/۳) یعنی مقصود یہ بتانا ہے کہ جس طرح زندہ شخص کی ہڈی توڑ کر اسے ایذاء پہنچانا حرام ہے اسی طرح مردہ شخص کی ہڈی توڑ کر اسے بھی ایذا پہنچانا حرام ہے۔ زندہ شخص کی جان بچانے کی خاطر مردہ شخص کے اعضاء سے فائدہ اٹھانے میں ایذا نہیں پائی جا رہی ہے۔ کیونکہ یہاں مقصود جان بچانا ہے جو مقصد شریعت ہے نہ کہ مردہ کی توہین اور اس کی ایذا رسانی۔

محور دوم کی تفصیل میں صاحب کتاب امام شاطبی کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ قواعد مقاصدی اتنے مستحکم اور قوی ہیں کہ وہ کسی حال میں منسوخ نہیں ہوسکتے۔ مصنف کے بقول اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے ابدی اصولوں پر مبنی ہیں جو منسوخ یا کالعدم نہیں ہوسکتے۔ مثال کے طور پر انصاف کا قیام، نیکی کا حکم دینا، بدی اور بے حیائی سے روکنا، لوگوں سے ظلم کا ازالہ، انسانی جان کا تحفظ، لوگوں کی عزت، ان کے مال اور ان کی عقل کو خطرات سے بچانا وغیرہ۔

مصنف نے قواعد مقاصدی کے درجہ پر گفتگو کرتے ہوئے اس پہلو پر بھی نظر ڈالی ہے کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں جہاں اجتہاد کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے، ان قواعد کا کردار کیا ہوگا؟

امام شاطبی کی متعدد عبارات کے حوالہ سے اس باب میں بھی انہوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ قواعد نئے پیش آنے والے مسائل کا مبنی قرار پائیں گے اور ان کی طرف وقت ضرورت رجوع کیا جائے گا۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ مسائل شریعت کے موضوع اور اس کے حکم کلی کے تحت آتے ہوں اور شریعت کے مجموعی دلائل سے ان کی طرف رہنمائی ہوتی ہو، ان کا کہنا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں علماء امت کے اجتہادات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قواعد ان کے ذہن میں راسخ تھے۔

انہوں نے مثالوں سے اس کو واضح کیا ہے۔ ان کی ذکر کردہ ایک مثال یہ ہے کہ جمہور فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر ایک شخص کے قتل میں ایک جماعت ملوث ہو تو اس ایک شخص کے بدلہ پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں جمہور فقہاء نے قول صحابی اور قیاس کے علاوہ جس دلیل سے استدلال کیا ہے وہ یہی مقصد شریعت ہے۔ ابن العربی نے احکام القرآن میں اس مفسدہ کو بیان کرتے ہوئے جو ایک شخص کے بدلہ ایک جماعت کو قتل نہ کرنے کی صورت میں پیش آسکتا ہے، کہا ہے: اللہ تعالی نے قاتل کو اس لئے واجب القتل قرار دیا ہے تا کہ انسان کو قتل سے محفوظ رکھا جائے۔ اگر دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ مل کر قتل کرنے سے ان سے

قصاص نہیں لیا جائے گا تو وہ اکٹھا ہو کر اپنے دشمن کو قتل کیا کریں گے۔ لہذا ہم نے ان سب پر قصاص کو لازم قرار دیا تاکہ دشمنوں کو ان کی حرکت سے باز رکھا جائے اور قتل کی اس وباء کا سد باب ہو سکے (۲، ۶۲۴)۔

کتاب کے باب دوم کی تمام تر فصول اور مباحث قاعدہ مقاصدیہ کی موضوعاتی تقسیم پر مشتمل ہیں۔ صاحب کتاب نے موضوعات کے اعتبار سے قواعد مقاصدی کی تین قسمیں کی ہیں:

۱۔ مصلحت اور مفسدہ سے متعلق قواعد مقاصدی۔

۲۔ رفع حرج سے متعلق قواعد مقاصدی۔

۳۔ افعال کے نتائج اور لوگوں کے مقاصد سے متعلق قواعد مقاصدی۔

مصنف نے پہلی قسم یعنی مصلحت اور مفسدہ سے متعلق قواعد مقاصدی کو ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلایا ہے اور متعدد مباحث کے ذیل میں ان پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس موضوع کے چند اہم مباحث یہ ہیں:

۱۔ قصد شارع اور مصالح کے قیام کے درمیان ربط و تعلق

۲۔ شرعاً معتبر مصلحت کے ضوابط کی تعیین کرنے والے قواعد مقاصدی

۳۔ اقسام مصالح کی وضاحت کرنے والے قواعد مقاصدی، ان کی اہمیت اور مصالح کو بروئے کار لانے میں ان کا کردار۔

۴۔ مقاصد کے مشہور تین مراتب کی تکمیل سے متعلق قواعد مقاصدی۔

۵۔ ان تین مراتب کے باہمی ربط کو منظم کرنے والے قواعد مقاصدی۔

۶۔ قواعد مقاصدی کی روشنی میں طے شدہ اصولوں کے مطابق احکام کی علتوں پر غور و فکر کے مختلف پہلو۔

۷۔ مجتہد کو مقاصد اور معانی پر نظر رکھنے کا پابند بنانے والے قواعد مقاصدی۔

ان مباحث میں سے بیشتر میں مصنف نے امام شاطبی کی ''الموافقات'' سے متعدد

قواعد نقل کیے ہیں:

مبحث اول میں مذکور قواعد مقاصدی کی تعداد پانچ ہے۔

مبحث دوم میں مذکور قواعد مقاصدی کی تعداد دو ہے۔

مبحث سوم میں مصنف نے مقاصد کی مشہور تین قسموں یعنی ضروریات، حاجیات اور تحسینیات پر گفتگو کی ہے۔

مبحث چہارم میں ان ہی تینوں اقسام کی تکمیل سے متعلق دو قواعد مقاصدی مذکور ہیں۔

مبحث پنجم میں ان تین اقسام کے باہمی ربط کی تنظیم سے متعلق پانچ قواعد مقاصدی ذکر کیے گئے ہیں۔

مبحث ششم میں قواعد مقاصدی کی روشنی میں طے کردہ اصولوں کے مطابق احکام کی علتوں پر غور وفکر کے متعدد پہلوؤں سے متعلق دو قواعد مذکور ہیں۔

مبحث ہفتم میں دو ایسے قواعد مقاصدی ذکر کیے گئے ہیں جن کا تعلق مجتہد کے اپنے اجتہاد میں معانی پر نظر رکھنے سے ہے۔

مصنف نے قواعد مقاصدی کی دوسری موضوعاتی قسم کی تفصیلات ۸۶ صفحات میں بیان کی ہیں۔ مصنف نے ان تفصیلات کو پانچ مباحث میں ذکر کیا ہے:

پہلے مبحث میں قصد شارع اور حرج و اسباب حرج کے درمیان ربط کی وضاحت کرنے والے چھ قواعد مقاصدی ذکر کیے گئے ہیں۔

دوسرے مبحث میں رفع حرج اور قصد مکلف کے اصول کو مربوط کرنے والے دو قواعد مقاصدی مذکور ہیں۔

تیسرے مبحث میں شرعاً معتبر مشقت کے ضوابط سے متعلق تین قواعد مقاصدی ذکر کیے گئے ہیں۔

چوتھے مبحث میں قواعد مقاصدی کی روشنی میں شارع کے قصد اور آسانی کے اسباب

کے باہمی ربط پر گفتگو کی گئی ہے اور اس سلسلے میں دو مطالب کے ذیل میں آٹھ اسباب کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

پانچویں مبحث میں مکلف کے قصد اور رخصتوں کے اسباب کے باہمی ربط پر کلام کیا گیا ہے اور اس سیاق میں مندرجہ ذیل قاعدہ کی مثالوں کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے:

"**ليس للمكلف إيقاع أسباب الرخص بغية الانحلال من العزائم**"

(مکلف کے لئے جائز نہیں کہ عزیمتوں سے آزاد ہونے کے ارادہ سے رخصتوں کے اسباب پیدا کرے)۔

باب دوم کی آخری فصل قواعد مقاصدی کی تیسری موضوعاتی قسم سے متعلق ہے۔ یہ بحث جو کتاب کے ایک سو تین صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، تین مباحث پر مشتمل ہے:

مبحث اول میں دو ایسے قواعد مقاصدی ذکر کئے گئے ہیں جو مجتہد کو اس کا پابند بناتے ہیں کہ وہ افعال کے نتائج پر نظر رکھے۔

مبحث دوم میں چھ ایسے قواعد مقاصدی مذکور ہیں جو قصد مکلف کی قصد شارع سے ہم آہنگی کو منضبط کرتے ہیں۔

مبحث سوم میں چار ایسے قواعد مقاصدی کی تشریح کی گئی ہے جو اس پہلو سے بحث کرتے ہیں کہ لوگوں کے افعال پر حکم لگانے میں خود ان کے مقاصد اور ان کے افعال کے نتائج کس حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔

ذیل میں ہم کتاب کے تین سو انتالیس صفحات پر پھیلی ہوئی مقاصد کی مبسوط و مفصل قواعد مقاصدی کی بحث میں سے صرف تین مذکور الصدر اساسی موضوعاتی اقسام کا بطور مثال ذکر کریں گے۔

مصلحت اور مفسدہ سے متعلق قواعد مقاصدی:

الف-"وضع الشرائع إنما هي لمصالح العباد في العاجل و الآجل معاً" (الموافقات ۲/۶) (شریعت بندوں کے ایک ساتھ دنیوی اور اخروی دونوں مصالح کے لئے وضع کی گئی ہے)۔

ب-"التكليف كله إما لدرء المفاسد أو لجلب المصالح أو كلاهما معا" (حوالہ سابق ۱/۱۹۹) (شریعت کی طرف سے بندوں کو مکلف بنانے کا پورا پورا عمل یا تو مفاسد کے ازالہ کے لئے ہے یا مصالح کے حصول کے لئے یا ایک ساتھ دونوں ہی مقاصد کے لئے)۔

ج-"الأسباب الممنوعة أسباب للمفاسد لاللمصالح، والأسباب المشروعة أسباب للمصالح لاللمفاسد" (حوالہ مذکور ۱/۲۴۷) (ممنوع اسباب مفاسد کے اسباب ہیں نہ کہ مصالح کے اور مشروع اسباب مصالح کے اسباب ہیں نہ کہ مفاسد کے)۔

مصنف کتاب کے خیال میں ان قواعد سے احکام شریعت کی بنیاد واضح ہوتی ہے جبکہ مندرجہ ذیل قواعد سے مصلحت کے ضوابط متعین ہوتے ہیں اور ان کا اعتبار واضح ہوتا ہے:

الف-"المراد بالمصلحة ما يعتد بها الشارع، ويرتب عليها مقتضياتها" (حوالہ سابق ۱/۲۴۳) (مصلحت سے مراد وہ چیز ہے جس کا اعتبار شارع نے کیا ہے اور اس پر اس کے مقتضیات مرتب کئے ہیں)۔

ب-"وضع الشريعة وإن كان لمصالح العباد، فإنما حسب أمر الشارع وعلى الحد الذي حده، لاعلى وفق أهوائهم وشهواتهم" (حوالہ مذکور ۲/۱۷۲) (شریعت اگرچہ بندوں کے مصالح کے لئے وضع کی گئی ہے مگر وضع شریعت کا یہ عمل شارع کے حکم کے مطابق ہے اور اس کی متعین کردہ حد کے اندر ہے نہ کہ لوگوں کی خواہشات اور رغبتوں کے مطابق ہے)۔

مصلحت اور مفسدہ سے متعلق قواعد مقاصدی کے ضمن میں انہوں نے مصالح و مفاسد

پر نظر رکھنے کے سلسلے میں مجتہد کے کردار کا بھی تذکرہ کیا ہے اور اس سلسلے میں دو قواعد مقاصدی بھی ذکر کیے ہیں:

۱-"لابد من الالتفات إلى معاني الأمر لا إلى مجرده" (الموافقات ۱۴۹/۲) (کسی حکم کے معانی پر توجہ دینا ضروری ہے نہ کہ صرف حکم پر)۔

۲-"العمل بالظواهر على تتبع وتغال بعيد عن مقصود الشارع، كما أن إهمالها إسراف أيضاً" (تشدد اور غلو کے ساتھ ظواہر پر عمل کرنا شارع کے مقصود سے دور ہو جانا ہے جیسا کہ ظواہر کو یکسر نظر انداز کر دینا بھی زیادتی ہے)۔

رفع حرج سے متعلق قواعد مقاصدی:

الف-"الشارع لم يقصد التكليف بالشاق والإعنات فيه" (الموافقات ۱۲۳/۲) (شارع کا مقصود پر مشقت چیز کا مکلّف بنانا نہیں ہے، نہ سختی لادنا اس کے پیش نظر ہے)۔

ب-"الشريعة جارية في التكليف بمقتضاها على الطريق الوسط الأعدل، الآخذ من الطرفين بقسط لا ميل فيه، الداخل تحت كسب العبد من غير مشقة عليه ولا انحلال" (الموافقات ۱۶۳/۲) (شریعت اپنے مقتضا کا مکلّف بنانے میں معتدل اور متوسط شاہراہ پر قائم ہے۔ اس معتدل راستہ میں دونوں طرف کے تمام پہلو انصاف کے ساتھ بغیر کسی تجاوز کے شامل کیے گئے ہیں۔ یہ بندہ کی استطاعت کے اندر داخل ہے، اس میں نہ تو بندہ پر مشقت کی گئی ہے اور نہ اسے بے قید چھوڑا گیا ہے)۔

مصنف کے بقول یہ قواعد اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ شارع کا مقصود لوگوں کو ان اعمال کا پابند بنانا نہیں ہے جو ان کی قدرت و استطاعت سے باہر ہوں یا جن کو وہ غیر معمولی مشقت کے ساتھ ہی انجام دے سکیں۔

اس کے بعد مصنف نے امام شاطبی کے قواعد کی روشنی میں مشقت کے ضوابط اور اس

کی ان حدود کا تذکرہ کیا ہے جو آسانی کا باعث بنتی ہیں۔ مثال کے طور پر امام شاطبی کا ذکر کردہ یہ قاعدہ: "إذا كانت المشقة خارجة عن المعتاد، بحيث يحصل للمكلف بها فساد ديني أو دنيوي، فمقصود الشارع فيها الرفع على الجملة" (الموافقات ۱۵۶/۳) (اگر مشقت معمول کے دائرہ سے خارج ہو اور وہ اس طرح کہ اس سے مکلّف کو کوئی دینی یا دنیوی فساد لاحق ہو تو ایسی صورت میں شارع کا مقصود فی الجملہ حرج کو دور کرنا ہے)۔

افعال کے نتائج اور لوگوں کے مقاصد سے متعلق قواعد مقاصدی:

الف- "النظر في المآل معتبر مقصود شرعا" (الموافقات ۱۹۴/۴) (نتائج پر غور کرنا معتبر اور شرعاً مقصود ہے)۔

ب- "ينبغي على المجتهدين أن ينظرو إلى مسببات الأحكام وأسبابها لما يترتب على ذلک من الأحكام الشرعية" (الموافقات ۲۳۵/۱) (مجتہدین پر لازم ہے کہ وہ احکام کے اسباب ومسببات پر غور کریں۔ کیونکہ ان پر احکام شرعیہ مرتب ہوتے ہیں)۔

یہ تو وہ قواعد ہیں جو افعال کے نتائج سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد مصنف نے وہ قواعد ذکر کئے ہیں جو لوگوں کے مقاصد سے متعلق ہیں:

الف- "قصد الشارع من المكلف أن يكون قصده في العمل موافقا لقصده في التشريع، وألايقصد خلاف ما قصد" (الموافقات ۲۳۱/۲) (مکلّف سے شارع کا مقصود یہ ہے کہ مکلّف کا مقصود اپنے عمل میں شارع کے مقصود تشریع سے ہم آہنگ ہو اور یہ کہ مکلّف شارع کے قصد کے خلاف قصد نہ کرے)۔

ب- "المقاصد معتبرة في التصرفاٌت" (الموافقات ۲۲۳/۲) (تصرفات میں مقاصد معتبر ہیں)۔

ج- "إذا كان الالتفات إلى المسبب من شأنه التقوية للسبب،

والتكملة له، والتحريض على المبالغة في إكماله فيجب الالتفات إليه"(حوالہ سابق ۱/ ۲۳۵) (اگر سبب کی طرف توجہ دینے میں سبب کو تقویت پہنچانا، اس کی تکمیل کرنا اور اس کی تکمیل میں مبالغہ پر ابھارنا ہو تو اس کی طرف توجہ دینا واجب ہے)۔

د- "كل من ابتغى في التكاليف الشرعية غير ما شرعت له فقد ناقض الشريعة" (الموافقات ۲/ ۳۳۳) (جس شخص نے شرعی تکالیف میں غیر مشروع چیزوں کا قصد کیا اس نے شریعت کی مخالفت کی)۔

ھ- "ليس للمكلف أن يقصد المشقة نظرًا إلى عظم أجره وله أن يقصد العمل الذي يعظم أجره لعظم مشقته، من حيث هو عمل" (الموافقات ۲/ ۱۲۸) (مکلّف کے لئے جائز نہیں کہ وہ یہ دیکھتے ہوئے کہ مشقت کا اجر زیادہ ہے، مشقت کا قصد کرے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اس عمل کا بحیثیت عمل قصد کرے جس کا اجر اس کی مشقت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بڑھا ہوا ہے)۔

کتاب کا یہ حصہ بہت ہی مفصل اور مدلل ہے۔ چونکہ سطور بالا میں مناسب حد تک اس کی تلخیص آ گئی ہے اس لئے ہم اس باب کے دیگر ذیلی عناوین اور ان کے تحت درج تفصیلات کو قلم انداز کرتے ہیں۔

کتاب کے علمی مباحث کے اختتام پر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، مصنف کی طرف سے قواعد مقاصدی کے اس کارواں کو آگے بڑھانے کے لئے مفصل تجاویز اور سفارشات پیش کی گئی ہیں۔ مصنف کی خواہش یہ ہے کہ ان کے اسی تحقیقی مطالعہ کے طرز پر متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور ان میں موجود قواعد مقاصدی کو زیر بحث لایا جائے۔ انہوں نے مقاصد کے موضوع پر لکھنے والے علماء کی کتابوں کو بطور خاص موضوع بنانے کی دعوت دی ہے مثلاً امام قرافی کی "کتاب الفروق"، امام عز بن عبد السلام کی "قواعد الاحکام"، امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم کی

کتابیں اور ان سے پہلے کے علماء میں امام الحرمین جوینی اور ان کے شاگرد امام غزالی کی مختلف کتابیں۔

مصنف نے متعین قواعد کے ذریعہ علوم کو منضبط کرنے کی اہمیت وضرورت کی طرف توجہ دلانے کے لئے امام زرکشی کا یہ قول نقل کیا ہے:

"فإن ضبط الأمور المنتشرة المتعددة في القوانين المتحدة أوعى لحفظها وأدعى لضبطها" (المنثور في القواعد ۱/۶۵) (بلاشبہ مختلف منتشر امور کو یکجا قواعد کی شکل میں منضبط کرنا ان کو یاد کرنے کے لئے زیادہ مناسب اور ان کو ضبط کرنے کا اچھا ذریعہ ہے)۔

مقاصد شریعت

نظریہ سے عمل کی جانب

مولانا محمد ہشام الحق ندوی

کتاب کا نام	:	نحو تفعیل مقاصد الشریعة
مصنف	:	ڈاکٹر جمال الدین عطیہ
صفحات	:	۲۴۸
ناشر	:	عالمی ادارۂ فکر اسلامی
زبان	:	عربی

زیر نظر کتاب مصر کے مشہور ماہر قانون اور بینکنگ و مالی معاملات کے شرعی مشیر ڈاکٹر جمال الدین عطیہ محمد کی تصنیف کردہ ہے۔ موصوف نے قاہرہ یونیورسٹی سے قانون میں گریجویشن اور اسلامی شریعت میں ڈپلومہ کیا ہے۔ انہوں نے ۱۹۵۹ء میں جنیوا یونیورسٹی سے قانون میں ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔

مصر اور کویت میں وکالت کے پیشہ سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ عالمی ادارہ فکر اسلامی کے علمی مشیر اور قطر یونیورسٹی کے شریعہ کالج میں قانون کے پروفیسر اور صدر شعبہ بھی رہے ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف لوکسمبرگ میں قائم بین الاقوامی اسلامی بینک کے ایکزیکیٹو صدر اور

وزارت اوقاف حکومت کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا پروجیکٹ کے سکریٹری جنرل بھی رہ چکے ہیں۔

ان کے قلم سے اپنے خصوصی موضوع پر عربی، فرانسیسی اور انگریزی میں متعدد تصانیف اور تحقیقی مقالات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف اس وقت مشہور علمی رسالہ ''مجلة المسلم المعاصر'' کے ایڈیٹر ہیں۔

پیش نظر کتاب ان کی تازہ تصنیف ہے۔ اس کتاب کا موضوع جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مقاصد شریعت کی عصری معنویت اور ان کی فعالیت و تاثیر ہے۔

کتاب پر پیش لفظ مصر کے مفتی اعظم اور جامع ازہر میں اصول فقہ کے پروفیسر ڈاکٹر علی جمعہ کے قلم سے ہے۔ مقدمہ نگار نے جو خود اس موضوع پر اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں، اپنے مقدمہ میں موضوع کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک شریعت اسلامی کی تکمیل، اس کی عالمگیریت اور زمان و مکان سے اس کی بالاتر حیثیت کا لازمی تقاضا ہے کہ شریعت میں لچک، وسعت، ہمہ گیری اور توازن ہو۔ اس اعتقادی نقطہ نظر سے جب ایک مسلمان کلام اللہ اور شریعت الٰہی پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کتنی بیش بہا حکمتیں اور کیسے عظیم ترین مقاصد مضمر ہیں اور اسی غور و فکر سے تخلیق کی مقصدیت کا ادراک بھی ہوتا ہے۔

مقدمہ نگار کے قول کے مطابق تخلیق سے اللہ تعالیٰ کے پیش نظر دو ہی مقاصد ہیں:

ایک عبادت، دوسرے زمین کی آبادکاری۔ ان کے نزدیک قرآن مجید کی مندرجہ ذیل دو آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

۱-''**وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون**''(سورۂ ذاریات:۵۶)(اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں)۔

۲-''**هو أنشأكم من الأرض واستعمركم فيها**''(سورۂ ہود:۶۱)(اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس زمین میں آباد کیا)۔

ڈاکٹر علی جمعہ نے مقاصد شریعت کے سلسلے میں فقہاء اور اصولیین کی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے بقول امام غزالی، امام شاطبی، امام عز بن عبد السلام، امام قرافی، امام ابن دقیق العید اور امام ابن تیمیہ نے شریعت کے عظیم مقاصد کا نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ استنباط و استخراج احکام میں ان کی بھرپور رعایت کی ہے اور اس طرح شریعت پر عمل اور اس کے فہم کا ایک عمومی نظام تشکیل دیا ہے جس کی حیثیت مرجع کی ہے، تاہم ان کا خیال ہے کہ اس موضوع کو ازسرنو ترتیب دینے، نکھارنے اور ایک مستقل فن کی حیثیت سے متعارف کرانے کی ضرورت تھی۔ ان کی رائے ہے کہ اس فن کی بہتر خدمت نیز اس کی تطبیقی صورتوں کو نمایاں کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دیگر علوم کے مفید نکات بھی اس علم میں شامل کئے جائیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام طاہر بن عاشور، علامہ علال فاسی اور شیخ محمد الغزالی کی تصانیف اور ڈاکٹر احمد الریسونی اور ڈاکٹر اسماعیل حسنی وغیرہ کے مقالات بڑی حد تک اس ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس ضمن میں مقدمہ نگار نے بڑے حقیقت پسندانہ انداز میں اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر جمال الدین عطیہ کی کثیر الجہات شخصیت کا تعارف کرایا ہے اور ان کو ان کے علم، تحقیق، فکر اور تجربہ کے تناظر میں اس میدان کا شہ سوار قرار دیا ہے۔ مقدمہ نگار اپنے مقدمہ کی آخری سطور میں اس رائے کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکے کہ اس وقت مسلمان ایک فکری اور عملی بحران سے دوچار ہیں۔ ان کے نزدیک اس بحران کا حل یہی ہے کہ اصول، فقہ اور فکر تمام میدانوں میں اور ہر موضوع پر فکر مقاصدی کو محوری حیثیت دی جائے اور زیادہ سے زیادہ اس رجحان کی ترویج و اشاعت ہو۔ ان کے نزدیک یہ کتاب مقاصد کی تعمیر نو کے ایک عہد کا آغاز ہے۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول: محوری مسائل

فصل دوم: مقاصد کا جدید تصور

فصل سوم: مقاصد کی فعالیت

یہ تینوں فصلیں متعدد مباحث اور ذیلی مطالب کی شکل میں ترتیب دی گئی ہیں۔

پہلی فصل میں چار بنیادی مسائل چار مباحث کے تحت درج کیے گئے ہیں:

مبحث اول: مقاصد کے تعین اور اثبات میں عقل، فطرت اور تجربہ کا کردار۔

مبحث دوم: مقاصد کی باہمی ترتیب۔

مبحث سوم: ہر مقصد کے وسائل کی ترتیب اور ضروری، حاجی اور تحسینی کے درجات۔

مبحث چہارم: مختلف درجات میں وسائل کی درجہ بندی کی اضافیت۔

دوسری فصل میں تین مباحث کے تحت مقاصد کے نئے تصور پر بحث کی گئی ہے:

مبحث اول: مقاصد کو پانچ کی تعداد میں محدود کرنے کا مسئلہ۔

مبحث دوم: مقاصد کی اقسام اور ان کے مختلف درجات۔

مبحث سوم: شریعت کے پانچ کلی مقاصد کے چار دائرے۔

تیسری فصل میں پانچ مباحث ذکر کیے گئے ہیں:

مبحث اول: مقاصد کے استعمالات کی موجودہ صورت حال۔

مبحث دوم: اجتہاد مقاصدی۔

مبحث سوم: فقہی نظریہ سازی۔

مبحث چہارم: فرد اور جماعت کی مقاصدی ذہنیت۔

مبحث پنجم: مقاصد کا مستقبل: کیا یہ ایک جداگانہ علم ہے یا اس کا درجہ فقہ اور اصول فقہ کے درمیان ہے، یا یہ علم اصول ہی کا ارتقاء ہے؟

تفصیلی مباحث کے آخر میں خاتمہ کے عنوان سے چند مفید علمی تجاویز مذکور ہیں اور اس کے بعد مصادر و مراجع کی فہرست درج ہے۔

سطور ذیل میں ہم کتاب کی تمام فصول کے تحت درج مباحث و مطالب کا مختصراً ذکر کریں گے:

فصل اول-محوری مسائل

مبحث اول:

''محوری مسائل'' کے عنوان سے موسوم پہلی فصل کے مبحث اول کے تحت مقاصد کے تعین اور اثبات میں عقل وفطرت اور تجربہ کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس باب میں ائمہ متقدمین میں سے امام جوینی، امام عزبن عبدالسلام، امام ابن تیمیہ، امام ابن القیم، امام شاطبی اور معاصر علماء میں سے شیخ علّال فاسی، امام محمد طاہر بن عاشور، ڈاکٹر احمد ریسونی، ڈاکٹر اسماعیل حسنی اور ڈاکٹر نورالدین خادمی کی آراء پیش کی گئی ہیں۔

بحث کے آغاز میں مصنف نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ مقاصد کے تعین کے ذرائع کیا ہیں؟ پھر انہوں نے اس سوال کا جواب دینے سے پہلے امام شاطبی کے بعد کے ان تمام فقہاء پر تنقید کی ہے جنہوں نے علم مقاصد کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کی تنقید کا لب لباب یہ ہے کہ مقاصد شریعت سے متعلق کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شاطبی کے بعد کے تمام مصنفین امام شاطبی کی تحریروں سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ ان کی ساری کوششیں یا تو امام شاطبی کی تحریروں کے اختصار تک محدود ہیں یا ان کی ترتیب نو تک اور بس۔ (اس دعوے کے ثبوت میں مصنف نے مندرجہ ذیل حوالے ذکر کیے ہیں: الموافقات: ۱۶۸، ۱۶۹، ۳۱۳، ۳۱۶، ۳۹۱-۳۹۹، ابن عاشور: ۲۰-۲۲، ڈاکٹر یوسف العالم: ۱۱۲-۱۲۲، ڈاکٹر حمادی العبیدی: ۱۲۴-۱۲۹، ڈاکٹر احمد ریسونی: ۲۴۱-۲۵۶)۔

مصنف کا خیال ہے کہ ان کتابوں میں مقاصد شریعت کی تفہیم کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع پر زور دیا گیا ہے:

۱-کتاب وسنت میں علت پر نص صریح۔

۲-شارع کے تصرفات کا استقراء جس کی دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں:

اول: ان احکام کا استقراء جن کی علتیں مسالک علت کے ذریعہ معلوم ہوں، ان کے بارے میں کوئی نص صریح نہ ملے۔

دوم: مقصد اور سبب میں مشترک احکام کے دلائل کا استقراء۔

۳- کتاب وسنت کے احکام کو سمجھنے میں صحابہ کرام کے نقوش قدم کی پیروی۔

مصنف نے مقاصد شریعت کی معرفت کے ان طریقوں کا ذکر کرنے کے بعد ان پر یہ استدراک کیا ہے کہ ان تمام حضرات نے نص کی عدم موجودگی میں مصالح اور مفاسد کی معرفت کے باب میں عقل اور فطرت کے اس کردار کو نظر انداز کر دیا ہے جو امام شاطبی کے متقدمین کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد مصنف اصل موضوع یعنی مقاصد شریعت کے تعین میں عقل، فطرت اور تجربہ کے کردار کی طرف آتے ہیں اور سب سے پہلے امام محمد طاہر بن عاشور کے حوالہ سے فطرت انسانی، فطرت قوت، فطرت ذہن، تقاضہ فطرت اور فطرت کے صدق وکذب سے متعلق ابن سینا کی وہ رائے نقل کرتے ہیں جو ان کی کتاب ''النجاۃ'' میں ذکر کی گئی ہے۔

مقاصد شریعت کے تعین میں عقل وفطرت اور تجربات کے کردار کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کتاب کے مصنف نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جو حضرات نص یا اجماع کی غیر موجودگی میں عقل وفطرت اور تجربات کی طرف رجوع کرنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ بھی درحقیقت ان ذرائع کے مخالف نہیں ہیں۔ مصنف کے نزدیک یہ حضرات دراصل ایک موہوم معرکہ سر کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں یعنی تحسین وتقبیح عقلی کا معرکہ اپنی اس قدیم صورت پر جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے ذمہ بندوں کے صلاح کو ملحوظ رکھنا واجب ہے اور یہ کہ اس کے لئے اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے (دیکھئے: ریسونی: ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۴-۲۲۹)۔

مبحث دوم:

اس فصل کا مبحث دوم شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد یعنی دین، نفس، عقل، نسل اور مال کی باہمی ترتیب سے متعلق ہے۔ مصنف نے اس مبحث میں غزالی (متوفی ۵۰۵ھ)، رازی (متوفی ۶۰۶ھ)، آمدی (متوفی ۶۳۱ھ)، ابن الحاجب (متوفی ۶۴۶ھ)، عز بن

عبدالسلام (متوفی ۶۶۰ھ)، قرافی (متوفی ۶۸۴ھ)، بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ)، ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ)، اِسنوی (متوفی ۷۷۲ھ)، ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ)، شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ)، زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ)، بدخشی (دسویں صدی ہجری کے عالم)، ابن فرحون (متوفی ۷۹۹ھ) اور معاصر علماء میں سے امام ابن عاشور (متوفی ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء)، ڈاکٹر وہبہ زحیلی، ڈاکٹر یوسف العالم، ڈاکٹر ریسونی وغیرہ کی مقاصد خمسہ کی باہمی ترتیب سے متعلق آراء ذکر کی ہیں۔

مبحث سوم: ہر مقصد کے وسائل کی باہمی ترتیب:

مصنف اس موضوع کو پانچ مطالب کے تحت زیر بحث لائے ہیں:

۱-مطلب اول میں جبلی، دینی اور سلطانی محرکات کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲-مطلب دوم میں یہ بحث ہے کہ ضروری، حاجی اور تحسینی کے مراتب کا تعلق وسائل سے ہے نہ کہ مقاصد سے۔

۳-مطلب سوم مذکورہ مراتب میں دو درجوں کے اضافے سے متعلق ہے: ایک درجہ ضرورت سے نیچے کا ہے اور دوسرا درجہ تحسینی سے اوپر کا ہے۔

۴-مطلب چہارم میں اس سے بحث کی گئی ہے کہ ضروری، حاجی اور تحسینی کے معتبر ہونے کا معیار کیا ہے؟

۵-مطلب پنجم میں اس موضوع سے متعلق کچھ تطبیقی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

مطلب اول:

اس عنوان کے تحت مصنف لکھتے ہیں کہ امام ابن عاشور نے نفاذ شریعت پر گفتگو کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ شریعت نے اس مقصد کے لئے مختلف قسم کے جبلی، دینی اور سلطانی محرکات اختیار کئے ہیں۔

سب سے پہلے شریعت نے ان منافع میں جن کی تلاش وجستجو انسانوں کو ہوتی ہے، جبلی اور فطری محرکات سے کام لیا ہے، اسی طرح شریعت نے ان مفاسد سے روکنے میں بھی جبلی محرکات پر اعتماد کیا ہے جن سے انسانوں کو روکنے کا جذبہ و داعیہ خود ان کے اندر موجود ہے۔ منافع کی مثال غذا حاصل کرنے، لباس کی تلاش اور نسل کے تحفظ سے دی جاسکتی ہے۔ شریعت نے بچوں کے تحفظ کے مسئلہ سے صرف ان ہی صورتوں میں تعرض کیا ہے، جن میں کوتاہی پائی گئی ہے، مثلاً لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا رواج۔ لیکن بیشتر شرعی ہدایات کی تنفیذ دینی جذبہ اور محرک سے وابستہ ہے یعنی صحیح ایمان کے اس جذبہ سے جس کی دو شاخیں ہیں: ایک امید اور دوسری خوف۔

جب جب اور جن جن حالات میں اور جن جن اقوام میں دینی محرک کمزور پڑ گیا اور محسوس کیا گیا کہ ان صورت حالات میں لوگوں کے دلوں پر شریعت کی خلاف ورزی کا جذبہ دینی جذبہ سے زیادہ غالب آ گیا ہے تو ان مواقع پر سلطانی اور حکومتی محرکات سے کام لیا گیا جیسا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یزع الله بالسلطان ما لایزع بالقرآن" (اللہ تعالی اقتدار سے ان چیزوں کو دفع کرتا ہے جن کو وہ قرآن سے دفع نہیں کرتا) (ابن عاشور ۱۲۶-۱۲۹)۔

مصنف کا خیال ہے کہ امام شاطبی نے اس موضوع کے جبلی پہلو پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور اس کو مکلّف کی منفعت والے احکام کا نام دیا ہے اور اس پر نتائج بھی مرتب کیے ہیں۔

مطلب دوم:

اس مطلب کے تحت مصنف نے اصولیین کی یہ رائے نقل کی ہے کہ اصلی مقاصد تو ضروریات ہیں اور جہاں تک حاجیات اور تحسینیات کا تعلق ہے تو وہ تبعی اور ضمنی مقاصد کے تحت داخل ہیں (الموافقات ۲ / ۱۳، ۱۶، ۲۴، ۱۰۱، حامد العالم ۱۵۵، ۱۶۷، ریسونی ۲۴۶)۔

اسی طرح انہوں نے اصولیین کا یہ نقطۂ نظر بھی ذکر کیا ہے کہ ضروریات ہی کی طرح

حاجیات اور تحسینیات میں سے ہر ایک کا ایک اصلی اور تبعی یا تکمیلی درجہ ہوتا ہے (الموافقات ۲/ ۶۴-۳، العالم ۱۵۵، ۱۶۳، الحسنی ۴۶)۔ لیکن ڈاکٹر عالم ص ۱۶۵ پر لکھتے ہیں کہ بیشتر علماء اصول تحسینی کے لئے کسی تکمیلی درجہ کا ذکر نہیں کرتے اور نہ وہ اسے اصلی اور تبعی کے دو درجوں میں تقسیم کرتے ہیں)۔

مصنف نے اصولیین کی اس تقسیم پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مزید التباس اور پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔

مطلب سوم: مراتب تین ہیں یا پانچ:

اس عنوان کے تحت مصنف لکھتے ہیں کہ ضروری، حاجی اور تحسینی کے تین مشہور مراتب تو مشروع ہیں لیکن ان کے علاوہ دو اور مراتب بھی ہیں جو غیر مشروع ہیں۔ ان میں سے ایک مرتبہ تو ضرورت سے کم درجہ کا ہے اور دوسرا تحسینی کے بعد کا ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ پہلے تین مراتب کی تقسیم، ان کے اثبات اور ان کے قطعی الدلالہ ہونے پر امام شاطبی نے شریعت کے استقراء اور اس کے کلی و جزئی دلائل کی روشنی میں بہت مفصل اور نادر بحث کی ہے اور اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے (الموافقات ۲/ ۴۹-۵۲)۔ لیکن مذکور الصدر دو غیر مشروع مراتب پر بحث کی ضرورت ہے۔ ایک تو وہ حالت جس میں ضروری کی تمام شرائط پوری نہیں ہوتی ہیں اور دوسری وہ جس میں تحسینی کی حد سے آگے بڑھ کر اسراف سے کام لیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے جامعۃ الازہر کے ایک سیمنار میں اس مقالہ کے مسودہ پر مباحثہ کے دوران میں ڈاکٹر علی جمعہ نے بتایا کہ امام سیوطی کی ایک عبارت نے مراتب کی یہ پانچ اقسام سمجھ میں آتی ہیں۔ اس میں ضرورت، حاجت، منفعت، زینت اور فضول کے پانچ مراتب کی توضیح کی گئی ہے۔

مطلب چہارم:

ضروری، حاجی یا تحسینی کے معتبر ہونے کا معیار کیا ہے؟

اس بحث کے آغاز میں مصنف نے اولاً یہ سوال اٹھایا ہے کہ ضروری، حاجی اور تحسینی

کے اعتبار کا معیار کیا ہوگا؟ کیا اس سلسلے میں شکلی معیار کو اختیار کیا جائے گا یعنی یہ کہ اگر حکم تکلیفی کے امر و نہی میں شدت ہے مثلاً وہ واجب یا حرام کے قبیل سے ہے تو اسے ضروریات میں شامل مانا جائے اور اگر اس کے امر و نہی میں شدت نہیں ہے مثلاً مندوب یا مکروہ تو اسے حاجیات میں شمار کیا جائے اور اگر حکم تکلیفی مباح کی قسم سے ہو تو اسے تحسینیات میں شامل کیا جائے یا شکلی معیار کے بجائے موضوعی معیار کو اختیار کیا جائے یعنی یہ کہ حکم تکلیفی سے متعلق مصلحت اور مفسدہ کے درجہ پر غور کیا جائے اور اگر وہ بہت اہم ہوں تو ان کو ضروریات میں، کم اہمیت کے حامل ہوں تو تحسینیات میں اور اگر ان دونوں کے بیچ کے ہوں تو حاجیات میں شامل کیا جائے۔ یا یہ کہ ان دونوں معیارات کو جمع کر دیا جائے؟

صاحب کتاب اس سلسلے میں تفصیل سے اصولیین کے نقطہائے نظر پیش کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نتائج اخذ کرتے ہیں:

الف۔ امام عز بن عبدالسلام نے کہیں شکلی معیار کو اختیار کیا ہے، کہیں موضوعی معیار کو اور کہیں ایک ساتھ دونوں کو اور بعض اوقات وہ موضوعی معیار کو اصل قرار دے کر اسے غالب رکھتے ہیں، خاص طور پر ان مسائل میں جہاں اجماع، نص اور کوئی خاص قیاس موجود نہ ہو۔

ب۔ امام شاطبی امام عز بن عبدالسلام سے اس حد تک اتفاق کرتے ہیں کہ صیغہ بذات خود وجوب یا استحباب یا اباحت کا معنی نہیں دیتا یعنی وہ شکلی معیار کو مسترد کرتے ہیں لیکن وہ امام عز کی طرح علی الاطلاق موضوعی معیار کو بھی قبول نہیں کرتے بلکہ اس پر غور وفکر کا ایک دوسرا منہج مقرر کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ وہ مطلوب حکم میں مقصد اصلی اور مقصد ثانوی کے لحاظ سے فرق کرتے ہیں۔ لہذا اگر حکم مقصود اصلی پر مبنی ہو تو ان کے نزدیک وہ اعلی درجہ میں رکھا جائے گا اور اگر وہ ثانوی درجہ کے مقصود پر مبنی ہو تو اسے اس سے نیچے رکھا جائے گا۔

ج۔ کبھی کبھی وہ اپنے سابقہ نقطۂ نظر کے خلاف وجوب کو مقصد اصلی اور استحباب کو مقصد تبعی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

د-امام شاطبی کوتاہی کے نتیجہ میں مذکور وعید اور سزاؤں پر مصلحت اور مفسدہ کی اہمیت کے معیار کی حیثیت سے غور کرتے ہیں۔

ھ-امام شاطبی اس پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ حکم کا تعلق ضروری درجہ کی صورت کلیہ سے ہے یا تکمیلی درجہ کی صورت کلیہ سے (اس پر مصنف نے تنقید بھی کی ہے)۔

و-امام شاطبی ضروریات کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ایک وہ ضروریات جن میں مکلّف کی فوری منفعت ہوتی ہے اور دوسری وہ ضروریات جن میں مکلّف کی فوری منفعت نہیں ہوتی ہے۔وہ پہلی قسم کے احکام کو استحباب یا اباحت پر محمول کرتے ہیں اور دوسری قسم کے احکام کو وجوب عینی یا وجوب کفائی پر (مصنف کا خیال ہے کہ امام موصوف نے یہ کہہ کر وجوب اور ضروری کے درمیان تلازم کی اپنی سابقہ رائے کی تردید کردی)۔

ز-امام ابن عاشور نے موضوعی معیار کو اختیار کیا ہے۔

ح-مصنف نے اپنے تجزیہ کی بنیاد پر ان مسائل میں جہاں اجماع یا نص یا کوئی خاص قیاس نہ ہو،امام عزبن عبدالسلام کی تائید کرتے ہوئے موضوعی معیار کو اختیار کیا ہے۔

مطلب پنجم: چند تطبیقی مثالیں:

اس مطلب کے تحت مصنف کتاب نے بعض موضوعات کا انتخاب کر کے ان کی درجہ بندی سے متعلق ماہرین مقاصد شریعت کی آراء ذکر کی ہیں اور ان کا تجزیہ بھی کیا ہے۔مصنف کے ذکر کردہ موضوعات اور مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

الف-طہارت کا مسئلہ:

مصنف کا خیال ہے کہ بیشتر کتابوں میں طہارت کو علی الاطلاق تحسینیات کے درجہ میں رکھا گیا ہے (دیکھئے: البرہان ۲/ ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۳۸-۹۴۱، الموافقات ۲/ ۱۱)۔

ان کے بقول امام الحرمین جوینی تحسینیات میں قیاس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

مصنف کے مطابق امام شاطبی نے نجاست کے ازالہ، مجموعی طور پر ہر قسم کی طہارت اور ستر عورت کو تحسینیات کے درجہ میں شامل مانا ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ امام شاطبی نے اس موقع پر طہارت مثلاً وضو جو نماز کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے، کے درمیان اور مطلق طہارت کے درمیان فرق نہیں کیا ہے، البتہ مقاصد کی طرف وسائل کی نسبت پر گفتگو کرتے ہوئے اس فرق کی وضاحت کی ہے۔ اس کی مثال انہوں نے نماز کے ساتھ طہارت کے مسئلہ سے دی ہے۔ یعنی یہ کہ اگر نماز کا مطالبہ ختم ہو جائے تو طہارت کا مطالبہ بھی باقی نہیں رہے گا الا یہ کہ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو طہارت کے باقی رہنے پر دلالت کرے۔ اس لئے ایسا ہو سکتا ہے کہ نماز نہ ہو اور وضو مطلوب ہو، لہذا ایک چیز کے بجائے خود مقصود ہونے اور کسی دوسری چیز کے لئے اس کے وسیلہ ہونے میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہ ایک ہی چیز کی دو الگ الگ حیثیتیں ہیں (حوالہ مذکور ۲/ ۱۹، ۲۰ مع شرح عبداللہ دراز)۔

ب-فرض عبادات کا مسئلہ:

مصنف کے بقول ڈاکٹر یوسف العالم نے وجود کے پہلو سے مصلحت دین کے تحفظ پر گفتگو کرتے ہوئے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کو ضرورت کے درجہ میں، فرض عبادات مثلاً نماز، زکاۃ، روزہ اور حج کو حاجت کے درجہ میں اور نوافل کو تزئین و تحسین کے درجہ میں رکھا ہے (دیکھئے: العالم ۲۲۶-۲۲۷)۔

لیکن مصنف کے نزدیک ایمان کے ساتھ ساتھ فرض عبادات بھی ضرورت کے درجہ میں شامل ہیں۔ وہ ڈاکٹر عالم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عبادات ارکان اسلام ہیں اور ایمان و عمل اسلامی عقیدہ کے مطابق لازم و ملزوم ہیں (مصنف نے اس موقع پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ پہلو خود ڈاکٹر موصوف کی نظروں سے بھی اوجھل نہیں ہوا ہے بلکہ انہوں نے اپنی اسی کتاب کے ص ۲۴۵ پر اس کا صراحتاً ذکر کیا ہے)۔

مصنف کے نزدیک سنن مؤکدہ حاجیات کے درجہ میں اور نوافل تحسینیات کے درجہ میں ہیں۔

ج- جہاد میں عورتوں، بچوں اور راہبوں کے قتل کی ممانعت کا مسئلہ:

مصنف کے بقول ڈاکٹر یوسف العالم کے نزدیک جہاد میں عورتوں، بچوں اور راہبوں کے قتل کی ممانعت تحسینی ہے (العالم ۲۳۴-۲۳۶)۔

مصنف نے اس خیال پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خون کی حفاظت ایک ایسا ضابطہ ہے جو تحفظ جان کے مقصد کے ضمن میں مسلمان اور غیر مسلم سب کے لئے شریعت نے طے کر دیا ہے۔ نص صریح ہے: "ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق" (سورۂ انعام: ۱۵۱) (اور جس جان کو اللہ نے محفوظ رکھا ہے اسے قتل مت کرو) مصنف کی رائے یہ ہے کہ یہ انسانی جان کی حرمت اور ظالموں کو سزا دینے کے قطعی اصولوں کی طرح ضرورت کے درجہ میں ہے اور تحسینی ہرگز نہیں ہے۔

د- علم وثقافت کی اشاعت اور عدالتی اور صحتی امداد کا مسئلہ:

مصنف کے بقول ڈاکٹر اسماعیل حسنی نے علم کی اشاعت، لوگوں کو نصیحت کرنے، ذہنوں کی بھرپور تربیت، پناہ گزینوں کے لئے رہائش کے انتظامات، عمدہ باورچی خانے، پارک اور غسل خانے بنانے اور عدالتی اور صحتی امداد و تعاون کرنے کو عمومی مصالح میں سے شمار کیا ہے (الحسنی ص ر ۳۰۰)۔

مصنف کو اس پر حیرت ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے مصالح عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی ایسی بات کیوں کہہ دی کہ مذکورہ تمام کام تحسینیات کے قبیل سے ہیں؟

مصنف کا خیال ہے کہ قواعد اور اصول شرع کی وضاحت کرنے والی ان تطبیقی مثالوں

پر نظر ثانی کی ضرورت ہے تا کہ مقاصد شریعت کو مؤثر بنایا جا سکے خواہ اس کے لئے ہم شکلی معیار کو اختیار کریں یا موضوعی کو یا بیک وقت دونوں کو۔

مبحث چہارم: مراتب کی درجہ بندی کی اضافیت:

یہ اس فصل کا آخری مبحث ہے۔ اس میں مصنف نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ضروری، حاجی اور تحسینی کی ترتیب تو ثابت ہے البتہ اس دائرہ کے اندر کلیات کی ترتیب اضافی ہے۔ وہ زمان ومکان اور اشخاص وحالات کے اعتبار سے بدلتی رہے گی۔ انہوں نے اس مبحث میں تنظیری اور تطبیقی دونوں پہلوؤں سے گفتگو کی ہے۔

فصل دوم: مقاصد کا جدید تصور:

اس فصل میں تین مباحث درج کئے گئے ہیں:

مبحث اول: مقاصد ضروریہ کو پانچ کی تعداد میں محدود کرنے کا مسئلہ۔

مبحث دوم: مقاصد کی اقسام اوران کے مختلف درجات۔

مبحث سوم: شریعت کے پانچ مقاصد کے چار دائرے۔

مبحث اول: مقاصد کو پانچ کی تعداد میں محدود کرنے کا مسئلہ:

مصنف کتاب نے مقاصد شریعت کے پانچ کی تعداد میں محدود نہ ہونے کو اصولی اور تطبیقی دونوں حیثیتوں سے اختیار کیا ہے۔

مبحث دوم: مقاصد کی اقسام اوران کے مختلف درجات:

اس مبحث کا مقصد جیسا کہ مصنف نے شروع ہی میں ظاہر کر دیا ہے، اس موضوع کی کثرت تقسیمات اور اصطلاحات سے پیدا شدہ التباسات اور پیچیدگیوں کو دور کرنا ہے۔ مصنف نے اس مبحث میں چھ مقاصد ذکر کئے ہیں:

۱-مقاصد خلق۔

۲-مقاصد شریعہ عالیہ۔

۳-مقاصد شریعہ کلیہ۔

۴-مقاصد شریعہ خاصہ۔

۵-مقاصد شریعہ جزئیہ۔

۶-مقاصد مکلفین۔

مصنف کے نزدیک بنیادی مقاصد صرف دو ہیں:

۱-مقاصد خلق۔

۲-مقاصد شرع۔

مقاصد خلق کے ذیل میں مقاصد اصلیہ اور مقاصد تبعیہ ہیں جن سے مقاصد مکلفین تشکیل پاتے ہیں۔ اسی طرح مقاصد شرع کے ذیل مقاصد عالیہ ہیں، (بقول بعض مقاصد عامہ) جن سے مندرجہ ذیل مقاصد کی تشکیل ہوتی ہے:

۱-مقاصد کلیہ (بعض دوسروں کے بقول مقاصد عامہ)۔

۲-مقاصد خاصہ (اقسام شریعت اور مختلف علوم سے متعلق مقاصد)۔

۳-مقاصد جزئیہ (فرد عی احکام کی علتیں اور حکمتیں)۔

۳-بعض کے نزدیک اس سے مراد مصالح کا حصول اور مفاسد کا ازالہ ہے۔

مبحث سوم: شریعت کے پانچ کلی مقاصد کے چار دائرے:

اس مبحث میں مصنف نے شریعت کے پانچ معروف مقاصد کی تعداد بڑھا کر چوبیس تک کر دی ہے اور ان کو چار دائروں میں تقسیم کیا ہے:

مطلب اول: فرد کے دائرہ سے متعلق ہے۔

مطلب دوم: خاندان کے دائرہ سے متعلق ہے۔

مطلب سوم: امت کے دائرہ سے متعلق ہے۔

مطلب چہارم: انسانیت کے دائرہ سے متعلق ہے۔

فرد سے متعلق مقاصد شریعت:

مقصد اول: تحفظ جان:

اس کے تحت مصنف لکھتے ہیں کہ جان کا تحفظ یہ ہے کہ اسے مرکر بالکلیہ ہلاک ہونے سے بچایا جائے، اسی طرح جسم کے بعض اعضاء کو تلف ہونے سے بچایا جائے، یعنی ان اجزاء کو جن کے تلف ہونے سے جان کی منفعت ختم ہو جائے (مقاصد الشریعۃ لابن عاشور/ ۸۰)۔ موجودہ دور کی قانونی اصطلاح میں اسے زندگی اور حرمت جسم کا حق کہا جاتا ہے۔

مقصد دوم: تحفظ عقل:

مصنف کا خیال ہے کہ عقل چونکہ ایک فعل ہے (دیکھئے: فاطمہ اسماعیل ۶۳، یوسف عالم ۳۲۶-۳۴۰) نہ کہ جسم کا کوئی عضو، اس لئے دماغ، حواس اور دیگر ذرائع ادراک جو عقل کو معلومات فراہم کرتے ہیں اور جن کے ذریعہ وہ اپنا کام انجام دیتی ہے ان کی حفاظت ہونی چاہئے اور ان کو نقصان پہنچانے والی چیزیں مثلاً منشیات وغیرہ سے بچانا چاہئے۔

مقصد سوم: تحفظ تدین:

مصنف کا خیال یہ ہے کہ انسان کے دین کے ساتھ اس کے تدین کی حفاظت بھی ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے درست عقیدہ وفکر کی تعلیم دی جائے۔ کبائر مثلاً شرک، نفاق، ریاکاری اور بدعات سے بچایا جائے۔ فرض عبادات کے شعائر قائم کئے جائیں۔ اسلام کی

اساسی اخلاقیات مثلاً سچائی، اخلاص، ایمان داری اور نیک اعمال سے ان کو آراستہ کیا جائے (کیف نتعامل مع القرآن ۶۵-۶۹ للقرضاوی)۔

مقصد چہارم: تحفظ عزت:

مصنف کے نزدیک یہ جنسی پہلو سے زیادہ وسیع ہے، انسان کو ہر اس تنقیص سے بچایا جائے گا جس سے اس کی ذات پر یا اس کے آباواجداد پر یا اس کے حسب ونسب اور نیک نامی پر حرف آئے۔ یہ تحفظ جان کی تکمیل ہے۔

مقصد پنجم: تحفظ مال:

مصنف نے اس کے تحت لکھا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے مال اللہ کی ملکیت ہے اور انسان اس میں اللہ کا نائب ہے (ڈاکٹر عالم: ۴۸۸-۴۹۰)۔ اس سے مقصود زمین کی آباد کاری ہے۔ مال کو ترقی دینے سے متعلق شریعت کے خاص احکام ہیں۔

خاندان سے متعلق مقاصد شریعت:

مقصد اول: مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق کی تنظیم:

اس عنوان کے تحت مصنف نے لکھا ہے کہ اسلام، تمام آسمانی شرائع اور وضعی قوانین نے اباحیت پسندوں اور چوپایوں کے طریقہ کے برخلاف مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق کی صرف ایک ہی صورت رکھی ہے۔ اس کے تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں اور اس پہلو کے تمام حقوق وتقاضے واضح کردیئے گئے ہیں۔

مقصد دوم: تحفظ نسل:

اس عنوان کے تحت مصنف لکھتے ہیں کہ شریعت نے دو مختلف جنسوں کے رمیان جنسی تعلق کو اسی لئے مشروع قرار دیا ہے تا کہ اس سے افزائش نسل ہو، دو ہم جنسوں کے درمیان جنسی تعلق سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ یہ انسانوں، حیوانات اور نباتات تمام مخلوقات میں اللہ کی جاری سنت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے لواطت اور سحاق (عورتوں کی ہم جنسی) کو حرام قرار دیا ہے۔

مقصد سوم: سکون، مودت اور رحمت کا حصول:

مصنف کا خیال ہے کہ زوجین کے جنسی تعلقات محض جسمانی تعلق میں محدود ہو کر نہ رہ جائیں اس کے لئے شریعت نے اس مقصد کی وضاحت کی کہ شادی سے مقصود ایک دوسرے سے سکون حاصل کرنا اور محبت کرنا ہے۔

مقصد چہارم: تحفظ نسب:

مصنف کا خیال ہے کہ تحفظ نسب تحفظ نسل سے علاحدہ ایک مقصد شرعی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے شریعت نے زنا اور متبنی بنانے کو حرام قرار دیا ہے۔

مقصد پنجم: خاندان میں تدین کی حفاظت:

مصنف قریب ترین لوگوں کو دعوت اسلامی کا مخاطب بنانے اور ان کے لئے ہدایت کی دعاء کرنے کو انبیاء کی سنت قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب کی زندگی سے اس کی مثالیں پیش کی ہیں۔ انہوں نے حضرت نوح اور حضرت لوط کی اس سلسلے میں ناکامی کے باوجود اسے ایک اہم کام کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ گھر کے سرپرست

ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اپنے فرائض انجام دیئے، کامیابی اور ناکامی، بیویوں اور بچوں کی انفرادی ذمہ داری کے اصول سے مربوط ہے۔

مقصد ششم : بحیثیت ایک ادارہ کے خاندان کی تنظیم :

اس سے مصنف کی مراد یہ ہے کہ خاندان کی حیثیت ایک ادارہ کی ہے جس کی بنیاد دوام اور ہیشگی پر ہے۔ اس کا نگراں شوہر ہے جو قوام (سرپرست) ہے۔ وہ خاندان سے متعلق امور میں بیوی سے مشورہ کرے گا اور ان دونوں کی آپسی نزاع کا تصفیہ شریعت کے قائم کردہ اصول تحکیم کی روشنی میں کیا جائے گا۔ اس کے تمام فریقوں کے کچھ حقوق ہیں، اسی طرح ان کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں۔

مقصد ہفتم : خاندان کے مالی پہلو کی تنظیم :

مصنف کا خیال ہے کہ اسلامی شریعت اس معاملہ میں ہر سابق نظام پر فائق ہے۔ اس سے ان کی مراد مہر، بیوی، اولاد، مطلقہ، دایہ، اقرباء کے مختلف نوعیت کے اخراجات، میراث، اقرباء کے لئے وصیت، خاندانی اوقاف، عاقلہ کا دیت کا بوجھ برداشت کرنا اور مال پر ولایت کے احکام وغیرہ ہیں۔

امت سے متعلق مقاصد شریعت:

مصنف کا خیال ہے کہ سب سے پہلے امام ابن عاشور نے اس بات کی صراحت کی کہ شریعت کے پانچ معروف مقاصد میں افراد کی مصلحت کے ساتھ ساتھ امت کی مصلحت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے اور انہوں نے اس کو ضرورت، حاجت اور تحسینیات تینوں درجوں میں واضح کیا۔ اس سلسلے میں مصنف کے ذکر کردہ سات مقاصد کی تفصیل اس طرح ہے:

مقصد اول: امت کی ادارہ جاتی تنظیم:

امت کو ایک ممتاز اور اپنی منفرد خصوصیات کا حامل ۰ بھا جائے۔ اسی تصور نے مختلف قسم ں سیاسی تبدیلیوں اور دھڑے بندیوں کے باوجود ہر ۔ میں امت کو زندہ رکھا ہے۔ شریعت نے ایک معنوی وجود کے تصور کو علی الاطلاق قبول نہیں کیا بلکہ اس نے متعین حالات میں آزاد مالی ذمہ داری کے تصور کو اختیار کیا جیسے بیت المال، مسجد اور وقف کے ادارے۔

مقصد دوم: تحفظ امن:

یہ امت کا ایک بنیادی اور اس کی تنظیم کا لازمی مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قریش پر اپنی نعمت کے بطور ذکر فرمایا ہے: "و آمنهم من خوف" (سورۂ قریش:۴) (اور انہیں خوف سے امن دیا)۔ اس میں داخلی اور خارجی دونوں ہی قسم کے امن شامل ہیں۔

مقصد سوم: انصاف کا قیام:

عدل کے مختلف درجات ہیں: انسان کا اپنے رب، اپنی ذات، اپنے خاندان، اہل وعیال اور دوسرے انسانوں کے ساتھ عدل، فیصلہ میں عدل، نظام حکومت میں عدل وغیرہ۔

یہاں مراد قضاء اور نظام حکومت میں امت سے متعلق عدل ہے (الفاسی ۴۵-۵۶، ۲۰۹-۲۱۳، ۲۶۶-۲۶۹)۔

قرآن کی نظر میں عدل شریعت کا ایک بنیادی مقصد ہے: "لقد أرسلنا رسلنا بالبینات و أنزلنا معهم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط" (سورۂ حدید:۲۵) (ہم نے اپنے پیمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں)۔ قرآن نے بیشتر مقامات پر اس کا حکم دیا ہے (دیکھئے: سورۂ اعراف:۲۹، سورۂ نحل:۹۰، سورۂ نساء:۵۸، سورۂ شوریٰ:۱۵)۔

مقصد چہارم: دین واخلاق کا تحفظ:

سیکولر اور لادینی نظاموں کی طرح اسلامی شریعت دین واخلاق کو فرد کا ذاتی معاملہ نہیں قرار دیتی ہے۔ وہ ان کو سوسائٹی کے نظام سے مربوط قرار دیتی ہے۔ اسی لئے اس نے۔ امام ابن عاشور کی تعبیر کے مطابق۔ دین کے قطعی اصولوں میں نقص پیدا کرنے والے تمام امور کا ازالہ کر دیا ہے۔

مقصد پنجم: تعاون، تکافل اور امداد باہمی:

ان تمام الفاظ میں عموم وخصوص کا تعلق ہے۔ ان میں تمام تہذیبی، سماجی اور اقتصادی گوشے آ گئے۔ اقتصادی شکل میں یہ زیادہ واضح ہیں۔ یہ چیزیں درحقیقت قانون اور اقتدار کی قوت سے نافذ نہیں کی جا سکتی ہیں۔ ان کی جڑیں ایمانی سرچشموں میں ہیں جیسے انسانی اخوت: ''کلکم لآدم'' (تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو) اور ایمانی اخوت: ''إنما المؤمنون إخوۃ'' (سورۂ حجرات:۱۰) (اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) وغیرہ۔

مقصد ششم: علم کی اشاعت اور امت کی عقل کی حفاظت:

مصنف کے بقول امام ابن عاشور جماعتوں کی عقل کو لاحق ہونے والے نقصانات کو فرد کی عقل کو لاحق ہونے والے نقصانات کے مقابلہ میں زیادہ سنگین قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شریعت نے اسی لئے افراد امت کے درمیان منشیات جیسے حشیش، افیون، مورفین، کوکین اور ہیروئین وغیرہ کے رواج پانے پر پابندی لگائی ہے (ابن عاشور:۸۰)۔

مقصد ہفتم: زمین کی آبادکاری اور سرمایہ امت کا تحفظ:

مصنف کے بقول یہ مقصد امت کے زیرانتظام واختیار زمینی سیارہ کی آبادکاری سے

متعلق ہے۔اسی طرح مال کے بارے میں اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ وہ اللہ کی ملکیت ہے اور انسان اس میں اللہ کا نائب ہے۔اسلام اسے امت کا سرمایہ قرار دیتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا:"و لا تؤتوا السفهاء أموالكم التي جعل الله لكم قياما"(سورۂ نساء:۵)(اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دے دو جس کو اللہ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے)۔اس آیت میں نابالغوں اور ناسمجھوں کے مال کو بھی امت کا مال قرار دیا گیا ہے۔مصنف کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں ترقی کا جو تصور ہے، یہ دونوں مقاصد اسی کے دو پہلو ہیں۔ان ہی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے نفل صدقات کے علاوہ لازمی زکاۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح دائمی ترقی کے ذریعہ تہائی مال میں وصیت اور اوقاف کے سلسلہ پر زور دیا گیا ہے۔اقتصادی سرگرمیاں صرف حکومتوں کی عطا کردہ سہولیات تک محدود نہیں رہیں بلکہ معاشرہ اس میں شریک رہا۔اوقاف کی کتابوں میں ہمیں بے شمار مدارس، مراکز حکمت، جامعات، رصدگاہوں، شفاخانوں، مسافرخانوں اور پانی کی سہولیات کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔

انسانیت سے متعلق مقاصد شریعت:

اس مطلب کے تحت مصنف لکھتے ہیں کہ بات چاہے دار الکفر اور دار الاسلام کی ہو یا امت دعوت اور امت اجابت کی مگر اسلام کے کلی احکام اصل ایمان کی دعوت تک محدود نہیں ہیں۔ان میں صرف نوع انسانی کو اسلام کی طرف بلانے ہی پر زور نہیں ہے بلکہ کچھ ایسے اصولوں کی بھی دعوت دی گئی ہے جن کو قبول کرنے کا دارومدار صرف ایمان پر نہیں ہے۔قرآن کے اسالیب تخاطب:"يا أيها الناس"(اے لوگو!)(سورۂ بقرہ:۲۱)،"يا أيها الإنسان"(اے انسان!)(سورۂ انفطار/۶) وغیرہ عقل اور منطق پر مبنی ہیں اور ان آیات میں فطرت انسانی کو مخاطب کرتے ہوئے ان متفق علیہ اصولوں کی طرف بلایا گیا ہے جن میں انسانی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے۔

فصل سوم:

مقاصد کی فعالیت:

مبحث اول: مقاصد کے استعمالات کی موجودہ صورت حال:

اس مبحث میں مصنف نے قدیم وجدید کتابوں کی روشنی میں مقاصد شریعت کے استعمالات کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالی ہے۔ان کا خیال ہے کہ ان استعمالات کے ذریعہ اصول کے روایتی مناہج میں کوئی ترمیم یا اضافہ نہیں ہوا ہے۔ان مناہج کے جدید پہلوؤں پر انہوں نے اگلے مبحث میں گفتگو کی ہے۔

مبحث دوم: اجتہاد مقاصدی:

اس بحث کے آغاز میں مصنف نے اس اصطلاح کی حقیقت کے بارے میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ کوئی نیا موضوع ہے جس کے لئے ایک اصطلاح کی ضرورت ہو یا یہ کسی قدیم مفہوم یا کسی قدیم دلیل کی نئی اصطلاح ہے؟ ان کے بقول ڈاکٹر نور الدین خادمی نے مقاصد کو ادلہ شرعیہ سے الگ ایک دلیل کے طور پر تسلیم نہیں کیا ہے، نہ انہوں نے اس نام کی وجہ ذکر کی ہے جب کہ ڈاکٹر احمد ریسونی نے اس کے اہم خدوخال کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ڈاکٹر احمد ریسونی کا خیال ہے کہ اگرچہ یہ ایک دشوار گذار گھاٹی ہے لیکن پھر بھی اسے عبور کرنا ضروری ہے۔

مبحث سوم: فقہی نظریہ سازی:

اس مبحث کے آغاز میں مصنف نے ڈاکٹر یحیی محمد کی اس رائے کا تذکرہ کیا ہے کہ ''نظریہ مقاصد کی تشکیل دراصل موجود احکام کو وجہ جواز فراہم کرنے کے لئے کی گئی تھی اور اس کو نام مقاصد اور حکمت کا دیا گیا تھا۔احکام کی تشکیل کے لئے اس کی بنیاد نہیں ڈالی گئی''۔

مصنف کا خیال ہے کہ یہ بات ابتدائی کی عہد کی حد تک تو درست ہے لیکن بعد میں نظریہ مقاصد شریعت میں جو پیش رفت ہوئی، اسے احکام شریعت کے جزوی دائرہ سے نکالا گیا اور مسلمانوں کو درپیش معاصر مسائل کو جو کلی نظریہ کے مطابق حل کیا گیا وہ اپنی جگہ قابل قدر ہے۔

مصنف نے اس مبحث میں اس خیال کی بھی تردید کی ہے کہ اسلامی شریعت میں عمومی نظریات نہیں پائے جاتے اور یہ کہ وہ مختلف میدانوں سے متعلق فروعی احکام کا ایک مجموعہ ہے۔ ان کے بقول نظریہ سازی کے میدان میں فقہاء سلف کی کوششوں کے جائزہ سے اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ صاحب کتاب کے نزدیک کسی متعین عمل یا واقعہ سے متعلق مفتی کا فتویٰ یا کسی نزاع کے سلسلے میں قاضی کا فیصلہ فقہی نظریہ سازی نہیں ہے بلکہ یہ ایک متعین واقعہ یا عمل پر حکم شرعی کی تطبیق ہے۔

مبحث چہارم: افراد اور جماعت کی مقاصدی ذہنیت:

اس مبحث میں مصنف نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مقاصد کو صرف فقہی اجتہاد کے دائرہ تک محدود نہیں رکھا جا سکتا بلکہ اس کو دیگر عملی پہلوؤں تک پھیلانے کی ضرورت ہے۔ مصنف نے اس زاویہ سے فرد اور جماعت کے کردار پر روشنی ڈالی ہے اور انفرادی و اجتماعی دونوں سطحوں پر منصوبہ بندی اور حکمت عملی کو مقاصد شریعت سے مربوط کرنے پر زور دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ کام پرائیویٹ اداروں اور حکومتی دفاتر دونوں ذرائع سے بہتر طور پر انجام دیا جا سکتا ہے۔ اقتصادی، صحی اور تعلیمی ترقی کے لئے مؤثر میقاتی پروگرام چلائے جا سکتے ہیں۔

مبحث پنجم: مقاصد کا مستقبل:

مصنف کا خیال ہے کہ مقاصد شریعت سے متعلق کی جانے والی تحقیقات میں یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ اس فن کی نوعیت کیا ہے؟ ان کے بقول بعض محققین اسے ایک نیا اور مستقل علم

قرار دیتے ہیں۔ بعض اسے فقہ اور اصول فقہ کے درمیانی درجہ کا ایک فن قرار دیتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ علم اصول یا اس کے بعض مباحث کی جدید ترتیب وتشکیل ہے۔

مصنف کا خیال ہے کہ سب سے پہلے امام ابن عاشور نے ایک علاحدہ فن کی حیثیت سے اس کی تشکیل کی دعوت دی۔ اس سے پہلے کے لوگوں میں امام قرافی، امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم نے فن مقاصد کی مستقل حیثیت کے بجائے مقاصد کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اسی طرح امام شاطبی نے ''الموافقات'' اور ''الاعتصام'' میں مقاصد کے ذریعہ شریعت کے قطعی اصولوں تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے مقاصد کو اصول فقہ میں شامل کیا ہے اور ان کے علاحدہ فن ہونے کی صراحت نہیں کی ہے۔ اس سلسلے میں امام ابن عاشور کی رائے جس کا اوپر ذکر ہوا، کی تفصیل کے لئے مصنف نے ان کی کتاب مقاصد الشریعہ ص ۸ / کا حوالہ دیا ہے۔ مصنف کے بقول اس سلسلے میں شیخ عبداللہ درازی فرماتے ہیں کہ استنباط احکام کے دو رکن ہیں: ایک عربی زبان کا جاننا اور دوسرا: شریعت کے اسرار ومقاصد کا جاننا۔ ان ہی دو علوم سے تشکیل دیا جانے والا علم علم اصول فقہ ہے۔ لہٰذا مقاصد خود علم بھی ہیں اور علم کا رکن بھی۔ کیونکہ اعتبار مسمیات کا ہوتا ہے، اسماء کا نہیں، مقاصد کا ہوتا ہے، وسائل کا نہیں (ریسونی ۱۵:۲)۔

مصنف نے اس خیال کو لغو اور مہمل قرار دیا ہے کہ علم مقاصد فقہ اور اصول فقہ کے درمیان کا ایک علم ہے۔ ان کی اپنی رائے یہ ہے کہ مقاصد کا اصول فقہ سے ربط بڑی اہمیت رکھتا ہے، نیز یہ کہ ان دونوں کو ایک ہی دائرہ میں فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

مصنف نے امام ابن عاشور کی اس رائے پر تنقید کی ہے کہ مقاصد شریعت کے نام سے یہ علاحدہ علم کی تشکیل کی جائے اور علم اصول فقہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ مصنف کا خیال ہے کہ اس سے علم مقاصد اور علم اصول فقہ دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ کیونکہ یہ رائے اصول کو اپنی حالت پر جامد کردے گی اور اسے روح مقاصد سے محروم رکھے گی۔ اسی طرح اس رائے کے نتیجہ میں علم مقاصد اپنے موجودہ کردار سے دور جا پڑے گا جس کو مزید ترقی دینے کی ضرورت

ہے۔ کتاب کے اختتام پر فاضل مصنف نے مقاصد سے متعلق مندرجہ ذیل موضوعات پر محققین اور ریسرچ اسکالرس کو بحث و تحقیق کی دعوت دی ہے:

۱-امام غزالی کا نظریہ مقاصد۔

۲-امام ابن تیمیہ کا نظریہ مقاصد۔

۳-امام ابن القیم کا نظریہ مقاصد۔

۴-امام عز بن عبد السلام کا نظریہ مقاصد۔

۵-حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا نظریہ مقاصد۔

۶-شریعت کے مقاصد عالیہ اور اساسی تصورات۔

۷-فقہ کے ہر شعبہ اور انسانی، سماجی اور طبعی علوم میں سے ہر علم سے متعلق مقاصد۔

۸-مقاصد کلیہ کے چاروں دائرے: فرد، خاندان، امت اور انسانیت میں سے ہر ایک سے متعلق تحقیقات (کم سے کم چار چار مقالے)۔

امام شاطبی کا نظریہ مقاصد

مولانا امتیاز احمد قاسمی

کتاب کا نام	:	نظرية المقاصد عند الإمام الشاطبيّ
مصنف	:	ڈاکٹر احمد الریسونی
شائع کردہ	:	المعہد العالمی للفکر الاسلامی
صفحات	:	۴۱۷
زبان	:	عربی

زیر نظر کتاب ڈاکٹر احمد ریسونی مراکشی کی تصنیف ہے، آپ کو ۱۹۷۸ء میں "جامعۃ القرویین" فاس سے علوم شریعت کی سند ملی، پھر آپ نے اعلیٰ درجات کی تعلیم "جامعۃ محمد الخامس" رباط کے "کلیۃ الآداب والعلوم الانسانیۃ" میں مکمل کی اور وہیں سے آپ نے ۱۹۸۶ء میں یونیورسٹی سطح کی اعلیٰ تعلیم کی سند حاصل کی، اور ۱۹۸۹ء میں آپ نے اعلیٰ تعلیم میں ڈپلومہ کیا، جس میں آپ کے مقالہ کا موضوع "نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبیؒ" تھا۔ پھر ۱۹۹۲ء میں "نظرية التقريب والتغليب وتطبيقاتها فى العلوم الإسلامية" کے موضوع پر آپ نے پی ایچ ڈی کی، آپ نے مختلف موضوعات پر مقالے لکھے، جو مراکش اور اس کے باہر دوسرے ملکوں کے سیمناروں میں پیش کیے گئے۔ آپ کی ایک کتاب "مدخل إلى مقاصد الشريعة" زیر طبع ہے، دو زبانوں (فرنچ اور انگریزی) میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

اس وقت آپ "جامعہ محمد الخامس" رباط کے "كلية الآداب والعلوم الإنسانية" میں علم اصول الفقہ اور علم مقاصد الشریعۃ کے استاذ ہیں۔

اس کتاب میں ڈاکٹر احمد ریسونی نے امام ابواسحاق الشاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) کے نظریۂ مقاصد کے ہر پہلو کو خواہ وہ تاریخی ہو یا تطبیقی یا تجدیدی، آسان انداز میں پیش کر کے آج کے حالات میں اس کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کیا ہے، یہ کتاب ایک مقدمہ، چار ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ باب اول کے تحت دو فصلیں، باب دوم کے تحت تین، باب سوم کے تحت تین اور باب چہارم کے تحت دو فصلیں قائم کی گئی ہیں۔

پہلے باب میں امام شاطبی کے دور سے پہلے مقاصد کے موضوع پر کی جانے والی تحقیقات، دوسرے باب میں امام شاطبی کے ذاتی احوال، علمی کارنامے اور ان کا نظریہ، تیسرے باب میں امام شاطبی کے نظریہ کے بنیادی اور اہم نکات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اسی طرح "خاتمۃ الکتاب" میں اس موضوع پر مزید بحث و تحقیق، احکام شریعت کے استقراء، اس کے علل کے استنباط اور ضروریات دین یعنی حفظ دین، نفس، نسل، عقل اور مال کو پانچ قسموں میں ہی محصور کرنے کے خیال پر نظر ثانی کی دعوت دی گئی ہے۔

مصنف نے کتاب کے اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے تمہیداً مقاصد کا معنی، اس کی اقسام یعنی مقاصد عامہ، مقاصد خاصہ اور مقاصد جزئیہ، ان تینوں کے تحت ضمنی بحث، مقاصد کی علتیں اور حکمتیں، معانی اور پھر نظریۂ مقاصد کے معنی بیان کیے گئے ہیں۔

اہمیت اور موضوع سے براہ راست ربط کی وجہ سے ہم مقاصد، اس کے اقسام اور نظریہ کی تھوڑی تفصیل بیان کریں گے۔

مقاصد کی تعریف:

مصنف لکھتے ہیں کہ "مقاصد الشارع، مقاصد الشریعۃ، المقاصد الشرعیہ" یہ تمام الفاظ ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں۔

مقاصد شریعت: وہ غایات ہیں جن کو بندوں کے مصالح کی خاطر شریعت میں ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن امام شاطبیؒ کے یہاں مقاصد کی کوئی تعریف نہیں ملتی اور نہ ان سے پہلے متقدمین کے یہاں، البتہ بعد کے لوگوں میں سے شیخ طاہر بن عاشور اور علال الفاسی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں مقاصد کی تعریف کی ہے (مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ ر ۵۰)۔

مصنف نے مقاصد کے مفہوم کو مزید واضح کرنے کے لئے اس کی تین قسمیں کی ہیں: مقاصد عامہ، مقاصد خاصہ اور مقاصد جزئیہ۔

مقاصد عامہ: وہ ہیں جن کی رعایت وحفاظت شریعت تمام ابواب شرعیہ یا اکثر ابواب میں کرتی ہے اور ان کے حاصل کرنے کا حکم بھی شریعت دیتی ہے، مقاصد پر گفتگو کرنے والے علماء کی زیادہ تر مراد مقاصد کی یہی قسم ہوتی ہے، نیز یہ قسم اپنے عموم کی وجہ سے اہم بھی ہے۔

مقاصد خاصہ: وہ کیفیات ہیں جو شارع کو شریعت کے معین ابواب یا چند ابواب میں مقصود ہیں۔

مقاصد جزئیہ: وہ امور ہیں جو شارع کو ہر حکم شرعی میں مطلوب ہیں، مثلاً ایجاب، تحریم، ندب، کراہت، اباحت اور شرط وغیرہ۔

نظریہ کی تعریف:

نظریۃ المقاصد: ڈاکٹر مراد وہبہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ نظریہ لفظ نسق کا مرادف ہے، اور نسق ان مسائل کا مجموعہ ہے جو معین نظام کے تحت مرتب ہو (المعجم الفلسفی لمراد وہبہ ر ۴۴۴)۔

مصنف نے اس تعریف کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ جب احکام فقہیہ اپنے تفصیلی دلائل کے ساتھ ثابت شدہ احکام کے مجموعہ کا نام ہے تو نظریۂ مقاصد وہ کلی ڈھانچہ ہے جو اس کو منظم کرکے اور اس کے متفرقات اور جزئیات کو مرتب کرکے مقاصد شریعت کا ایک کامل تصور، عمیق رائے اور ایک مقصد عطا کرتا ہے۔

باب اول:

پہلی فصل: مصنف اس فصل کے قائم کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارا اصل موضوع امام شاطبی کا نظریہ مقاصد ہے، تاہم اس سے پہلے ہم کچھ تاریخی اور بنیادی چیزوں کا تذکرہ کریں گے جو اصل موضوع کے لئے مفید اور معاون ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ امام شاطبی کے نظریہ کی تاریخی کڑی کہاں سے ملتی ہے اور کن کن لوگوں نے مقاصد شریعت کو اپنا موضوع بنایا اور اس سلسلہ میں ان کا طریقہ کار کیا رہا، نیز یہ کہ امام شاطبی نے اس فن میں کن اصولیین وفقہاء سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ ہم دو عمومی عنوانات کے تحت یہ گفتگو کریں گے۔ اول: اصولیین کا نظریۂ مقاصد، دوم: مسلک مالکی میں نظریۂ مقاصد۔

اصولیین کا نظریۂ مقاصد:

اس بحث میں مصنف نے امام الحرمین الجوینی، امام غزالی تا سبکی اور پھر ابن السبکی کے سلسلہ کو بیان کرنے سے پہلے بعض ان مشاہیر علماء اصول کا تذکرہ کیا ہے، جنہوں نے سب سے پہلے مقاصد شریعت کا ذکر کیا ہے اور جن کے فقہ واصول میں گراں قدر علمی کارنامے ہیں، ان میں سب سے پہلے حکیم ترمذی (ابوعبداللہ محمد بن علی) ہیں، یہ تیسری صدی ہجری کے معروف صوفی فلسفی ہیں۔ انہوں نے احکام شریعت کی تعلیل اور اسرار شریعت کی تلاش پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے لفظ ''المقاصد'' کا استعمال اپنی کتاب ''الصلاۃ ومقاصدھا'' میں کیا ہے، ان کی دوسری کتاب ''الحج وأسرارہ'' ہے، جبکہ ان کی اس موضوع پر سب سے اہم کتاب ''العلل'' و''علل الشریعة'' اور ''علل العبودیة'' ہے (یہ ایک ہی کتاب ہے جو مختلف ناموں سے جانی جاتی ہے)، محمد عثمان الخشت نے کہا کہ اس کتاب میں انہوں نے فرائض کی علتیں عقلی انداز میں بیان کی ہیں، ان کی ایک کتاب ''الفروق'' بھی ہے، جس کے بارے میں سبکی نے کہا ہے کہ: اس باب میں یہ بے نظیر کتاب ہے۔

آگے کے صفحات میں بھی مصنف نے بعض اصولیین کا تذکرہ کیا ہے، مثلاً ابومنصور ماتریدی(متوفی ۳۳۲ھ)، ابوبکر القفال الشاشی(متوفی ۳۶۵ھ)، ابوبکر ابہری(متوفی ۳۷۵ھ)، الباقلانی(متوفی ۴۰۳ھ)۔اصول فقہ پر ان کا بہت وقیع علمی کام ہے، ان کی اہم تالیفات ''الإرشاد الصغیر، المقنع فی أصول الفقه، الأحكام والعلل، كتاب البیان عن فرائض الدین و شرائع الإسلام'' وغیرہ ہیں۔

امام الحرمین (متوفی ۴۷۸ھ) کا علم اصول فقہ میں نمایاں علمی کام ہے۔ یہ بات اصول فقہ کی تاریخ میں مسلم ہے۔اس کے ثبوت کے لئے ان کی کتاب ''البرہان'' کافی ہے۔ مقاصد شریعت کے موضوع پر امام الحرمین کی ایسی اہمیت اور ایسا مقام ہے جس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا، اس موضوع پر ان کی جو کوششیں ہیں وہ بہت روشن اور عیاں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''البرہان'' میں دسیوں جگہ لفظ ''مقاصد'' کا استعمال کیا ہے، اور طہارت وتیمم کے مقاصد وعلل کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے، نیز وہ اکثر وبیشتر مقاصد کی تعبیر لفظ غرض اور اغراض سے کرتے ہیں۔

امام الحرمین کے تذکرہ کے ذیل میں مصنف نے مقاصد کی ان پانچ قسموں کو بیان کیا ہے، جن کا ذکر سب سے پہلے ان ہی کے یہاں ملتا ہے۔

پہلی قسم: جو ضروریات سے متعلق ہوں، جیسے قصاص، اس کا مقصد معصوم جان کی حفاظت ہے۔

دوسری قسم: جو محض حاجت عامہ سے متعلق ہوں، جیسے لوگوں کے درمیان مختلف قسم کی کرایہ داری اور اجارہ کے معاملات۔

تیسری قسم: جو نہ ضروری ہوں اور نہ حاجی، بلکہ وہ فضائل کے قبیل سے ہوں، جیسے طہارت، پاکیزگی اور نفاست وغیرہ۔

چوتھی قسم: جو نہ ضروری ہوں، نہ حاجی اور نہ تیسری قسم کے قبیل سے ہوں، بلکہ یہ صرف مندوبات تک محدود ہوں۔

پانچویں قسم: ان مقاصد کی ہے جن کی نہ علت واضح ہو، نہ کوئی متعین مقصد ہو اور نہ ہی سابقہ قسموں میں سے ہو، بلاشبہ شریعت میں اس کا وجود بہت نادر ہے۔

پھر ان پانچ کو ایک دوسرے میں داخل ہونے کی وجہ سے ہی امام الحرمین جوینی اور ان کے بعد کے دیگر علماء اصول فقہ اور ماہرین اسرار و مقاصد شریعت نے تین قسموں میں منحصر کیا ہے، وہ اس طرح کہ وہ یا تو ضروریات سے متعلق ہوگی تو وہ پہلی قسم ہے، یا حاجیات سے متعلق ہوگی تو وہ دوسری قسم ہے یا تحسینیات سے متعلق ہوگی تو وہ تیسری قسم ہے، یہی وہ تین قسمیں ہیں جو مقاصد شریعت پر گفتگو کی بنیاد ثابت ہوئی ہیں۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ امام الحرمین ہی کے یہاں سب سے پہلے ضروریات کبریٰ: ''دین، نفس، عقل، نسل اور مال'' کا ذکر ملتا ہے۔

امام الحرمین کے بعد امام غزالی کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ امام غزالی اپنے شیخ کے افکار و آراء سے خوب مستفید ہوئے اور باوجودیکہ ان کے نہج و تعبیر میں استاذ کا رنگ غالب تھا، انہوں نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ علم اصول فقہ کو عموماً اور مقاصد شریعت کو خصوصاً منقح کیا اور اس میں اضافہ بھی کیا، اس کی نمایاں جھلک ان کی کتاب **"المنخول من تعليقات الأصول"**، **"المستصفى من علم الأصول"** اور **''شفاء الغليل''** وغیرہ میں ملتی ہے، ''شفاء الغلیل'' اور ''المستصفی'' میں انہوں نے شریعت کے ان امہات المقاصد کو بیان کیا ہے جن پر ہر مقصود شرعی اور ہر مصلحت شرعی کا مدار ہے۔ انہوں نے اپنے شیخ کی تقسیمات: ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کو باقی رکھتے ہوئے ہر تقسیم کے ساتھ ایک مکمل (تکمیل کرنے والی قسم) کا اضافہ کیا۔

مصنف نے ان دونوں حضرات کے بعد فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ)، سیف الدین

آمدی (متوفی ۶۳۱ھ)، ابن الحاجب (متوفی ۶۴۶ھ)، بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ)، اسنوی (متوفی ۷۷۲ھ)، ابن السبکی (متوفی ۷۷۱ھ)، عزالدین بن عبدالسلام (متوفی ۶۶۰ھ) اور اخیر میں ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کا تذکرہ کیا ہے۔

دوسری فصل:

اس فصل کا عنوان ہے: مسلک مالکی کا نظریہ مقاصد۔ مصنف لکھتے ہیں کہ اس فصل کا ذکر بھی امام شاطبی کے نظریہ مقاصد کو جاننے، اس کی باریکیوں اور بنیادوں کو سمجھنے میں اسی طرح معاون و مددگار ہے جس طرح اس سے پہلے والی فصل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت کو مرکز توجہ جس قدر مالکیہ نے بنایا ہے کسی دوسرے مسلک میں اتنی تفصیلات نہیں ملتیں، یہی وجہ ہے کہ مذہب مالکی کو "مذہب المقاصد" کہا جاتا ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذہب مالکی کے اصول اور مقاصد کی تھوڑی تفصیل زیر تبصرہ کتاب کے حوالہ سے کی جائے۔

مذہب مالکی کے اصول اور مقاصد:

مصنف نے اس عنوان کے ذیل میں مالکیہ کے ان اصول وقواعد کو بیان کیا ہے جن کا مقاصد شریعت کے ساتھ بڑا گہرا اور مضبوط ربط ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مصالح مرسلہ کا اعتبار نہ صرف یہ کہ متاخرین کے اقوال، فتاوی اور ملکی قوانین میں ملتا ہے، بلکہ خود صحابہ کرامؓ کے اقوال اور ان کے فتاوی میں مصالح مرسلہ سے استدلال کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں، چنانچہ ان میں سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے مصلحت مرسلہ کو حجت و دلیل کے طور پر اختیار کیا ہے۔ امام غزالی نے کہا: قیاس کے سلسلہ میں جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل امت کے لئے نمونہ ہے، اسی طرح مصالح پر ان کا اعتماد بھی امت کے لئے نمونہ ہوگا (المنخول ر ۳۵۴)، اور یوں بھی

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع کا اصل مقصد مصالح کا حصول اور مفاسد کا ازالہ ہے، اور یہ چیز تمام احکام شرعیہ میں پھیلی ہوئی ہے، خاص طور سے معاملات اور عادات کے احکام میں، یہیں سے یہ بات ضروری ہوجاتی ہے کہ فقہی اجتہادات میں استصلاح کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نصوص شرعیہ کو سمجھنا اور اس سے استنباط کرنا اسی بنیاد پر ہو کہ مقاصد شریعت دراصل جلب مصالح اور درء مفاسد ہیں، نیز قیاس کرتے وقت بھی اسی اساس کی رعایت کی جائے، دراصل یہ معنی ہے مذہب مالکی میں مصالح کی رعایت کا، نہ یہ کہ صرف جہاں کوئی نص یا قیاس نہ ہو وہاں اس کو اختیار کرلیا جائے۔ درحقیقت اجتہادی مسائل میں مصلحت وعدل کی رعایت ہی استحسان ہے۔

سد ذرائع: مالکیہ کی دوسری اصل ہے، اس کا تعلق بھی مقاصد شریعت کے ساتھ گہرا ہے، یہ بھی اسی اساس پر قائم ہے کہ شارع کے تمام احکام تحقیق مقاصد کے لئے ہیں، یعنی جلب مصالح اور درء مفاسد، اس اصل کو مالکیہ بیشتر ابواب البیوع، ابواب العقوبات اور ابواب المناکحات میں استعمال کرتے ہیں۔

بندوں کے مقاصد کی رعایت: یہ اصل بھی سد ذرائع کی طرح ہے، البتہ یہ اس سے عام ہے۔ اس کا اثر تمام تصرفات اور معاملات میں ظاہر ہوتا ہے۔

دوسرا باب: امام شاطبی کا نظریہ مقاصد:

یہی باب اس کتاب کا موضوع ہے، جس میں امام شاطبی کے نظریہ مقاصد کو بیان کیا گیا ہے، البتہ مصنف نے اس کی پہلی فصل میں تین ذیلی عناوین قائم کئے ہیں:

۱-امام شاطبی کے حالات زندگی کا خلاصہ۔

۲-امام شاطبی کے حالات خود ان کی زبانی۔

۳-امام شاطبی کی خط وکتابت۔

پہلے عنوان کے تحت امام شاطبی کے نسب، علمی تعارف اور مقاصد شریعت پر ان کے

کاموں کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا نام، ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الغرناطی ابواسحاق ہے، شاطبی سے مشہور ہوئے، بڑے امام محقق حافظ اور مجتہد تھے، ان کی سن ولادت اور جائے پیدائش کا ذکر نہیں ملتا ہے، البتہ شیخ ابو الأجفان کی تحقیق کے مطابق آپ ''غرناطہ'' میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ کی نشو ونما ہوئی، اور آپ نے وہیں اپنی تعلیم مکمل کی۔ آپ کے اساتذہ میں ابن الفجار البیری، ابوجعفر الشقوری، ابوسعید بن لب، ابوعبداللہ البلنسی، ابوعبداللہ التلمسانی، ابوعبداللہ المقری، ابوالقاسم السبتی، ابوعلی الزواوی اور ابن مرزوق الخطیب بہت مشہور ہیں، التنبکتی نے آپ کے تین شاگردوں کا تذکرہ کیا ہے: ابویحیی بن عاصم، ابوبکر بن عاصم صاحب ''تحفۃ الحکام'' اور ابوعبداللہ البیانی، جبکہ شیخ ابوالاجفان نے مزید دوشاگرد ابوجعفر القصار اور ابوعبداللہ المجاری کا اضافہ کیا ہے۔

آپ کی مطبوعہ تالیفات میں سے اہم ترین ''الموافقات'' ہے جس کے تیسرے باب میں مقاصد شریعت اور اس سے متعلق احکام کو بیان کیا گیا ہے، اسی باب کی وجہ سے یہ کتاب زیادہ معروف ہوئی، دوسری کتاب ''الاعتصام'' دو جلدوں میں ہے اور تیسری کتاب ''الافادات والانشادات'' ہے۔

آپ کی غیر مطبوعہ کتابوں میں ''کتاب المجالس'' ہے جو صحیح البخاری کی کتاب البیوع کی شرح ہے، دوسری کتاب ''شرح الألفیہ'' ہے جو فن نحو میں لکھی گئی ہے، اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی تالیفات تھیں جو ضائع ہوگئیں، جن کا ذکر کہیں نہیں ملتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ کے بہت سے فتاویٰ بھی ہیں۔

بقول شیخ التنبکتی آپ کی وفات ماہ شعبان ۷۹۰ھ مطابق ۱۳۸۸ء میں ہوئی۔

دوسرے عنوان کے تحت امام شاطبی نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا ہے خود ان ہی کے الفاظ میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں استاذ ابوعلی الزواوی کو اکثر یہ کہتے ہوئے سنتا تھا کہ بعض عقلاء نے کہا: کسی شخص کو اس وقت تک کسی فن کا عالم نہیں کہا جاسکتا جب تک

کہ اس کے اندر چار شرائط نہ پائی جاتی ہوں:

اول: اس نے اس علم کے اصول کا مکمل طور پر احاطہ کر لیا ہو۔

دوم: اس علم کی تعبیر و بیان پر اس کو قدرت ہو۔

سوم: وہ اس علم کے تقاضوں سے اچھی طرح واقف ہو۔

چہارم: اس علم کے بارے میں جو اشکالات پیدا ہوں وہ ان کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

بلاشبہ امام شاطبی اس وصیت کو اپنی نظر کے سامنے رکھتے تھے اور طلب علم میں اس کے تقاضہ کے مطابق عمل کرتے تھے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کے اندر یہ شرائط بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں اور انہوں نے علوم شرعیہ کے اصول میں بہتر طریقہ پر ان شرائط کا حق ادا کیا۔ ''الاعتصام'' کے مقدمہ میں انہوں نے اس موضوع کے بارے میں گفتگو کی ہے، اور ان شرائط کی عملی جھلک ''الموافقات'' میں نمایاں طریقہ سے دیکھی جا سکتی ہے، کسی تالیف سے پہلے آپ دو چیزوں کا اہتمام کرتے:

اول: تالیف سے پہلے طویل مدت تک اس فن کے بارے میں تتبع و تلاش کرتے۔

دوم: اپنے احباب، اہل علم اور شاگردوں سے مشورہ کرتے۔

عام اہل علم کی طرح امام شاطبی کو بھی بڑی آزمائشوں سے گذرنا پڑا، ان کی شخصیت پر بڑے رکیک حملے کئے گئے اور سخت سے سخت تہمتیں لگائی گئیں جن کو انہوں نے خود ترتیب وار شمار کرایا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اظہار حق سے پیچھے نہیں ہٹے۔

تیسرے عنوان یعنی امام شاطبی کے مراسلات، اس کی حقیقت یہ ہے کہ امام شاطبی نے اپنے زمانہ کے اہل علم، ائمہ اور شیوخ کے نام مشکل ترین اور اہم ترین مسائل کے سلسلے میں خطوط لکھے، ان سے بحثیں کیں اور مناقشے کئے، یہ محض مراسلے نہیں تھے بلکہ ان میں بکھرے ہوئے علم کے موتی تھے، جو اس لائق ہیں کہ ان کو مرکز نظر بنایا جائے، اس سے نہ صرف ان کی علمی شخصیت

ہمارے سامنے نکھر کر آتی ہے بلکہ ان کی ذاتی اہمیت بھی ہمیں معلوم ہوتی ہے۔

دوسری فصل:

اس میں ''نظریۃ المقاصد'' پر گفتگو کی گئی ہے جو اس کتاب کا مرکزی موضوع ہے، امام شاطبی نے ''الموافقات'' میں مقاصد کے موضوع پر کلام کرنے سے پہلے ایک مقدمہ قائم کیا ہے جس میں مسئلہ تعلیل اور اس کے احکام پر بحث کی ہے، (اس بحث کا اعادہ ہم تیسرے باب کی پہلی فصل میں کریں گے)۔

مقاصد شارع:

امام شاطبی نے اولاً مقاصد کی دو قسمیں کی ہیں: قصد الشارع اور قصد المکلف، بالفاظ دیگر: شارع کے مقاصد اور انسانوں کے مقاصد، پھر قصد الشارع کو چار انواع میں تقسیم کیا ہے:

پہلی نوع: وضع شریعت سے شارع کا مقصد۔

دوسری نوع: افہام کے لئے وضع شریعت سے شارع کا مقصد

تیسری نوع: شریعت کے تقاضہ کے مطابق مکلف بنانے کے لئے وضع شریعت سے شارع کا مقصد۔

چوتھی نوع: احکام شریعت کے تحت مکلف کے آنے سے شارع کا مقصد۔

پہلی نوع کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت نے جن چیزوں کا حکم دیا اور بندوں کو جن چیزوں کا مکلف بنایا ان کے پیچھے یہی روح کارفرما ہے کہ مخلوق کے حق میں شریعت کے جو مقاصد و مصالح ہیں ان کی حفاظت ہو، پھر ان مقاصد کی تین قسمیں کی گئی ہیں: ضروریہ، حاجیہ اور تحسینیہ۔

مقاصد ضروریہ کا حاصل یہ ہے کہ اس کے بغیر مصالح دین و دنیا کا قیام ناممکن ہو، اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں دین و دنیا کا فساد لازم آتا ہو۔

مقاصد حاجیہ: یہ ہیں کہ اس سے مکلفین کی زندگی حرج وتنگی سے نکل کر وسعت وکشادگی میں آجاتی ہو۔

مقاصد تحسینیہ وہ ہیں جن سے ان دونوں کا حصول مکمل اور پسندیدہ ہوتا ہو۔

پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ شریعت کے استقراء سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقاصد ضروریہ پانچ ہیں: حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ مال اور حفظ عقل، پھر اس حفظ کی دو شکلیں بتائی گئی ہیں یا تو وجود میں لا کر ان کی حفاظت ہوگی، یا منع کر کے اور روک کر ان کی حفاظت ہوگی، یہ پانچ مصالح ضروریہ ہی مقاصد شریعت اور مصالح شریعت کے اصول اور بنیاد ہیں، اور باقی حاجیہ اور تحسینیہ اس کے لئے مکمل اور خادم ہیں۔

دوسری نوع میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ شریعت اور اس کے مقاصد کے لئے فہم سلیم ضروری ہے، یہ اسی صورت میں حاصل ہوگا جب شریعت کو جس زبان میں وہ نازل ہوئی ہے اسی زبان سے سمجھا جائے، اور جب تک اس کے مخاطبین کے احوال اور مقتضیات کو نہیں سمجھ لیں گے ان کے مصالح کو سمجھنا آسان نہیں ہوگا جو شارع حکیم کو مطلوب ہیں۔

تیسری نوع میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شارع حکیم اپنے بندوں کو ہرگز ان چیزوں کا حکم نہیں دیتا جو مکلفین کی قدرت سے باہر ہو، البتہ اگر کسی حکم میں بظاہر یہ محسوس ہو کہ اس میں مشقت ہے یا یہ بندوں کی قدرت سے باہر ہے تو اس کو اس کے مماثل، اس لواحق اور اس کے قرائن کی طرف لوٹانا چاہئے۔ اس لئے کہ جو شارع احکام شریعت اور اس کے مقاصد کے حصول میں یسر وسماحت اور رخصت کی اجازت دیتا ہو وہ بندوں کو مشقت وحرج میں کیسے ڈال سکتا ہے۔

چوتھی نوع میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شارع اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس نظام شرعی میں اس طرح داخل ہو جائیں کہ اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال کر بس اسی کے مطیع وفرمانبردار ہو جائیں۔

مکلّف کے مقاصد:

امام شاطبی کے نزدیک مقاصد کی دوسری قسم مقاصد مکلف ہے، اس بحث میں مصنف نے اس عنوان کی اہمیت اور امام شاطبی کی اس عنوان سے متعلق اعلی فکر اور علمی تعمق کو بیان کیا ہے، کہ جب تک مکمل توجہ اور گہرائی کے ساتھ مقاصد مکلف کو نہیں سمجھا جائے گا اس وقت مقاصد شریعت کو سمجھنا آسان نہیں ہوگا، اس لئے ضروری ہے کہ مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے اس بات کو سمجھا جائے کہ مقاصد مکلف کا مقاصد شریعت کے ساتھ کیا ربط ہے؟ امام شاطبی نے اپنی پوری کتاب میں اسی فکر کو ملحوظ رکھا ہے۔

پھر اس کے بعد امام شاطبی نے اپنی کتاب "الموافقات" میں خاتمۃ الکتاب کا عنوان قائم کیا، جس کے مندرجات درج ذیل ہیں:

مقاصد شارع جاننے کے ذرائع:

علامہ شاطبی نے اپنی کتاب کے خاتمہ میں سابقہ مضمون کا اعادہ نہیں کیا ہے، بلکہ ایسے اسباب وذرائع اور اصول کا ذکر کیا ہے جن سے مقصود شارع کا جاننا آسان اور سہل ہو جائے، چنانچہ انہوں نے لوگوں کو مقاصد کے بارے میں ان کے موقف کے اعتبار سے تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا گروہ: مقاصد شارع معلوم ہونے کی صرف ایک ہی سبیل ہے کہ خود شارع اس کی صراحت کر دے، اور یہ ظاہر یہ ہیں۔

دوسرا گروہ: پہلے گروہ کے بالکل برعکس ہے، اور یہ باطنیہ ہیں۔

تیسرا گروہ: جو ان دونوں کے درمیان ہے، یہی علماء راسخین ہیں۔ انہیں کو سامنے رکھ کر وہ ضابطہ بتایا گیا ہے جس سے مقاصد شارع معلوم ہوں۔ اور وہ چار ضوابط ہیں جن کے ذریعہ سے مقاصد شارع معلوم ہوتے ہیں:

۱-محض امر و نہی سے ابتداءً معلوم ہو جائے کہ اس سے شارع کا مقصود کیا ہے۔

۲-امر و نہی کی علتوں سے معلوم ہو جائے کہ شارع کا مقصد کیا ہے۔

۳-ضمنی اور ثانوی مقاصد سے معلوم ہو جائے کہ شارع کا مقصد کیا ہے۔

۴-اظہار اور بیان کی ضرورت کے باوجود شارع کے سکوت سے معلوم ہو۔ اس کی مزید وضاحت تیسرے باب کی تیسری فصل میں ملے گی۔

تیسری فصل:

اس فصل میں مصنف نے ''نظریۃ المقاصد'' کے بعض دوسرے پہلو کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے کہ ''نظریۃ المقاصد'' اس کے تمام پہلو اور اس کے اثرات کی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے تنہا ایک کتاب کافی نہیں ہو سکتی ہے، چنانچہ مصنف نے کتاب المقاصد کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں اور دوسرے عنوان کے تحت اس پہلو کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور ضروریات خمسہ کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے ان کو کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے، نیز مسائل مباح اور اسباب ومسببات کو بیان کرتے ہوئے مقاصد شارع اور مقاصد مکلّف کے ساتھ ان کے ربط کو بھی بیان کیا ہے۔

باب سوم:

نظریہ شاطبی کے بنیادی مسائل:

مصنف لکھتے ہیں کہ امام شاطبی نے مقاصد شریعت کے بارے میں جو کچھ کہا اور جو ان کے افکار ہیں ان کا مکمل جائزہ لینا اور مکمل ان پر مناقشہ کرنا ایک مشکل امر ہے، البتہ ہم ان کے نظریہ کے بعض اہم اور بنیادی امور کا گہرائی سے جائزہ لیں گے، چنانچہ مصنف نے اس کے لئے تین اہم امور کا انتخاب کیا ہے۔

مسئلہ تعلیل:

اس کے تحت مصنف نے بیان کیا ہے کہ تمام احکام شرعیہ علت کے ساتھ معلل ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں دو رائیں ہیں، پہلی رائے یہ ہے کہ وہ معلل ہیں، اس پر معتزلہ کا اتفاق ہے۔ اس کو اکثر فقہاء متاخرین نے اختیار کیا ہے اور یہی امام شاطبی کا دعوی ہے، اور دوسری رائے یہ ہے کہ احکام شرعیہ معلل نہیں ہیں، اس رائے کو امام رازی، فقہاء متقدمین اور بعض متاخرین نے اختیار کیا ہے۔

پہلی جماعت کا دعوی ہے کہ تمام عبادات معلل ہیں، اور اس کی تعلیلات منصوص ہیں، مثلاً نماز میں: "واقم الصلاۃ لذکری"، روزہ میں: "یا أیها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون"، حج میں: "وأذن فی الناس بالحج......لیشهدوا منافع لهم ویذکروا اسم اللہ فی أیام معلومات"، اور زکاۃ میں: "خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها" وغیرہ، نیز سنت سے بھی اس کو ثابت کیا ہے، دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی علت کے محض ایک حاکم ہونے کی حیثیت سے بندوں کو احکام شرعیہ کا مکلف بنایا ہے اور بندوں کے مصالح ضمنی ہیں، ان کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: "هو الذی خلق لکم مافی الأرض جمیعا"، انہوں نے کہا کہ اللہ کوئی کام غرض کے لئے نہیں کرتا ہے، اس لئے کہ اگر ایسا کرتا ہے تو وہ اس کو غرض سے پورا کرنے والا ہوگا جو اس بات کو بتلاتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں ناقص ہے، اور نقص کی نسبت اللہ کی طرف کرنا محال ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جو بھی کام کرتا ہے یا جس چیز کا حکم دیتا ہے وہ کسی غرض سے وابستہ نہیں ہوتا ہے۔

فصل دوم:

مصلحت ومفسدہ کا مفہوم، اگر یہ مطلق بولا جائے تو کیا مراد ہے؟، اصولیین کے

نزدیک مصلحت اور مفسدہ کی کیا تعریف ہے، مصالح ومفاسد کی انواع، ایک ہی چیز کب کسی کے لئے مصلحت ہوگی اور کب مفسدہ، عقل کے ذریعہ مصالح کا ادراک، مصالح کی تحدید میں عقل کا دائرہ، مصالح متغیرہ اور متعارضہ کی تعیین، مصالح متعارضہ اور مفاسد متعارضہ کے درمیان ترجیح کے قواعد، مصالح مرسلہ کی تحدید وتعیین وغیرہ، ان ساری بحثوں کو مصنف نے اس فصل میں بیان کیا ہے۔

فصل سوم:

اس بحث پر ضمنی گفتگو دوسرے باب کی دوسری فصل میں آچکی ہے، یہاں ان بنیادی اصول کو تفصیل سے اور مثالوں سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱-پہلی بنیاد: عربی زبان کے مقتضیات کے مطابق ہی مقاصد کو سمجھا جاسکتا ہے، اور شریعت کی زبان اور عرب کے معروف اور معہود اسلوب کی روشنی میں ہی ہم اس کے مقاصد کو سمجھ سکتے ہیں، اس لئے کہ ان کے اسلوب میں ایسا ہوتا ہے کہ کبھی عام بول کر خاص اور کبھی خاص بول کر عام مراد لیا جاتا ہے، مصنف لکھتے ہیں کہ امام شاطبی نے نصوص کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے عربی زبان کے قواعد وحدود کی پابندی کی اہمیت وافادیت پر کافی زور دیا ہے، اس لئے کہ عربی زبان ہی دراصل مقاصد شارع کی ترجمان ہے (الموافقات ۴/ ۳۲۴)۔

۲-اسی طرح شریعت کے اوامر ونواہی کے ظاہر سے یا ان کی علتوں سے مقاصد شارع کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔

۳-مقاصد اصلیہ اور مقاصد تبعیہ، یعنی احکام شرع کے دو مقاصد ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو مقاصد اساسیہ اور مقاصد اولی ہیں، اور دوم مقاصد ثانویہ ہیں جو مقاصد اولی کو ثابت کرنے، اس کو مستحکم اور قوی بنانے میں معاون ہوتے ہیں، جیسے: " **فاسعوا إلى ذكر الله وذرو البيع ذلكم خير لكم** " (سورۂ جمعہ: ۹)۔

۴-سکوت، کسی چیز کا حکم دینے سے شارع کا سکوت اختیار کرنا باوجودیکہ حکم اس کا تقاضہ کر رہا ہے، اس بات کی صراحت ہے کہ شارع اس حکم کو اسی طرح باقی رکھنا چاہتا ہے، اس میں زیادتی اور کمی کا حکم نہیں دینا چاہتا۔اس کا وقوع خاص طور سے عبادات میں ہوتا ہے۔

۵-استقراء: مقاصد شریعت کو ثابت کرنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے اور شارع کے یقینی یا ظنی (غالب) مقصد کو نصوص و احکام میں متعین کرنے کے لئے یہ بھی ایک اہم اور قوی ذریعہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام شاطبی کی تحریروں میں اس کی اہمیت بہت زیادہ نظر آتی ہے، چنانچہ انہوں نے مقاصد کے لئے استقراء کی اہمیت پر الموافقات کے مقدمہ میں بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے اور واضح روشنی ڈالی ہے (الموافقات ۱/۲۳)۔

باب چہارم:

اس باب کے تحت دو فصلیں قائم کی گئی ہیں، پہلی فصل میں: امام شاطبی کے نظریہ کا روایتی اور تجدیدی پہلو اور دوسری فصل میں ''مقاصد اور اجتہاد'' کو بیان کیا گیا ہے۔

پہلی فصل میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام شاطبی اس فن میں نئے نہیں ہیں، بلکہ ان سے پہلے بھی اس فن پر اصولیین، اور خاص طور سے مالکیہ نے علمی، فنی اور تدوینی کام کئے ہیں، بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام شاطبی نے ان سے استفادہ کرتے ہوئے خوش اسلوبی سے اس فن کو نئے انداز میں پیش کیا، اس میں نئی جان ڈالی اور جابجا اس پر اضافہ بھی کیا۔اس بحث کی تفصیل پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

یہ تو نظریہ الشاطبی کا روایتی پہلو تھا، جہاں تک ان کے تجدیدی پہلو کی بات ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام شاطبی اپنی فکری بلندی، وسعت نظری اور مقاصد شریعت کے فہم میں گہرائی و گیرائی کے اعتبار سے آٹھویں صدی ہجری کے مجدد تھے، ان کی تالیفات، ان کے علمی

کارنامے اور جو اس زمانے میں فکری جمود تھا اس کو توڑنے میں اور شریعت کی روح اور اس کی غایت تک رسائی کے لئے جو کوششیں کی ہیں اور شریعت کے احکامات وعبادات کو عقل کے قریب لا کر پیش کرنے کا جو کارنامہ انجام دیا ہے، یہ ان کے مجدد ہونے کے لئے کافی ہے۔ جس چیز نے امام شاطبی کو دوسروں سے ممتاز اور مشہور کیا وہ آپ کا توسع ہے، اصولیین و متکلمین مقاصد کے موضوع پر چند کلمات اور اشارات سے زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے، وہ ایک خفیہ اور چھپا ہوا راز تھا، آپ نے اس کو عبارتوں اور الفاظ میں پیش کرنے کی جرأت کی اور اتنی وسعت دی کہ وہ ایک ظاہر وعیاں اور زندہ موضوع بن گیا، اور نہ صرف یہ موضوع عام اہل علم کے لئے مرکز توجہ بنا بلکہ شریعت وعلوم شریعت کے علماء راسخین کی توجہات کا مرکز بھی بن گیا، جس سے انہوں نے اپنے علوم واجتہادات میں روشنی حاصل کی، اور آج بھی اس کی اہمیت اتنی ہی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

دوسری چیز جو ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے مقاصد شریعت کی تحصیل کے لئے مقاصد مکلفین کے فہم ومعرفت کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام شاطبی مقاصد شریعت پر گفتگو میں مقاصد مکلفین پر بہت زور دیتے ہیں، نیز امام شاطبی نے مقاصد شریعت کی معرفت کے لئے اصول وذرائع بھی متعین کئے ہیں اور قواعد بھی وضع کئے ہیں۔

فصل ثانی:

اس فصل میں یہ واضح کیا ہے کہ ایک مجتہد کے لئے سب سے بنیادی اور اہم شرط یہ ہے کہ اسے مقاصد شریعت کی مکمل معرفت ہو، نیز مقاصد شریعت کے فہم ومعرفت ہی کی بنیاد پر اسے احکام شرع کے استنباط پر قدرت ہو، یہاں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اجتہاد وقیاس کے باب میں ایک مجتہد کے لئے جو شرائط مذکور ہیں ان میں اس شرط کا تذکرہ دوسروں کے یہاں نہیں ملتا، صرف امام شاطبی ہی اس کو اہل اجتہاد کے لئے شرط کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

اور جب مجتہد اس درجہ کو پہنچ جائے گا تو ہر حکم شرعی سے شارع کا جو مقصد ہے وہ اسے سمجھنے لگے گا اور اسے ایک ایسا حقیقی وصف حاصل ہو جائے گا جو اسے تعلیم، فتاوی اور ہر حکم شرعی میں نبی کے خلیفہ کے رتبہ تک پہنچا دے گا، اور یہی ایک مجتہد کا اعلی درجہ اور آخری مقصود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دین وشریعت کے فہم میں جو انحرافات ہوئے ہیں، اس کے پیچھے یہی چیز تھی کہ وہ مقاصد شریعت سے ناواقف تھے یا انہوں نے نصوص واحکام کے مقاصد ومصالح میں غور وتدبر کئے بغیر صرف ظاہر نصوص پر اکتفاء کیا۔

آگے کے صفحات میں مصنف لکھتے ہیں کہ آج مقاصد کی اہمیت بیان کرنے سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم رفتہ رفتہ عملی قدم بڑھائیں، اس میدان کے حدود اربعہ متعین کریں اور اس راہ کے لئے نشان منزل کی تعیین کریں۔

خاتمہ:

ڈاکٹر احمد ریسونی نے اپنی کتاب کے اختتام پر سات بنیادی امور کی طرف اہل علم و تحقیق کو دعوت دی ہے اور اس پر عملی اقدام کے لئے ابھارا ہے، جو یہ ہیں:

۱- جس طرح اصولیین نے اور خاص طور سے امام الحرمین، امام شاطبی اور طاہر بن عاشور نے مقاصد شریعت کی راہوں کو کھولنے کی کوششیں کی ہیں، ہم مزید اس میں وسعت پیدا کریں۔

۲- مزید احکام شرعیہ کا استقراء اور اس کی علتوں کا استنباط کیا جائے، تاکہ مقاصد شریعت کا دائرہ وسیع ہو۔

۳- ضروریات کبری یعنی مقاصد کی پانچ مشہور اقسام پر نظر ثانی کی جائے۔

۴- ضروریات، حاجیات اور تحسینیات پر مزید تفصیلی مطالعہ کیا جائے۔

۵- فقہاء صحابہ، ائمہ اربعہ اور کبار علماء کی فکر مقاصدی کا استخراج اور مطالعہ کیا جائے۔

۶-فقہ اسلامی میں جن مقاصد کی رعایت کی گئی ہے، اور جن مقاصد پر مقاصد شرع کی حیثیت سے اتفاق ہوا ہے، ان کی تلاش و تعیین کی جائے۔

۷-اجتہاد مقاصدی کے قواعد و ضوابط وضع کرنے کی عملی کوشش کی جائے۔

کتاب کے اخیر میں مصنف نے مصادر و مراجع اور کتاب کی فہرست درج کی ہے اور اس دعا کے ساتھ کتاب کو مکمل کیا ہے، **والحمد لله كما ينبغي لجلال وجهه ولعظيم سلطانه وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم تسليماً۔**

امام محمد طاہر بن عاشور کا نظریہ مقاصد

مفتی احمد نادر القاسمی

نام کتاب	:	نظرية المقاصد عند الامام محمدالطاهر بن عاشور
مصنف	:	ڈاکٹر اسماعیل الحسنی
صفحات	:	۴۶۴
اشاعت	:	۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۵ء
ناشر	:	المعهد العالمی للفکر الاسلامی (واشنگٹن، امریکہ)
زبان	:	عربی

پیش نظر کتاب کے مصنف اسماعیل الحسنی مراکشی (پیدائش ۱۹۶۳ء مطابق ۱۳۸۲ھ) ہیں۔ انہوں نے مراکش کے شہر فاس میں قائم جامعہ محمد بن عبداللہ کے شعبہ کلیۃ الآداب والعلوم الانسانیہ سے اسلامک اسٹڈیز میں گریجویشن کیا۔

انہوں نے ۱۹۹۰ء میں جامعہ محمد الخامس کے شعبۂ کلیۃ الآداب والعلوم الانسانیۃ سے فقہ اور اصول فقہ میں اختصاص کی ڈگری بھی حاصل کی۔

اسی جامعہ سے ۱۹۹۳ء میں انہوں نے ''دراسات علیا'' (اعلیٰ تعلیم) میں ڈپلوما کیا۔ ان کے مقالہ کا موضوع تھا: ''نظریۃ المقاصد عند الامام محمد الطاہر بن عاشور''۔ یہی مقالہ اس کتاب کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔

موصوف اس وقت جامعۃ القاضی عیاض (مراکش) کے تحت قائم کلیۃ الأداب میں فکر اسلامی کی تاریخ جدید کے پروفیسر ہیں۔

اس کتاب میں ڈاکٹر اسماعیل حسنی نے امام محمد طاہر بن عاشور کے اسرار شریعت، احکام کی علت، اجتہاد اور مسائل استنباط میں مقاصد شریعت کی رعایت سے متعلق نظریات اور موقف کا دراسہ پیش کیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو تین بڑے بڑے ابواب میں تقسیم کیا ہے، پھر ہر باب سے متعلق مسائل کو "فصل" اور "مطلب" کے ذیلی عناوین کے تحت بیان کیا ہے۔ کتاب کا پیش لفظ عصر حاضر کے متبحر اصولی عالم ڈاکٹر طہ جابر فیاض علوانی نے تحریر فرمایا ہے، جس میں درحقیقت انہوں نے کتاب میں آنے والی بحثوں کا عطر نچوڑ لیا ہے۔ اس کتاب پر مقدمہ خود محقق موصوف کا لکھا ہوا ہے، کتاب میں درج تمام بحثوں کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے:

پہلا باب:

اس باب میں مقاصد شریعت کے باضابطہ علم اور فن کی حیثیت سے متعارف ہونے کے مراحل کا تذکرہ ہے۔

فصل اول:

اس فصل کے پہلے مبحث کے "مطلب اول" کے تحت ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں فکر مقاصدی پائی جاسکتی ہے یعنی منصوص معانی میں یا مصلحت پر مبنی اصولوں میں۔ مصنف کا خیال ہے کہ امام جوینی اور غزالی کی تحریروں سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ مصنف کے نزدیک فکر مقاصدی کے دو مآخذ ہیں، ان میں سب سے نمایاں ماخذ اصولیین کے پیش کردہ قواعد وضوابط ہیں، دوسرا ماخذ اصول کے ماہر فقہاء شریعت کی تحریریں ہیں۔

مطلب دوم میں فکر مقاصدی سے متعلق امام غزالی اور امام جوینی کے بعد کے علماء جیسے امام رازی اور سیف الدین آمدی کی بحثوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مبحث دوم کے "مطلب اول" کے تحت فکر مقاصدی سے متعلق امام عزالدین بن عبدالسلام، امام قرافی اور طوفی کے بنیادی نظریات پیش کئے گئے ہیں۔

فکر مقاصد کے باب میں امام قرافی نے ایک نیا پہلو یہ اجاگر کیا ہے کہ شرعی اعمال وتصرفات کے مختلف مواقع کے درمیان فرق وتمیز ضروری ہے تاکہ مختلف احکام ومسائل سے متعلق نصوص کے مقاصد کو پوری طرح ملحوظ رکھا جاسکے، مثلاً یہ سمجھا جائے کہ دعوت وتبلیغ اور فتوی کا مقام الگ ہے اور قضا وامامت کا مقام الگ ہے۔

نجم الدین طوفی کا موقف یہ ہے کہ چونکہ شریعت کا مقصد بندوں کے لئے حصول منفعت اور دفع مضرت ہے، لہٰذا معاملات وغیرہ میں حصول منفعت کو ہر حال میں مقدم رکھا جائے گا، اگر چہ وہ نص شرعی اور اجماع کے مغائر ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ مصلحت اجماع سے قوی تر ہے، جس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ ادلہ شرع میں سب سے قوی ہے (دیکھئے: صفحہ ۵۹)۔ موصوف کا استدلال قول رسول اللہ ﷺ: "لا ضرر ولا ضرار" سے ہے، اس میں "لا" نافیہ ہے جو ادنی سے ادنی ضرر اور مفسدہ کی بھی بندوں کے حق میں نفی کرتا ہے، گویا بندوں کے حق میں شریعت کو ادنی ضرر بھی گوارا نہیں ہے، لہٰذا مصلحت ادلہ شرعیہ سے ماخوذ دیگر تمام امور پر مقدم ہوگی۔

مبحث کے مطلب دوم میں مصنف نے یہ ذکر کیا ہے کہ فقہاء کے نزدیک فکر مقاصدی کی اہمیت کیا ہے اور اس باب میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور امام شاطبی کے نظریات پیش کئے ہیں، ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ شریعت کا کوئی بھی حکم ایسا نہیں ہے جس میں بندوں سے مضرت اور مفسدہ کو دور کرنے اور ان کے لئے مصلحت کو حاصل کرنے کی حکمت ملحوظ نہ رکھی گئی ہو، اس لئے کہ شریعت نازل ہی ہوئی ہے مصالح کے حصول وتکمیل اور مفاسد کے ازالہ کے لئے (دیکھئے: ص ۶۰ بحوالہ فتاوی ابن تیمیہ مکتبۃ المعارف رباط ۲۰/۴۸)۔

یہی نہیں بلکہ ابن تیمیہ نے ان لوگوں پر نقد بھی کیا ہے جو مصالح اور مفاسد کے دائرے

کو امور خمسہ تک ہی محدود کرتے ہیں اور ان تمام امور تک مقاصد شرع کی رعایت کو وسیع کیا ہے جن کا تعلق خواہ دنیوی امور سے ہو یا اخروی امور سے، اور اس پر یہ دلیل بھی دی ہے کہ قیاس صحیح کبھی بھی نص صحیح کے معارض نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ قیاس صحیح کی بنیاد ہی مقاصد شریعت کو اجاگر کرنے پر ہوتی ہے (دیکھئے: ص ۶۲ بحوالہ القیاس فی الشرع الاسلامی رص ۵۵)۔

دوسری شخصیت ابن قیم کی ہے: ابن قیم کا موقف اس بارے میں سب سے زیادہ مشہور ہے، وہ کہتے ہیں: شریعت کی بنیاد اور اساس ہی انسانی زندگی میں انسان کی مصلحت وحکمت پر رکھی گئی ہے، گویا مصالح اور حکم پر شریعت کی بنیاد استوار کرنا اس پر معقولیت کی مہر لگانا ہے، اسی لئے شریعت اور اس کے احکام ومسائل کی خوبیاں انسان کے ذہن نشین کردی گئی ہیں (دیکھئے: ص ۶۲ بحوالہ اعلام الموقعین، تحقیق محی الدین عبدالحمید ۳ر ۱۴)۔ البتہ اس باب میں ابن قیم کی خاص بات یہ ہے کہ ان کے نزدیک نصوص میں شارع کے منشاء کی تحدید اور مقاصد کی تعیین ہی ''فقہ حقیقی'' ہے (دیکھئے: ص ۶۳ بحوالہ اعلام ۲ر ۸۸)۔ انہوں نے اس جدوجہد کے نتیجہ میں سامنے آنے والے فقہی مواد واحکام، جو انسانی عقل وخرد پر حکمرانی کریں، کو ''فقہ حی'' سے تعبیر کیا ہے، ان کے الفاظ میں: ''الفقه الحي الذی یدخل علی القلوب بغیر استئذان'' (دیکھئے: ص ۶۴ بحوالہ اعلام الموقعین ۱ر ۲۱۸)۔

تیسری شخصیت: ابو اسحاق شاطبی کی ہے۔ ان کی تصنیف: ''الموافقات فی أصول الشریعة'' مقاصد شریعت پر ایک معروف کتاب ہے۔ اس کتاب کے متعلق اہل علم نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسی کتاب نے علم اصول فقہ امیں ایک نیا باب کھولا ہے، اس بحث کے آخر میں صفحہ ۷۳ تک صاحب کتاب نے موافقات کے مختلف گوشوں اور اسرار شریعت پر بیان کردہ ان کے نکات کو بیان کیا ہے جیسے مقاصد شارع اور مقاصد مکلف وغیرہ۔

مصنف کا خیال ہے کہ شاطبی نے فقہ میں اصول کی بنیاد ادلہ شرعیہ کے استقراء کو قرار

دیا ہے، وہ کہتے ہیں: "أصول الفقه إنما معناها استقراء كليات الأدلة حتى تكون عند المجتهد نصب عين وعند الطالب سهلة الملتمس" (ص: ۷۰ بحوالہ نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، احمد الریسونی ۳۱۳-۳۲۳)۔

فصل دوم:

اس فصل کے دو مرکزی مباحث ہیں:

مبحث اول: اس میں امام طاہر بن عاشور کی شخصیت کا مکمل تعارف کرایا گیا ہے۔

مبحث ثانی: اس میں امام موصوف کے نظریہ مقاصد کا تعارف کرایا گیا ہے۔

مبحث اول: اس میں امام موصوف کی زندگی کے دو مراحل کا تاریخی حیثیت سے جائزہ لیا گیا ہے:

پہلا مرحلہ "تیونس" پر فرانسیسی سامراج کا تسلط ہے جو ۱۸۸۱ سے ۱۹۵۶ء تک جاری رہا۔

دوسرا مرحلہ فرانسیسی تسلط سے آزادی کے بعد کا ہے۔

امام موصوف ۱۸۷۹ء میں شمالی تیونس کے نواحی علاقہ مقام "مرسیٰ" میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش ان کے نانا شیخ محمد العزیز بوعشور نے کی، جب ان کی عمر چھ سال کی ہوئی تو انہوں نے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا، پھر حفظ کیا اور فرانسیسی زبان بھی سیکھی۔ ۱۳۱۰ھ میں جامعہ زیتونہ میں ان کا داخلہ ہوا اور اس عظیم علمی مرکز میں ۷ سال تک انہوں نے بڑے بڑے ماہر اساتذہ سے علوم اسلامیہ اور علوم عربیہ میں استفادہ کیا، خاص طور سے تیونس کے وزیر اکبر شیخ محمد العزیز بوعشور متوفی (۱۳۲۵ھ)، تیونس میں مسلک حنفی کی شوری کے اہم رکن شیخ الاسلام محمود بن الخوجہ متوفی (۱۳۲۹ھ)، تیونس میں مسلک مالکی کی شوری کے اہم رکن شیخ الاسلام شیخ سالم بوحاجب متوفی (۱۳۴۲ھ)، اور تیونس میں مالکی مسلک کے مفتی شیخ عمر بن احمد المعروف بابن

الشیخ متوفی (۱۳۲۹ھ) سے۔ان کے علاوہ آپ نے شیخ حبیب ابن الخوجہ، محمد النخلی، محمد صالح الشریف، محمد العربی الدرعی، احمد جمال الدین، محمد طاہر جعفراور احمد بن وناس المحمود سے بھی کسب فیض کیا۔

محقق کتاب نے امام موصوف کے اول الذکر چاروں اساتذہ کا مختصر تعارف بھی اسی ضمن میں کرایا ہے۔تفصیل کے لئے دیکھئے(ص ۸۲-۸۶)۔

ابن عاشور کے کارہائے نمایاں:

امام موصوف نے اپنی زندگی میں بیش بہا علمی خدمات انجام دیں، محقق کے نزدیک امام موصوف کی خدمات چار شعبوں میں بہت نمایاں ہیں:۱-انتظامی میدان میں، ۲-اصلاح کے میدان میں، ۳-تعلیم کے میدان میں، ۴-تصنیف وتالیف کے میدان میں۔

۱-جامعہ زیتونہ کے شعبہ مخطوطات کی دیکھ ریکھ اور اصلاح وترتیب کی خدمت پر ۱۹۰۵ سے ۱۹۶۰ء تک مامور رہے اور حکومت کی طرف سے ۱۹۰۷ء میں جامعہ کی نظامت علمی کے نمائندہ مقرر ہوئے، اس کے بعد ۱۳۲۸ھ میں جامعہ کی اصلاحی کمیٹی کی طرف سے جامعہ کی تعلیمی صورت حال پر ایک جامع مقالہ لکھنے پر مامور کئے گئے۔

مجلس اوقاف میں عدلیہ کے منصب پر ۱۳۲۹ھ میں فائز ہوئے اور پھر دوسال بعد مالکی مسلک کے قاضی مقرر ہوئے۔۱۳۴۱ھ میں مفتی اور ۱۳۴۳ھ میں نائب باشا مفتی اور پھر ۱۳۵۱ھ میں حکومت کے دینی امور کے مشیر مقرر ہوئے اور اسی دور میں شیخ الاسلام المالکی اور شیخ الجامع الاعظم (زیتونہ) کے عظیم اور منفرد القاب سے نوازے گئے (دیکھئے:ص ۸۹)۔

۲-ان کی اصلاحی خدمات بھی قابل قدر ہیں (ص:۸۸)۔

۳-ان کی تدریسی خدمات کا سلسلہ ۱۳۲۱ھ سے شروع ہوتا ہے، پھر اس میدان میں ان کی صلاحیتیں نکھرتی چلی گئیں یہاں تک کہ انہوں نے مدرسہ صادقیہ میں درس دیا اور بعد میں

جمعیت خلدونیہ میں بہت سے لکچر دیئے۔اس میدان میں انہوں نے بعض علوم عربیہ کو زندہ بھی کیا اور بعض اہم کتابوں کا درس بھی دیا جیسے علم بلاغت میں جرجانی کی ''دلائل الاعجاز، شرح المحلی لجمع الجوامع، تنقیح الفصول للقرافی'' اور'' مقدمہ ابن خلدون''، ان تمام کتابوں کی نہ صرف یہ کہ آپ نے طالبان علوم نبوت کو تعلیم دی بلکہ ان موضوعات پر مستقل تحریریں بھی یادگار چھوڑیں۔

اس باب کے چند آخری صفحات میں محقق نے امام موصوف کے تصنیفی ورثہ کی نشاندہی کی ہے اور مطلب سوم کے تحت اسے بیان کیا ہے۔

ذیل میں ان کا مختصر ذکر کیا جارہا ہے:

۱-'' تحریر المعنی السدید وتنویر العقل الجدید من تفسیر الکتاب المجید'': اس کتاب میں دین ودنیا کے مصالح، علوم ومعارف کے مآخذ، اور قرآن مجید کے اصول بلاغت وغیرہ پر قیمتی بحثیں کی ہیں۔

۲-'' مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ'': اس کتاب میں انہوں نے فہم شریعت میں مقاصد شریعت کی تطبیق پر بحث کی ہے۔

۳-'' حاشیہ التوضیح والتصحیح لمشکلات التنقیح علی شرح تنقیح الفصول فی الأصول'' یہ کتاب ''تنقیح الفصول للقرافی'' کی تشریحات کے طور پر ان کے دیئے گئے محاضرات کا مجموعہ ہے، اس میں دو باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے: ا-کس عبارت سے مصنف کتاب (قرافی) کی مراد کیا ہے؟ ۲- کتاب التنقیح کے مسائل کی تحقیق۔

۴-'' اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام'': اس کتاب میں موصوف نے اسلامی سماج کی ترقی اور جمود کے اسباب اور معاشرہ کی اصلاح کے طریقہ اور وسائل پر گفتگو کی ہے۔

۵-'' ألیس الصبح بقریب'': اس کتاب کو تیونس کی اصلاحی کوششوں کی اساس اور وثیقہ کی حیثیت حاصل ہے جس کا موضوع زیتونیہ یونیورسٹی کی تعلیمی اصلاح ہے۔

۶-'' کشف المغطی من المعانی والالفاظ الواقعۃ فی الموطا'': یہ کتاب ''التحریر والتنویر''

سے پہلے کی ہے، اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں ''موطا'' کے مشکل الفاظ کی وضاحت اور وہ معانی وحکم جن تک اہل علم کی نگاہ نہیں جاتی، انہیں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

۷- ''نقد علمی لکتاب الاسلام واصول الحکم'': اس کتاب کا موضوع تنقید ہے اور عبدالرزاق کی کتاب ''الاسلام وأصول الحکم'' کا اس میں تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

۸- ''رسالۃ فقہیۃ حول الفتوی الترنسفالیہ'': اس رسالہ میں مصنف نے مسلمانوں کے لئے ہیٹ پہننے اور اہل کتاب کے ذبائح کی شرعی حیثیت پر گفتگو کی ہے۔

۹- ''النظر الفسیح عند مضایق الأنظار فی الجامع الصحیح'': اس کتاب میں امام موصوف نے بخاری شریف کے شراح کے تعلق سے اپنے مختلف موقف پیش کئے ہیں۔

۱۰- ''قصۃ المولد'': یہ کتاب سیرت پر ہے اور اس میں جناب رسول اللہ ﷺ کا نسب نامہ، آپ ﷺ کے شمائل، اخلاق حسنہ اور اسماء شریفہ کا تذکرہ ہے۔

۱۱- ''اصول الانشاء والخطابۃ'': یہ کتاب عربی ادب وانشاء پر ہے، جس میں غور وفکر کے مناہج اور اصول تعبیر وتحریر اور انداز خطابت پر نفیس بحث کی ہے۔

۱۲- ''اصول التقدم والمدنیہ فی الاسلام'': یہ کتاب جامعہ خلدونیہ میں پیش کئے گئے ایک محاضرہ کا عنوان ہے۔

۱۳- ''موجز البلاغۃ'': ۱۹۳۲ء میں جامعہ زیتونہ کی نظامت علمی نے اس کتاب کو جامعہ کے نصاب درس میں شامل کیا۔

۱۴- شرح وتحقیق المقدمہ الأدبیہ للمرزوقی۔

اس کے علاوہ قصیدۃ الأعشی الأکبر فی مدح المحلق، بشار بن برد اور دیوان النابغہ الذبیانی پر ان کی عمدہ تحقیقات ہیں۔

مبحث دوم:

اس مبحث میں مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مقاصد شریعت کی بحث دراصل علم اصول

کے ایک اساسی اور منہجی مسئلہ سے مربوط ہے اور وہ مسئلہ ہے علم اصول کی قطعیت اور ظنیت کا۔ ان کا خیال ہے کہ امام ابن عاشور کے نظریہ مقاصد کو اصول کی قطعیت اور ظنیت سے مربوط کئے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ آگے اسی مبحث کے مطلب دوم میں مصنف نے علم مقاصد شریعت کی تعریف، اس کے لغوی معنی، شاطبی کے نزدیک مقصود شرعی سے مراد جسے جلب منفعت اور دفع مضرت کہا جاتا ہے، نیز دور جدید کے علماء سے مقاصد شریعت کی منقول تعریفات پیش کی گئی ہیں، ان میں امام موصوف کی بھی بیان کردہ تعریف شامل ہے، مثلاً وہ کہتے ہیں: "مقاصد التشريع العامة هي المعاني والحكم الملحوظة للشارع في جميع أحوال التشريع أو معظمها بحيث لا تختص ملاحظتها بالكون في نوع خاص من أحكام الشريعة" (عام مقاصد دراصل وہ معانی اور حکم ہیں جنہیں شارع نے تشریع کے تمام یا زیادہ تر احوال میں ملحوظ رکھا ہے، اور ان کی رعایت کو احکام شریعت کی کسی خاص نوع تک محدود نہیں رکھا ہے) (دیکھئے: ص ۱۱۷)۔ اس کے بعد اگلے صفحہ پر شریعت کے خاص مقاصد کی تعریف اس طرح ذکر کی گئی ہے: "الكيفيات المقصودة للشارع لتحقيق مقاصد الناس النافعة أو لحفظ مصالحهم العامة في تصرفاتهم الخاصة" (ص ۱۱۸)۔

احکام شرعیہ کے مقاصد اور ان کی غرض و غایت، خطاب شارع میں مقصود معانی کے اقسام، علم مقاصد کے اہداف، علم مقاصد کا موضوع، علم مقاصد کا منہج ص ۱۱۹ سے ۱۲۸ یعنی اختتام بحث تک ان پہلوؤں پر تجزیاتی بحث کا خلاصہ سپرد قلم کیا گیا ہے۔

باب دوم:

امام محمد طاہر بن عاشور کے نزدیک نظریہ مقاصد:

یہ پورا باب مرکزی طور پر تین فصلوں میں منقسم ہے۔

پہلی فصل کے ضمنی مباحث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ احکام شرعیہ مثلاً عبادات، غسل، تیمم،

نماز، زکاۃ، روزہ اور حج کے سلسلے میں وارد ہونے والے نصوص میں شارع کا مقصد کیا ہے؟ اور ذبائح، زمین میں پائی جانے والی دیگر حرام و حلال اشیاء، وہ جانور جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ان کے کھانے کا حکم، ان تمام چیزوں میں شریعت کا مقصد کیا ہے؟، یہ اس باب کے مبحث دوم میں بیان کیا گیا ہے۔

مبحث سوم میں عائلی قوانین، نکاح، طلاق، وصیت اور ایلاء کی بابت وارد ہونے والے شریعت کے نصوص میں شارع کا کیا مقصد ہے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مبحث چہارم: اس میں مالی، بدنی معاملات اور تصرفات مالیہ میں شریعت کے ملحوظ مقاصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

اس باب کی دوسری فصل میں مقاصد شریعت سے استدلال کیوں اور کیسے، اس پر بحث کی گئی ہے، اس کے مبحث اول میں عبادات، یعنی طہارت، زکوۃ، حج اور روزہ وغیرہ کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اس باب میں ابن عاشور خاص طور سے توسع کے قائل ہیں مثلاً شیخ فانی کی طرف سے روزہ کے فدیہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اصل میں یہاں مشقت ملحوظ رکھی گئی ہے، لہذا وہ تمام لوگ مثلاً کاریگر، بڑھئی، نقل و حمل کا کام کرنے والے، کھیتوں میں کام کرنے والے، سڑکوں کی کھدائی کرنے والے بھی حالات و مواقع، موسم کی شدت اور حرارت و برودت کے لحاظ سے اتنا اور شیخ فانی کی طرح شریعت کی اس رخصت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں (دیکھئے:۱۹۸)۔

اس فصل کے مبحث دوم میں کھانے پینے کی چیزوں کے حرام و حلال، پاک و طیب اور خبیث وغیرہ ہونے سے بحث ہے کہ اگر قرآن حلال کو طیب کے لفظ سے اور حرام کو خبیث کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے تو اس کے مقاصد کیا ہیں؟ (ص ر ۱۹۹)۔

مبحث سوم میں عائلی قوانین: نکاح، طلاق، ظہار، وصیت وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

مبحث چہارم میں معاملات مالیہ، بدنیہ اور تبرعات سے متعلق مباحث ہیں اور خاص طور سے وہ امور جن کی وجہ سے لوگوں کے درمیان نزاع پیدا ہوتی ہے، ان کے شرعی ضوابط کی حکمت

جیسے دین کے لکھنے کی حکمت، لفظ ربا کی دلالت، مطلب اول کے تحت اور مطلب ثانی کے تحت ابدان پر منعقد ہونے والے معاملات، اسی طرح مساقات، تبرعات پر گواہ بنانے اور مریض کے تبرع وغیرہ سے متعلق شریعت کے مقاصد کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فصل سوم:

اس فصل میں امام محمد طاہر بن عاشور کے نظریہ مقاصد میں جو بنیادی عنصر ہے اسے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یعنی یہ کہ شریعت کا مقصد فرد کی اصلاح، جماعت کی اصلاح اور معاشرہ کی اصلاح ہے اور اس کا حصول اسی طرح ممکن ہے کہ انسان کی اصلاح کر کے نظام عالم کو منضبط کیا جائے۔ یہ اہم مقصد مندرجہ ذیل تین ذرائع سے حاصل ہونے والے تمام مقاصد پر غالب ہے:

اول۔ استقراء وتتبع۔

دوم۔ قرآن کریم کے واضح دلائل مثلاً: "**یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر**" (سورۂ بقرہ:۱۸۵)۔

سوم۔ سنت متواترہ۔

مصنف کہتے ہیں کہ چونکہ مقاصد شریعت کے ذریعہ شریعت کے فہم میں مدد ملتی ہے اور مقاصد عامہ اور مقاصد خاصہ اس نظریہ کی منہجی بنیادیں ہیں، اس لئے میں نے اس کی تفصیل مندرجہ ذیل دو مباحث میں بیان کی ہے:

۱۔ شریعت کے مقاصد عامہ۔

۲۔ معاملات سے متعلق شریعت کے مقاصد خاصہ۔

پھر اس کے بعد مبحث اول کے مطلب اول کے تحت مقاصد عامہ کی تعیین، مطلب دوم کے تحت تشریع کا عمومی مقصد، مطلب سوم کے تحت شریعت کے اوصاف پر گفتگو کی گئی ہے۔

اسی طرح صاحب کتاب نے مبحث ثانی کے تحت معاملات سے متعلق احکام میں پائے

جانے والے ''مقاصد خاصہ'' کو بیان کیا ہے، یعنی بندوں کے لئے نفع بخش مقاصد اوران کے عمومی مصالح کی حفاظت میں شارع کے مقاصد کی نوعیت کیا ہے؟اور کون سے وہ پہلو ہیں جن کو شریعت نے سامنے رکھا ہے اوران کی حکمت کیا ہے، عائلی نظام کی بقاء سے متعلق شریعت کے ضابطے اور معاملات سے متعلق شریعت کے احکام کو مصنف نے دو مراتب میں تقسیم کیا ہے:

اول: مقاصد کا مرتبہ اور دوم: وسائل کا مرتبہ (تفصیل کے لئے دیکھئے: ۲۵۰-۲۵۵)۔

باب سوم:

امام ابن عاشور کے نظریہ مقاصد کا جائزہ:

یہ باب تین فصلوں پر مبنی ہے:

جس میں پہلی فصل میں اصولی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ جاننا بہر حال ضروری ہے کہ اس نظریہ کی بنیاد کس چیز پر رکھی گئی ہے، اس کو بیان کرنے کے لئے مصنف نے تین مباحث قائم کئے ہیں اور تینوں میں اس کی اساس کی تشریح کی ہے، امام ابن عاشور کہتے ہیں کہ نظریہ مقاصد میں تین چیزیں اساسی حیثیت رکھتی ہیں:

اول: فطرت۔

دوم: مصلحت۔

سوم: تعلیل۔

دراصل امام موصوف کے نزدیک '' نظریہ'' کی بنیاد قائم کرنے میں فطرت ہی کا اہم رول ہے، اور شریعت کے جملہ مقاصد کا یہی مدار ہے، ان ہی کے الفاظ ہیں: ''جسدت الفطرة أصلا كليا كبيرا انبنت عليه جملة من المقاصد الشرعية'' (ص ۲۷۲)۔

مبحث دوم میں مصلحت کا مفہوم، مصلحت کی تعیین، عام اور خاص کے تناظر میں مصلحت کی تعریف، مصلحت کا مفسدہ کے ساتھ اختلاط، معاملات میں جلب منفعت اور دفع مضرت وغیرہ

امور کو بحث کا موضوع بنایا گیا ہے (دیکھئے:۲۸۱ بحوالہ اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام)، نیز (دیکھئے: ص ۲۸۱ بحوالہ مقاصد الشریعۃ/۶۶)۔

مبحث سوم:

مبحث سوم میں مصنف نے ''تعلیل'' پر کلام کیا ہے، تعلیل سے مراد احکام کی علت ہے اور علت ہی اصول فقہ میں حکم، یا مقیس علیہ کی بنیاد ہوتی ہے، یہ پوری بحث علت کی تعریف، تشریع احکام میں علت کی اہمیت، اس بارے میں ابن عاشور کے موقف، منکرین کے موقف اور ابن عاشور کے جواب پر مشتمل ہے۔

اس باب کی دوسری فصل بھی تین مباحث پر مشتمل ہے۔

مبحث اول میں نظریہ مقاصد کے منہجی وسائل، مقام، خطاب شارع میں مقصد کی تعیین کے اصول اور ابن عاشور کے نظریہ مقاصد میں اس کی حیثیت کا ذکر ہے۔

مبحث دوم میں استقراء اور تتبع، استقراء کا مفہوم اور ابن عاشور کے نظریہ مقاصد میں استقراء کی حیثیت کا ذکر ہے۔

مبحث سوم میں تطبیق احکام میں وسیلہ اور مقصد کے درمیان فرق، فقہ الشریعہ میں مقاصد کے استعمال، مقاصد عامہ اور مقاصد خاصہ کے اثبات پر بحث کی گئی ہے۔

کتاب کے خاتمہ میں مصنف نے پوری بحث کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

مبصر کی رائے:

یہ کتاب اپنے فن اور موضوع، نیز اسرار شریعت کو موجودہ علمی اور فقہی انقلابات کی روشنی میں سمجھنے کے باب میں ایک اہم پیش رفت ہے۔ اس کتاب میں مقاصد شریعت پر امام ابن عاشور کے کام کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں ابن عاشور سے منقول

بہت سے ایسے نکات اور مقاصد شریعت سے متعلق نئی اصطلاحات پیش کی ہیں جو ماضی کے ماہرین کے یہاں نہیں ملتی ہیں یا ملتی ہیں، تو محض اشارات کی شکل میں، جیسے جوینی اور رازی وغیرہ کے یہاں۔

انہوں نے فقہاء، اصولیین اور مجتہدین کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح مجتہدین احکام کی علت تلاش کر کے نئے مسائل کی تطبیق اور اجتہاد جیسا عظیم کام انجام دے رہے ہیں، اسی ان کو امت کے عمومی مصالح، موجودہ معاملات اور زندگی کی تیز رفتاری و تیز گامی کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے ورنہ شریعت کی حقیقی ترجمانی نہیں ہوگی اور نہ خالق کائنات کے مخلوق کے تئیں مقاصد اور نزول احکام و مندرجات شریعت کا منشاء ہی سامنے آسکے گا۔

احکام شریعت اور تشریع احکام کو آفاقی رخ دینا چاہئے، اور موجودہ حالات میں اجتہادی و استنباطی میدان میں جمود اختیار کرنا اور تطبیق احکام شریعت سے صرف نظر کرنا اور محض متقدمین کے جزئیات پر انحصار درحقیقت یہ شریعت کی تبلیغی و دعوتی ذمہ داری اور رسالت محمدی کی اشاعت سے راہ فرار ہے۔

یوں تو اس کتاب میں جو بحثیں ہیں وہ بہت عمدہ اور نفیس ہیں، البتہ مبصر کی ناقص رائے میں اس کی زبان، اسلوب اور مفہوم کی ادائیگی کے لئے استعمال کی گئی اصطلاحات پیچیدہ ہیں۔

امام محمد طاہر بن عاشور نے ''نظریہ مقاصد'' کو اپنی ان تمام تصنیفات میں جن کی طرف گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا گیا، ایک اصول شرعی اور دلیل شرعی کے طور پر متعارف کرانے کی کوشش ہے، مگر صاف لفظوں میں ایک مستقل دلیل شرعی کہنے سے احتیاط برتی ہے اور ادلہ اربعہ کی روشنی میں ہی احکام کی تطبیق اور اجتہاد میں مقاصد شریعت کے لحاظ پر زیادہ زور دیا ہے، اور تمام مباحث میں مختلف زاویئے سے اسے ہی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

بحیثیت مجموعی اس میں کوئی شک نہیں کہ امام محمد طاہر بن عاشور کے نظریات اس باب میں گرانقدر اضافہ ہیں۔



IFA PUBLICATIONS
161-F, Jogabai, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Tele Fax: +91 11 2698 3728 E-mail : ifapublications@gmail.com